حضرت شاہ ولی اللہؒ کی
عربی زبان و ادب میں خدمات

مؤلف
پروفیسر محمد شعیب
ایم۔ اے (اسلامیات، عربی)
ایم۔ او۔ ایل (عربی)

شاہ عنایت قادری اکیڈمی
نوری سٹریٹ نمبر ۵۔ بلال گنج، لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وب زدنی علما ○

نام کتاب	:	حضرت شاہ ولی اللہ کی عربی زبان وادب میں خدمات
مؤلف	:	پروفیسر محمد شعیب
صفحات	:	464
طبع اول	:	نومبر 1992ء
تعداد	:	پانچ صد
ہدیہ	:	250 روپے
کمپوزنگ	:	کلاسک کمپیوٹر کمپوزنگ سنٹر' اردو بازار - لاہور
باجازت	:	بورڈ آف عربک سٹڈیز' پنجاب یونیورسٹی' لاہور
ناشر	:	پروفیسر محمد شعیب

ملنے کا پتہ: شاہ عنایت قادری اکیڈمی

نوری سٹریٹ نمبر A-1 ایبٹ روڈ بلال گنج لاہور

اِنتساب

مُرشدِ اعظم و آخر

مُحمّد صلی اللہ علیہ وسلم

کی شفاعت

کے نام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

UNIVERSITY OF THE PUNJAB
SENATE HALL, LAHORE-1
Telephone : Off. 54426

Prof. Dr. Muhammad Zafar Iqbal, T.I.
REGISTRAR

مسٹر محمد شعیب
مکان نمبر ۱ گلی نمبر ۱- اے
نوری سٹریٹ ، امیر روڈ ،
بلال گنج ، لاہور ۔

آپ کو اطلاع دی جاتی ہے کہ محترم وائس چانسلر صاحب نے
آپ کے ایم - اے (عربی) کے مقالہ بعنوان " حضرت شاہ ولی اللہ کی عربی زبان
و ادب میں خدمات" کو شائع کرنے کی اجازت دے دی ہے ۔

المشتہر
دستخط
(محمد سرور حسین)
ڈپٹی رجسٹرار (اکیڈمک)
برائے رجسٹرار

نمبر 5?? /جی ایم مورخہ ______ ۱۹۹۰ء

نقل برائے اطلاع و ضروری کارروائی مندرجہ ذیل اصحاب کو ارسال کی جاتی ہے ۔

۱۔ جناب کنٹرولر امتحانات صاحب
۲۔ جناب چیئرمین صاحب،
شعبہ عربی، اورینٹل کالج ، لاہور ۔

(محمد سرور حسین)
ڈپٹی رجسٹرار (اکیڈمک)
برائے رجسٹرار

متاعِ حیات

اللہ، فرشتے، کل کائنات سبھی درود پڑھیں
تم بھی درود پڑھو شفاعت مقدر ہو جائے گی

نعت نبی ﷺ میں جو سکون و لذت ہے
اسرار دین و آگاہی دنیا آشکار ہو جائے گی

ذات و صفات محمد ﷺ سے عشق کر لو
تمہاری دنیا و آخرت تقدیر و قسمت سنور جائے گی

مرشد اعظم و آخر پہ نبوت و ہدایت تمام ہوئی ہے
وسیلہ محمد ﷺ کے طفیل جنت مل جائے گی

محمد شعیب

ترتیب

پیش لفظ

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی ذات گرامی تاریخ اسلام میں دین کی تجدید کرنے والوں کے ساتھ ساتھ اسلام کو بحیثیت بہترین نظام حکومت' نظام سیاست اور معاشرتی جدید تقاضوں کے ساتھ ہم آہنگ کرنے والے REFORMERS کے جلو میں نظر آتی ہے برصغیر پاک و ہند میں مسلمانوں کے دور زوال میں آپ نے ہر محاذ پر ہر انداز میں اسلام کی سربلندی کے لئے خدمات انجام دیں۔ درس و تدریس' تصنیف و تالیف' علم و جنگ اور قابل اولاد کے ذریعے مسلمانان ہند کی راہنمائی کی۔ زمانے کے مصائب و مشکلات اور علماء سوء کے مبنی برحسد و جہالت حملوں کا مومنانہ فراست کے ساتھ احسن انداز میں مقابلہ کیا یہ سب کچھ اس بناء پر ہوا کہ آپ کی ذات باکمال دینی و دنیاوی علوم و فنون میں مہارت کاملہ کے ساتھ ساتھ خداداد صلاحیتوں سے متصف تھی۔ شاہ صاحب تفہیمات جلد دوم میں فرماتے ہیں یہ وصی ایسے زمانے میں پیدا ہوا جس میں ان تینوں چیزوں کا چرچا ہے برہان یعنی معقولات' وجدان' تصوف اور علوم سماعی ان چیزوں میں لوگ بحث و مناظرہ کرتے ہیں نیز ان میں حنفی اور شافعی فقہ کے اختلافات ہیں اللہ کی رحمت ہے کہ اس وصی نے شریعت کی اس طرح تفسیر کی ہے کہ اگر اس میں غور کریں تو سب اختلافات مٹ جائیں اس وصی کا کلام برہان' وجدان اور منقول تینوں پر منطبق ہوتا ہے اسے قوم کے تمام علوم میں معرفت تامہ ہے وہ فلسفی سے اپنے فلسفہ' متکلم سے اپنے کلام' محدث سے اپنی حدیث' مفسر سے اپنی تفسیر' فقیہہ سے اپنی فقہ' نحوی سے اپنی نحو اور صوفی سے اپنے تصوف سے بات کر سکتا ہے۔ میں نے اس مقالہ میں شاہ ولی اللہ کی عربی زبان و ادب میں خدمات کے حوالہ سے بحث کی ہے۔ برصغیر میں عربی زبان و ادب کی مقبولیت کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ سندھ اور اس سے متصل شمالی و مغربی علاقوں کے بلکہ خود ہندوستان کے بعض راجے مہاراجے عربی زبان جانتے تھے اور صحابہ کرامؓ کے اشعار تک ان کو یاد تھے چنانچہ راجہ رتبیل نے ایک موقعہ پر حضرت حسان بن ثابتؓ کا ایک شعر خود سنایا اور جواب میں عربی کے اشعار سنے۔ عربی زبان کے ساتھ دنیا کے کسی بھی خطے میں رہنے والے مسلمان جو خواہ کوئی بھی نسل' وطن' رنگ' زبان رکھتے ہوں کی عقیدت و وارفتگی فطری امر ہے اسلام کے تمام بنیادی ماخذ شریعت و علوم و فنون اسی زبان میں موجود ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ہادی عالمین رحمتہ اللعالمین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی زبان مبارک سے کلمات عربی زبان میں ہی ادا ہوئے عربی زبان اسلام کا بہت بڑا سرمایہ ہے شاہ ولی اللہ نے عربی زبان و ادب میں گرانقدر خدمات انجام دی ہیں یہاں میں نے ان کا مختصر خاکہ پیش کیا ہے ورنہ شاہ صاحب کی عربی زبان و ادب میں خدمات کے تفصیلی مباحث کے لئے کئی ضخیم جلدوں کی ضرورت ہے میں نے یہ عنوان اس لئے منتخب کیا ہے کیونکہ

اس سے پہلے اس عنوان کے تحت کوئی کام نہیں کیا گیا۔ شاہ ولی اللہ کی تعلیمات سے اجتناب کا منطقی نتیجہ یہ ہے کہ اس وقت چاروں اطراف کفر و الحاد کی یلغار ہے طاغوتی طاقتیں مسلمان ممالک کو تباہ کرنے پر تلی ہوئی ہیں اور موجودہ دور میں تو تمام SUPER POWERS نے محض اسلام دشمنی کے تحت اپنے مفادات کو عالم اسلام پر ٹھونس رکھا ہے اور اسلام دشمنی میں وہ اپنی مخالفتوں اور دشمنیوں کو پس پشت ڈال دیتی ہیں مسلمان ممالک خصوصا مشرق وسطی کی دولت کے بل بوتے پر مغرب کی ترقی اور اقتصادیات کا انحصار ہے مسلمان عیش و عشرت میں مبتلا ہو کر مذہبی اور قومی تقاضوں کو فراموش کر چکے ہیں صیہونی طاقتوں کے ہاتھوں میں کھلونا بن کر ان کے باطل مفادات کو تحفظ فراہم کر رہے ہیں یہ سب کچھ اسلامی تعلیمات سے روگردانی اور اسلاف کی علمی و قومی خدمات سے چشم پوشی کے باعث ہو رہا ہے اس وقت حالت یہ ہے کہ مغرب کا جنسی ویڈیو اور کتب و رسائل پر مشتمل مواد تو بازار میں آسانی سے مل جاتا ہے لیکن مسلمان دانشوروں کی علمی کتب میسر نہیں آتیں شاہ صاحب کی مشہور زمانہ کتب کے اصل نسخے بھی بازاروں یا لائبریریوں میں نہیں ملتے اس لئے میں نے کئی جگہ شاہ ولی اللہ کے عقیدتمندوں نے ان کی کتب کے جو تراجم کئے ہیں' سے مدد لی ہے ان کے حوالہ جات کو انہی مصنفین' مؤلفین' موتبین اور مترجمین کے الفاظ میں من و عن بیان کر دیا ہے تاکہ ان کا بیان کردہ عبارت کا اصل حسن برقرار رہے اور ان کی تحقیق کے بین السطور مفہوم کو سمجھا جا سکے تمام ماخذ کا مکمل حوالہ ساتھ ساتھ دیا ہے تاکہ آسانی سے ان تک رسائی ہو سکے۔ امام محمد بن سیرینؒ نے "تعبیر الرؤیا" میں جو اصول بتلائے ہیں شاہ صاحب نے تاویل الاحادیث میں بھی ان کو بیان کیا ہے۔ کسی حد تک شاہ صاحب کی کتب میں تحریفات بھی ہوئیں لیکن جتنا ڈھنڈورا پیٹا جاتا ہے اتنی نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ شاہ ولی اللہ نے ہر قسم کی افراط و تفریط سے پاک ہو کر دین کی خدمت کی اور مختلف مسالک میں پائی جانے والی غلطیوں' لغزشوں اور بدعات کے ساتھ ساتھ افراط و تفریط' مسالک کے وجود میں آنے' انہیں پروان چڑھانے کے عوامل' انگریز اور دوسری غیر مسلم قوتوں کی مذہبی مداخلت کی نشاندہی اور ان سب کا تدارک پیش کیا جب کسی مخصوص سوچ رکھنے والے گروہ سے شاہ صاحب کے نظریات و مضامین ٹکرائے تو انہوں نے تحریف و تبدل کا شور مچا دیا کیونکہ شاہ صاحب کی شخصیت پر کسی مخصوص فکر کی چھاپ نہیں تھی بلکہ شاہ صاحب نے تو دین اسلام کی تجدید بڑے پر آشوب دور میں کی اور اسلام کے تمام مکاتب فکر میں پیدا ہونے والی خامیوں کی نشاندہی کی اپنے آپ کو مسالک کی قید سے بالا تر رکھتے ہوئے اسلام کی خدمت ایسے دلنشیں اور عام فہم انداز میں کی کہ ہر مسلک و فکر کے لوگ شاہ صاحب کو اپنا اپنا راہنما سمجھنے لگے لیکن اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ مفاد پرست گروہوں نے ذاتی و گروہی مفادات کی خاطر اپنی پسند کے موضوعات کے مطابق کتب تصنیف و تالیف کر کے شاہ صاحب کی نسبت سے شائع

کر دیا ابلاغ المبین اور تحفۃ الموحدین شاہ صاحب کی علمی پہنچ سے بہت کم تر ہیں۔ مولانا عبیداللہ سندھی ابلاغ المبین کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ شاہ ولی اللہ کی تصنیف نہیں ہے اسے جہاں بھی دیکھا جائے پھاڑ کر پھینک دیا جائے۔"

شاہ ولی اللہ کی کتب کے اکثر و بیشتر مترجمین نے ترجمہ کرتے وقت آیات کی تخریج بھی نہیں کی جس سے پڑھنے والا الجھن کا شکار ہو جاتا ہے اور بعض نے اگر کسی سورت اور آیت نمبر کا حوالہ دیا ہے تو وہ درست نہیں ہے اور کئی جگہ پر قرآن پاک کی آیات غلط لکھی گئی ہیں۔ ارمغان شاہ ولی اللہ میں موجود شاہ صاحب کی کتب کے تراجم سے بھی مدد لی ہے شاہ صاحب کی عربی زبان و ادب میں خدمات' عبور' مہارت کا پتہ اس امر سے بھی چلتا ہے کہ آپ نے فارسی تصانیف میں بھی آیات قرآن' احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم' عربی اشعار' ضرب الامثال' اقوال عربی زبان میں درج کئے ہیں میں نے شاہ صاحب کی بعض کتب میں آیات قرآن کی بطور نمونہ تخریج کی ہے ازالۃ الخفاء کے علاوہ میری نظر سے شاہ صاحب کی کسی کتاب کا ترجمہ نہیں گزرا جس میں آیات قرآن کی تخریج کی گئی ہوتی۔ میں نے آیات کی تخریج میں مذکورہ آیت کا پہلا اور آخری حصہ بمعہ سورت و آیت نمبر درج کیا ہے ان آیات کا ترجمہ اس لئے نہیں لکھا کہ اکثر آیات کا شروع درمیان یا آخری حصہ شاہ صاحب نے بطور حوالہ نفس مضمون کے اعتبار سے استعمال کیا ہے اس طرح اگر ترجمہ صرف مذکورہ آیت کا کیا جاتا تو آیت کے پہلے' درمیان یا آخری حصہ کا ترجمہ نہ لکھنے سے آیت کے ترجمہ و معنی میں ابہام پیدا ہونے کا اندیشہ تھا اور مذکورہ اندراج بھی بطور مثال کیا گیا ہے ورنہ مقالہ کی عبارت کے دوران جو آیات استعمال کی گئی ہیں ان کا مکمل عربی متن مکمل اردو ترجمہ اور سورت و آیت نمبر کے علاوہ مذکورہ کتاب و صفحہ نمبر کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔ میں نے شاہ صاحب کی کتب کے جستہ جستہ اہم حصے شامل کیے ہیں۔ ایسی عبارتوں کی روانی اور تسلسل کو نہیں چھیڑا گیا۔

شاہ صاحب کے بیٹوں کی ولادت' وفات اور علمی کام کی تواریخ کے بارے میں مورخین میں اختلاف پایا جاتا ہے موجودہ مورخین و علماء کے مقابلے میں مولوی فقیر محمد جہلمی کی حدائق الحنفیہ کو اس لئے ترجیح دینا ضروری ہے کہ اس کی تکمیل 1297 ھ اور اشاعت 1886ء / 1303 ھ میں ہوئی یہ زمانہ شاہ صاحب کے زمانہ کے قریب تر ہے موجودہ مصنفین و مورخین کی تصنیفات و تالیفات اور علمی و تحقیقی دعوؤں کے مقابل میں جبکہ شاہ صاحب اور آپ کی اولاد کی کتب میں تحریف و تبدل کے آثار بھی ملتے ہیں میں تمام مصنفین' مترجمین' مؤلفین کا شکریہ ادا کرتا ہوں جن سے میں نے استفادہ کیا۔ اس مقالہ کی ترتیب و تالیف میں اپنی والدہ ادیبہ خانم اور پروفیسر ڈاکٹر جمیلہ شوکت کی شفقت' محبت اور راہنمائی کا ممنون ہونے کے ساتھ ان کی دعاؤں کا طالب بھی ہوں ڈاکٹر بشیر احمد صدیقی میاں محمد عثمان اور ڈاکٹر منیر

احمد مغل کا بھی شکر گزار ہوں میں ان اساتذہ کرام کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں کہ انہوں نے میری طالبعلمانہ خامیوں کو اپنے علم و فن سے دور کیا اور میری حوصلہ افزائی کی اگر کوئی غلطی مقالہ میں موجود ہے تو وہ میری طلب علم کی ابتداء کی وجہ سے ہے اس کی نشاندہی کریں تاکہ اسے آئندہ دور کیا جا سکے اللہ تعالیٰ امت مسلمہ کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور مسلمانوں کو فرقہ واریت کی عصبیت سے نجات دے تاکہ مسلمانوں کی عظمت رفتہ کو حاصل کیا جا سکے اللہ ہمیں مرشد پاک محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمتوں سے مستفیض فرمائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کا جواز ثابت کرنے والے تمام فتنوں اور گروہوں کو نیست و نابود کر دے مسلمانوں میں انصار و مہاجرین کا جذبہ اخوت بیدار ہو تاکہ یہود و ہنود اور عیسائیت کا مقابلہ کیا جا سکے اللہ ہمیں گروہ بندی کی قید سے آزاد ہو کر بحیثیت مسلمان اجتماعی شعور شریعت پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ مسلمانوں میں فروغ پذیر رنگ و نسل' زبان' علاقائی عصبیتوں' منافقتوں ' نفرتوں کو ختم کر کے صحیح العقیدہ مسلمان ہونے کا جذبہ و محبت بیدار ہو تاکہ مسلمان پھر پوری دنیا پر حکومت کر سکیں۔ آمین

محمد شعیب
13 دسمبر 1991ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی عظیم شخصیت محتاج تعارف نہیں۔ آپ کے کمالات روحانی و علمی اور آپ کی شان و عظمت کا اعتراف جملہ دینی حلقوں میں پایا جاتا ہے۔ جس طرح امام غزالیؒ نے اپنے دور میں شریعت کے اسرار و رموز کو بے نقاب کر کے شریعت کی اہمیت کو اجاگر کیا تھا اور تصوف میں نکھار پیدا کیا تھا اسی طرح برصغیر پاک و ہند میں شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے شریعت کے حکیمانہ پہلوؤں پر روشنی ڈالی جس کی روشن مثال آپ کی شاہکار تصنیف حجۃ اللہ البالغہ ہے۔ شاہ صاحب علیہ الرحمۃ نے قرآن حکیم اور متعلقات قرآن پر بلند پایہ تصانیف پیش فرمائیں نیز حدیث و متعلقات حدیث پر قلم اٹھایا۔ فقہ و کلام و عقائد جیسے دقیق فنون کو شرح و بسط کے ساتھ بیان کیا اور امام غزالیؒ ہی کی طرح اپنے دور میں تصوف کے بارے میں غلط فہمیوں کا ازالہ کر کے اس کو اپنے اصل رنگ میں پیش کیا۔ یہ تو تھی علوم دینیہ و شرعیہ میں حضرت شاہ صاحبؒ کے کمالات کی ایک جھلک' شاہ صاحب کو ان علوم میں مہارت و دسترس رکھنے کے ساتھ ساتھ عربی زبان و ادب پر بھی خصوصی عبور حاصل تھا۔ چنانچہ آپ کی بیشتر تصانیف عربی زبان میں ہیں جن میں جہاں آپ کے ذوق قرآنی کی جھلک نمایاں ہے کہ جا بجا مربوط اور متعلق آیات قرآنی سے استشہاد کیا گیا۔ وہاں ادبی رنگ بھی اپنی پوری رعنائیوں کے ساتھ جلوہ گر ہے اور آپ نے عربی اشعار کا استعمال اس خوبی سے کیا ہے کہ اہل علم و فضل آپ کے ادبی حسن ذوق کی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ عزیزم محمد شعیب (ایم اے عربی و ایم اے اسلامیات) کو بھی شاہ صاحبؒ کی شخصیت سے والہانہ لگاؤ ہے۔ انہوں نے ایم اے عربی میں اپنا مقالہ "حضرت شاہ ولی اللہ کی عربی زبان و ادب میں خدمات" جب لکھنا شروع کیا تو حضرت شاہ صاحب کی علمی عظمت اور ادبی کمال سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے تو "اسلامی نعتیہ شاعری اور شاہ ولی اللہ" کے نام سے "بے ساختہ ان کی کتاب منصۂ شہود پر آگئی۔ اس سے پہلے اسلام اور عیسائیت کی تعلیمات کا موازنہ انہوں نے بڑے حسن و خوبی سے انجام دے کر کتابی صورت میں پیش کیا تھا۔ زیر نظر کتاب اگرچہ ان کا ایم اے عربی کا مقالہ ہی ہے لیکن جب اسے زیور طبع سے آراستہ کرنے کا خیال آیا تو بعض پہلو تشنہ نظر آئے تو خوشگوار اضافے کئے اور جب قلم ایک بار رواں ہوا تو کتاب اپنے حجم کے اعتبار سے ان خوشگوار اضافوں سے دگنی ہو چکی ہے۔ اللہ کرے زور قلم اور زیادہ۔ بارگہ حمدیت میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل عمیم سے عزیزم پروفیسر محمد شعیب کی اس تصنیف کو شرف قبولیت بخشے اور لوگوں کے لئے اسے مفید بنائے نیز انہیں مزید علمی و دینی و ادبی خدمات انجام دینے کی بیش از بیش توفیق عطا فرمائے۔ آمین

دعاگو: ڈاکٹر بشیر احمد صدیقی
سابق چیئرمین ادارہ علوم اسلامیہ'
پنجاب یونیورسٹی' لاہور
سابق چیئرمین' شعبہ علوم اسلامیہ'
اسلامیہ یونیورسٹی' بہاولپور

28-8-92

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی ذات گرامی برصغیر پاک و ہند کی ممتاز ترین شخصیتوں میں اپنی علمی' روحانی' ادبی' معاشرتی اور سیاسی خدمات کی بدولت کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ آپ نے مسلمانان ہند کی ایسی دور پر آشوب میں بہترین راہنمائی کی جب وہ اپنی دینی حمیت' معاشرتی غیرت اور تہذیبی ورثے کو فراموش کرنے کی بناء پر زوال کا شکار تھے آخری مغل حکمرانوں کی عیش پرستی' نااہلی' تخت نشینی کی جنگوں' بیرونی طاقتوں سے چشم پوشی اور ہندوستان کی غیر مسلم طاقتوں کو ناجائز مراعات دینے کے باعث عظیم مغل دور حکومت اپنے بدترین انجام کی طرف رواں دواں تھا ہر طرف افراتفری و انتشار کا عفریت مسلمانوں کی دینی' سیاسی' سماجی اور معاشرتی زندگی پر مختلف صورتوں میں اپنا رنگ دکھا رہا تھا۔ مسلم معاشرہ اسلامی تعلیمات کو فراموش کر چکا تھا۔ ان حالات میں شاہ ولی اللہ نے تجدید و احیائے دین کی بہترین خدمات انجام دیں اور مسلم معاشرے میں انقلاب برپا کیا مدرسہ رحیمیہ اور اپنے قابل جانشینوں کے ذریعے مسلمانان ہند کی ہر انداز میں بہترین خدمت کی۔ شاہ صاحب نے تفسیر' حدیث' فقہ' الہیات' کلام فلسفہ' تصوف' معاشریات' سماجیات غرض یہ کہ تمام دینی و سماجی علوم پر شہرہ آفاق کتب تصنیف و تالیف کر کے مسلمانوں کی عظمت رفتہ کو بحال کرنے کی جدوجہد کو بڑے موثر انداز میں منظم کیا۔ محمد شعیب صاحب نے اپنے ایم۔اے عربی کے مقالہ "شاہ ولی اللہ کی عربی زبان و ادب میں خدمات" میں شاہ صاحب کی عربی تصنیفات و تالیفات کا جائزہ اچھے انداز میں پیش کیا ہے۔ امتحان پاس کرنے کے بعد مقالہ کو بورڈ آف عربیک سٹڈیز کی منظوری کے ساتھ شائع کرنے کے لئے انہوں نے معقول ترامیم و اضافے کئے اس طرح فکر ولی اللّہی اور علوم اسلامیہ سے دلچسپی رکھنے والے حضرات کے لئے مقالہ نہایت مفید معلومات کا مجموعہ بن گیا ہے اور اس میں فکر ولی اللّہی کی روشن بصیرت نظر آتی ہے۔ اللہ تعالٰی مقالہ نگار کو مزید دینی و علمی خدمات انجام دینے کی توفیق دے آمین۔

ڈاکٹر جمیلہ شوکت

20-7-92

چیئرپرسن ادارہ علوم اسلامیہ'
اسلامک سنٹر' جامعہ پنجاب' لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

برصغیر پاک و ہند میں عربی زبان کی تاریخ اگرچہ اتنی شاندار اور ثروت سے لبریز نہیں لیکن پھر بھی اس خطے میں عربی زبان و ادب کی جو خدمات انجام دی گئی ہیں انہیں کسی طرح فراموش نہیں کیا جا سکتا عربی زبان میں جو اسلامی علوم مرتب کئے گئے ان کا دائرہ تو بے حد وسیع ہے بلکہ اسلامی دنیا کے کسی خطے سے کسی طرح کم نہیں ہے۔ تاہم عربی نثر جسے نثر فنی سے تعبیر کیا جاتا ہے اور عربی شاعری کا دائرہ کافی محدود ہے عربی زبان و ادب کی برصغیر نے جو خدمت انجام دی ہے اس میں اسلامی عہد حکومت کے ثقافتی مرکز دہلی کے شاہ ولی اللہ خانوادے کا مقام بہت بلند ہے شاہ ولی اللہ دہلوی کے والد شاہ عبدالرحیم عربی اور اسلامی علوم کے مستند فاضل اور جلیل القدر استاد تھے شاہ ولی اللہ کے فرزند شاہ عبدالعزیز اور شاہ رفیع الدین کو بھی عربی زبان پر کامل عبور تھا اور شعر و نثر میں اپنا قیمتی سرمایہ یادگار چھوڑا ہے۔ خود امام احمد ولی اللہ دہلوی عربی زبان و ادب کے نہایت معتبر اور عظیم عالم اور ادیب تھے برصغیر کے عربی اور اسلامی علوم کے ماہرین میں سے بہت کم لوگ شاہ صاحب کی عربی زبان اور ادب کی مہارت اور صلاحیت کو پہنچتے ہیں۔

امام ولی اللہ دہلوی نے عربی نثر میں متعدد کتابیں تصنیف کی ہیں جن کے موضوعات مختلف اور متنوع تھے ان سب تصانیف میں شاہ صاحب کی عربی نثر نگاری ایک پختہ عربی نویس اور انشاء پرداز کی نمائندگی کرتی ہے۔ محدثین' فقہاء اور علماء میں بہت کم ایسے لوگ تھے جنہیں شعر و شاعری سے دلچسپی تھی اور ایسے لوگ تو بالکل شاذ و نادر ہی تھے جن کا شعری کلام ایک مجموعے یا دیوان کی شکل اختیار کر سکا۔ شاہ ولی اللہ دہلوی ان نادر روزگار ہستیوں میں سے ایک ہیں۔ پنجاب یونیورسٹی کا ایک فاضل حافظ محمد افضل' شاہ صاحب کے عربی دیوان کو ایڈٹ کر کے ڈاکٹریٹ کے مقالے کے طور پر پیش کر رہا ہے یہ کام بھی راقم السطور کی نگرانی میں انجام پا رہا ہے۔ عزیز محترم محمد شعیب صاحب نے یہ مقالہ ایم اے عربی کے امتحان کے لئے میری نگرانی میں لکھا ہے لیکن انہوں نے جو محنت کی وہ قابل ستائش ہے خاص طور پر امتحان کے بعد نظر ثانی کی شکل میں جو اضافہ ہے ان کے بعد یہ مقالہ ایک مفید اور مستند ماخذ بن گیا ہے مجھے امید ہے کہ اس مقالے کے مطالعے سے شاہ ولی اللہ دہلوی کے مرتبے اور مقام سے بھی آگاہی ہو گی اور برصغیر میں عربی زبان و ادب کی قدر و قیمت کا بھی اندازہ ہو گا بلاشبہ محترم شعیب صاحب نے موضوع کا حق ادا کیا ہے اصل منابع تک رسائی نے مقالہ میں حسن سخن پیدا کر دیا ہے عربی زبان و ادب سے دلچسپی رکھنے والے حضرات کے لئے یہ مقالہ نعمت سے کم نہیں بلاشبہ یہ مقالہ عربی زبان و ادب کی بہترین خدمت ہے۔

ڈاکٹر ظہور احمد اظہر
چیئرمین شعبہ عربی
اورینٹل کالج پنجاب یونیورسٹی لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم ○

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

امام المفسرین، رئیس المحدثین، مجدد ملت، فقیہ الامت، امام المجتہدین، عارف باللہ، راز دار حقائق و معارف، آگاہ کار سرپردہ اسرار و حکم، راز آگاہ علوم نبوت، علمبردار رشد وہدایت، جامع الحیثیات شخصیت، عہد حاضر میں برصغیر پاک وہند میں ملت اسلامیہ کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف دعوت دے کر حیات نو عطا کرنے والے عالم ربانی، مفکر و حکیم، صاحب دل و دماغ، قاطع اختلاف و افتراق ملت اسلامیہ، قدیم کو ساتھ لے کر جدید راستوں پر چلنے کے داعی، راہ اعتدال پر گامزن، عبادت الٰہی اور اتباع رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں اس قدر پر خلوص کہ تمام بنی نوع بشر کی طرف متوجہ تدلی اعظم سے نوازے گئے۔ ایسے اسعد جنہیں خود سرور انبیاء والرسل حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے روحانی طور پر یہ القاء ہوا کہ "اللہ تعالیٰ کا ارادہ یہ ہے کہ وہ تمہارے ذریعے امت مرحومہ کے منتشر اجزاء جمع فرمائے گا"، "رموز دین کو وضاحتاً" بیان کرنے والے، ہر کہنہ اور فرسودہ نظام کے توڑنے والے، جن کی تعلیمات و افکار کا لب لباب "جہاد" ہے خلعت فاتحیت سے سرفراز کردہ، خلعت مجددیہ سے نوازے ہوئے "کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو مضبوط تھامنے والے، حضرت قطب الدین احمد بن عبدالرحیم المعروف شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا سلسلہ نسب اپنے والد ماجد کی طرف سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور والدہ ماجدہ کی طرف سے امام موسیٰ کاظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ (جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پڑپوتے تھے) سے ملتا ہے۔ جس کی تفصیل آپ نے خود یوں بیان فرمائی ہے۔ احمد بن عبدالرحیم بن وجیہہ الدین بن معظم ابن منصور بن احمد بن محمود بن کمال الدین بن قدہان بن قاسم بن قاضی بڈھا بن عبدالمالک بن قطب الدین بن کمال الدین بن شمس الدین بن عطا ملک بن عبدالفتح بن محمد عمر بن عبدالمالک بن فاروق بن جرجی بن احمد بن شہریار بن عثمان بن ہامان بن ہمایوں بن قریش بن سلیمان عفان بن عبداللہ بن محمد بن عبداللہ بن عمر فاروق (خلیفہ راشد دوئم) رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ور حمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

حضرت شاہ ولی اللہ 4 شوال 1104ھ کو اپنی ننھیال میں قصبہ پھلت ضلع مظفر نگر میں پیدا ہوئے اور 29 محرم 1176ھ کو دہلی میں وفات پائی۔ یہ زمانہ دس بادشاہوں کے دور حکومت پر محیط ہے اور برصغیر میں انتہائی سیاسی، معاشی، سماجی، تعلیمی، اخلاقی بحران کا زمانہ تھا۔ شاہ صاحب نے جن بادشاہوں کا دور حکومت دیکھا ان کے نام یہ ہیں: محی الدین اورنگ زیب عالمگیر، شاہ عالم بہادر شاہ اول، معزالدین جہاندار شاہ، فرخ سیر، رفیع الدرجات، رفیع الدولہ، محمد شاہ، احمد شاہ، عالمگیر ثانی، شاہ عالم ثانی۔ شاہ ولی اللہ رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی ساری زندگی قرآن، حدیث، فقہ، معاشرتی بہبود میں گزاری، خود بھی جادہ حق پر قائم رہے اور لوگوں کو بھی سیدھی راہ دکھائی۔ اللہ تعالیٰ نے زور قلم عطا فرمایا تھا جس کی عفت کو نگاہ میں رکھ کر آپ نے

ہر کج روی کی نشاندہی کی، اصلاح کے طریقے قرآن و سنت کے مطابق واضح کئے اور برائی کو مٹانے کے لئے کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ ہر صاحب قلم کا ایک اسلوب بیان اور طرز استدلال ہوتا ہے حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمتہ کا طریقہ یہ ہے کہ جس موضوع پر قلم اٹھاتے ہیں قاری کو سب سے پہلے اس طرف متوجہ کرتے ہیں کہ مسئلہ کا پس منظر کیا ہے؟ مسئلہ فی نفسہ کیا ہے؟ کن حالات و واقعات نے اس مسئلہ کو پیدا کیا ہے؟ اس سے مقصود کیا ہے؟ اس کے تقاضے کیا ہیں؟ اس کا حل کیا ہے؟ اس کے حل کا طریقہ کیا ہے؟ اس مسئلہ کے بارے میں قرآن و سنت نے کیا راہنمائی فرمائی ہے؟ اس سلسلہ میں جہاں ضرورت محسوس کرتے ہیں حضرت شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ اپنی صائب رائے ساتھ ساتھ دیتے چلے جاتے ہیں تاکہ کسی قسم کی کوئی الجھن، کوئی اشکال اور کوئی پریشانی قاری کو لاحق نہ ہو۔ اس طرح وہ ایک بہترین معلم کا فریضہ بھی انجام دیتے چلے جاتے ہیں ان کی تحریروں سے خوف خدا، اتباع رسول، احترام آل رسول، عزت صحابہ کرام، عظمت شہدائے کرام، وقعت صالحین صاف جھلکتی ہے قاری کے دل کی بات کا معقول جواب قرآن و سنت اور تعامل صحابہ سے دیا جا رہا ہوتا ہے۔ دین آسان لگنے لگتا ہے۔ اختلافات مٹتے نظر آتے ہیں انسانی کمزوریوں سے پردہ اٹھتا ہے، عمل کرنا اچھا لگتا ہے، بے عملی بری لگتی ہے۔ ایک دوسرے کے حقوق کا احترام پیدا ہوتا ہے۔ لمبے مسائل کا حل بڑی صفائی، سچائی، متانت اور حسن بیان کے ساتھ مختصر الفاظ میں بیان ہو جاتا ہے۔

"حضرت شاہ ولی اللہ رحمتہ اللہ علیہ کی عربی زبان و ادب میں خدمات" کے عنوان سے جو مقالہ جناب محمد شعیب صاحب نے تالیف فرمایا ہے قابل داد ہے ضرورت ہے کہ ہمارے کالج اور یونیورسٹیاں حضرت شاہ ولی اللہ رحمتہ اللہ جیسی نابغہ روزگار ہستیوں کے شاہپاروں پر تحقیقی کام کروائیں اور اتنا کروائیں کہ کوئی پہلو تشنہ نہ رہ جائے۔ عربی زبان وہ زبان ہے جس میں اللہ تعالیٰ کا آخری پیغام قرآن مجید نازل ہوا۔ لہٰذا تا قیامت جس طرح قرآن پاک محفوظ ہے اسی طرح عربی زبان کے جو الفاظ قرآن پاک میں آ گئے بالیقین محفوظ ہیں۔ زمانہ لاکھ چالیں چلے اللہ کے کلمات صدق و عدل سے اتمام کو پہنچے ہیں اور اس کے کلمات کو کوئی شے بدل نہیں سکتی۔ علم کی جو شمع قرآن و سنت سے روشن ہوئی ہے وہ روشن سے روشن تر ہوتی چلی جائے گی یہ پیغام ساری انسانیت کے لئے آیا ہے اس کے ماننے اور اس پر عمل کرنے میں سب کی بھلائی اور خیر ہے اس میں زندگی کے ہر پہلو میں پیدا ہونے والے مسائل کے حل کی بنیادیں موجود ہیں۔ شرط صدق دل سے اس کو تلاوت کرنے، اس کے معانی میں غور و خوض کرنے اور اس کے مطابق عمل کرنے کی ہے سورۃ الرحمٰن کی تفسیر جس مختصر جامع اور نفیس انداز میں بیان فرمائی ہے۔ یہ صرف حضرت شاہ ولی اللہ کا حصہ ہے۔ آئیے آپ بھی ایک نظر اس پر ڈال لیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم ○

"النجم" ماینبسط علی الارض، "الشجر" القائم علی ساق، "الوزن" بریدلسان المیزان، "الانام" الخلق، "العصف" التبن وقیل ورق الحنطۃ والتبن، "الریحان" خضرۃ الزرع وورقہ والحب الذی

يشو كل منه" "فبای الاء ربكما" بلى نعم الله" "صلصال" طين خلط برمل" "كالفخار" كما يمنع الفخار" "مارج" لهب اصفر وقيل خالص النار" "مرج" ارسل" "برزخ" حاجز" "لا يبغيان" لا يختلطان" "المنشات" مارفع شراعه من السفن" "ذوالجلال" ذوالعزة والكبرياء" "سنفرغ لكم هذا وعيد من الله لعباده فليس بالله شغل يعنى يحاسبكم" "لاتنفذون" لا تخرجون من سلطانی" "شواظ" "لهب النار" وقيل اللهب لا دخان له" "ونحاس" دخان النار وقيل الدخان الذى لا لهب له و قيل الصفر لهب نير لها "افنان" اغصان" "وجنى الجنتين دان" مايجتنى قريب" "قاصرات الطرف" لايماين غيرازواجهن" "لم يطمثهن" لم يدن منهن" "مدهامتن" سوداوان من الرى" "نضاختن" فوالضتان" "مقصورات" هی الحور و قيل محبوسات طرفهن وانفسهن على ازواجهن" "رفرف خضر" مجالس۔ (ماخوذ از فتح الخبير بمالا بدمن حفظه فى علم التفسير)

آیئے حدیث شریف میں حضرت شاہ ولی اللہ رحمتہ اللہ علیہ کا اسلوب بیان اور طرز تفسیر کا ایک نمونہ بھی ملاحظہ فرمائیں۔

بسم الله الرحمن الرحيم ○

كتاب الصلوة

(باب الصلوة الخمس احدار كان الاسلام)

ولا يجب على المكلف من الصلوة شی ء غير الخمس (مالک) عن عمه ابی سهيل بن مالک عن ابيه انه سمع طلحته ابن عبيد الله يقول: جاء رجل الى رسول الله صلى الله عليه وسلم من اهل نجد ثائر الراس يسمع دوى صوته ولا يفقه مايقول حتى دنامن رسول الله صلى الله عليه وسلم فاذا هو ليسئل عن الاسلام فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم (خمس صلوات فى اليوم و الليلته) قال هل على غير هن؟ قال (لا الا ان تطوع) قال رسول الله صلى الله عليه وسلم (وصيام شهر رمضان) فقال: هل على غيره؟ قال (لا الا ان تطوع) قال و ذكر رسول الله صلى الله عليه وسلم الزكاة' فقال: هل على على غيرها قال (لا الا ان تطوع) قال فادبر الرجل فهو يقول: والله لا ازيد على هذا ولا انقص منه فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: (افلح ان صدق)

(قلت) فى الحديث دليل على ان الصلوة الوتر وصلوة العيد تطوع و عليه الشافعى ووافقه ابويوسف و محمد فى الوتر فهو ظاهر كلام محمد فى العيد حيث قال: اذا اجتمع عيدان فالاول سنته وعند ابى حنيفته واجبتان' و قوله: (افلح ان صدق) معناه انه لا يئواخذ بترک غير الفرض۔ (ماخوذ از المسوى من حديث الموطا)

حضرت شاہ ولی اللہ کی تصانیف میں "حجتہ اللہ البالغہ" شاہکار تصنیف ہے۔ اس میں علم فقہ' دینیات' طبیعیات' الٰہیات' نفسیات' تدبیر المنازل' سیاست مدنیہ اور اسرار الدین جیسے اہم علوم پر بحث کی گئی ہے۔ اس کا ایک ایک جملہ حکمت و دانائی سے پر ہے۔ آیئے اس میں اختیار کردہ اسلوب بیان ملاحظہ

فرمائیے:

بسم الله الرحمن الرحيم ○

(باب تعظيم شعائر الله تعالى)

قال الله تعالى: و من يعظم شعائر الله فانها من تقوى القلوب۔ اعلم ان مبنى الشرائع على تعظيم شعائر الله تعالى و التقرب بها اليه تعالى و ذلک لما اومانا اليه من ان الطريقته التى نصبها الله تعالى للناس هى محاكاة فانى صقع التجرد باشياء يقرب تناولها للبهيمته واعنى بالشعائر امور ظاهرة محسوسه جعلت ليعبد الله بها فاختصت به حتى صار تعظيمها عندهم تعظيما لله والتفريط فى جنبها تفريطا فى جنب الله و ركز ذلک فى صميم قلوبهم لا يخرج منه الا ان تقطع قلوبهم' والشعائر انها تصير شعائر لمنهج طبيعى و ذلک ان تطمئن نفوسهم بعادة و خصلته و تصبرات من المشهورات الذائعته التى تلحق بالبديهيات الا وليته ولا تصيل التشكيک عند ذلک تظهر رحمته الله فى صورة اشياء تستوجبها نفوسهم و علومهم الذائعته فيما بينهم فيقبلونها ويكشف الغطاء عن حقيقتها و تبلغ دعوة الا دانى والا قاص على السواء فعند ذلک يكتب عليهم تعظيمها و يكون الا مر بمنزلته الحالف باسم الله يضمر فى نفسه التفريط فى حق الله ان حنث فيواخذ بما يضمر و كذلک هئولاء يشتهر فيها بينهم امور تنقادلها علوم فيوجب انقياد علومهم لها ان لا تظهر رحمته الله بهم الا فيما انقادوا له اذبنى التشير على الا سهل فالا سهل و يوجب ايضا ان يواخذوا انفسهم باقصى ماعندهم من التعظيم لان كمالهم هو التعظيم الذى لا يشوبه اهمال و ما اوجب الله تعالى شيئا على عباده لفائدة ترجع اليه تعالى عن ذلک علوا كبيرا بل لفائدة ترجع اليهم و كانوا بحيث لا يكملون الا بالتعظيم الا قصى فاخذوا بما عندهم و امروا ان لا يفرطوا فى جنب الله وليس المقصود بالذات فى العنايته التشريعيته حال فرد بل حال جماعته كانها كل الناس ولله الحجته البالغته۔

ومعظم شعائر الله اربعته' القران' الكعبته' والنبى' والصلوة۔

اما القران فكان الناس شاع فيها بينهم رسائل الملوک الى رعاياهم و كان تعظيمهم للملوک مساوقا لتعظيم تلک الكتب و تلاوتها و كان الانقياد للعلوم و تلقيها على مر الدهور يدون كتب يتلى ويروى كالمحال باذى الراى فاستوجب الناس عند ذلک ان تظهر رحمته الله فى صورة كتاب نازل من رب العالمين و وجب تعظيمه' فمنه ان يستمعوا له و ينصتوا اذا قرى ء' و منه ان يبادروا الا وامره كسجدة التلاوة و كالتسبيح عند الامر بذلک ومنه ان لا يمسوا المصحف الا على وضوء۔

واما الكعبته فكان الناس فى زمن ابراهيم عليه السلام توغلوا فى بناء المعابد والكنائس باسم روحانيته الشمس وغيرها من الكواكب و صار عندهم التوجه الى المجرد غير المحسوس

بدلن هیکل یبنی باسمہ یکون الحلول فیہ التلبس بہ تقربا منہ امرا محالا تدفعہ عقولهم بادی الرای فاستوجب اهل ذٰلک الزمان ان تظهر رحمتہ اللہ بهم فی صورۃ بیت یطوفون بہ ویستقربون بہ الی اللہ فدعوا الی البیت و تعظیمہ ثم نساء قرن علی علم ان تعظیمہ مساوق لتعظیم اللہ والتفریط فی حقہ مساوق للتفریط فی حق اللہ فعند ذٰلک و جب حجہ و امروا بتعظیمہ فمنہ ان لا یطوفوا الا المتطهرین' ومنہ ان یستقبلوها فی صلوتهم و کراهیتہ استقبالها واستیدارها عند الغائط۔

واما البنی فلم یسم مرسلا الا تشبیها برسل الملوک الی رعاتا هم مخبرین بامرهم و نهیهم فلم یوجب علیهم طاعتهم الا بعد مساوقتہ تعظیمهم لتعظیم المرسل عندهم فمن تعظیم البینی وجوب طاعتہ والصلوۃ علیہ والترک الجهر علیہ بالقول۔

واما الصلوۃ فیقصد فیها التشبیہ بحال عبید الملک عندمثولهم بین یدیہ لمناجاتهم ایاہ وخضوعهم لہ فلذلک وجب تقدیم الثناء علی الدعاء ومثواخذہ الانسان نفسہ بالهیات یجب مراعاتها عندمنا جاۃ الملوک من ضم الاطراف و ترک الالتفات و هو قولہ صلی اللہ علیہ وسلم: "اذا احدکم صلی فان اللہ قبل وجهہ" واللہ اعلم۔ (ماخوذ از حجتہ اللہ البالغہ)

نثری نمونے آپ نے دیکھ لئے۔ اب شاہ صاحب کی نعتیہ شاعری کا نمونہ ملاحظہ فرمایئے۔ زبان کی سلاست' مضمون کی بلندی اور الفاظ کی بندش کس قدر موزوں اور حسین ہے:

رسول اللہ یا خیر البرایا
نوالک ابتغی یوم القضاء

اذا ما حل خطب مدلهم
فانت الحصن من کل البلاء

الیک توجهی وبک استنادی
وفیک مطامعی وبک ارتجائی

(ماخوذ از قصیدہ الطیب النغم فی مدح سید العرب والعجم)

اللہ تعالٰی مقالہ نگار کو مزید دینی خدمات کی توفیق ارزانی کرے اور دین و دنیا میں عفو' عافیہ اور سلامتی نصیب کرے (آمین)

انہوں نے جس محنت شاقہ سے بکھرے پھول یکجا جمع کر دیئے ہیں ان سے قارئین کو حضرت شاہ ولی اللہ رحمتہ اللہ علیہ کی تصنیفات و تالیفات سے فائدہ اٹھانے میں بڑی مدد ملے گی۔

12-8-92

ڈاکٹر منیر احمد مغل
(ڈسٹرکٹ و سیشن جج)
حال رکن قومی کمیشن برائے صنعتی
تعلقات (حکومت پاکستان) اسلام آباد

زبان کی سماجیات

لسانیات کی تحقیق میں زبان کی سماجیات کا پہلو بہت اہمیت رکھتا ہے زبان کی سماجیات کا تعلق انسان اور زبان کے باہمی ربط پر منحصر ہے اسی کی بدولت زبان کے ڈھانچے کو آسانی سے سمجھا جا سکتا ہے زبان کی جزئیات کے بارے میں تحقیق اہل یونان کی علمی سرگرمیوں سے قبل ہی ہو رہی تھی سولہویں صدی عیسوی تک زبان کی سماجیات علماء کا دلپسند موضوع بن چکا تھا جنہوں نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ زبان اپنے سماجی مفہوم میں درجہ بدرجہ تبدیلی کرتی رہتی ہے دنیا کی ہر زبان اپنے متعلقہ رواجات و طریقوں پر مشتمل ہوتی ہے اور ہر سطح پر اس کے مختلف درجات اس کے مسلسل ارتقاء کی نشاندہی کرتے ہیں زبان کے ارتقاء کے ابتدائی دور میں اس میں نغمگی کا عنصر زیادہ پایا جاتا تھا لیکن زمانے کی سائنسی و سماجی ترقی کے ساتھ ساتھ اس میں کرختگی کا عنصر زیادہ ہوتا چلا گیا اس کی تازہ مثال فلم ہے۔ جس میں پچیس برس قبل تک اٹھارہ بیس نغمات ہوتے تھے جو آج کل کی فلموں میں کم ہو کر چار پانچ رہ گئے ہیں جدید دور میں زبان دو بنیادی اہم حصوں میں تقسیم ہو چکی ہے جسے نثر اور نظم کہا جاتا ہے آج کل آزاد نظم کا رجحان ترقی پذیر ہے انسانی معاشرے کی ترقی کا ایک حد تک دارومدار زبان کی لچک پر بھی ہے کہ زبان معاملات کے پھیلاؤ کے ساتھ ساتھ اپنے اندر معنوی وسعت پیدا کرتی ہے ایک لفظ کے ذاتی معنی کے علاوہ حالات و واقعات کے مطابق اس کے استعمال نے اس کے دوسرے بہت سے معنی پیدا کر دیئے جو دوسرے الفاظ کے ساتھ مل کر استعمال کرنے سے اور بھی بڑھ جاتے ہیں اور یہ سلسلہ تدریجاً جاری ہے ماسوائے ان زبانوں کے جو انقلابات زمانہ اور گردش حالات کے تحت مٹ گئیں جیسے (i) سومیری SUMARIAN (ii) اکادین AICKADIAN (iii) حتی HITTITE (iv) کارنش CORNISH (v) بابلی (vi) اشوری (vii) فینیقی

سینکڑوں قومیں علمی اور تمدنی ترقی کی حسین دیوی کے لئے قربان ہوتی ہیں اور ہزاروں افراد کا خون اس کی خوفناک قربان گاہ پر بہایا جاتا ہے جنگیں' وبائیں اور قحط اس ہمہ گیر قانون کے عمل کی عام صورتیں ہیں اور اگر ان کو ارتقاء نوع انسانی کے اعتبار سے دیکھا جائے تو یہ واقعات جو بظاہر آفات سماوی معلوم ہوتے ہیں طبقہ انسانی کے لئے ایک برکت ہیں جن کا وجود نظام قدرت کی آراستگی کے لئے انتہاء درجہ کا ضروری ہے اس قانون کا اثر اقوام انسانی تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ بزم ہستی کے کسی حصہ کی طرف نگاہ کرو اس کا عمل جاری نظر آئے گا سینکڑوں مذاہب دنیا میں پیدا ہوئے بڑھے' پھولے پھلے اور آخر کار مٹ گئے۔ کیوں؟ اس کی وجہ یہی ہے کہ انسان کے عقلی ارتقاء کے ساتھ ساتھ جدید ضروریات پیدا ہوتی گئیں جن کو ان مذاہب کے اصول پورا نہ کر سکے یہی وجہ ہے کہ اہل مذہب کو وقتاً "فوقتاً" نئے نئے علم کلام ایجاد کرنے کی ضرورت پیش آتی رہی جن کے اصولوں کی رُو سے انہوں نے اپنے اپنے مذاہب کو پرکھا اور ان کی تعلیم کو ایسی صورت میں پیش کرنے کی کوشش کی کہ عملی اور روحانی زندگی میں انسان کی راہنمائی ہو سکے۔ ایک زمانہ تھا جب یونانی' لاطینی اور سنسکرت وغیرہ زبانیں زندہ تھیں مگر اب ایک عرصہ سے یہ

زبانیں بے جان ہو چکی ہیں ان کی موت کا راز اسی قانون کا عمل ہے[1]

یہاں پر یہ امر قابل ذکر ہے کہ مٹنے والی زبانوں کے الفاظ بالکل معدوم نہیں ہوئے بلکہ ہر مٹنے والی زبان کے دور میں جو زبان مستعمل تھی اس نے اس زوال کا شکار ہونے والی زبان کے الفاظ کو اپنے اندر سمو لیا اس کے علاوہ فتح، شکست، خوشحالی و قحط، قدرتی آفات، انسانی اقتدار اور قدرت کے قائم کردہ آفاقی نظام کے تحت زبان کی سماجی حیثیت میں تغیرو تبدل ہوتا رہا ہماری مراد یہاں کوئی خاص زبان نہیں بلکہ زبان کا مجرد تصور ہے جو دنیا کی تمام زبانوں کی مشترک صفات پر مشتمل ہے کوئی قوم جب سماجی، معاشی، روحانی اور فکری عروج حاصل کرتی ہے تو اس کی زبان کا تلفظ اور لغت اس سے پسماندہ اقوام کے لئے باعث تقلید بن جاتی ہے کسی بھی زبان کی بنیادی آوازوں کا مطالعہ کرتے وقت یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ ایک زبان کی بنیادی آوازیں ایک علاقے سے دوسرے علاقے تک، ایک طبقہ سے دوسرے طبقہ تک اور یہاں تک کہ ایک ہی طبقہ اور علاقہ کے اندر ایک فرد سے دوسرے فرد تک بدلتی ہیں۔

زبان کی سماجیات کا مطالعہ اپنے اندر ہر لحاظ سے سائنسی APPROACH لئے ہوئے ہے چونکہ اس کی صداقت الہیاتی یا مابعد الطبعی نہیں ہے اس لئے اس میں مشاہدہ، تجربہ اور شماریاتی تجزیے کے مکمل امکانات موجود ہیں دنیا کی زبانیں عموماً انسانی نسلوں سے وابستہ خیال کی جاتی ہیں انسانی نسلیں اپنی اپنی اولین زبانوں کو چھوڑ کر ماحولی زبانیں اختیار کرنے پر مجبور ہوتی ہیں اس طرح اب نہ کوئی نسل خالص ہے اور نہ کوئی زبان خالص ہے اسی لئے کسی زبان کی اصلیت کا کھوج لگانا ماہرین علم اللسان کا کام ہے جبکہ زبان کی اصل سے آج کے دور تک کا سفر زبان کی سماجیات کا موضوع ہے کارل مارکس CARL MARKS زبان کی سماجیات کے بارے میں SELECTED WORKS میں لکھتا ہے "پیداوار کی طرح زبان بھی انسانوں کے ایک دوسرے سے باہمی تعلقات، ان کے درمیان پیداواری رشتوں اور ان رشتوں کی بدولت احساسات و جذبات کے بیان کے ساتھ ساتھ تیزی سے بدلتے ہوئے علوم کی لغت سے ہمہ وقت استفادہ کرتی رہتی ہے"

جدید علم لسانیات کی بیشتر تحقیقات نے زبان کے اولین بامعنی اظہار میں خلقی ہم آہنگی HARMONY اور موسیقی MUSIC تلاش کیا ہے اس طرح رقص و موسیقی اور شاعری کو اشتمالی محنت کے مترنم عمل کی مختلف شکلوں سے تعبیر کیا گیا ہے باقاعدہ شاعری کی ابتداء اسی وقت ممکن ہو سکی جب رقص قطعی طور پر مختلف فن کی صورت اختیار کر گیا۔

زبان کی سماجیات کے پہلو نے انسانی معاشرتی زندگی پر اثر ڈالا ہے فارسی کے اصلی گھر ایران میں بھی مختلف اضلاع اور علاقوں میں فارسی کا رنگ جدا جدا ہے لہجہ و محاورہ ہر علاقے میں قدرتی طور پر بدل

---

[1] جشن نامہ اقبال، مرتبہ، ڈاکٹر عبادت بریلوی، یونیورسٹی اورینٹل کالج، لاہور، ص 22 [2] تاریخ ادب عربی، از، احمد حسن زیات ص 30 پر اس بارے میں تفصیلی بحث موجود ہے۔

جاتا ہے اور کیوں نہ بدلے؟ زبانیں زمان و مکان، موسم، جغرافیہ اور مقام و محل کے اختلاف سے مختلف صورتیں اختیار کرنے پر مجبور ہیں۔ اسی لئے تو قرآن مجید میں اس اختلاف لسانی کو بیان کیا گیا ہے۔

ومن اٰیٰتہ خلق السمواتِ والارض واختلاف السنتکم والوانکم 22:30

ترجمہ: اور اس کی نشانیوں سے ہے آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور تمہاری زبانوں اور رنگتوں کا اختلاف: ایک زبان کا سماجی مطالعہ درحقیقت اس زبان کے بولنے والوں کی سماجی زندگی کا مطالعہ ہے معاشی تبدیلیوں اور سیاسی تبدیلیوں کے جلو میں فکری تبدیلیوں کا مطالعہ ہے ہم دیکھتے ہیں کہ جس طرح بالائی ڈھانچہ Super Structure مذہبی عقائد، طرز حکومت اور فنون لطیفہ FINE ARTS کے نظریات کی صورت گری کرتا ہے ذیلی ڈھانچہ Sub Structure اس حقیقی سماجی و معاشی ڈھانچہ سے عبارت ہے جو بالائی ڈھانچہ کے ساتھ ایک منطقی تعلق قائم کئے رکھتا ہے زبان کی سماجیات کے مطالعہ سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ سماج کے ذیلی ڈھانچہ میں تبدیلیاں کس قسم کے سیاسی و مذہبی نظام اور نظریہ ہائے فنون کو جنم دے رہی ہیں[1]

دنیا کے مختلف مذاہب میں تخلیق کائنات کی جو سرگذشت بیان کی گئی ہے اس میں کلام یا تو خالق کائنات کا وہ آلہ ہے جس کی مدد سے اس نے کائنات کو پیدا کیا یا وہ قدیم و ازلی منبع ہے جس سے نہ صرف تمام مخلوقات کا بلکہ خود خالق کائنات کا صدور ہوا ہے[2]

کلام زبان ہے اور زبان کلام ہے زبان کے تمام پہلو اپنے اندر مکمل علمی وسعت اور جامعیت رکھتے ہیں زبان اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے اور اس کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے یہ مافی الضمیر کی ادائیگی کا ایک بہترین ذریعہ ہے دنیا میں بے شمار زبانیں بولی جاتی ہیں ان میں جو اختلاف واقع ہوتا ہے وہ اہل علم و عقل کے لئے راہنمائی کا کام دیتا ہے۔

لفظ کی پیدائش اور زبان کا ارتقاء: لفظ کی پیدائش کس طرح ممکن ہوئی؟ اور آغاز کائنات کے دور میں انسان نے کس طرح بولنا سیکھا؟ اس بارے میں ایک گروہ کا کہنا ہے کہ کائنات پر آنے والے پہلے انسانوں کو بولنا نہیں آتا تھا بلکہ وہ بے معنی و بے ہنگم آوازیں نکال کر اور اپنے جسم کے اعضاء کو حرکت دے کر اپنا مدعا ایک دوسرے پر واضح کرتے تھے پھر موقع محل کی مناسبت سے مسلسل مشق کے بعد الفاظ وضع ہونے لگے جو آہستہ آہستہ ایک زبان کے قالب میں ڈھل گئے آغاز لسان کے اس نظریے پر دوسرا گروہ یہ اعتراض پیش کرتا ہے کہ انسان اگر حیوانوں کی طرح شروع میں آوازیں نکالتا رہا ہے اور بتدریج ان حیوانی طرز کی آوازوں نے ایک زبان کی شکل اختیار کر لی تو اس سے حضرت انسان کے اشرف المخلوقات ہونے پر ایک بدنما داغ لگ جاتا ہے جیسے ڈارون کا نظریہ ارتقائے انسان آہستہ آہستہ دم توڑ گیا ہے ایسے ہی آغاز لسان کا یہ نظریہ بھی انسان کی توہین پر مبنی ہے نہ صرف انسان کی توہین بلکہ یہ زبان کی توہین بھی ہے جبکہ

---

[1] (i) ماہ نو، نگران، کفیل احمد، مقالہ نگار، محمد علی صدیقی، جلد اول، ص 48 - 343 (ii) ارمغان دانشگاہ، ص 15 [2] زبان اور شاعری، ص 3

حقیقت یہ ہے کہ انسان اپنی گفتگو کے الفاظ اپنے ساتھ لایا اور الہامی مذاہب اسی کی گواہی دیتے ہیں بائبل کتاب پیدائش میں ہے کہ "پھر خدا نے کہا کہ ہم انسان کو اپنی صورت پر اپنی شبیہ کی مانند بنائیں اور وہ سمندر کی مچھلیوں اور آسمان کے پرندوں' چوپایوں اور تمام زمین اور سب جانداروں پر جو زمین پر رینگتے ہیں اختیار رکھیں اور خدا نے انسان کو اپنی صورت پر پیدا کیا خدا کی صورت پر اس کو پیدا کیا نر و ناری ان کو پیدا کیا اور خدا نے ان کو برکت دی اور کہا کہ پھلو اور بڑھو اور زمین کو معمور و محکوم کرو اور سمندر کی مچھلیوں اور اور ہوا کے پرندوں اور کل جانوروں پر جو زمین پر چلتے ہیں اختیار رکھو"[1] "اور خداوند نے آدمؑ کو حکم دیا اور کہا کہ تو باغ کے ہر درخت کا پھل بے روک ٹوک کھا سکتا ہے لیکن نیک و بد کی پہچان کے درخت کا کبھی نہ کھانا کیونکہ جس روز تو نے اس میں سے کھایا تو مرا"[2] بائبل کے بیان کے مطابق خداوند خدا نے انسان کو اپنی صورت پر بنایا اور اسے کائنات کی تمام مخلوقات پر حکومیت عطا کی تو یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ انسان کو خداوند نے زبان عطا کرنے سے محروم رکھا ہو اور اسے گونگا بنایا ہو اور اس نے جانوروں کی طرح بے ہنگم آوازیں نکال کر بولنا سیکھا ہو جن پر اسے فضیلت عطا کی گئی تھی اس کے بعد خداوند کا آدمؑ سے کلام کرنا کہ اس درخت ممنوعہ کا پھل نہ کھانا کیونکہ اس پھل کا کھانا تیرے لئے ہلاکت کا باعث ہو گا یہ بات اگر آدمؑ سے کہی گئی تو آدمؑ نے سنی اور اگر آدمؑ نے سنی تو آدمؑ کی یہ صفت ظاہر ہوئی کہ وہ زبان کو سمجھنے کی صلاحیت رکھتا ہے یعنی وہ زبان جانتا ہے اور پھر حوا کے بہکاوے میں آکر آدمؑ کا پھل کھا لینا اور سزا کے طور پر دنیا میں بھیجا جانا۔ یہ تمام شواہد اٹل حقیقت ہیں اور یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ جب ماں باپ (آدمؑ و حواؑ) زبان جانتے ہوں اور ان کی اولاد کو بولنا نہ آتا ہو بلکہ انہوں نے جانوروں کی طرح بے ہنگم و بے معنی آوازیں نکال کر تدریجاً "بولنا سیکھا ہو۔

"خداوند خدا نے کل دشتی جانور اور ہوا کے کل پرندے مٹی سے بنائے اور ان کو آدمؑ کے پاس لایا کہ دیکھے وہ ان کے کیا نام رکھتا ہے اور آدمؑ نے جس جانور کو جو کہا وہی اس کا نام ٹھہرا اور آدمؑ نے کل چوپایوں اور ہوا کے پرندوں اور کل دشتی جانوروں کے نام رکھے۔"[3]

آدمؑ نے جب کائنات کے تمام جانداروں کے نام رکھے تو اس کے بعد بھی یہ کہنا کہ انسان زبان سے نابلد دنیا میں آیا تو اس کو صرف الہامی تعلیمات سے انحراف کرنے والے دماغ کی اختراع ہی قرار دیا جا سکتا ہے۔ قرآن مجید کا تصور انسانیت بھی شرف انسانیت کا درس دیتا ہے ارشاد خداوندی ہے۔

لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم○[4] (القرآن) ترجمہ = بے شک ہم نے آدمی کو اچھی صورت پر بنایا۔

ارشاد نبویؐ ہے: **خلق اللہ آدم علی صورتہ** (الحدیث) (بخاری، مشکوٰۃ) ترجمہ = اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنی صورت پر تخلیق کیا۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو تخلیق کرنے کے ساتھ علم بیان

---

[1] بائبل "کتاب پیدائش" باب اول" آیت 26 تا 29 [2] ایضاً" باب دوم" آیت 16 تا 17
[3] کتاب پیدائش" باب دوم" آیت 19 تا 20 [4] القرآن الکریم = 4:95

عطا فرمایا ارشاد خداوندی ہے **خلق الانسان○علمہ البیان**[1] (القرآن)

ترجمہ = انسانیت کی جان محمدؐ کو پیدا کیا ماکان ما یکون کا بیان انہیں سکھایا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو تمام اشیاء کے نام سکھائے ارشاد خداوندی ہے **وعلم آدم الاسماء کلھا ثم عرضھم علی الملئکۃ فقال انبئونی باسماء ھولاء ان کنتم صدقین**[2] (القرآن) ترجمہ = اور اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو تمام (اشیاء کے) نام سکھائے پھر سب (اشیاء) کو ملائکہ پر پیش کر کے فرمایا سچے ہو تو ان کے نام تو بتاؤ۔

اللہ تعالیٰ نے کائنات میں موجود ہر چیز کو انسان کے لئے بنایا ارشاد خداوندی ہے

خلق لکم ما فی الارض جمیعا[3] (القرآن)

ترجمہ = تمہارے لئے بنایا جو کچھ زمین میں ہے

وسخر لکم الیل والنھار والشمس والقمر والنجوم مسخرات بامرہ ان فی ذلک لایت لقوم یعقلون[4] (القرآن)

ترجمہ = اور اس نے تمہارے لئے مسخر کئے رات اور دن اور سورج اور چاند اور ستارے اس کے حکم کے باندھے ہیں بے شک اس میں نشانیاں ہیں عقلمندوں کو۔ ان آیات قرآنیہ میں انسان کو اشرف المخلوقات قرار دیا گیا ہے اور کائنات کی تمام اشیاء کو اس کے فائدے کے لئے اور اس کا مطیع و فرمانبردار بنایا گیا ہے قرآن بھی آدمؑ کے ساتھ اللہ رب العزت کی گفتگو کو بیان کرتا ہے اور شجر ممنوعہ کے پاس جانے سے آدمؑ کو منع کیا گیا ہے ان تمام حقائق کی موجودگی کے برعکس انسان کو زبان سے ناآشنا ثابت کرنے کی تمام کوششیں ایسی ہیں جو وحی و مذہب کی روشنی سے ہٹ کر صرف اور صرف رائے کی بناء پر کی گئی ہیں اس کا مقصد صرف یہ تھا کہ انسان کے مرتبے و مقام کو پستی میں دھکیلا جائے جبکہ الہامی تعلیمات اس بات کی گواہی دے رہی ہیں کہ انسان شروع سے بولنا جانتا تھا۔

یونان کے قدیم فلسفی اس امر میں پختہ یقین رکھتے تھے کہ الفاظ کے ذریعے اپنے مافی الضمیر کے اظہار کی صلاحیت اسی طرح انسان کو دوسرے جانداروں پر شرف بخشتی ہے جس طرح عقل چنانچہ عقل اور تکلم کے لئے ان کے یہاں ایک ہی لفظ تھا "لوگوس" LOGOS = عربی کا لفظ "نطق" بھی اسی طرح ان دونوں مفاہیم کو ادا کرتا ہے افلاطون اپنی کتاب کریٹائلس KRYTYLAS میں دونوں نظریات سے بحث کرتا ہے لیکن کسی حتمی نتیجے پر نہیں پہنچا وہ اپنے ساتویں خط The Seventh Epistle میں کہتا ہے "کوئی ذی فہم شخص ان خیالات کو جن پر اس کی عقل نے غور کیا ہے کبھی الفاظ کا جامہ پہنانے کی کوشش نہ کرے گا"

ارسطو کے مطابق "زبان وضع کی جاتی ہے کیونکہ کوئی نام طبعی طور پر خود بخود وجود میں نہیں آتے"

---

[1] القرآن الکریم = 55:3-4 [2] القرآن الکریم = 2:31 [3] القرآن الکریم = 2:29
[4] القرآن الکریم = 16:12

اپیکورس (EPICURUS) نے افلاطون اور ارسطو کے بین بین موقف اختیار کیا ہے کہ الفاظ کی صورتیں طبعی طور پر وجود میں تو آئیں لیکن بعد میں وضعی طور پر تبدیل کر دی گئیں۔

رواقیین (THE STOICS) شدت سے طبعی نظریے کے حامی تھے افلاطونیت جدیدہ نے افلاطون کے معمے کا یہ حل پیش کیا کہ زبان چونکہ اسفل الاصل ہے اس لئے حقیقت کا احاطہ کرنے سے قاصر ہے تاہم وہ اتنا کر سکتی ہے کہ سامع کو ایک ایسے نقطے پر پہنچا دے جہاں سے وہ الفاظ کی مدد کے بغیر آگے جا سکے اور ایسی معرفت حاصل کر سکے جو الفاظ کے ذریعے دوسروں تک منتقل نہیں کی جا سکتی۔ محمد ہادی حسین کے بقول یونانی فلسفے کے دور کے بعد زبان کی اصل کا مسئلہ دوبارہ اٹھارویں صدی میں فلسفیانہ فکر کا ایک مرکزی موضوع بنا[1] جبکہ یونانی فلسفے کے دور اور اٹھارویں صدی عیسوی کے درمیان اسلام کے آغاز و عروج کا

ایک عظیم الشان دور ہے جس میں حیات انسانی سے متعلقہ کائنات ارض و سما کے اسرار و رموز سے دنیا کے قابل ترین افراد نے پردہ اٹھایا۔ حیات انسانی کے ہر پہلو مذہب، سائنس، فنون لطیفہ، فنون حرب، سماجی، سیاسی، معاشی، عائلی، طبی، فلسفہ، الہیات، علم الکلام، منطق، نجوم، غرضیکہ ہر شعبے میں قابل قدر خدمات انجام دیں اور اقوام عالم کے لئے پیش رو (PIONEER) ثابت ہوئے ان قابل قدر ہستیوں میں ابن سینا، فارابی، کندی، ابن الہیثم، غزالی، محی الدین ابن العربی، ابن رشد، ابن طفیل، ابن خلدون، امام فخر الدین رازی، قرطبی، شاطبی، ابن مسکویہ، ابن کثیر، جلال الدین سیوطی، جلال الدین رومی، مجدد الف ثانی اور شاہ ولی اللہ جیسے آسمان علم و دانش پر چمکنے والے ستارے شامل ہیں۔

اموی دور میں فلسفیانہ مباحث شروع ہو چکے تھے اور بنو عباس کے دور میں عروج پر تھے خلیفہ مامون الرشید نے ایک دار الترجمہ قائم کیا جہاں یونانی، ہندی، ایرانی کتب کے ترجمے کیے جانے لگے اس طرح مسلمانوں نے یونانی فلسفے اور دیگر نظامہائے فلسفہ کا گہرا مطالعہ کیا اور فلسفیانہ مسائل کا اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ادراک کیا۔ زبان کی اصل کے مسئلہ پر عباسی دور میں دو واضح مسلک تھے۔

(i) اشعری (ii) معتزلی

1۔ زبان اور شاعری، ص 32

(i) **اشعری مسلک:** امام اشعری کا مسلک یہ ہے کہ الفاظ کی وضع ایجاء و توقیف سے ہوئی اللہ تعالی نے جب حضرت آدم علیہ السلام کو تخلیق کیا تو انہیں گفتگو کے لئے الفاظ بھی بتائے پھر جب وہ اس کائنات میں آئے تو حسب ضرورت الفاظ کی وحی بھی ان کی جانب ہوتی رہی یہاں تک کہ مجموعہ الفاظ نے ایک زبان کی صورت اختیار کر لی۔

علامہ جلال الدین سیوطی، ابن فارس، ابن زید، ابن حاجب، اور سعید ابن جبیر کی تحقیق بھی اس کے قریب تر ہے اشعری مسلک کا ایک اور انداز یہ بھی ہے کہ ابتدائی تعلیم الفاظ کی تو بذریعہ وحی ہوئی پھر انہی الفاظ معلومہ کو گھٹا بڑھا کر یا بعض کو بعض سے ترتیب دے کر انسان نے اپنی اصطلاحات کے لئے الفاظ کا دائرہ وسیع کر لیا۔

(ii) **معتزلی مسلک:** ابو ہاشم معتزلی نے کہا کہ الفاظ وضع کرنے والا خود انسان ہے اپنے نفس اور ماحول کی تحریکات سے متاثر ہو کر آہستہ آہستہ اس نے الفاظ کا ذخیرہ جمع کر لیا جس نے ایک زبان کی صورت اختیار کر لی ابو ہاشم کی اس تحقیق کو دوسرے معتزلی علماء نے تسلیم کیا۔

معتزلی مسلک واصل بن عطا کا ہے اور عمرو بن عبید، ابو الہذیل محمد العلاف، ابراہیم بن سیار، النظام، بشر بن معتمر، معمر بن عباد، ثمامہ، عمرو بن بکر الجاحظ، اور ابو ہاشم، معتزلی مسلک کے سربر آوردہ افراد ہیں مسلک معتزلہ کے دوسرے رخ یہ ہیں۔

(i) ایک گروہ تو اس کا قائل ہوا کہ انسان نے جب آنکھ کھولی تو اسے موجودات عالم میں مختلف آوازیں سنائی دیں کچھ تو حیوانوں کی آوازیں تھیں جو مختلف حالتوں میں جداگانہ کم و کیف سے ان کے منہ سے نکلتی تھیں مثلاً مرغی جب چیل کو دیکھتی ہے تو اپنے بچوں کو اس کا شکار ہو جانے سے محفوظ رکھنے کے لئے ایک

قسم کی موٹی اور مسلسل آواز نکالتی ہے لیکن جب کسی غلہ کا دانہ پاتی ہے اور بچوں کو اس کے لئے بلاتی ہے تو اس وقت اس کی آواز میں شفقت اور محبت کے جذبے کا ایک لطیف اظہار پایا جاتا ہے اس سے ترہیب و ترغیب کے وقت مختلف آوازوں کا نکالنا انسان نے سیکھا اسی طرح دیگر حیوانوں کی آوازوں کو سنتا رہا اور ان کی مختلف حالتوں کے تغیرات کا اندازہ کرتا گیا پھر درختوں کی جنبش، ہوا کا چلنا، پتوں کا گرنا، پانی کا برسنا، بادل کا گرجنا، غرضیکہ یہ گوناگوں صدائیں تھیں جو انسان کے گرد و پیش گونج رہی تھیں اب انسان نے بھی ان

آوازوں کو اپنے منہ سے نکالنے کا ارادہ کیا تو اس کا آلہ صوت چونکہ زیادہ لچکدار اور نرم و سبک تھا اس لئے کائنات کی صدائیں جب اس کے منہ سے صدائے بازگشت ہو کر نکلیں تو زیادہ صاف اور زیادہ قابل افہام و تفہیم تھیں اسی بنیاد پر الفاظ کی تعمیر شروع ہو گئی جسے کچھ عرصہ میں زبان کا رتبہ دے دیا گیا (ii) دوسرے گروہ نے یہ کہا کہ انسان کی طبیعت میں وضع اصوات کی قابلیت فطری ہے مثلاً شدت کرب میں چیخ کا نکل جانا' حالت مرض میں اضطراری طور پر ہائے ہائے کرنا' خوشی میں واہ کا بے ساختہ کہہ اٹھنا' یہ اصوات تعلیمی و اکتسابی نہیں ہیں بلکہ طبعی ہیں بعینہ اسی طرح مختلف جذبات و خواہشات کے وقت خود بخود طبیعت انسان نے ایک آواز پیدا کی جسے آگے چل کر لفظ کی شان حاصل ہو گئی پھر جب ضروریات اور اشیاء کے اسماء وضع کرنے اور خیالات کے اظہار کا موقع آیا تو اس وقت یہی طبیعت کی خلاقی ظاہر ہوئی اور اسی وقت قوت فاعلہ و منفعلہ کی تاثیر و تاثر سے انسان جو کچھ بول اٹھا انہی طبعی صداؤں اور بولیوں کے مجموعہ سے ایک زبان بن گئی (iii) تیسرے گروہ نے اپنا یہ خیال ظاہر کیا کہ جس طرح مختلف اشیاء کے تصادم سے مختلف آوازیں پیدا ہوتی ہیں اسی طرح قوائے مدرکہ پر جب خیالات مختلفہ کی ضرب پہونچتی ہے تو اس تصادم سے دماغ میں ایک آواز پیدا ہوتی ہے جس کا لقب زبان پر آ کر لفظ ہو جاتا ہے مثلاً ایک پتھر کے ٹکڑے سے جب پتھر کو ٹکرایا جائے تو اس کی ایک آواز ہو گی لیکن سفیر کو جب لوہے سے ٹکرایا جائے گا تو اس کی آواز پہلے پیدا ہونے والی آواز سے مختلف ہو گی اسی طرح پتھر کو مختلف موجودات سے ٹکراتے جایئے تو اختلاف شے سے اختلاف صوت حاصل ہوتا جائے گا انسانی دماغ جس کا ہر حصہ اپنا احساس و ادراک جداگانہ رکھتا ہے جب انہی قوائے دماغیہ پر محسوسات' مسموعات' اور مشہودات کی مختلف تاثیروں کی چوٹیں پہنچیں اور خود انسان کے داخلی جذبات و تاثر نے بھی قوائے مدرکہ پر ضرب پہنچائی تو ان سے مختلف اور گوناگوں آوازیں پیدا ہوئیں اور انہی مختلف آوازوں کی ترجمانی جب زبان نے اپنی خلقی و فطری قوت و استعداد سے انجام دی تو اس سے زبان پیدا ہو گئی ۱

طوالت کے خوف سے زبان کی اصل کے متعلق عباسی دور میں کئے جانے والے فلسفیانہ مباحث میں سے بڑے اختصار کے ساتھ بیان کیا گیا ہے ورنہ مسلم فلاسفہ کی اس بارے میں طویل تحقیقی و علمی اور ATHENTIC بحثیں موجود ہیں۔ لہذا یہ کہنا کہ یونانی فلسفے کے دور کے بعد زبان کی اصل کا مسئلہ دوبارہ اٹھارویں صدی میں فلسفیانہ فکر کا ایک مرکزی موضوع بنا لاعلمی کی دلیل ہے اس کی مضبوط دلیل یہ ہے کہ جب بغداد روشن تھا تو یورپ کی گلیوں میں اندھیرے کا راج تھا

اٹھارویں صدی میں مغربی فلسفے میں دو بڑے بڑے مذاہب فکر مندرجہ ذیل تھے۔

(i) تجربین THE EMPIRICISTS (ii) عقلین THE RATIONALISTS تجربیت کے سربر آوردہ نمائندے گلیلیو (GALILEO) کوپرنیکس (COPERNICUS) کیپلر (KEPLER)

---

۱ المہین' 57

فرانسس بیکن (FRANCIS BACON) لاک (LOCKE) برکلے (BERKELY) اور ہیوم (HUME) تھے۔

ان کے مطابق انسانی علم تمام کا تمام حسی تاثرات سے حاصل ہوتا ہے جنہیں انسانی نفس تجرید (ABSTRACTION) اور تعمیم (GENERALIZATION) کے عمل کے ذریعے تصورات (CONCEPTIONS) کی شکل میں تبدیل کر دیتا ہے عقلیت کا ممتاز نمائندہ ڈیکارٹ (DESCARTES) تھا اس کا موقف یہ تھا کہ انسانی عقل کو چند بنیادی اور ناقابل انکار صداقتیں فطرۃ ودیعت ہوئی ہیں

اٹھارویں صدی میں کونڈی لیک (CONDILLAC)' روسو (ROUSSEAU) اور ہرڈر (HERDER) نے زبان کی اصل (ORIGIN) کے بارے میں اپنے اپنے نظریات پیش کئے

انیسویں صدی میں ہمبولٹ (HUMBOLDT) نے ہرڈر کے اس نظریے کی کہ فکر اور زبان متحد الاصل ہیں تائید کی یورپی محقق بوپ (BOPP) کا قول تھا کہ زبانیں نباتات و حیوانات کی طرح فطرت کی نامیاتی پیداوار ہیں جو ایسے قوانین کے تحت جو ان کے اندر مضمر ہیں نشو و نما پاتی ہیں اور ترقی و تنزل کے مختلف مراحل سے گزرنے کے بعد فنا ہو جاتی ہیں شلائخر (SCHLEICHER) نے ڈارون کے قدرتی انتخاب اور جہد للبقاء کے نظریے زبانوں پر عائد کر کے یہ تصور پیش کیا کہ زبانیں باہم مسابقت کے عمل میں مصروف رہتی ہیں اور ان میں سے جو زندہ رہنے کی اہل ہوتی ہیں وہ زندہ رہتی ہیں اور باقی ختم ہو جاتی ہیں ماہر نفسیات ونٹ (WUDNT) کا خیال ہے کہ زبانی بول چال اعضائے بدن کی عمومی اظہاری حرکات کی ایک ترمیم شدہ صورت ہے یہ گویا ایک طرح کی حرکاتی اور سکناتی زبان تھی جو ابتدائی ادوار میں رائج تھی ۱

ابتدائے آفرینش سے انسان کی معاشرتی زندگی کے تسلسل کو برقرار رکھنے کا بہترین ذریعہ رہی ہے زبان کے ذریعے ہی انسان نے اپنی ابتدائی معاشرتی زندگی کی ترقی اور آپس کے تمام معاملات میں بہتر انداز کے ذریعے رابطہ قائم کرنے کی ضرورت محسوس کی ہر علاقے کے معاشرتی تہذیبی' تاریخی اور جغرافیائی حالات کی وجہ سے ہر قوم کی علیحدہ زبان تھی لیکن جہاں کہیں بھی زمانہ قدیم اور حتی کہ آج کے دور جدید میں بھی دو مختلف اقوام نے آپس میں جب میل جول رکھا تو اس کے نتیجے میں ایک تیسری نئی زبان کا وجود ہوا جو کہ انہی دو زبانوں کے الفاظ اور پھر انسانی اختراع کے مطابق دوسرے محرکات کے زیر اثر چند نئی تراکیب پر مشتمل ہوتی ہے اس کی روشن مثال اردو زبان کا وجود میں آنا ہے جو کہ عربوں کی برصغیر میں آمد کے کئی سو سال بعد تک بھی موجود نہیں تھی لیکن جوں جوں مختلف اقوام کا آپس میں معاشرتی تہذیبی اور جغرافیائی رشتہ استوار ہوا کئی علاقائی زبانیں وجود میں آئیں سنسکرت' ہندی' فارسی اور عربی زبان کے حسین امتزاج سے مغل عہد میں اردو زبان کا ارتقاء عمل میں آیا اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس میں وسعت دیا؛ لغت کے عناصر شامل ہوتے چلے گئے

ذیل میں علمائے مغرب کی لفظ اور زبان کے بارے میں جدید تحقیقات یکجا کیا جا رہا ہے۔

---

۱ زبان اور شاعری' ص 34

نوٹ = احمد حسن زیات کی کتاب تاریخ ادب عربی میں مفصل بحث موجود ہے۔

of this early prototype has survived almost unchanged as our modern alphabet".[1]

"Alphabets, writing systems in which each symbol represents a speech sound. Many pictographic writing systems developed as far as ideography and even syllabaries , but the breakthrough to true alphabetic phonetic writing took place, it seems, only on the Eshores of the Mediterranean around 2000 B.C. from this Semitic alphabet all the major alphabets in use today - Roman, Greek, Cyrillic, Hebrew, Arabic and Devanagri - are ultimately derived.[2]

ALPHABETIC

With alphabetic writing, there is a direct correspondence between graphemes and phonemes, which makes it the most economic and adaptable of all the writing systems. Instead of several thousand logograms, or several dozen syllables, the system needs only a relatively small number of units, which it then proves easy to adapt to a wide range of languages. Most alphabets contain 20 - 30 symbols, but the relative complexity of the sound system (S 28) leads to alphabets of varying size. The smallest alphabet seems to be Rotokas, used in the Solomon Islands, with 11 letters. The largest is Khmer, with 74 letters.

In a perfectly regular system, as in some of the alphabets that have been devised by linguists to record previously unwritten languages, there is one grapheme for each phoneme. However, most alphabets in present-day use fail to meet this criterion, to some degree, either because the writing system has not kept pace with changes in pronunciation, or because the language is using an alphabet not originally designed for it. Languages vary greatly in their graphemic/phonemic regularity. At one extreme we find such languages as Spanish and Finnish, which have a very regular system; at the other, we find such cases as English and Gaelic, where there is a marked degree of irregularity. The extent to which there is a lack of correspondence between graphemes and phonemes is inevitably reflected in the number of arbitrary 'spelling rules' that children have to learn.

1. Hutchinson Fast Finder Concise Encyclopaedia, P 21.
2. Macmillan Encyclopaedia, P 38.

"The term alphabet generally refers to the letters of those scripts derived from the original Phoenician alpha-bet that have roughly one sign for every phoneme". P 216

The bible (Ex. 31 : 18, 32 : 15 - 16) has God himself inscribe the tow stone Tablets of the Law that he gives to Moses with the "writing of God:. If this is a memory of the sinaitic script possible ancestor of the Phoenician alphabet, Yahveh may figure have as inventor of writing later, the Paleo - Hebrew script acquired sancity; some scrolls from Quran, though written in square Aramic letters, write the tetragrammaton (YHVH) in Paleo - Hebrew. Postbiblical Jewish tradition often refers to Adam or Enoch as discoverer of the alphabet, magic, alchemy and astrology.

In the Quran also, writing is provided a divine association. God begins his revelation when Gabriel orders Muhammad to recite from writings the angel has brought down with him from heaven (Surah 96). "Recite thou! for the lord is the most beneficent, who hath taught the use of the pen - / Hath taught man that which he knoweth not". Shanawani (c. 1610 CE) specifically states that God created the alphabet and revealed it to Adam .[1]

"Writing and alphabet is such an important invention that no other method of communication is likely to rival it. Alphabet may differ from language to language but the ideas behind them remain the same" .[2]

"Alphabet, set of letters (in customary order) used in a language, first rudiments, symbols representing speech sounds (Phonetic).[3]

"Alphabet , written symbols denoting a given sound or sounds (alpha and beta - the first two letters of the Greek alphabet). The earliest known alphabet is that discovered at Ugarit of the 13th century BC, it comprises 22 letters expressing consonants only. The latin alphabet derived via Phoenician, Greek and Etruscan versions

1. The Encyclopaedia of Religion, Vol. I, P 217.
2. Encyclopaedia Inica, P 1345.
3. New Oxford Encyclopaedia dictionary, Vol. 1, P 93.

There are also many alphabets where only certain phonemes are represented graphemically. These are the 'consonantal' alphabets, such as Aramaic, Hebrew and Arabic, where the marking of vowels (using diacritics) is optional . There are also cases, such as the alphabets of India, where diacritics are used for vowels, but the marking obligatory, with the diacritics being attached to the consonantal letters.

The earliest-known alphabet was the North Semitic, which developed around 1700 BC in Palestine and Syria. It consisted of 22 consonant letters. The Hebrew, Arabic and Phoenician alphabets were based on this model. Then, around 1000 B.C., the Phoenician alphabet was itself used as a model by the Greeks, who added letters for vowels. Greek in turn became the model for Etruscan (C. 800 BC), whence came the letters of the ancient Roman alphabet, and ultimately all western alphabet.[1]

"In an Arabic adaption of its Nabataean variant it became the alphabet of Islam .[2]

Arabic Alphabet : The Arabic Alphabet another offshoot of the early Semitic one, probably originated about the 4th century A.D. It has spread to such languages as Persian and Urdu and is generally used by the Islamic World throughout the near and middle east, in parts of Asia and Africa and in Southern Europe. Arabic is written in either of two forms. Kufic, a heavy bold formal script, was devised at the end of the 7th century; Naskhi, a cursive form, is the parent of modern Arabic writing.[3]

"The Arabic alphabet has 28 letters, all representing consonants, and is written from right to left. Twenty-two of the letters are those of the Semitic alphabet from which it descended, modified only in letter form, and the remaining six letters represent sounds not used in the languages written in the earlier alphabet. The

1. Cambridge Encyclopaedia of Knowledge, P 6.
2. A Study of History by Arnold Toynbee, Vol. VII, P 255.
3. Funk & Wagnalls New Encyclopaedia, Leon L. Bram (Editorial Director), The Dun & Bradstreet Corporation, INC, New York, Vol. I, P 414.

shape of each letter depends on its position in a word - initial, medial and final".[1]

"Arabic Alphabetic Varieties : Because of the expansion of Islam, whose holy book, the Quran, is written in the Arabic language and script, the Arabic alphabet spread from Arabia into Syria, Egypt, Persia, the Ottoman empire, the Balkan Peninsula, Southern Russia, central and south eastern Asia, and a great part of Africa. It is used by such Semitic languages as Arabic and Hebrew and by such Indo European languages as Spanish (aljamiah was the script used by the Arabs when writing Spanish), Slavonic, Iranian and Urdu (the Hindustani-Hindi written in Persian Arabic character, which is now the official script of Pakistan). The Arabic alphabet is employed for Tatar-Turkish and Malayo-Polynesian languages, and for various African tongues, including Berber, Swahili, Sudanese and Nigerian dialects.

The Arabic alphabet developed rapidly. It probably originated in the 300's A.D. and before 650 all the Arabic letters had changed heir shapes completely. In the 600's there were two main styles. Kufic, a heavy, bold, and stylized but beautiful and elegant lapidary or monumental character, ad Naskhi, a round, extremely cursive hand. In the course of time the Kufic, which had several varieties, was discontinued except for formal purposes. Naskhi became the parent of a great number of styles, used in various countries and at the courts of various sultans, and developed into the modern Arabic script used in both printing and handwriting".[2]

"The liberal arts of grammar, rhetoric and logic are all concerned with language. Each of these disciplines establishes its own rules for the use of language, each by reference to a special standard of excellence or correctness which measures language as an instrument of thought or communication. Together these three arts regulate discourse as a whole. Their relation to one another

1. The New Encyclopaedia Britanica, Encyclopaedia Britannica Inc, U.S.A. Vol. I, P 469.
2. The Encyclopaedia Americana, Grolier Incorporated U.S.A., 1980, Vol. I, P 624.

represent the relation of the various aspects of discourse - the emotional, the social, and the intellectual".[1]

"Language, as a fundamental form of human expression is a central element in every religious tradition and can be examined from a variety of perspectives".[2]

"A language has been well defined by B. Bloch and G. L. Trager as a system of arbitrary vocal symbols by means of which a social group co-operates. This definition is intended to exclude such things as non-vocal communicational systems (nautical signals, smoke signals, sign language, body language, and gestures), communication amongst animals (for example, the dancing of bees), both of which are sometimes loosely referred to as languages' and unsystematic vocal noises (human screams and grunts, the cries of animals). The definition also makes its clear

1. That language is primarily a vocal activity and that written language is secondary to spoken language
2. That language is a social activity and
3. That linguistic symbols, or words, are arbitrary, not in the sense that an individual can give a succession of sounds any meaning he chooses (for he is subject to the constraints imposed by his own linguistic community) but in the sense that there is no direct connection between words and the realities they relate to (for example, there is no direct connection between a certain hoofed quadruped and the words by which it is denoted in certain languages - horse, cheval, pferd, hippos, loshad). Human language is also set apart from all other communication systems by virtue of its infinite creativity.

The Origins of Language : From very early times men have speculated on the origins of speech. The Hebrews considered it to be a gift from the creator (Genesis XI 1 - 9) and similar views were held by the ancient Egyptians, Indians, Chinese, and others. AT various times, attempts are said to have been made to discover which

1. Great Books of the Western World, Editor in chief, Robert Maynard London, 1978, Vol. I, P 941.
2. The Encyclopaedia of Religion, Editor in chief, Mircea Eliade, Macmillan Publishing Company, New York, 1987, Vol. VIII, P 439.

was the original language of mankind by bringing up a pair of children from birth in conditions in which they would never hear a word of human speed. Herodotus relates that the Pharaoh Psamtik tried such an experiment and that the first word the children uttered was the phrygian word for 'bread', while the two children who were the subject of a similar experiment made by James IV of Scotland (1468 - 1513) are alleged to have spoken 'very guide Ebrew'.

"A serious interest in the problem of the origin of speech was taken by a number of writers and scholars in the late 18th and 19th centuries, including J. G. Herder who wrote a prize essay on the origin of language, 1772, in which he argued that language was not a gift from God but the result of impulses arising from man's innermost being, and Jacob Grimm and E. Renan who, in studies published in 1852 and 1858 respectively, put forward the view that it should be possible to work back by an inductive method to the origins of language. It has been variously suggested that speech originated in onomatopoeic imitation of the sounds of nature, in the cries of animals, in interjections uttered under the stress of pain or emotion, in sound uttered as an accompaniment to strong muscular effort, in sounds that were a spontaneous accompaniment of gestures, and so on. These theories are now largely discredited".[1]

"Science of Language : A language may be defined as a system of vocal conventional signs characteristic of the interaction of one or more communities of human beings:.[2]

"There is no agreed total for the number of languages spoken in the world today. Most reference books give a figure of 4,000 to 5,000 but estimates have varied from 3,000 to 10,000".[3]

"Language is human speech, either spoken or written. It makes it possible for people to talk to each other and to write their thought and ideas. Language is the most common system of communication. The word language may be loosely used to mean any system of communication, such as traffic lights or Indian smoke signals. But the origin of the word shows its basic use. It comes from

1. Everyman's Encyclopaedia, edited by D. A. Girling, J. M. Dent & sons Limited, London, 1978, Vol. VII, P 339.
2. Encyclopaedia American, Vol. 16, P 718.
3. Cambridge Encyclopaedia of Knowledge, P 284.

the Latin word lingua, meaning tongue. And a language still is often called a tongue. About 90 per cent of all human communication takes place through spoken language.

Thousands of years ago, prehistoric people began to develop speech. They probably discovered that speech had two great advantages over other systems of communication, such as gestures. First, speech could be used when two persons could not see each other, as in the dark. Second, it left the hands of both speakers and hearer free to do other things.

Wherever there are people, there is language. Even the most primitive jungle tribe speaks a language. Most forms of human activity depend on the cooperation of two or more persons. The lack of a common language makes any close cooperation impossible. Language has accompanied human beings in their slow and difficult climb to higher civilization. Without language for communication, there would be little or no science, religion, commerce, art, literature, and philosophy.

Scholars have counted about 3,000 spoken languages. This number does not include dialects (local forms of a language). Many languages are spoken only by small groups of a few hundred or a few thousand persons.

There are more than a hundred languages with a million or more speakers each. Thirteen languages each have over 50 million speakers. Chinese, English, Hindustani, Spanish, Russian, German, Japanese, Indonesian, French, Italian, Portuguese, Arabic and Bengali people in many countries use some of these major languages including English, French, Spanish, Portuguese and Arabic. Other major tongues have little use outside their own areas. Among them are Chinese, which has about 830 million speakers, and Hindustani, with about 320 million speakers.

All languages have certain things in common. These include

(1) a sound - pattern,
(2) Words
(3) A system of word arrangement, and
(4) A grammatical structure.

A sound - pattern is a group of sounds that the human speech organs can utter. Most languages have from 20 to 60 of these sounds. Words stand for objects, actions, or ideas. Every language has a system of word arrangement into connected patterns, such as sentences.

A grammatical structure (pattern of word behaviour) gives words meaning and function in the word group where they appear. Grammatical structure may take either or both of two forms. One form, called syntax, is the simple arrangement of words in a meaningful order".[1]

ARABIC LANGUAGE

Arabic is the native tongue of the entire indigenous population. It exists in two forms, the classical and the colloquial. The former is the language of the Quran and the standard means of communication between all parts of the Arab World.[2]

Arabic : "The main representative of the southern branch of the Semitic languages".[3]

Arabic : Semitic language, classical language is the language of the Muslims scriptures, the Quran originating in the Arabian Peninsula, it spread with Islamic conquests in the 7th and 8th centuries.[4]

"Aero-Asiatic : The major language of the group is Arabic, spoken by over 150 million people as a mother tongue, and used by several million more as a second language. It exists in both classical and colloquial forms. Classical (or literary) Arabic is the sacred language of Islam, and is used as a lingua franca of educated people throughout the Arabic speaking world. Colloquial Arabic exists in many modern dialects, not all of which are mutually intelligible -

1. The World Book Encyclopaedia, World Book Child Craft International Inc., U.S.A., 1980, Vol. 12, P 64.
2. Encyclopaedia of the Third world, by George Thomas Kurian, Facts on File Inc., New York, 1982, Vol. III, P 1526.
3. The New 20th Century Hutchinson Encyclopaedia, Edited by E. M. Horsely, Hutchinson & Company Limited, London, 1977, P 64.
4. The Joy of Knowledge Fact A INDEX A - K, P 47.

They include Algerian, Moroccan, Egyptian, Syrian, Iraqian, and several dialects of Arabia and the Sahara. Maltese, spoken by over 300,000 people on the island of Malta, is also a development from Arabic".[1]

Arabic : A member of the 'Semitic group of languages. It is written from right to left. Arabic is the mother-tongue of some 110 million people inhabiting SW Asia (the Middle East) and the countries of N. Africa. Arabic can be roughly classified into three parts.

a) Classical Arabic : the language of the Quran and the great Arab writers and poets;
b) Modern literary, or standard. Arabic, the language of the press and broadcasting, and
c) The colloquial dialects (vernaculars), which differ in a greater or lesser degree from country to country. Categories (a) and (b) are known as "written Arabic" the vernaculars are almost entirely spoken forms.[2]

"Arabic shows the fullest development of typical Semitic word structure. An Arabic word is composed of two parts : the root, which generally consists of three consonants and which provides the basic lexical meaning of the word and the pattern, which consists of vowels and which gives grammatical meaning to the word. Thus, the root Ktb combined with the pattern-i-a gives kitab ("book") whereas the same root combined with the pattern a-i gives Katib ("one who writes, clerk). The language also makes use of prefixes and suffixes, which act as subject markers, pronouns, prepositions, and the definite article.

Verbs in Arabic are regularly in conjugation. There are two tenses : the perfect, formed by the addition of suffixes, which is often used to express past time; and the imperfect, formed by the addition of prefixes and sometimes containing suffixes indicating number and gender, which is often used for expressing present or future time. In addition to the two tenses there are imperative forms, an active participle, a passive participle, and a verbal noun. Verbs are inflected for three person, three numbers (singular, dual, plural) and

1. The Cambridge Encyclopaedia of Knowledge, David Crystal, Sydney 1988, P 316.
2. The Macmillan Encyclopaedia, P 66.

two genders. In classical Arabic there is no dual form and no gender differentiation in the 1st person, and the modern dialects have last all dual forms. The classical language also has forms for the passive voice.

There are three cases (nominative , genitive, and accusative) in the declensional system of classical Arabic nouns; nouns are no longer declined in the modern dialects. Pronouns occur both as suffixes and as independent words.

With the spread of literacy and the increase in higher education in Arab world, the influence of classical Arabic on the colloquial dialects has become greater.[1]

"This literary or classical language has lived on without essential changes from the odes (qasidah) of the VIth century; the first literary documents which have come down to us. Their consummate diction, technique and form secure for them a distinguished rank in world literature. Behind them obviously lies a long evolution of the language, but the process which this evolution followed has so far not been elucidated, neither by conclusion from what is known of The Pre-Islamic dialects nor by linguistic studies of the ancient Christian - Arabic and Judaeo - Arabic texts. This Arabic of the heroic age became the language of the Quran, and it was a scared duty to keep pure and unaltered what was considered the very word of God".[2]

"Arabic chief of the S branch of the Semitic languages; pure classical Arabic, the language of the Quran, survives in Saudi Arabia, but the accepted best colloquial form is that of Egypt, established by radio broadcasts from Cairo, the 'Voice of the Arabs' and the Egyptian newspaper "Al - Ahram".[3]

"The first evidence of North Arabic, though it occurs in a form noticeably different from the standard language, is offered by the Lihyanite, Thamudene and Safaitic inscriptions from Hejaz and Jordan, which range from about the second century B.C. to about

1. The New Encyclopaedia Britanica Inc., U.S.A., Vol. I, P 469.
2. Concise Encyclopaedia of Arabic Civilization by Stephen and Nandy Ronart, Djambatan, Amsterdam, 1966, P 314.
3. Hutchinson Fact Finder, P 41.

the fifth century of the Christian era. Their script is an offshoot of the South Arabic alphabet. The earliest written document in Arabic papers is a funerary inscription in the Nabatean script, found in the vicinity of Nemarah in Jordan and dated A.D. 328. After that, with the exception of two later inscriptions, both Christian, from the sixth century, it is necessary to go down to the Quran in order to find written evidence of Arabic".[1]

South and North Arabic : South Arabic, also called Himyaritic or Sabaean, was the ancient tongue of Yemen and its environs and has survived in a few thousand inscriptions thus far discovered, the earliest of which dates from the 7th century B.C. South Arabic characters represent probably an early forking from the Sinaitic, which constitutes the connecting link between the Phoenician alphabet and its Egyptian ancestor.

"Islam substituted North Arabic for South Arabic in the Southern part of the peninsula, as it did in other conquered lands where other languages are spoken. North Arabic thus became Arabic par excellence, the language of Islam and the Quran".[2]

Arabic may be divided into two sub groups - South and North Arabic. South Arabic is known from incriptions dating from the 9th century B.C. to the 6th century A.D. It was spoken by the ancient Sabaeans, and survives in some slowly disappearing dialects on the Arabian Peninsula. North Arabic may be divided historically into early Arabic, Classical Arabic and Modern Arabic. Early Arabic is the language in which various inscriptions found in the Syrian Desert and Northern Arabic were written. It was

1. Collier's Encyclopaedia, Editorial Director, William D. Halsey, Published by Macmillan Educational Corporation, New York, 1978, Vol. 2, P 394.
2. Encyclopaedia Americana, Vol. 2, P 152.

Spoken by many Arab tribes which, beginning with the 8th century B.C, infiltrated Syria, Palestine, and Iraq.1 " Formal' Arabic is characterised by the retention of many unique Semitic phonemes, for example, the pharyngeal consonants 'ain, ha and qaf, `strangled' versions of `h' and `K' and `emphatic' consonants, D, T, S, Z, characterised by a lateral or `1-coloured' pronunciation and by their marked effect on neighbouring vowels. No spoken Arabic dialect, however, contains all the sounds of `Formal' Arabic, and pronunciation of this literary language may often be coloured by the speaker's local dialect. 2 "It would be difficult to forecast the future of classical Arabic. In Muslim countries all attempts to elevate a vernacular dialect to the position of a new literary language have proved to be failures, and we may assume that the language which has had a life of at least 15 centuries, will maintain its position so long as its bulwark exists in the religion of Islam. 3 There are so much details about Arabic language under article "ARABIA" in Encyclopaedia of Islam, Vol. 1, P. 651 to 584. You can satisfied yourself.

عربی زبان کی تعریف اردو دائرہ معارف اسلامیہ کا فاضل مقالہ نگار اس طرح کرتا ہے

"ادب عربی۔ العربیہ موسوم بہ لغتہ' نیز لسان العرب سے مراد ہے عربی زبان اپنی تمام اصناف میں یہ استعمال زمانہ قبل اسلام سے چلا آتا ہے جیسا کہ تیسری صدی کے عبرانی مآخذ میں لاشون عارابھی "LASHONARABHI" اور سینٹ جیروم ST JEROME کی تصنیف PRAEFATIO IN DANIELEM) میں ARABICA LINGUA) سے ظاہر ہوتا ہے یہی مفہوم غالباً لسان عربی (مبین) کا قرآن مجید (16 النحل :103 اور 26 الشعراء :195 اور 46 الاحقاف :12 میں ہے۔

(2) اصطلاحاً مستند عربی زبان (Cl. AR.) جو قدیم شاعری' قرآن مجید اور اسلامی ادب کی زبان ہے وسیع تر مفہوم میں اس زبان کو العربیہ سے متمیز کر کے العربیتہ الفصیحتہ یا العربیتہ الفصحیٰ کہا جا سکتا ہے فصیحتہ یا فصحیٰ مشتق ہیں فصح سے' بمعنی پاک و صاف ہونا! آشوری: پصو = خالص' روشن آرای: پصیح = روشن' درخشاں) اس سے مراد "صاف" (یعنی عام طور پر سمجھی جانے والی) عربی ہے نہ کہ "خالص عربی" جیسا کہ وہ افصح الکلام = صاف طور پر بولنا) سے ظاہر ہوتا ہے (لسان العرب' 3: 377) دیکھئے نیز اعرب = "صاف اور قابل فہم طور پر بولنا" اور صحیح عربی استعمال کرنا"

مستند (کلاسیکی) عربی' عربی کی اعلیٰ ادبی زبان ہے اگرچہ یہ تنہا تحریری زبان نہیں ہے (عربی قدیم اور

1. Encyclopaedia International, Vol 1, P 508. 2 Everyman's Encyclopaedia. Edited by D. A. GIRLING, J.M. Dent & sons limited, London, 1978, Vol, 1, P, 390. 3 First Encyclopaedia of Islam, Vol. 1, P. 394.

بعض جدید عوامی بولیاں' بالخصوص مالٹا کی بولی) = عربی کی دیگر صورتیں جن سے ہم واقف ہیں تین نمایاں ادوار سے تعلق رکھتی ہیں۔

(1) قدیم عربی جسے عربی اول بھی کہا جاتا ہے شمالی عرب کی قدیم بولی ہے (اگرچہ بہتر یہ ہوگا کہ اس اصطلاح کو سب عربی بولیوں کے فرضی مشترک مورث اعلیٰ کے لئے مخصوص کر دیا جائے) جرمن : ALTNORDARABISCH (2) دور اول کی بولیاں (اللغات) (3) عوامی زبانیں (قرون وسطیٰ کی اللغتہ العامتہ' زمانہ جدید کی اللغتہ العامیتہ یا الدارجتہ یا لہجات)"[1] (جلد 13 کے ص 132 تا ص 235 پر مفصل بحث موجود ہے۔)

عربی زبان کا تدریجی ارتقاء:

عربی سامی زبانوں میں سے ایک ہے وہ اقوام جن کا سلسلہ سام ابن نوحؑ سے جا ملتا ہے اور جو بین النہرین' جزیرہ نمائے عرب اور شام وغیرہ کے علاقوں میں آباد تھیں اور بعض اب تک ہیں ان کی زبانیں سامی کہلاتی ہیں اس گروہ کی مشہور زبانیں یہ ہیں۔

بابلی' اشوری' فینیقی' سریانی' عربی اور حبشی

ان میں زندہ زبانیں عربی' حبشی' عبرانی اور سریانی ہیں اور سب سے زیادہ ترقی یافتہ عربی ہے سامی زبانوں کے نقطہ آغاز کی تحقیق مشکل ہے غالباً بابلی اور قدیم اشوری زبانیں سب سے پہلے وجود میں آئیں جو سامی شرقی کہلاتی ہیں سامی غربی میں کنعانی' عبرانی' فینیقی وغیرہ ہیں سامی غربی کی دو شاخیں ہیں ایک شمالی اور دوسری جنوبی' جنوبی میں عربی آتی ہے۔

اسی طرح عربی کے آغاز کے بارے میں کہ یہ کس زبان کی شاخ ہے اور اس کی نشو نما کیونکر ہوئی کچھ کہنا مشکل ہے سامی عربوں کے بارے میں اثری تحقیقات کے نتیجہ کے طور پر جس قدیم ترین عربی سلطنت کا پتہ چلتا ہے اس کا بادشاہ حمورابی تھا جس نے حضرت عیسیٰ سے ڈھائی ہزار سال پہلے بابل میں ایک عظیم سلطنت کی بناء ڈالی تھی اس کے کتبے قدیم عربی زبان کے اولین نمونے ہیں یعنی اسلام کی آمد تک تین ہزار سال سے زیادہ کے عرصہ میں یہ برابر ارتقائی منازل طے کرتی رہی تا آنکہ اس نے ایک مستقل شکل حاصل کی ایک مستقل شکل حاصل کرنے کے بعد بھی عربی میں بعض اختلافات باقی رہے اور ابھی تک لہجے اور روز مرہ اور اسالیب کے اختلافات باقی ہیں جو زیادہ تر جغرافیائی حالات کی تبدیلی' معاشرتی اختلافات اور رسم و رواج کے جداگانہ طریقوں کے باعث پیدا ہوئے۔ چنانچہ ہر قبیلہ کی زبان کا ایک خاص نام قرار دیا گیا۔

قبیلہ قضاعتہ کی زبان عجعجتہ کہلاتی تھی قبیلہ حمیر کی زبان طمطمانیتہ کہلاتی تھی قبیلہ ھذیل

---

[1] اردو دائرہ معارف اسلامیہ' جلد 13 ص 132

کی زبان فحفحتہ کہلاتی تھی قبیلہ تمیم کی زبان عنعنتہ کہلاتی تھی قبیلہ اسد کی زبان کشکشتہ کہلاتی تھی قبیلہ طے کی زبان قطعتہ کہلاتی تھی

لہجوں کے یہ اختلافات نہایت وسیع ہیں اگر انہیں نظرانداز بھی کیا جائے تو عربی کی دو بڑی شاخیں قرار پاتی ہیں شمال کی زبان اور جنوب کی زبان شمالی عدنانی اور جنوبی قحطانی = یہ تفریق المانوی مستشرق گلیزر کی تحقیق بموجب 447ء میں سیل عرم کے بعد واقع ہوئی تھی جبکہ قحطانی قبائل شمال کی جانب ہجرت کر گئے یہ اختلافات اسلام کی آمد تک یونہی رہے مگر اسلام نے جہاں اور لاتعداد محاسن کا ان میں اضافہ کیا وہیں ان کثیر لسانی اختلافات کو ختم کر کے ایک سٹینڈرڈ (STANDARD) معیاری زبان میں انہیں تبدیل کر دیا چنانچہ قرآن مجید کی زبان قبیلہ مضر کی فصیح اور شیریں زبان ہے اسی نے بالآخر سب پر غلبہ پایا گو دور دور پھیلے ہوئے قبائل میں اب تک لہجوں اور روز مرہ کے معمولی اختلافات چلے آتے ہیں۔[1]

عربی زبان وسطی اور شمالی عرب کے خانہ بدوش قبائل ہی کا مخصوص ورثہ نہیں بلکہ اس ملک میں ایسی قومیں بھی مستقل طور پر آباد تھیں جن کے تعلقات دوسری مہذب اقوام سے قریب تر ہو چکے تھے عرب کے جنوب مغربی گوشے میں یمن کی قدیم تہذیب اور شام و عراق کے سرحدی علاقوں کے درمیان مستقل تجارتی تعلقات قائم تھے جن کی وجہ سے ثقافتی اثرات کی راہیں وسط عرب میں بھی کھل گئیں تجارتی شاہراہوں کے کھلنے کی وجہ سے معروف برادریاں پیدا ہو گئیں مثلاً اہل مکہ جو خون اور زبان کے تعلقات کی وجہ سے خانہ بدوشوں کے زیادہ قریب تھے اور بظاہر اپنے اطوار و خصائل میں بھی ان سے کچھ زیادہ ممیز نہ تھے دریائے فرات کے کنارے حیرہ کے مقام پر ایک عرب خاندان ایرانی تحفظ میں حکومت کیا کرتا تھا اور ملک شام کے ڈانڈوں پر قدرتی طور پر عربوں کو نصرانی آرامی تہذیب سے زیادہ قریب کا واسطہ ہو گیا لیکن عربی زبان نے آرامی ادب کا اثر اسی طرح بہت کم قبول کیا جس طرح کہ عرب کے خانہ بدوش قبائل آرامی تہذیب و ثقافت کا اثر قبول کرنے سے بچے رہے جن کا مقصد ہی یہ تھا کہ وہ قدرت کے ہاتھوں مطعون ہو کر یا تو اپنی ابتدائی سادگی ہی کو قائم و برقرار رکھیں یا تنازع للبقاء کی کشمکش کے رگڑے میں آکر فنا ہو جائیں"[2]

عربی زبان کی جامعیت کی شہرت صرف سرزمین عرب اور اس کے ملحقہ علاقوں تک محدود نہیں تھی بلکہ ہندوستان کے وسیع علاقوں تک عربی زبان اپنا لوہا منوا چکی تھی

"سندھ اور اس سے متصل شمالی و مغربی علاقوں کے اور خود ہندوستان کے بعض راجے مہاراجے عربی زبان جانتے تھے اور صحابہ کرامؓ کے اشعار تک ان کو یاد تھے چنانچہ راجہ رتبیل نے ایک موقع پر حضرت حسان بن ثابتؓ کا ایک شعر خود سنایا اور جواب میں عربی کے اشعار سنے:"[3]

---

[1] تاریخ ادبیات عربی' سید ابو الفضل' دکن' 1954ء' ص 4

[2] مقدمہ تاریخ ادبیات عرب' ایچ۔ اے۔ آر۔ گب' مترجم' سید محمد اولاد علی گیلانی' لاہور' 1959ء' ص 12

[3] ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں' قاضی اطہر مبارکپوری' مکتبہ عارفین کراچی' 1967ء' ص 315

ایران و خراسان اور ماوراء النہر کے علاقوں میں جو مقامی خود مختار غیر عرب سلطنتیں قائم ہوئیں ان میں غزنوی سلطنت عربی زبان اور اس کے علوم کی خدمت کے سلسلے میں بہت ممتاز ہے اس عہد میں عربی علم و ادب کی زبان ہونے کے علاوہ دفتری زبان بھی تھی اور غزنویوں کی علم پروری کی وجہ سے عربی دان اہل علم کی ایک اچھی خاصی تعداد پیدا ہو گئی جن میں بعض کو عربی زبان و ادب کی تاریخ میں شہرت عام اور بقائے دوام کا مرتبہ نصیب ہوا۔ ان علماء و فقہاء نے عربی کے نثری ادب میں قیمتی اضافے کے ساتھ ساتھ عربی شاعری میں بھی اپنے غیر فانی نقوش چھوڑے ہیں جو ثعالبی کی یتیمتہ الدھر اور ابوالحسن الباخرزی کی دمیتہ القصر کے صفحات میں ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو گئے ہیں غزنوی دور کی ان مایہ ناز ہستیوں میں سے ایک البیرونی بھی تھا۔[1]

لغت عربی جو قبل از اسلام صرف جزیرہ عرب کے بعض علاقوں تک محدود تھی اسلام کی اشاعت کے ساتھ دنیا کے اطراف و اکناف میں پھیل گئی دنیا کے ہر خطہ میں بسنے والوں نے قرآن و سنت کو سمجھنے اور دین اسلام پر عمل کرنے کے لئے اس کی تحصیل و تعظیم کی جس کی وجہ سے بقول محمد الحاج الصدوق لغت عربی مختصر سے عرصے میں علاقائی زبان سے عالمی زبان کی حیثیت اختیار کر گئی۔"[2]

پوری دنیا میں عربی زبان بولی اور سمجھی جانے لگی تھی اس کے ساتھ ساتھ عربی ادب بھی متواتر پروان چڑھ رہا تھا لاہور سے ہفتہ وار عربی اخبار "النفع العظیم لاهل هذا لا قلیم" 1871ء تا 1875ء تک شائع ہوتا رہا ہے G.W. LEITNER رجسٹرار پنجاب یونیورسٹی اس کے اعزازی مدیر تھے۔[3] عربی زبان و ادب کی ترویج و ترقی میں مسلمانوں کے ساتھ ساتھ غیر مسلموں نے بھی کام کیا کتابت = محققین کی رائے کے بموجب عربی رسم الخط نے قدیم مصری خط سے جنم لیا ہے عربی خط کی موجودہ شکل بیسیوں تبدیلیوں کے بعد معین ہو سکی ہے اس کی نشوونما اور ارتقاء کے بارے میں مستشرقین اور قدیم عربی راویوں کے بیانات میں بہت کچھ اختلافات ہیں ان میں ایک گروہ کہتا ہے کہ ابتداء" عربوں نے نبطی خط سیکھا اس کے ساتھ حمیری و سریانی بھی حاصل کیا ایک جماعت بابلی سے ملاتی ہے بعض لوگ آرامی کو اس کی اصل قرار دیتے ہیں

جو فینیقی رسم الخط کی ایک شاخ ہے اور بیشتر قدیم مصری خط کو ہی عربی کا مآخذ قرار دیتے ہیں جس کا ذکر پہلے ہوا موجودہ عربی خط کی مشہور اقسام نے اپنی شکل جن خطوط اور کتابت کی جن مختلف شکلوں سے حاصل کی ہے اس میں مستشرقین اور قدیم عربی راویوں کے اختلافات کو یہاں ایک نقشہ کے ذریعے پیش کیا جائے گا۔

سلسلہ رسم خط مستشرقین کے مطابق	سلسلہ رسم خط عرب راویوں کے مطابق
المصری	المصری
الفینیقی	الفینیقی

[1] المعارف "البیرونی کا وطن اور اس کی عربی شاعری" از ڈاکٹر ظہور احمد اظہر" کتبہ ثقافت اسلامیہ لاہور' نومبر 1973ء ص 5 [2] اللسان العربی' العدد السادس' رباط' جنوری 1969ء' ص 284 [3] المعارف' مقالہ نگار' سید جمیل احمد رضوی' مارچ 1978ء ص 35

المسند	الارامی	الارامی المسند
السریانی	النبطی	الصفوی الثموری اللحیانی الحمیری
السطرنجیلی	الحمیری والانباری	الکندی والنبطی
الکوفی	الحجازی (النسخ)	الحیری والانباری
		الحجازی
		الکوفی[1]

آج کل جو عربی بولی جاتی ہے وہ بنیادی طور پر وسطی اور شمالی عرب کی قدیم بولیوں سے مشتق ہے ان بولیوں کے بارے میں جہاں تک کوئی رائے قائم کی جا سکتی ہے وہ یہ ہے کہ اگرچہ ان میں فرق ضرور کیا جاتا تھا تاہم بظاہر ان کے درمیان بنیادی اختلافات نہ تھے اس لئے کہ کلاسیکی ماہرین لسان جو اب بھی بہت اہم ماخذ ہیں صرف تلفظ اور الفاظ کے اختلافات کا ذکر کرتے ہیں بمالیکہ بظاہر ان زبانوں کی ساخت یکساں تھی انہیں ماہرین لسان نے فصاحت کو معیار قرار دے کر قدیم بولیوں کو تین بڑے گروہوں میں تقسیم کیا حجاز کی بولیاں جنہیں خالص ترین مانا جاتا ہے نجد کی اور آخر میں ہمسایہ قبائل کی زبانیں جن کے بارے میں خیال ہے کہ وہ بڑی حد تک دوسری سامی یا غیر سامی زبانوں کی آمیزش سے بگڑ گئی تھیں یہ امتیاز جو ہمیشہ سے لطیف رہا ہے آج قابل قبول نہیں اس لئے کہ متعلقہ بولیاں نمایاں حد تک ترقی کر چکی ہیں

آج بھی عربی بولنے والوں کی تعداد 40 کروڑ کے لگ بھگ ہے جو ایشیائے قریب سے لے کر شمالی افریقہ تک اور خلیج فارس سے لے کر بحر ظلمات تک آباد ہیں عرب ممالک یہ ہیں عرب مع "ہلال زرخیز" Fertile Crescent سے لے کر ایرانی اور ترکی سرحدوں تک' مصر اور سوڈان کا بیشتر حصہ (دریائے نیل سے لے کر شاڈ (چاڈ) تک) طرابلس الغرب' تونس' الجزائر اور مراکش' موریتانیا' فرانسیسی مغربی سوڈان اور صحرائے شمالی اس متصل و مسلسل جغرافیائی علاقے کے علاوہ بعض الگ تھلگ منطقے بھی ہیں: افریقہ میں جبوتی اور زنجبار' یورپ میں مالٹا (پہلے مع جزائر ہالیار' متلیہ اور PANTELLARIA اٹھارویں صدی عیسوی تک) آخر میں ان شامی' لبنانی LABANON منتشر آبادیوں کی جانب بھی توجہ دلانا ضروری ہے جو شمالی اور جنوبی امریکہ میں اور فرانسیسی مغربی افریقہ میں پائی جاتی ہیں۔

اس جغرافیائی رقبے کی حدود کے اندر جو اوپر مذکور ہوا' عربی کو متعدد غیر زبانوں سے سابقہ پڑتا رہا ہے جن کی جگہ وہ لیتی رہی ہے اگرچہ ان میں سے بعض نے عربی کے دوش بدوش اپنی توانائی کو برقرار رکھا ہے (مثلاً بربری) لیکن ایک خاص بات یہ ہے کہ عربی کو مقامی زبانوں کی جگہ لینے میں اسی صورت میں کامیابی ہوئی جب ان زبانوں میں عربی سے ملتے جلتے بنیادی خصائص موجود تھے یہ صورتحال مصر میں رونما ہوئی جہاں

[1] تاریخ ادبیات عربی' سید ابو۔

کہ قبطی زبان کا رواج قرون وسطی میں ختم ہو گیا تھا۔ بمالیکہ ہندی یورپی حلقے نے باوجود اسلام کے تسلط کے اس کا کامیابی سے مقابلہ کیا ہے۔ [1]

عربی زبان کی وسعت و جامعیت:

حقیقی کلاسیکی عربی میں تحقیق و تمحص کے مآخذ ہمارے پاس حسب ذیل ہیں۔

(1) زمانہ قبل اسلام اور آغاز اسلام کی شاعری (2) قرآن مجید (3) رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور خلفائے راشدین کے رسمی خطوط جنہیں ابتدائی مورخین نے اپنی تصانیف میں درج کیا ہے اور قدیم اوراق بردی (PAPYRI) (4) حدیث (5) ایام العرب کی نثر' زمانہ قبل اسلام کی شاعری اور ابتدائی دور کے اسلامی شعراء کی زبان ایک بدوی روایت کی شاہد ہو سکتی ہے جو قرآن مجید (کی زبان) سے جدا گانہ تھی

قرآن مجید ایک الہامی کتاب ہے جو اپنے اسلوب اور اعجاز کے باعث منفرد حیثیت رکھتی ہے اس کی نثر میں بھی وہ فصاحت و بلاغت اور حسن و جمال ہے جس کی نظیر بہترین شاعری میں بھی نہیں ملتی بعض الفاظ کی املا کے بارے میں قرآن کی اولین املا کو ملحوظ رکھا گیا ہے اور ان میں کسی قسم کا ردو بدل کئے بغیر انہیں جوں کا توں رہنے دیا گیا ہے

قرآن مجید قریش کی زبان میں نازل ہوا قریش کی زبان صوتی لطافت' پاکیزگی ساخت اور حسن ترتیب کے اعتبار سے عرب کی تمام بولیوں پر فوقیت رکھتی تھی قرآن مجید کے اثر سے عربی زبان میں حسن اسلوب' کثرت مضامین اور زور استدلال پیدا ہوا۔

حدیث کی زبان سادہ' فصیح اور دلنشین ہے اور زیادہ تر روز مرہ کی جانب مائل ہے سلاست زبان اور فصاحت بیان دعاؤں اور خطبوں میں زیادہ نمایاں ہے کتب حدیث کے ابواب "الزھد و الرقاق اثر انگیزی اور دلآویزی کے اعتبار سے منفرد حیثیت رکھتے ہیں صحیحین اور امام مالک" کی الموطا زبان و ادب کے اعتبار سے بہترین شاہکار ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی فصاحت و بلاغت کا اثر صحابہ کرامؓ پر بھی ہوا حضرت ابو بکرؓ حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کے خطبات و ارشادات عربی زبان کا قیمتی سرمایہ ہیں صدر اول کی زبان کے نمونے المبرد کی الکامل' الجاحظ کی کتاب البیان و التبیین اور ابن عبدربہ کی العقد الفرید میں محفوظ ہیں۔ ایام العرب کی زبان میں جو ہم تک ماہرین لسان کے ذریعے پہنچی ہے میں صرف چند انحرافی خصوصیات نظر آتی ہیں

کلاسیکی عربی میں ایک انتہائی بیش بہا ذخیرہ لغات تھا جس کا سبب کچھ تو بدویوں کی قوت مشاہدہ تھی اور کچھ شعرو شاعری کی کثرت و فراوانی۔ اس فراوانی کا ایک باعث بولیوں کی باہمی آمیزش بھی ہو سکتی ہے

---

[1] اردو دائرہ معارف اسلامیہ' جلد 13 ص 162

اسلوب و ہیئت کے اعتبار سے یہ زبان زیادہ باثروت نہ تھی لیکن اس میں اس مقصد کے لئے کافی لوچ تھا کہ وہ اپنی بنیادی ساخت کو بگاڑے بغیر ایک انتہائی متمدن اور ممتاز ثقافت کی ضروریات کے مطابق بن کر زندہ رہ سکے

عرب کے زمانہ جاہلیت ہی میں فصیح زبان کو سیکھنے کی ضرورت محسوس ہونے لگی تھی اور جب غیر عربوں کو بنو امیہ اور بنو عباس کے عہد میں اسے سیکھنے کی ضرورت پیش آئی تو وہ لوگ جن کے پاس یہ محفوظ تھی اور جو اسے سکھاتے تھے یعنی راوی' موقع پر موجود اور تیار تھے ابو الاسود الدولی اور خلیل بن احمد اسی طبقے سے تھے لیکن جلد ہی ان کے ساتھ ایسے لوگ بھی شامل ہو گئے جو یونانی فکر سے متاثر تھے اور جنہوں نے راویوں کے روایتی علم کو نحو کی ایک منظم شکل دے دی جو علم (صرف و نحو) اس طرح تخلیق ہوا اسے نہ صرف شاعری بلکہ قرآن مجید کی توضیح و تشریح کے لئے بھی استعمال کیا گیا اس سے پہلے کہ کلاسیکی عربی عہد اسلامی کی ادبی زبان بنتی وہ چھان بین اور تنظیم کے ایک عمل سے گزر چکی تھی اور بعد ازاں اس کے قدیم مآخذ یعنی شاعری اور قرآن مجید کے اعلیٰ معیار کے مطابق ترمیم و تجدید بھی ہو گئی" [1]

اسلام سے پہلے علم و حکمت کو صرف مذہبی پیشواؤں کی میراث سمجھا جاتا تھا روشن خیال یورپ کی تاریخ علمی تحقیق کے سلسلے میں تعزیر کی مثالوں سے خالی نہیں ہے زمین کا گول ہونا یا متحرک ہونا بھی اہل مذہب کو گوارا نہ تھا اور سائنسدان ایسی باتوں پر قید اور قتل کی سزاؤں کے مستوجب قرار پاتے تھے نوع انسانی پر یہ مسلمانوں کا احسان ہے کہ انہوں نے علم کو پجاریوں اور پادریوں کے چنگل سے آزاد کرایا ذہنی آزادی عطا[illegible] علم و حکمت کی جان ہے اس طرح ہم پوری ذمہ داری کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ جدید سائنس کی بناء مسلمانوں کے ہاتھوں پڑی اور قافلہ انسانیت جو آج علم و حکمت کی شاہراہ پر گامزن ہے تو اس سفر کا آغاز مسلمانوں نے ہی کیا ہے" [2]

عربی زبان و ادب کا علم حاصل کرنا ہر باشعور مسلمان کے لئے ضروری ہے اس لئے کہ قرآن مجید اور فرمودات رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا سارا ذخیرہ عربی زبان میں ہے اور یہ زبان آج کے شوقی وطہ حسین کی نہیں بلکہ امراؤ القیس' زہیر اور لبید کے دور کی زبان ہے لہذا قرآن مجید اور احادیث رسول" کا ہر طالب علم جو تعلیمات دین کو صحیح طور پر سمجھنے کا متمنی ہو اس کے لئے ناگزیر ہے کہ عربوں کے جاہلی دور اور اسلام کے ابتدائی عہد کا سرمایہ ادب عربی نظر سے گزارے اس ضمن میں ہمارے نزدیک مبرد کی الکامل' جاحظ کی البیان والتبیین' ابن عبدربہ کی العقد الفرید اور شعرائے عرب کے المعلقات السبع کا مطالعہ کافی ہو گا" [3]

بعض مستشرقین عربی زبان کو محدود اور سمٹا ہوا سمجھتے ہیں وہ یہ نہیں دیکھتے کہ جو زبان اپنی آغوش میں اٹھارہ

---

[1] اردو دائرہ معارف اسلامیہ' جلد 13' ص 144 [2] مقالات شام ہمدرد' مرتبہ' حکیم محمد سعید' ہمدرد اکیڈمی کراچی' 1972ء ص 386 [3] شرح المعلقات السبع' محمد اسماعیل سلفی' اسلامک پبلشنگ ہاؤس لاہور' 1979ء' ص 3

تعیین کی بے پناہ صلاحیتیں رکھتی ہے وہ محدود اور سمٹی ہوئی کیسے ہو سکتی ہے یہ دعویٰ کہ عربی زبان تمام زبانوں سے زیادہ ثروت مند اور وسیع ہے کہاں تک صحیح ہے؟ اس کے جواب میں صحاح جوہری کے چالیس ہزار الفاظ اور لسان العرب اور قاموس کے ساٹھ ہزار مادے پیش کئے جا سکتے ہیں عربی زبان کے الفاظ کا یہ حیرت انگیز دائرہ ایک کروڑ تیس لاکھ پانچ ہزار چار سو بارہ تک پہنچتا ہے عربی زبان کا لفظ جس طرح اپنی حقیقت کو کھولتا ہے اسے دیکھ کر نہ صرف دوسری زبانوں کو گنگ کہنا پڑتا ہے بلکہ حیرت ہوتی ہے کہ انسان نے ایسے حقیقت نما الفاظ کیسے وضع کر لئے۔[1]

عربی دنیا کی وہ منفرد زبان ہے جو اپنے قواعد کے اعتبار سے بھی' تلفظ اور لہجے کے اعتبار سے بھی ایک کامل اور مکمل زبان ہے اس کا کوئی لفظ بھی خلاف قاعدہ نہ لکھا جا سکتا ہے نہ پڑھا جا سکتا ہے ہر اسم اور ہر فعل کے لئے قاعدہ و قانون مقرر ہے اگر کوئی لفظ مقررہ قواعد کے خلاف استعمال ہوتا ہے تو اس کے اس استثناء کے بھی ضابطے موجود ہیں اس کا نتیجہ یہ ہے کہ تقریر و تحریر میں غلطی کا امکان نہیں رہتا اور معانی کے تعین میں کوئی ٹھوکر نہیں لگتی

عربی زبان کی جامعیت اور اختصار کا یہ عالم ہے کہ بڑے سے بڑے مفہوم کو چند الفاظ میں نہیں بلکہ چند حروف میں ادا کیا جا سکتا ہے اس حقیقت کی وضاحت کے لئے ہم صرف دو ایک مثالیں پیش کرتے ہیں اردو کا فقرہ ہے "انہوں نے ہمیں پانی پلایا" اس فقرے میں پانچ لفظ ہیں جو بیس حروف پر مشتمل ہیں اگر اس مفہوم کو انگریزی میں ادا کرنا چاہیں تو یہاں بھی چار الفاظ درکار ہوں گے لیکن عربی میں صرف شنی ہو ناما "یہ کہہ دینا کافی ہے آپ اپنے مخاطب کو یہ کہنا چاہتے ہیں۔ "کیا تم بدلنا چاہتے ہو" اردو میں اتنی سی بات کے لئے پانچ لفظوں کی ضرورت پڑی عربی میں صرف ایک لفظ اتستبدلون کہہ دینا کافی ہے یہ تو لفظ تھا اس زبان میں حروف بھی جملوں کا مفہوم ادا کر دیتے ہیں مثلاً آپ کہنا چاہتے ہیں "تمہارے لئے ہے" صرف "لک" کہہ دیجئے مفہوم پورا ادا ہو جائے گا کلام اللہ کے کمال کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہو گا کہ محض زبان کی درستی' اصلاح اور حفاظت کے لئے ایک درجن سے زیادہ علوم موجود ہیں مثلاً علم الصرف' علم النحو' البیان' المعانی' فصاحت' بلاغت' انشاء' کتابت' علم التجوید و القراۃ ان میں سے ہر علم بجائے خود ایک دنیا ہے ہر موضوع پر مستقل کتابیں موجود ہیں اور ہر علم کے ماہرین جدا جدا ہیں یہ عربی زبان کا نہیں بلکہ کلام اللہ کا اعجاز ہے یہ زبان اپنے ذخیرہ الفاظ کے لحاظ سے بے مثال ہے ہم یہاں عربی کی چند معروف قاموس و لغت کی کتابوں کو بطور حوالہ پیش کرتے ہیں ان کے مجموعی الفاظ سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ عربی زبان کا ذخیرہ الفاظ کس قدر ہے "صحاح جوہری" چالیس ہزار مادہ ہائے الفاظ پر مشتمل ہے "قاموس فیروز آبادی" (م 711ھ) میں اسی ہزار مادے ہیں۔ "تاج العروس" سید مرتضیٰ زبیدی (م 1205ھ) کے مادہ ہائے الفاظ کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار ہے (بحوالہ ترجمہ مفردات القرآن' راغب اصفہانی)

---

[1] المعارف' مقالہ نگار' قاری محمد عادل خان' اگست 1977ء' ص 16-15

یہ امر ملحوظ خاطر رہے کہ ان میں نئے الفاظ اور جدید مصطلحات شامل نہیں۔ نیز یہ کہ مندرجہ بالا تعداد صرف مادہ ہائے الفاظ کی ہے جبکہ ان میں سے ہر ایک مادہ سے درجنوں مشتقات نکلتے ہیں اگر مشتق الفاظ کو شامل کیا جائے تو ان کی تعداد کروڑوں تک پہنچ جاتی ہے۔

عربی زبان میں ایک ایک چیز کے لئے درجنوں لفظ موجود ہیں دنیا کی کوئی ایسی معروف اور معلوم شئے نہیں جس کی ہر کیفیت اور ہر حالت کے لئے عربی میں کوئی جدا لفظ موجود نہ ہو اپنے ایک ہاتھ ہی کو لیجئے اس کے ہر حصہ کے جدا جدا نام ہیں حد یہ ہے کہ ہر انگلی کا جدا نام ہے انگلیوں کی پوروں کے لئے جدا جدا لفظ ہیں' خیمہ' گھوڑا' اونٹ' تلوار' نیزہ' ڈھال' ریگستان اور صحرا تو عربوں کی محبوب اشیاء تھیں ان کے بے شمار نام ہونا ایک قدرتی بات کہی جا سکتی ہے لیکن عربی میں کم و بیش ہر معلوم شئے کے ناموں کا یہی حال ہے۔ جتنے رنگ اور جتنے خواص اتنے نام چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں۔

دودھ کے لئے 13 لفظ ہیں	روشنی کے لئے 21 لفظ ہیں
سورج کے لئے 29 لفظ ہیں	تاریکی و ظلمت کے لئے 52 لفظ ہیں
بادل کے لئے 50 لفظ ہیں	بارش کے لئے 64 لفظ ہیں
کنوئیں کے لئے 88 لفظ ہیں	سانپ کے لئے 100 لفظ ہیں
پانی کے لئے 170 لفظ ہیں	اونٹ کے لئے 255 لفظ ہیں۔

یہ فہرست بہت طویل ہے لیکن طوالت کے ڈر سے اور اس اندیشہ سے کہ اسے مبالغہ آرائی پر محمول نہ کیا جائے انہیں چند مثالوں پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

عربی زبان کی وسعتوں کا اندازہ اس حقیقت سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ اس زبان کا ایک ایک لفظ بے شمار معانی کا حامل ہے لیکن ہر مفہوم کے تعین کے لئے قرینہ اور شرائط موجود ہیں تعداد معانی کی چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں ایک حال کو لیجئے اس کے 27 معنی ہیں عین ایک لفظ ہے اس کے معنی 35 ہیں عجوز لفظ کے حروف تو چار ہیں مگر معانی 60 تک بیان کئے گئے ہیں۔

قرآن مجید کی زبان عربی کی ایک اور انفرادیت اس کے تلفظ کی یکسانیت ہے آپ دنیا کے مشرق و مغرب میں کہیں چلے جائیں کلام اللہ کی ترتیل و تلاوت ایک ہی انداز میں پائیں گے جبکہ علم السنۃ کی رو سے دنیا کی ہر زبان میں ہر چار میل کے بعد تلفظ میں فرق آ جانا ایک قدرتی امر ہے دور کیوں جائیں پنجابی زبان کو ہی دیکھ لیں۔ سرگودھا' شاہ پور کی زبان جہلم اور راولپنڈی کی زبان سے کس قدر مختلف ہے بہاول پوری اور ملتانی کے تلفظ میں فیروز پور اور ہوشیار پور کے تلفظ میں کتنا اختلاف ہے علاقائی اور اضلاعی اختلاف تو ایک طرف رہا ایک ہی شہر کے مختلف محلوں اور برادریوں کے انداز تکلم میں واضح فرق ہوتا ہے لیکن کلام اللہ کی عربی اور اس کا انداز بیان دنیا بھر میں ایک ہی ہے

---

[1] اسلام اور انقلاب' مفتی عبدالرحمٰن خان' عالمی ادارہ اشاعت علوم دسمبر 1982ء' ص 123

دیگر سامی زبانوں کی طرح عربی کی خاص خوبیاں بہت سی ہیں پہلی اس کی حرفی و نحوی خصوصیت ہے کہ تمام افعال کے لئے عربی ابتداء میں ایک سہ حرفی لفظ ہوتا ہے جسے مادہ یا مصدر بھی کہتے ہیں پہلے تو اس ایک مادہ کے ہی کئی کئی معانی آتے ہیں پھر بعض صلہ کے الفاظ جیسے عن، من، علی الی وغیرہ کے ساتھ لگانے سے کئی اور جدید معانی کی صورتیں پیدا ہو جاتی ہیں یا مادہ کے اصل معانی کی ضد بھی پیدا ہوتی ہے اس کے بعد اس مادہ سے سینکڑوں مشتقات بنتے ہیں جن میں بیشتر جدید معانی کے حامل ہوتے ہیں اس طرح ایک سہ حرفی لفظ سے بعض اوقات سینکڑوں معانی پیدا کئے جاتے ہیں اسی طرح اس کی تانیث، جمع، تثنیہ اور ترکیبیں اتنی عجیب و غریب، علمی اور قریب الفہم ہوتی ہیں کہ جن کی مثال بلا استثناء دنیا کی کوئی اور زبان نہیں دے سکتی دوسری خصوصیت معانی کی ہمہ گیری ہے کہ جہاں اور زبانوں میں جملے اور فقرے ایک مطلب کو ادا کریں وہاں عربی کا ایک مفرد لفظ اس کی مکمل تعبیر پر قادر ہوتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ہزاروں سال کے استعمال اور منجھنے سے اس میں نازک سے نازک اور معمولی سے معمولی احساس، جگہ، وقت اشیاء اور ان کی تفصیلات غرض ہر چیز اور وقت کی خاص کیفیات اور ان کے اثر کو ظاہر کرنے والے الفاظ بن گئے ہیں جن کا اظہار دوسری زبانوں میں محض طویل جملوں ہی سے کیا جا سکتا ہے۔ تیسری خصوصیت اس کی اعجاز پسندی ہے جس کے ساتھ اس کا خصوصی ترنم اور موزونیت بھی شامل ہیں فصاحت و بلاغت کے حسین ترین نمونے صرف اسی زبان میں مل سکتے ہیں۔ چوتھی خصوصیت الفاظ مترادف اور لغت اضداد وغیرہ کی کثرت ہے اس کی مثال دنیا کی قدیم و جدید تمام زبانوں میں کوئی زبان نہیں دے سکتی ایک ایک چیز کے لئے سینکڑوں الفاظ اس زبان میں مل جائیں گے وہ بھی معانی کے ایسے لطیف تغیرات کے حامل کہ جہاں اس چیز کی ہیئت یا ماہیت میں ذرا سی تبدیلی ہوئی یا اسے کسی خاص وقت میں بیان کرنا ہو تو ان کے پاس اس کے اظہار کے لئے ایک نیا لفظ ہی استعمال کیا جائے گا۔ پانچویں خصوصیت اس سلسلہ میں یہ ہے کہ ایک ایک لفظ کے جہاں تین چار مختلف معانی آسانی سے مل سکتے ہیں وہیں سینکڑوں الفاظ ایسے ہیں جن کے بیس بیس معانی نکل آئیں گے سب سے اہم بات ہم مخرج، ہم صوت اور ہم صورت الفاظ کی ہے جہاں یکساں قسم کے الفاظ سے ملتے جلتے معانی بنتے ہیں خصوصیت سے یہ بات اس کی مسجع یا مقفیٰ عبارت یا وزن و موسیقی اور ہم آہنگی کے لئے بے نظیر ہے۔ ایک اور بات جس نے عربی کو ابتداء سے سنوارا اور وسیع کیا وہ اس کی قبولیت کی صلاحیت ہے جتنی زبانوں سے عربی نے اپنے دامن کو بھر لیا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے ابتداء سے ہر زمانے میں جس قوم، ملک، زبان، اور تہذیب سے عربی کا واسطہ ہوا اس نے وہاں سے ضروری الفاظ و محاورات، اصطلاحیں اور روز مرہ مستعار لئے یا اپنا لئے اپنے مادے بنا لئے پھر اسے اپنی ترکیبوں میں گھما کر اس کے بیسیوں الفاظ بنا لئے اس بات نے اسے نہ صرف بے حد وسعت بخشی بلکہ آج اس جذبے کی بدولت دنیا کی جدید ترین زبانوں میں بھی اس کا شمار اسی اثر اور شان کے ساتھ ہوتا ہے جیسا کہ کسی جدید زبان کا ہو گا۔

ادب کا مذہب سے بھی بہت گہرا تعلق رہا ہے اور مذہبی تعلیمات کو دینی ادب کے زمرے میں بھی بیان کیا گیا ہے۔

The most apparent and apposite justification for the inclusion of literary materials in the study of religion is the historical one. What is most obvious, however, is often overlooked, and thus even the familiar in this case bears rehearsal. In virtually every high-cultural system, be it the Indic, the Islamic, the Sino-Japanese, or the Judeo-Christian, the literary tradition has, though in vastly different forms and guises, developed in intimate-indeed, often intertwining-relation to religious thought, practice, institution and symbolism. 1

Arabic literature is the expression not merely of a people or a family of related nations, but of a whole civilization embracing at different times (in addition, to Arabs) Persians and Turks, Southern and Eastern "Europeans", Jews, Indians, Africans, and several peoples of central and southeast Asia. Writers from Spain to China, from Mangolia to central Africa have in the past contributed to this literature. In greater or lesser measure it has been shaped by the religion of that civilization, although not all writers have been necessarily wholehearted Muslims or even Muslims at all. 1 Arabic writings boast vividness, choiceness in description richness of vocabulary, subtlety of `Conceit', a blending of vigour and elegance. Arabic prosody is based on the line divided into hemistichs; Some 16 varieties of complex quantitative rhythm are use. 2

1- Encyclopaedia of Religion and Ethics, Vol, 8, P. 558 See also Macmillan Encyclopaedia, P. 66. See also Encyclopaedia of religion and Ethic, Vol, 1. p. 671 See. also, World Book Encyclopaedia, Vol, 12, 309.

2 Encyclopaedia Americana, Vol,-2, P, 153 See. also colliers Encyclopaedia, Vol-2, P, 394-95 2 See also Encyclopaedia International, Vol, 1, P, 509 2 Cassell's Encyclopaedia of world literature, P, 41.

Arabic literature is divided into two main periods. The classical beginning with the proverbs and poetry of the nomadic northern Arabs of the desert, was preserved by Oral transmission from the early 6th century or before and first recorded in the 7th and 8th centuries. The modern period, beginning with the 9th century literary renaissance in Syria, Egypt, Lebanon and Iraq, extends to the present. 1 The knowledge that leads to an intellectual culture of a higher degree and enables a more refined social intercourse, especially the knowledge of Arabic philology, poetry and its explanation and the ancient history of the Arabs. 2 The beginning of Arabic literature is as brilliant as it is surprising, consisting of pre-Islamic poetry with its highly developed Qasida form and intricate metrical systems. 3

ADAB = The history of this word reflects, parallel to and even better than the history of the words `ilm and din' the evolution of Arab Culture from its Pre-Islamic orgins to our own day. In its oldest sence, it may be regarded as Synonym of Sunnah, with the sence of "habit", hereditary norm of conduct, custom' derived from ancestors and other persons who are looked up to as models, (as in the religious sense, was the Sunnah of the Prophet for his community). Adab came to imply the sum of knowledge which makes a man courteous and "Urbane", Profane culture (as distinct from ilm, learning, or rather, religious learning, Kuran, Hadith and Fikh) based in the first place on poetry, the art of oratory, the historical and tribal traditions of the ancient Arabs, And also on the corresponding sciences: rhetoric, grammar, Lexicography, metries. consequently this humanistic concept of ADAB was at first strictly national: the perfect adib in the Umayyad period, was the man who excelled in knowledge of the ancient poets, in the ayyam-al-arab, in the poetical, historical and antiquarian sphere of Arab culture. 4

---

1 Encyclopedia New Britanica, Vol, 1, P, 469 2 First encyclopaedia of Islam, Vol, 1, P 122 3Everyman's Encyclopaedia, Vol, 1, P, 391

4 Encyclopaedia of Islam, Vol, 1, P, 175

ادب

ادب کا لفظ اپنے اندر وسیع معنوں کی کہکشاں رکھتا ہے یہ لفظ مذہب' تہذیب' معاشرت' سماجیات' معاشیات' سیاسیات اور دیگر نظام ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والی اہم خصوصیات کے باہم ربط کی بدولت وجود میں آیا ہے اور وسیع تر معنوں میں مستعمل ہے زبان کی جملہ اصناف کے لئے عام طور پر بولے جانے والے ادب سے مراد ادب کا صرف ایک پہلو ہے قبل از اسلام یہ ضیافت اور مہمان نوازی کے معنوں میں مستعمل تھا مہمان نوازی عربوں میں معاشرتی اقدار میں بلند مقام رکھتی تھی شائستگی' سلیقہ اور حسن سلوک بھی ادب کے معنوں میں داخل ہوئے جو مہمانداری میں شائستہ ہو گا وہ عام زندگی میں بھی شائستہ ہو گا اس سے ادب کے لفظ میں عام شائستگی بھی آ گئی اس میں خوش بیانی بھی شامل ہے اسلام سے قبل خوش بیانی کو اعلیٰ ادب کہا جاتا تھا گھلاوٹ' گداز' نرمی اور شائستگی یہ سب چیزیں ادب کا جزو بن گئیں بنو امیہ کے زمانے میں بصرہ اور کوفہ میں زبان کے سرمایہ تحریر کو مزید فروغ حاصل ہوا اسی زمانے میں گرائمر اور صرف و نحو کی کتابیں لکھی گئیں تاکہ ادب میں صحت انداز بیان قائم رہے ان کو بھی ادب کہا گیا لیکن اب انہیں معاون ادب کہا جاتا ہے جدید دور میں ادب کے معنی مخصوص قرار دیئے گئے ادب کے لئے ضروری ہے کہ اس میں تخیل اور جذبات ہوں ورنہ' ہر تحریری کارنامہ ادب کہلا سکتا ہے بعض محققین کے نزدیک خواہش تخلیق انسان کی فطرت ہے اور اسی جبلی خواہش سے آرٹ پیدا ہوتا ہے آرٹ اور دوسرے علوم میں یہی فرق ہے کہ اس میں کوئی مادی نفع مقصود نہیں ہوتا ادب آرٹ کی ایک شاخ ہے جسے فن لطیف بھی کہہ سکتے ہیں یہ غلط ہے کہ آرٹ میں کوئی مادی نفع مقصود نہیں ہوتا اس لئے کہ انسان سے تعلق رکھنے والے تمام علوم و فنون کی ایجاد انسان کی مادی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے ہوئی ہے جس سے بعد ازاں روحانی تسکین حاصل کی جاتی ہے اگر جبلی خواہش سے آرٹ پیدا ہوتا ہے اور ادب آرٹ کی ایک شاخ ہے تو جبلی خواہش نے تو انسان کو اس کے مقام سے بہت نیچے بھی گرایا ہے اور جبلی خواہش تو انسان اور آرٹ دونوں کے لئے الزام بن جاتی ہے آرٹ خواہش سے وجود میں نہیں آتا بلکہ یہ قدرت کی طرف سے الہام ہوتا ہے اور بہترین ذہن اور اچھی قسمت رکھنے والے لوگوں کی بدولت یہ عام انسانوں تک پہنچتا ہے اور عام انسان اکتساب کے ذریعے اس میں مہارت حاصل کرتے ہیں اور یہاں پر یعنی بعد میں خواہش انسانی آرٹ کی تخلیق میں داخل ہوتی ہے اس لئے کہ کائنات کے خالق نے تمام علوم و فنون وہبی طریقے سے پہلے انسان کو عطا کئے اور بعد میں اکتساب کا عمل شروع ہوتا ہے

میتھیو آرنلڈ کے نزدیک "وہ تمام علم جو کتابوں کے ذریعے ہمیں پہنچتا ہے ادب کہلاتا ہے"

کارڈینل نیومین کہتا ہے کہ "انسانی افکار' خیالات' اور احساسات کا اظہار زبان اور الفاظ کے ذریعے ادب کہلاتا ہے"

نارمن جودک کہتا ہے۔ "ادب مراد ہے اس تمام سرمایہ خیالات و احساسات سے جو تحریر میں آ

چکا ہے اور جسے اس طرح ترتیب دیا گیا ہے کہ پڑھنے والے کو مسرت حاصل ہوتی ہے"
ادبیات عالیہ (Classics) قدیم یونانیوں اور رومیوں کا علم ادب یہ لفظ اب ہر زبان کی قدیم اور معیاری ادبیات کے لئے مستعمل ہے[1]

ایک رائے یہ ہے کہ ہر ادب اپنی ایک مخصوص فضا رکھتا ہے جس کے پس منظر میں ہی اس کے تخلیقی نمونے روبہ عمل آتے ہیں اور پورے طور پر سمجھے اور سمجھائے جاسکتے ہیں کوئی پارہ ادب اپنے معاشرے سے الگ ہو کر وجود پذیر اور قابل فہم نہیں ہو سکتا تمام ادبی تخلیقات ایک خاص ماحول سے تعلق رکھتی ہیں کسی بھی ادب کا جب ایک سانچہ معین ہو جاتا ہے تو اس میں کئے جانے والے ہر تجربے کی ایک روایت ہوتی ہے جس کے نقوش واشارات ہی اس تجربے کی عمومی تشکیل کرتے ہیں ادبیات لسانیات پر مبنی ہوتی ہیں ایک زبان کے اپنے محاورات اور استعارات ہوتے ہیں جو اس کے ادب کے تاروپود تیار کرتے ہیں انسان کی دوسری سرگرمیوں کی طرح ادب بھی وقت اور مقام کی حدود کا فطری طور پر پابند ہے[2]
ایک تعریف یہ ہے کہ علم ادب' شعروادب کی عمدگی سے تحقیق کرنیوالے ادبی علوم کے لئے استعمال ہوتا ہے جیسے علم لغت' لسانی قواعد' بیان' بدیع اور معانی کے علوم کے لئے آداب (جمع ادب) رسوم اور طور طریقے کے معنی میں بھی مستعمل ہے۔[3]

احمد حسن زیات کے نزدیک لفظ ادب عربی اور دیگر سامی زبانوں میں سریانی زبان سے داخل ہوا ہے سریانی لوگ قدیم زمانے سے جنوبی عراق میں آباد تھے اس لفظ کے معنی ان کے پاس انسان کے تھے شاید بعد میں یعنی ادب سے آدم ہو گیا پھر عربی زبان نے اس کو اپنی مساوی اصل میں ہی محفوظ کیا اور ان معنوں میں استعمال کیا جن سے "آدمیت" یا "انسانیت" کے معنی مراد لئے جا سکتے تھے وہ آدمیت جس میں خصائل حمیدہ یا اس سے قریب تر صفات ہوں

احمد الشائب کے مطابق دو ظاہری وجوہ کی بناء پر غالباً لفظ "ادب" عربی میں ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ ایسے الفاظ جو "ادب" سے معنی کے اعتبار سے اور مادے کے اعتبار سے قریب ہیں پائے جاتے ہیں مثلاً "بدا ابدا" "داب" کو پیش کیا جا سکتا ہے اور یہ سب کسی چیز کے ساتھ تعلق کے معنی میں مشترک ہیں اور یہ بہت ہی عجیب اور نادر بات ہے کہ لفظ ادب اپنے ہلکے پن اور اپنے معنی کے باوجود بھی ان مشترک المعنی الفاظ کے ساتھ کتابوں میں نہیں ملتا دوسری وجہ یہ ہے کہ دوسری سامی زبانوں مثلاً سریانی اور عبرانی میں بھی یہ موجود نہیں ان زبانوں کا تعلق عربی زبان سے بہن کا سا ہے پس یہ بات مسلمہ ہے کہ لفظ خارجی نہیں بلکہ عربی الاصل ہے

---

[1] فیروز سنز اردو انسائیکلوپیڈیا' نگران اعلیٰ' عبدالسلام' لاہور' 1968 ص 63
[2] اقبال اور عالمی ادب' از' عبدالمغنی' مکتب خانہ انجمن ترقی اردو' دھلی' 1982ء ص 656 [3] افادات اقبال' از' ڈاکٹر محمد ریاض' مقبول اکیڈمی' لاہور' ص 26

عربی ادب کی کتابوں سے پتہ چلتا ہے کہ ادب کا لفظ دور جاہلیت میں مستعمل تھا ابن عبدربہ نے نعمان بن منذر کا ایک خط نقل کیا ہے جو اس نے کسریٰ کو ارسال کیا تھا اس خط میں یہ الفاظ بھی ہیں

"وقد اوتدت ایها الملک رهطا" من العرب لهم فضل فی احسابهم وانسابهم وعقولهم وآدابهم"

اسی طرح العقد الفرید میں منقول ہے کہ عتبہ بن ربیعہ نے اپنی بیٹی کے ہونیوالے شوہر ابو سفیان کا نام لئے بغیر اس کی خوبیاں شمار کرتے ہوئے کہا کہ وہ اپنے خاندان کا چاند اور عزت ہے اور انہیں ادب سکھاتا ہے وہ اسے ادب نہیں سکھاتے ہندہ نے جواب دیا کہ میں اس کا ادب شوہر کا سا کروں گی

علقمہ بن علاثہ نے کسریٰ کے سامنے کہا کہ وہ جو تم سے دور ہیں وہ کم تر نہیں ہیں ان سے جو تمہارے سامنے حاضر ہوئے ہیں تو تم سب کو فضل و مرتبہ اور سرداری کے شرف میں شریک پاؤ گے اور فاضل رائے اور ادب سے معروف و موصوف پاؤ گے[1] نثر' ضرب الامثال' خطابت اور شاعری عربی ادب کی نمایاں خصوصیات ہیں۔[2]

ان تمام مثالوں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ دور جاہلیت میں ادب کا لفظ اپنے بہترین مفہوم و معنی کے ساتھ استعمال کیا جاتا تھا اسلام کے آنے سے عربی زبان و ادب کو چار چاند لگ گئے اور زبان و ادب نے جلد ہی بے انتہا ترقی کی

---

[1] العارف' مقالہ نگار' ڈاکٹر بدرالدین بٹ' لاہور' مارچ 1983ء ص 6
[2] تاریخ ادبیات عرب' سید ابوالفضل' دکن' 1954ء ص 28

عربی لغت: زمانۂ جاہلیت میں عرب معاشرہ تمدنی منفعتوں سے اور بناوٹ و تصنع سے پاک تھا اس کی بنیادی وجہ ان کی سادہ بدویانہ زندگی تھی جو شراب، جواء، جنگ و جدل، تجارت، شعر و شاعری اور قبائلی روایات سے عبارت تھی اسی لئے قبل از اسلام کے عربی ادب میں اونٹ آلات حرب فخر و حماسہ اور قتل و غارتگری کا عنصر نمایاں نظر آتا ہے اس میں جدید مدنیت کے تقاضے اس وقت پیدا ہوئے جب عربوں نے اہل فارس و اہل روما سے تعلقات استوار کئے اس طرح عربی ادب میں ایک نئی جہت کا آغاز ہوا اور عربی زبان نے اپنی روایتی فصاحت و بلاغت کے ساتھ ساتھ اپنے آپ کو نئے تقاضوں سے ہم آہنگ کیا طلوع اسلام کے ساتھ ہی عربی ادب میں تبدیلیاں آنا شروع ہو گئی تھیں۔ اس کا بہت بڑا سبب قرآن مجید کا اعجاز لفظی و معنوی تھا جاہلیت میں جہاں ہر بات پر اشعار کو بطور سند پیش کیا جاتا تھا وہاں لوگوں نے زندگی کے تمام معاملات میں ہر پہلو پر قرآن کی مثالیں پیش کرنا شروع کر دیں اس لئے کہ قرآن اپنی فصاحت و بلاغت میں تمام عربی ادب پر چھایا ہوا تھا اور اہل کفر کو قرآن کا چیلنج تھا کہ اس جیسی ایک آیت بنا کر لے آئیں جس میں وہ ناکام ہوئے اور یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ قرآن ہی تمام علوم و فنون اور حکمت و دانش کا منبع و ماخذ ہے لہٰذا عربی ادب سے کہانت اور زجر وغیرہ میں کمی آئی دوسری اقوام سے میل جول کے باعث نئے نئے علوم و فنون مثلاً فلسفہ، کیمیا گری، طب، اور سماجی جدت طرازی عرب معاشرے میں پروان چڑھنے لگی اس کے ساتھ ساتھ دینی علوم تفسیر، حدیث، فقہ، قضاء، کلام، الہیات، تدبر انسان و کائنات اور پھر ان علوم کی چھان پھٹک میں مزید نئے علوم مثلاً اسماء الرجال کا فن، سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر پہلو کی محفوظیت، تفسیر قرآن میں نئے نئے اسالیب کا بیان، حدیث کی چھان پھٹک کے علوم و فنون، فقہ کی تدوین اور جدید عصری تقاضوں کے تحت مسائل کا استنباط، قاضی کی اہلیت و شرائط، نظام عدل کا مثالی کردار، تصوف اور دوسرے بے شمار علوم فنون کا آغاز ہوا جن پر مستشرقین آج بھی حیران ہیں قبیلہ قریش کو خانہ کعبہ کی مجاوری اور شرافت کی بناء پر پورے عرب میں بلند ترین سماجی مقام حاصل تھا اور تمام عرب اہل قریش کو عزت و بزرگی کی نگاہ سے دیکھتا تھا حج اور عکاظ کے موقعہ پر تمام عرب سے لوگ مکہ مکرمہ میں اکٹھے ہوتے اس موقع پر بہترین ادبی اور علمی مجالس کا انعقاد ہوتا جس میں نامور خطیب، شاعر، قصیدہ گو، نجومی، شعبدہ باز، اور اہل علم و نظر اکٹھے ہوتے اور بہترین مجالس منعقد ہوتیں۔ اہل قریش ان مجالس سے پورا پورا فائدہ حاصل کرتے اور عربی زبان کے فصیح و نادر الفاظ پر قدرت حاصل کر لیتے اس طرح پورے عرب میں قبائلی روایات کے امین معاشرے میں بکھرے ہوئے عربی زبان و لغت کے انمول موتی اہل قریش اکٹھا کر لیتے اس بناء پر قریش کی لغت و زبان میں نکھار پیدا ہوتا چلا گیا اور یہ پورے عرب کی ترجمان بن گئی علامہ جلال الدین السیوطیؒ نے اپنی شہرہ آفاق تصنیف الاتقان فی علوم القرآن جلد اول میں عرب کے ان چالیس قبائل کے نام درج کئے ہیں جن کی لغات میں سے کوئی غیر فصیح لفظ قرآن میں نہیں آیا ان قبائل میں قریش، ہذیل، کنانہ، خثعم، خزرج، اشعر، نمیر، قیس غیلان، جرہم، یمن، کندہ، تمیم، حمیر، مدین، لخم، سعد العشیرہ، حضرموت، سدوس، عمالقہ، انمار، غسان، مذحج، خزاعہ، غطفان، سباء، عمان، ثعلب، طی، عامر

بن صعصعہ، اوس، مزینہ، ثقیف، جذام، عذرہ، ہوازن، النمر، یمامہ شامل ہیں۔ حضرت عثمانؓ کے عہد میں جب مصاحف کے لکھنے کا وقت آیا تو حضرت عثمانؓ نے کاتبین مصاحف (اس میں حضرت زید بن ثابتؓ بھی شامل تھے) سے کہا کہ جب تمہارا اور زید بن ثابتؓ کا آپس میں قرآن مجید کی عربیت میں اختلاف نکل آئے تب لغت قریش میں لکھنا اس لئے کہ قرآن ان کی زبان میں نازل ہوا ہے

چنانچہ عرب معاشرے میں ظہور اسلام کے ساتھ ہی عظیم اصلاحی دور شروع ہوا کلاسیکی عربی میں ایک انتہائی بیش بہا ذخیرہ لغات تھا جس کا سبب کچھ تو بدویوں کی قوت مشاہدہ تھی اور کچھ شعر و شاعری کی کثرت و فراوانی۔ اس فراوانی کا ایک سبب بولیوں کی باہمی آمیزش تھی اسلوب و ہیئت کے اعتبار سے یہ زبان زیادہ باثروت نہ تھی لیکن اس میں اس مقصد کے لئے کافی لوچ تھی کہ وہ اپنی بنیادی ساخت کو بگاڑے بغیر ایک انتہائی متمدن اور ممتاز ثقافت کی ضروریات کے مطابق بن کر زندہ رہ سکے عرب کے زمانہ جاہلیت میں ہی فصیح زبان کو سیکھنے کی ضرورت محسوس ہونے لگی تھی اور جب غیر عربوں کو بنو امیہ اور بنو عباس کے عہد میں اسے سیکھنے کی ضرورت پیش آئی تو وہ لوگ جن کے پاس یہ محفوظ تھی اور جو اسے سکھاتے تھے یعنی راوی موقع پر موجود اور تیار تھے ابو الاسود الدولی اور خلیل بن احمد اسی طبقے سے تھے لیکن جلد ہی ان کے ساتھ ایسے لوگ بھی شامل ہو گئے جو یونانی فکر سے متاثر تھے اور جنہوں نے راویوں کے روایتی علم کو نحو کی ایک منظم شکل دے دی جو علم (صرف و نحو) اس طرح تخلیق ہوا اسے نہ صرف شاعری بلکہ قرآن مجید کی تشریح و توضیح کے لئے بھی استعمال کیا یعنی اس سے پہلے کہ کلاسیکی عربی اسلامی عہد کی ادبی زبان بنتی وہ چھان بین اور تنظیم کے ایک عمل سے گزر چکی تھی [1] حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو لغت میں مہارت تامہ حاصل تھی آپ نوادر، مفردات اور عربی لغات پر دسترس رکھتے تھے اور اسی بناء پر عربی کلمات کی لغوی تشریح کرتے تھے۔ عربوں نے مفردات کی روایت، شواہد کا استیعاب، اصول و قواعد کی ترتیب، مترادف الفاظ میں دقیق لغوی فرق، معرب اور دخیل الفاظ کی تحقیق، میں بہت زیادہ محنت کی۔ اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ وہ قرآن کو بہترین انداز میں سمجھنا چاہتے تھے لغت نویسی میں عرب ابتداء کرنے والے ہیں انہوں نے مردوں اور عورتوں کے ناموں پر مشتمل "کتب الطبقات" مرتب کیں انہوں نے ہر فن کی بابت ایک لغت اور بعض اوقات ایک فن سے متعلق متعدد لغات تیار کیں حضرت عبداللہ بن عباسؓ مفسر قرآن کے مطابق جب قرآن کے کسی لفظ کا معنی معلوم نہ ہوتا تو ہم اشعار کی طرف رجوع کرتے اس لئے کہ شعر عربوں کا دیوان ہے عیسیٰ بن عمر ثقفی بصرہ کے ممتاز نحویوں میں شمار ہوتا ہے اس نے عبداللہ بن ابو اسحاق وغیرہ سے حصول علم کیا اور یہ خلیل بن احمد کا استاد ہے کتاب الجامع اور کتاب الکمل اس کی

[1] اردو دائرہ معارف اسلامیہ، جلد 13، ص 144

تصنیفات ہیں یونس بن حبیب قواعد نحو کا سب سے بڑا عالم تھا اس نے عمر بھر شادی نہیں کی اور نہ کوئی لونڈی ہی رکھی اس میں طلب علم اور اہل علم سے تبادلہ خیال کے سوا کسی چیز کی طلب نہ تھی اس کی تصنیفات میں کتاب معانی القرآن، کتاب اللغات، کتاب النوادر الکبیر، کتاب الامثال، کتاب النوادر الصغیر شامل ہیں خلیل بن احمد فرہودی استخراج مسائل نحو اور تصحیح قیاس میں بدرجہ غایت ماہر تھا یہ پہلا شخص ہے جس نے علم عروض کا استخراج کیا اور اشعار عرب کو اس کی پناہ اور تائید کے لئے لایا کتاب العین اس کی تصنیف ہے اس کی دیگر تصانیف میں کتاب النغم، کتاب العروض، کتاب الشواہد، کتاب النقط والشکل، کتاب فائت العین اور کتاب الایقاع شامل ہیں ابو مالک عمرو بن کرکرہ تمام لغت عرب کا حافظ تھا اور بصری کتب فکر کا حامل تھا کتاب خلق الانسان اور کتاب الخیل اس کی تصنیفات ہیں ابو عرار اعرابی، ابو زیاد کلابی، ابو سوار غنوی ابو جاموس ثور بن یزید اعرابی، ابو شمع، شبیل بن عرعرہ ضبعی علمائے لغات میں شمار ہوتے ہیں ابو عبدالرحمان بن عبدالاعلیٰ المعروف ابو عدنان شاعر اور عالم لغت تھا کتاب الخویین، کتاب غریب، کتاب الحدیث اس کی تصنیفات میں علمائے سلف نے تفسیر حدیث میں اس کی پیروی کی ہے۔ محمد بن ہشام بن عوف سعدی المعروف ابو محلم شیبانی اسے محمد اور احمد کے ناموں سے بھی موسوم کیا جاتا ہے اعرابی تھا شعر اور لغت کا سب سے زیادہ عالم تھا اس کی تصنیفات میں کتاب الانواء کتاب الخیل، کتاب خلق الانسان شامل ہیں۔[1] ابو بکر محمد بن الحسن بن درید نے الجمہرۃ فی اللغۃ تصنیف کی مادوں کو ترتیب کے ساتھ درج کیا نادر الفاظ پر ایک الگ باب باندھا مسعودی کے بقول اس نے لغت میں ایسی چیزیں ایجاد کیں جو متقدمین کے ہاں نہیں تھیں۔ اسماعیل بن عباد بن عباس نے کتاب المحیط لکھی ابو نصر اسماعیل بن حماد الجوہری، ابو علی القالی، ابو الحسین احمد بن ذکریا ابن فارس نے کتب لغات تصنیف کیں۔ الصحاح، المحکم و المحیط، لسان العرب، القاموس جیسی مایہ ناز لغات لکھی گئی ہیں جو عربی لغت کی دنیا کی دوسری لغات پر فوقیت کی دلیل ہیں Postel 1538، Erpenius 1613، S. Desacy 1810، C.P. Caspari 1848، W. Wright، D. Vernier 1891، M.S. Howell 1880، Raphelengius 1613، Giggeius 1632، Golius 1653، E.W. Lane اور دوسرے مستشرقین نے عربی زبان اور لغت میں قابل قدر کام انجام دیا۔[2] موجودہ زمانے میں بھی عربی لغت پر کافی کام کیا گیا ہے اور مندرجہ بالا مشہور لغات کی شرحیں اور تراجم دنیا کی دیگر زبانوں میں کئے گئے ہیں عربی لغت میں تحقیق وجدت کا جو کام آغاز اسلام سے شروع ہوا وہ آج تک جاری ہے اور قیامت تک جاری رہے گا اس لئے کہ یہ قرآن کی زبان ہے اور قرآن قیامت تک انسانیت کے لئے راہ ہدایت و کامرانی ہے

1. الفہرست ص 20-105 2. (i) اردو دائرہ معارف اسلامیہ، جلد 13 ص 144 (ii) ایضاً ص 182

ادب کا اسلامی تصور: ظہور اسلام کی ضیا پاشیوں نے جہاں اس دنیائے رنگ و بو کے اسرار و رموز کو ظلمت کے پردوں سے نکال کر انسان کے لئے آشکار کیا اور کائنات اور انسان کے درمیان پائے جانے والے رشتے کی وضاحت کی وہاں انسانی زندگی سے متعلق ہر پہلو میں وحی الہٰی کی روشنی میں راہنمائی و بصیرت عطا فرمائی قرآن مجید اللہ کی طرف سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا گیا جو اپنے اسلوب اور اعجاز کے باعث منفرد حیثیت رکھتا ہے اس کی نثر میں بھی وہ فصاحت و بلاغت اور حسن و جمال ہے کہ جس کی مثال دنیا کی کسی بھی زبان میں پائی جانے والی شاعری میں بھی نہیں ملتی قرآن مجید قریش کی زبان میں نازل ہوا قریش کی زبان صوتی لطافت، پاکیزگی ساخت اور حسن ترتیب کے اعتبار سے عرب کی تمام بولیوں پر فوقیت رکھتا ہے قرآن مجید کے اثر سے عربی زبان میں حسن اسلوب، کثرت مضامین اور زور استدلال پیدا ہوا۔ قرآن پاک میں موضوعات اتنے وسیع معنوں میں بیان کئے گئے ہیں کہ انہوں نے تمام علوم و فنون کا احاطہ کر رکھا ہے قرآن کے برابر ایک آیت بنانے کا کھلا چیلنج اللہ نے دیا جو آج تک چیلنج ہے اور قیامت تک رہے گا اسلامی ادب کا سب سے پہلا اور شاندار شاہکار قرآن مجید ہے جو اصناف ادب کی تمام وسعتوں پر حاوی ہے ادب میں پائی جانے والی میل کو قرآن کے اسلوب بیان نے دھو دیا اور ادب اپنے مکمل دائرہ کار کے ساتھ جب قرآن کے زیر اثر آیا تو اس میں نکھار پیدا ہو گیا اور اسلامی ادب نے دنیا کے تمام ادب کے تصورات پر فوقیت حاصل کر لی۔

حدیث کی زبان سادہ، فصیح اور دلنشین ہے اور زیادہ تر روز مرہ کی جانب مائل ہے سلاست زبان اور فصاحت بیان دعاؤں اور خطبوں میں زیادہ نمایاں ہے کتب حدیث کے ابواب "الزھد و الرقاق" اثر انگیزی اور دلآویزی کے اعتبار سے منفرد حیثیت رکھتے ہیں صحیح بخاری و مسلم اور موطا امام مالک زبان و ادب کے اعتبار سے بہترین شاہکار ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کے عہد میں لفظ ادب ثقافت کے معنوں میں مستعمل تھا جو اصطلاحی معنی کے بالکل قریب ہے حضرت علیؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم تو ایک ہی باپ کے بیٹے ہیں ہم آپ کو مختلف وفود عرب سے گفتگو فرماتے ہوئے دیکھتے ہیں مگر اس کا اکثر حصہ ہماری سمجھ سے بالاتر ہوتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا میری تربیت میرے پروردگار نے کی اور بہت اچھی تادیب کی اور میری پرورش بنی سعد میں ہوئی ہے عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "**ان هذا القرن ماء دبته اللّٰہ فی الارض فتعلموا من ما دبته**" اس سے ظاہر ہوا کہ ادب اسم مکان ہے جو حدیث میں بطور تشبیہ استعمال ہوا ہے قرآن وہ آداب بیان کرتا ہے جن کی طرف اللہ اپنے بندوں کو بلاتا ہے ادب کریمانہ اخلاق، بہترین دانائی، منفعت بخش نصائح اور ہر چیز ہے جس سے نفس کی تہذیب ہوتی ہے[1] نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی فصاحت و بلاغت کا اثر صحابہ کرامؓ پر بھی ہوا خلفائے راشدین کے خطبات و

1. (i) اردو دائرہ معارف اسلامیہ، جلد 13 ص 143 (ii) دیکھو "المعارف" مارچ 1983 ص 7

ارشادات عربی زبان و ادب کا قیمتی سرمایہ ہیں

Islamic literature contains a special branch of books and treatises on ethical problems The science of morals is considered Part of Practical Philosophy. The term Adab which comprises a large literary genre describes "The noble and human tendency in the character and its manifestation in the conduct of life and social intercourse" (Goldziher) and has therefore, been connected with the representatives of various professions[1]

احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں ادب پسندیدہ طور طریقوں کے لئے وارد ہوا ہے امام بخاریؒ نے بخاری شریف میں کتاب الادب کے نام سے ایک باب باندھا ہے جس میں اچھے معاملے کا مستحق، والدین کی اجازت کے بغیر جہاد، والدین کو برا بھلا نہ کہنا، جس نے والدین سے نیک معاملہ کیا والدین کی نافرمانی، مشرک والد سے صلہ رحمی، عورت کو والدہ کے ساتھ صلہ رحمی، مشرک بھائی کے ساتھ صلہ رحمی، صلہ رحمی کی فضیلت، قطع رحم کرنے والے کا گناہ، جس کے رزق میں کشادگی کی گئی، جس نے صلہ رحمی کی صلہ رحمی سے رحم کی سیرابی ہوتی ہے بدلہ دینا صلہ رحمی نہیں ہے، جس نے شرک کی حالت میں صلہ رحمی کی، دوسرے کے بچے کو اپنے ساتھ کھیلنے دیا، بچے کے ساتھ رحم، رحمت کے سو حصے بنائے گئے، اولاد کو روزی کے خوف سے قتل کرنا، بچے کو گود میں لینا، بچے کو ران پر رکھنا، مراسم اور تعلقات کو نبھانا، یتیم کی پرورش کرنے والے کی فضیلت، بیواؤں کے لئے کوشش کرنے والا، مسکین کے لئے کوشش کرنے والا، انسانوں اور جانوروں پر رحم، پڑوسی کے بارے وصیت، جس کے پڑوسی اس کے شر سے محفوظ نہ ہوں، پڑوسن کے لئے کسی چیز کو حقیر نہ سمجھے، اللہ اور آخرت پر ایمان، پڑوسی کا حق، ہر بھلائی صدقہ ہے، شیریں کلام، معاملات میں نرمی، مومنوں کا باہمی تعاون، کے بارے میں احادیث کو درج کیا ہے۔[2] جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جن لوگوں کی رائے ہے کہ مسلمانوں کے ادب و شعر میں ان باتوں (مندرجہ بالا احادیث) کا ذکر ضروری امور میں

1. Historia Religionum, "Edited by, C. Jouco BleeKer, London, 1971, Vol. 2, P. 164.
i. See also : Encyclopaedia International, Vol. I, P. 509
ii. See also : Colliers Encyclopaedia, Vol. 2, P. 394
iii. See also : Colliers Encyclopaedia of world literature, P. 41

[2] صحیح البخاری، از، امام بخاریؒ، مترجم، مولانا ظہور الباری، کراچی، 1985، جلد، سوم ص 10

سے ہے وہ غلطی پر ہیں اس لئے کہ مندرجہ بالا احادیث مبارکہ صرف ادب و شعر کے ضروری امور تک محدود نہیں بلکہ وہ انسانی زندگی کے لئے مشعل راہ ہیں دوم یہ کہ ادب و شعر کا اسلامی تصور قرآن و حدیث کی تمام تعلیمات کا آئینہ دار ہو گا قرآن و سنت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا مکمل عکس ادب و شعر میں نظر آئے گا

عصر اسلامی میں ادب آباؤ اجداد کے طور طریقوں کے معنی کھو بیٹھا مگر پہلی صدی ہجری میں اس کے معنی پسندیدہ اور محمود روش تھے دوسری صدی ہجری سے غیر دینی علوم و فنون ادب کہلانے لگے عبداللہ بن المقفع (متوفی تقریباً 140ھ) نے اپنے رسالہ "الادب الصغیر" میں یوں لکھا ہے۔

"اس رسالے کا مقصد تالیف یہ ہے کہ اس کے مطالعہ سے لوگوں کے افکار کی جلاء ہو ان کی معنوی بصیرت میں اضافہ ہو اور ان کی تعمیر قلوب ہو توقع ہے کہ اسے پڑھ کر لوگ پسندیدہ کاموں اور مکارم اخلاق کی طرف متوجہ ہوں گے" بعد کی صدیوں میں اسلامی قلمرو کی وسعت کے ساتھ ساتھ لفظ ادب کے معنی میں بھی تغیر آ گیا عباسیوں نے دمشق کی جگہ بغداد کو دارالحکومت قرار دیا اس طرح عربوں پر عجمی اثرات بڑھنے لگے اب "ادب" مخصوص اور پیشہ ور افراد کی دانش اور معلومات کے ہم معنی ہو گیا (دوسری صدی ہجری کے اواخر سے) اس زمانے کی کتب جیسے ادب الکاتب اور ادب الندیم اس مفہوم کو ظاہر کر دیتی ہیں رفتہ رفتہ اس دانش اور معلومات میں شعر و شاعری، تصنیف و تالیف، مزاح و دل لگی اور دیگر تخلیقات جیسے لغت شناسی، انشاء پردازی، اور جملہ فنون لطیفہ شامل ہونے لگے یہاں تک کہ انیسویں صدی عیسوی کی عربی اور دیگر اسلامی زبانوں میں ادب یورپ کے لفظ لٹریچر کے مترادف بن گیا بہرحال تاریخ اسلام میں لفظ ادب کا ارتقاء اس بات کا مظہر ہے کہ یہ لفظ ہمیشہ علوم و فنون اصلاح اخلاق اور تہذیب نفس کے امور کا متضمن رہا ہے یہ ادب نثر میں ہو یا نظم میں، ادب برائے ادب نہیں بلکہ ادب برائے زندگی کے عنوان کا سزاوار ہے علامہ اقبالؒ نے اپنی خداداد بصیرت اور استعداد کی مدد سے عصر حاضر میں اسلامی تصور ادب کی ترویج اور احیاء کی کوشش کی۔[1]

برصغیر میں بے شمار افراد نے عربی زبان و ادب کے اسلامی تصور کے فروغ میں حصہ لیا ان میں بادشاہ، سلاطین، امراء، سردار، علماء، صوفیاء، اولیائے کرام، اور مسلمان فاتحین شامل ہیں لیکن جب تک حضرت شیخ احمد سرہندی المعروف بہ مجدد الف ثانیؒ اور حضرت شاہ ولی اللہ بن عبدالرحیم دہلویؒ کا ذکر اور خدمات کو خراج تحسین پیش نہیں کیا جائے گا برصغیر میں اسلامی عربی ادب کی تاریخ اور داستان نامکمل اور بے رنگ رہے گی

[1] افادات اقبال، از، ڈاکٹر محمد ریاض، ص 28

عربی ادب: عربی ادب کی ہر لحاظ سے مکمل اور مستند تاریخ اب تک ضبط تحریر میں نہیں آئی اس کی ایک وجہ تاریخ عالم اسلام کے وہ واقعات بھی ہیں جو اسلامی ادوار میں مدوجزر کا باعث بنے اور مسلمانوں کی علمی خدمات کو تعطل کا شکار ہونے کے ساتھ ساتھ ناقابل تلافی نقصان اس طرح سے بھی پہونچا کہ مسلمانوں کے علمی و ادبی اور تخلیقی فن پارے مغرب کے پاس پہنچ گئے اس پر ستم بالائے ستم یہ ہوا کہ مسلمانوں کی علمی خدمات کا ایک بہت بڑا ذخیرہ اب تک یورپ کے کتب خانوں میں بے اعتنائی کا شکار ہے ان میں مخطوطات بھی ہیں اور علماء کی تحقیق کے نادر شاہکار بھی۔ عربی ادب کو اس طرح تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

(1) ابتدائی ادب
  (الف) قبل از اسلام (1) نظم (2) نثر
  (ب) پہلی صدی کی شاعری
(2) دوسری صدی کا ادب (1) نظم (2) نثر
(3) تیسری صدی تا پانچویں صدی (1) نظم (2) نثر
(4) چھٹی سے بارہویں صدی تک
(5) جدید عربی ادب (1) 1914ء تک (2) 1914ء کے بعد سے اب تک[1] عربی ادب کسی ایک قوم کا نہیں بلکہ ایک مکمل تہذیب کا قابل یادگار اور پائیدار ترکہ ہے اس ادب کی نشوونما کرنے والوں میں مختلف حسب نسب کے لوگوں کا حصہ ہے یہ لوگ عرب فاتحین کے زیر اثر اپنی قومی زبانوں' روایتوں اور رسموں کو کھو چکے تھے عقائد و خیالات کی یک جہتی اور ہم آہنگی نے انہیں ایک جدید اور وسیع تر عرب قوم بنا دیا تھا قدیم رومی اور یونانی زبانوں کے ادبیات کے مقابلے میں اس زبان کا پھلنا پھولنا نہ صرف ایک مہذب ماحول پر منحصر تھا بلکہ ان لوگوں کی کشادہ دلی اور سرپرستی پر بھی جو اس وقت بلند مرتبوں پر سرفراز تھے اسلامی تہذیب کے تغیرات میں اس زبان کا ادب بھی برابر کا شریک حال رہا اس لئے اس میں پوری صحت کے ساتھ مقامی سیاست اور تہذیب و تمدن کی جھلک نظر آتی ہے جوں جوں اسلامی معاشرہ زوال کا شکار ہوا۔ اس زبان کے ادب کا زور اور اثر بھی انحطاط پذیر ہوتا چلا گیا لیکن جب تک کسی نہ کسی پایہ تخت میں کوئی نہ کوئی بادشاہ یا وزیر ایسا رہا جسے علوم و فنون کی سرپرستی کرنے میں مسرت' نفع یا شہرت حاصل ہوتی ہو یہ مشعل گو کسی قدر دھندلی سی' مگر رہی برابر فروزاں۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ کبھی ایک ملک میں اور کبھی دوسرے ملک میں ادبی سرگرمیوں کے مراکز قائم ہوتے رہے یہاں تک کہ قریب قریب وہ زمانہ آگیا جب ایشیاء اور افریقہ میں ترکی فتوحات اور یورپ میں نشاۃ ثانیہ کا دور شروع ہوا اس زمانے میں اس مشعل نے گل ہو جانے سے پہلے عربی تہذیب کے کھنڈروں میں کچھ عرصے کے لئے خوب ضیاء پاشی کی اس سے بعد کی صدیوں کا ادب اگرچہ ضخامت کے لحاظ سے بہت وقیع ہے لیکن قرون مظلمہ کے بے ذوق کلام کی نقل سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا

[1] اردو دائرہ معارف اسلامیہ' جلد 13' ص 187

(ii) See also Encyclopaedia International, Vol,I,p,509

مصر و شام کے ملکوں میں عربی ادبیات کی موجودہ تجدید میں ایک ایسی روح کار فرما ہے جو مخصوص قدیم تہذیب کے ادبیات سے بالکل مختلف ہے عربی ادب کو بھی انہی بدبختیوں کا سامنا کرنا پڑا جو قدیم یونانی' رومی ادب کو پیش آئیں یعنی بہت سی قیمتی تصانیف کے متعلق یہ احتمال ہے کہ وہ ضائع ہو چکی ہیں گو بے شمار تصانیف علمائے یورپ کی صبر آزما کاوشوں کے ذریعے زمانے کی دستبرد سے محفوظ بھی کر لی گئیں ہیں[1]

عربی ادب کی تاریخ کا آغاز پانچویں صدی عیسوی کے آخر کے قریب شمال مشرقی عرب اور دریائے فرات کے ساحلی علاقے میں شعراء کے ایک طبقے کے ظہور سے ہوتا ہے جن کے کلام کے کم و بیش بڑے بڑے قصیدے باقی رہ گئے ہیں اس طبقے کی دوسری نسل کے شعراء نے جن میں سب سے زیادہ ممتاز امراؤ القیس تھا اصطلاحی اور فنی طریقوں کو درجہ کمال تک پہنچا دیا ان کی نظمیں جو اصطلاحاً" قصیدہ کہلاتی ہیں عرب شعراء کی بعد میں آنے والی نسلوں کے لئے معیاری نمونے کا کام دیتی ہیں اس لئے کہ ان شعراء کے قصائد تقریباً بلا استثناء اسلوب کے اعتبار سے اسی سانچے میں ڈھلتے رہے اگرچہ مضامین اور موضوعات کے پیش کرنے میں کچھ نہ کچھ فرق ہو جاتا تھا اس طبقہ کا کلام عرب اور شام و عراق میں عرب آبادی کے علاقوں میں بہت تیزی سے پھیل گیا اور سب اطراف میں ان کے مقلد اور متبعین پیدا ہو گئے جنہوں نے بعض علاقوں میں مقامی دبستان قائم کئے۔[2] علوم ادب کی تقسیم میں عربوں نے چھ اصطلاحات قائم کی ہیں۔

(1) اللغۃ (2) الصرف (3) النحو (4) المعانی (5) البیان (6) البدیع

پہلے تین علوم کے ضمن میں عربوں کے فصیح کلام کے علاوہ اور کہیں سے شہادت قبول نہیں کی جاتی جبکہ باقی تین کے ضمن میں کلام عرب یا غیر عرب کے کلام سے بھی استشہاد جائز ہے اس میں عرب اور غیر عرب کی تمیز نہیں کی جاتی کیونکہ اس کا معاملہ عقل کی طرف راجع سمجھا جاتا ہے اس لئے اس میں بحتری' ابو تمام' متنبی اور اس قبیل کے دوسرے شعراء کے کلام سے شہادت کو قبول کیا گیا ہے جو کہ شعرائے مولدین کے طبقے سے تعلق رکھتے ہیں یعنی وہ شعراء جن کا عجمیوں یا اجنبی لوگوں سے میل جول رہا اور اس وجہ سے ان کی زبان میں اجنبی الفاظ داخل ہونے کے اندیشے کے پیش نظر معروف کلام عرب سے ان کو بغرض احتیاط خارج سمجھا گیا اور اس بناء پر علوم ادب کی پہلی تین اقسام میں ان کے کلام سے شہادت کو صحیح نہیں سمجھا گیا یعنی لغت' صرف اور نحو کے ضمن میں اس گروہ سے متعلق بڑے بڑے شعراء مثلاً بحتری' بشار بن برد' ابو تمام' ابو نواس اور متنبی کے کلام سے بھی استشہاد کو جائز قرار نہیں دیا گیا اس میں ایک اور اہم عنصر کا بھی دخل ہے اور وہ یہ کہ ان عظیم شعراء کے زمانے اور زمانہ جاہلیت کے درمیان طویل دور حائل ہے اور خالص معتبر اور ستھری زبان کے لئے زمانہ جاہلیت ہی کو متفقہ طور پر سند قرار دیا گیا جتنا وقت اس دور

[1] مقدمہ تاریخ ادبیات عرب' از' ایچ۔ اے۔ آر گب' مترجم' سید محمد اولاد علی گیلانی' ص 1-2

(ii) See also Colliers encyclopauedia, vol,2,P,394

[2] اردو دائرہ معارف اسلامیہ' جلد 13' ص 187

(ii) See also Cassells Encyclopaed ia of world literature,p41

سے دور ہے اتنا ہی اس دور کی زبان کے خالص ہونے میں شبے کی گنجائش پیدا ہوتی چلی جاتی ہے حالانکہ شاعری اور زبان و ادب میں ان شعراء کی عظمت اور قدر و منزلت مسلمہ ہے یہ امر اس بات کا بین ثبوت ہے کہ زبان کے اوامر و نواہی کی پابندی دین کے اوامر و نواہی کی طرح کی گئی ہے[1]

حضرت عمرؓ کا ارشاد ہے۔ **تعلموا اللحن (اللغتہ) و الفرائض لانہ من دینکم**

ترجمہ: عربی زبان اور لغت کا علم حاصل کرو کیونکہ اس کا تمہارے دین سے گہرا تعلق ہے

عربی زبان و ادب کا علم حاصل کرنا ہر باشعور مسلمان کے لئے فرض ہے اس لئے کہ قرآن مجید اور فرمودات رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سارا ذخیرہ عربی زبان میں ہے اور یہ زبان آج کے شوقی و طہٰ حسین کی نہیں بلکہ امرؤالقیس، زہیر اور لبید کے دور کی زبان ہے چنانچہ قرآن مجید اور احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر طالب علم جو تعلیمات دین کو احسن طریقے سے سمجھنے کا متمنی ہو اس کے لئے ناگزیر ہے کہ عربوں کے جاہلی دور اور اسلام کے ابتدائی عہد کا سرمایہ ادب عربی نظر سے گزارے اس ضمن میں ہمارے نزدیک مبرد کی کامل، جاحظ کی البیان والتبیین، ابن عبد ربہ کی العقد الفرید، اور شعرائے عرب کے المعلقات السبع کا مطالعہ ضروری ہے[2]

عربی ادب نثر، ضرب الامثال، خطابت اور شاعری کی بنیادوں پر قائم ہے

نثر: عالم تخیل سے انتہائی دلچسپی کے باعث جاہلیت کے پورے زمانے میں شاعری اوج کمال پر تھی نثر کی جانب بہت کم توجہ کی جاتی تھی صرف معمولی بول چال اور عام کاروبار کے لئے نثر مستعمل تھی ورنہ زندگی کے ہر باب میں شعر کا غلبہ تھا اس عہد کی نثر بھی مسجع اور قوافی سے پر ہوتی تھی مگر عام بول چال سادہ نثر پر مشتمل ہوتی جسے مرسل کہا جاتا تھا اس عہد کی نثر کے بہت کم نمونے دستیاب ہوئے ہیں

نحو: نحو کے لفظی معنی مثل، جہت، راستہ، اصول، انداز اور نہج کے ہیں ابن ندیم کے مطابق محمد بن اسحاق کا کہنا ہے کہ بیشتر علماء کا خیال ہے علم نحو ابوالاسود دولی سے حاصل کیا گیا اور ابوالاسود دولی نے یہ علم امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام سے حاصل کیا کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ قواعد نحو کا موجد نصر بن عاصم دولی اور ایک قول کے مطابق لیثی ہے میں نے ابو عبداللہ بن مقلہ کی ایک تحریر میں پڑھا ہے کہ ثعلب کہتا ہے ابن لہیعہ، ابو النضر سے روایت کرتا ہے کہ عبدالرحمٰن بن ہرمز پہلا شخص ہے جس نے عربی قواعد کی بنیاد ڈالی وہ انساب قریش اور ان کے حالات و واقعات کا سب سے بڑا عالم تھا نیز اس کا شمار قرائے قرآن میں ہوتا تھا شیخ ابو سعید رضی اللہ عنہ نے بھی مجھے اسی طرح بتایا انہوں نے یہ بھی بتایا کہ نصر بن عاصم لیثی کا شمار بھی قراء اور فصحاء میں ہوتا ہے ابو عمرو بن علاء وغیرہ نے اسی سے تحصیل علم کی ابو جعفر بن

---

[1] (i) تاریخ ادب عربی، از، احمد حسن زیات، مترجم عبدالرحمان طاہر سورتی، ص 406 بحوالہ قلقشندی، صبح الاعشیٰ، القاہرہ، 1913، جلد اول، ص 167-180 (ii) المعارف لاہور، مئی 1983 ص 33

[2] (i) شرح المعلقات السبع، از محمد اسماعیل سلفی، اسلامک پبلشنگ ہاؤس لاہور، جون 1979ء ص 3

(ii) موعظہ حسنہ، از ڈپٹی نذیر احمد، مجلس ترقی ادب، لاہور 1963ء ص 6

رستم طبری سے منقول ہے کہ نحو کا نام "نحو" اس لئے رکھا گیا کہ جب حضرت علی علیہ السلام نے ابوالاسود دولی کو نحو کے کچھ اصول سکھائے تو اس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ اجازت مانگی

ان اصنع نحو ما صنع کہ میں بھی اسی نحو (انداز) کے اصول وضع کروں جس نحو (انداز) کے آپ نے وضع کئے ہیں۔ پس اس لفظ "نحو" بولنے کی بناء پر اس علم کا نام "نحو" پڑ گیا[1]

ضرب الشال: مثل عربوں میں کثرت سے رائج تھی اس میں چھوٹے چھوٹے جملے ہوتے تھے جو بطور کہاوت گفتگو میں کثیر الاستعمال تھے ابو عبید کہتا ہے "جاہلیت اور اسلام میں امثال عربوں کی حکمت پسندی کو ظاہر کرتے ہیں اس میں تین خوبیاں جمع ہیں کم سے کم الفاظ سے کام لینے کی قوت، صحت معانی اور ندرت تشبیہ، اس کی دو قسمیں ہیں ایک حکمیہ جو حکمت و تدبر سے مملوء اقوال پر مشتمل ہوتیں اور جن میں سے بیشتر کے متعلق یہ خیال ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے وقت سے چلی آتی ہیں۔ دوسری قسم مبینہ کہلاتی ہے اور جیسا کہ نام سے ظاہر ہے یہ کسی نہ کسی واقعہ یا قصہ سے متعلق ہیں جیسا کہ تلمیحات ہوتی ہیں

ابن ندیم کی روایت کے بموجب عبید بن شریہ یمنی پہلا شخص تھا جس نے ضرب الامثال کی ایک کتاب تالیف کی عبید بن شریہ جرہمی حضرت امیر معاویہؓ کے زمانے میں گزرا ہے اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ سماع نہیں کیا یہ حضرت معاویہؓ کے پاس آیا تو انہوں نے اس سے گزشتہ قوموں اور ملوک عرب و عجم کے اخبار و احوال، اختلاف السنہ کی وجوہ، اور لوگوں کے مختلف شہروں میں بکھر جانے کے علل و اسباب دریافت کئے انہوں نے اس کو یمن کے شہر صنعاء سے بلایا تھا اس نے ان کے ہر سوال کا جواب دیا معاویہؓ نے حکم دیا کہ یہ چیزیں ضبط تحریر میں لائی جائیں اور مرتب کی جائیں اور انہیں عبید بن شریہ کی جانب منسوب کیا جائے عبید بن شریہ، عبدالملک بن مروان کے عہد حکومت تک زندہ رہا اس کی تصنیفات یہ ہیں۔

کتاب الامثال، کتاب الملوک واخبار الماضین۔[2]

اس کے بعد یونس نحوی م 183ھ ابو عبیدہ م 211ھ ثعلب م 291ھ اور ابو عبید قاسم بن سلام 273ھ وغیرہ نے ضرب الامثال کی تحقیق و تالیف میں دلچسپی لی۔ علامہ زمخشری 538ھ کی کتاب "المستقصی" اور المیدانی م 518ھ کی کتاب "مجمع الامثال" نے شہرت پائی۔

خطابت: شاعری کی طرح عربوں میں خطابت بلند خیالی اور فصاحت و بلاغت کی مظہر تھی ان کی تقاریر نفاست، تخیل، بلاغت اور اثر آفرینی سے پر ہوتی تھیں عربوں کی حریت پسندی اور فراست طبع ان کی خطابت سے نمایاں تھی تسلسل، روانی، انداز بیان کی خوبی و پاکیزگی، دلنشین لہجہ اور جدت کے باعث عرب خطیب، ہمیشہ ممتاز رہے شاعر کی طرح خطیب بھی عرب معاشرے میں قبائل و امم کے شرف و بزرگی اور حسب و نسب کے افتخار کا ضامن ہوتا تھا اس کے فرائض میں جماعت کے اختلافات اور خاندانی مناقشوں کو

---

[1] الفہرست، از، ابن ندیم، مترجم، محمد اسحاق بھٹی، لاہور، 1990ء ص 106 [2] الفہرست، ص 220

سلجھانا' قدیم قومی روایات کو برقرار رکھنا مجالس میں تقاریر کرنا' سفارتوں کا کام انجام دینا اور بادشاہوں کے پیغامات ان کے عمال تک پہنچانا وغیرہ شامل تھے یہ عموماً اونچے مقامات یا ریت کے ٹیلوں پر ٹھہر کر بلند آواز میں تقریریں کرتے بیانات کی وضاحت کے لئے ہاتھوں کے اشاروں سے کام لیتے۔ تشبیہات و کنایات سے اپنے بیان کو واضح کرتے سہارے کے لئے عصا' نیزے یا کسی چٹان کو استعمال کیا جاتا۔ خطیب کے لئے وجیہہ' جمیل' بلند و گرج دار آواز کا مالک' خوش گفتار' نکتہ رس اور سحر بیان ہونا ضروری تھی عرب خطیب نفسیاتی اثر سے واقف تھے قس بن ساعدہ م 600ء عمرو بن معدیکرب' کعب بن لوی' حرثان بن محرث' اکثم بن صیفی نامور خطباء تھے [1]

ابن ندیم کے مطابق عرب کے مایہ ناز خطباء میں امیرالمومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ' طلحہ بن عبید اللہؓ' عبداللہ بن زبیرؓ' خالد و اسماعیل پسران عبداللہ قسری' عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب' جریر بن یزید بن خالد' یزید بن عبداللہ بن خالد' خالد بن صفوان' عبداللہ بن اتم' معصعہ بن صوحان' ابن قریہ' محمد بن قیس خطیب' زیاد بن ابوسفیان' قطری بن فجاۃ' ولید بن یزید' ابو جعفر منصور' مامون' شبیب بن شیبہ' عباس بن حسن علوی' محمد بن خالد بن عبداللہ قسری اور اس کا بیٹا عبداللہ شبہ بن عقال شمار کئے جاتے ہیں۔ [2]

شاعری: جس طرح عام طور پر کسی قوم کی زبان کے ادب کا اہم اور دلچسپ سرمایہ اس کی شاعری ہے اسی طرح عربی زبان کی لطافتیں' اس کی عظمتیں' اس کی تمام فصاحت و بلاغت حتیٰ کہ عرب کی زندگی کا تمام تر سرمایہ "شعر" ہے شعر کی تعریف و توصیف اور تنقید میں عربوں نے جہاں سارا زور قلم صرف کیا ہے وہاں اسی شعر کی بدولت اس آزاد اور تخیل پسند قوم نے اپنی شجاعت جہالت اور تمام دیگر قومی خصائص کو ہمیشہ کے لئے محفوظ کر لیا

The earliest Known Verse is attributed to the time of the War of Al-Basus (ca. A.D. 500), but at no time can an evolutionary stage of ancient Arabian Poetry be discovered, for in form, meter, and theme, it is already fully developed at the period from which these first lines have survived. It has been proposed that the earliest meters are the rajaz. [3]

---

[1] تاریخ ادبیات عربی' از' سید ابوالفضل' ص 30

[2] الفہرست' ص 293 [1] دیکھو الصحاح فی اللغتہ والعلوم' علامہ جوہری' دارالحضارۃ العربیہ بیروت' جلد اول' ص 669

[3] Princeton Encyclopaedia of Poetry and Poetics. Edited by. Alex Preminger, U.S.A. 1974, P. 42

دنیا بھر کے دوسرے ادبیات کی طرح عربی ادب بھی شعر و سخن کے ابلتے ہوئے چشموں سے پھوٹ نکلا ہے بائبل میں مذہبی مضامین کو گیتوں کی شکل میں بیان کیا گیا ہے جس سے مذہب اور شاعری کے درمیان گہرے تعلق کا پتہ چلتا ہے [1] ہندوؤں کا مذہبی ادب مہابھارت' رامائن' ویدوں میں اشلوکوں (شاعری) Verses کی شکل میں اور فارسی کا شاہنامہ یا قومی مفاخر کی داستانیں' صنمیات و معتقدات کے تذکرے بھی اشعار میں ملتے ہیں جیسے یونانیوں میں ہومر کی ایلیڈ اور اوڈیسی' رومیوں کے پاس ورجل کی اینیڈ اور ڈانٹے کی ڈوئنے' کامیڈیا اور انگریزی ادب میں ملٹن کی پیراڈائز لاسٹ اور پیراڈائز ری گینڈ' اسی طرح عربوں کے تمام قدیم علوم و فنون کا ذخیرہ نظم میں ہے عربی شعر کے محرکات میں موسیقی کا پہلا درجہ ہے اسی جذبہ نے مختلف ادوار میں مختلف شکلیں پائیں ابتداء قریض نے جگہ پائی۔ (لغت میں اس سے شعر یا جگالی مراد ہے) [2]

اس کے بعد سجع کا دور شروع ہوا۔ سجع لغت میں اونٹنی' کبوتر یا قمری کی نغمہ سرائی کا نام ہے سجع میں وزن نہ تھا لیکن قافیہ ضروری تھا اس کی اولین مثال کاہنوں کی مسجع عبارتیں ہیں گویا سجع بے وزن مقفیٰ عبارتیں تھیں بعض محققین کے مطابق عرب عام طور پر گفتگو میں سجع ہی برتتے تھے۔ سجع کی ترقی یافتہ شکل رجز ہے جس میں ابتداء" وزن نے بھی جگہ پائی رجز ابتداء" طویل سفروں کی تھکن کم کرنے اور ان کے تھکے ماندے اونٹوں پر سے تھکاوٹ ختم کرنے کے لئے "کورس" کے طور پر گایا جاتا تھا یہی سادہ رجز وسعت پا کر پرجوش اور قوی الاثر نظموں میں تبدیل ہونے لگا مضر بن نزار کو جو ایک خوش گلو شخص تھا اس کا بانی قرار دیا جاتا ہے ایک مرتبہ کسی سفر میں یہ اونٹ سے گر کر زخمی ہوا اور اسی درد و کرب میں جو آواز وقفہ وقفہ سے اس کے سریلے گلے سے نکلتی رہی مضمحل اونٹوں میں ایک تازگی کا باعث بنتی رہی اور انہوں نے اپنی رفتار بڑھا دی اسی علم نے آگے چل کر "حدی" کی مستقل شکل اختیار کی جس کو عموماً طویل سفروں میں مضمحل اونٹوں اور تھکے ہوئے اہل کاروں کے لئے تازگی و نشاط کی تخلیق کے لئے استعمال کیا جاتا رجز سے قصائد کی بنیاد پڑی اور یہی ان کی شاعری کا آغاز ہے ارتقاء کی ان منازل کو نظر انداز کر کے بعض قدماء کہتے ہیں کہ عرب اپنے مکارم اخلاق کے بیانات' افتخار نسبی کی داستانیں' مہیب جنگوں اور معرکوں کے تذکرے' محبوب وطنوں کی تعریف

دیکھو [1] بائبل (پرانا اور نیا عہد نامہ) لندن 1985ء کتاب پیدائش باب 49 آیت 2 تا 27 ص 52 = خروج باب 15 آیت 2 تا 18 ص 68 = گنتی باب 21 آیت 27 تا 30 ص 148 = استثناء باب 33 آیت 1 تا 43 ص 200 = قضاۃ باب 5 آیت 2 تا 31 = ص 459 تا 528

سموئیل دوم باب اول آیت 19 تا 27 ص 294 = ایوب باب 3 تا 42

[2] فیروز اللغات' ص 565

اپنے خوبصورت اور وفادار گھوڑوں یا قوی اونٹوں کی توصیف کے لئے جو موزوں و مقفیٰ کلام تیار کرتے اور گاتے تھے اس کا نام شعر ہوا۔[1]

ایچ۔اے۔آر۔گب کے بقول عربی زبان کی شاعری کی ابتداء کا پتہ سیدھے سادھے اشعار سے چلتا ہے جس میں بکت کی طرح وزن کا پہلا رکن غیر تاکیدی اور دوسرا تاکیدی ہوتا ہے اس کے بعد مقفیٰ نثر (سجع) میں رجز یہ کلمات ہیں جن کے متعلق یہ خیال کیا جاتا تھا کہ ان میں جادو کی طاقت موجود ہے شاعر کے اس تصور کی عام فہم مثال بلعم باعور کی کہانی ہے بایں ہمہ کوئی سامی زبان بھی ایسی نہیں جو زمانہ جاہلیت کے عربوں کی شاعری کے مشابہ ہو (یہ اس بات کی دلیل ہے کہ عربی زبان ان زبانوں سے مشتق نہیں ہے بلکہ ان کی ارتقائی شکل ہے اور دراصل یہ مختلف نام عربی کے اس دور کے ہیں جب وہ نشوونما پا رہی تھی) یہ اونٹ کی موزوں اور باقاعدہ چال اور رفتار کی حرکات پر مبنی ہے[2]

مسجع نثر ہی شعر کی سب سے پہلی شکل ہے جسے کاہنوں نے دیوتاؤں سے مناجات کرنے، حکیمانہ مقولوں کو محفوظ رکھنے، پہیلیوں میں جوابات دینے اور سامعین کو محو حیرت کرنے کے لئے اختیار کیا تھا جب عربوں میں غناء و موسیقی کا مذاق بڑھا اور شعر عبادت گاہوں سے نکل کر صحراؤں اور بیابانوں میں پہنچا دعاؤں کے علاوہ حدی خوانی کی خدمت بھی انجام دینے لگا تو وزن اور قافیہ مل جانے کی وجہ سے رجز کی شکل نمودار ہو گئی۔ پھر سروں اور راگوں کے اختلافات کی وجہ سے متعدد اوزان پیدا ہوئے چنانچہ فخر و شجاعت اور بہادری کے لئے الگ وزن بنا اور غزل کے لئے الگ، ترنم کے لئے الگ اور اسی طرح تمام دیگر اوزان وجود میں آئے جنہیں خلیل بن احمد نے پندرہ کی تعداد میں شمار کیا ہے ان میں سے ہر وزن کو بحر کہا جاتا ہے (ایچ۔اے۔آر۔گب نے سولہ بحر شمار کئے ہیں) مقدمہ تاریخ ادبیات عرب ص 24) شاعری کا اولین مصدر غناء ہے کبوتر کی آواز سے سجع، اونٹوں کی چال اور ان کی حرکتوں سے رجز کا جنم لینا بھی اسی امر کی دلیل ہے پھر خود شعر جو عبرانی لفظ "شیر" سے ماخوذ ہے اس کے معنی رات اور بھجن کے ہیں نیز آج تک شعر پڑھنے کے لئے عربی میں "انشاد" (گانا) کا لفظ استعمال کرنا اس کی پوری تائید کرتے ہیں کہ واقعتہ شعر کا ماخذ غناء و موسیقی ہے[3]

---

[1] تاریخ ادبیات عربی، ص 33

[2] مقدمہ تاریخ ادبیات عربی، ص 24

[3] تاریخ ادب عربی، ص 73

Whether one sees the passage from ritual to art as progress or decline, it remains true that religion has continued to be seen as Part of the Poetic experience.[1]

Scholars have frequently suggested that certain genres of literature, notably poetry and drama, may have arisen directly from religious rituals.[2]

عرب میں اشعار کے سنانے اور پڑھنے کو گانا ہی کہتے ہیں جس کے لئے انشاء و نشید کے الفاظ مستعمل ہیں مجالس شعر میں شعراء اکثر اپنا کلام گا کر سنایا کرتے تھے یہ سلسلہ بعد میں بھی جاری رہا خلفائے بنی امیہ اور بنی عباس کے درباروں میں بھی یہی رواج تھا ان درباروں میں اس طرح گا کر شعر سنانے والے بعض خوش گلو شعراء نے بڑی مقبولیت حاصل کی تھی جیسے الداری، خلیفہ اور اسحق موصلی وغیرہ[4]

اسحاق بن ابراہیم موصلی فارس کا رہنے والا تھا وہاں سے خراج کی عدم ادائیگی کے سلسلہ میں بنو امیہ کے ظلم سے تنگ آکر بھاگا اور کوفہ میں بنی دارم کے ہاں آکر مقیم ہو گیا اسحاق کہا کرتا تھا جب تک رمضان کا مہینہ گزر نہ جائے میں موت کا خواہش مند نہیں ہوں ممکن ہے اس طرح میں روزوں سے بہرہ مند ہو سکوں اور یہ عمل میری اطاعت شعاری میں شمار ہو چنانچہ اس نے رمضان کے ابتدائی چند دنوں کے روزے رکھے وہ جب ایک روزہ پورا کر لیتا تو سو دینار بطور صدقہ کے دیتا آخری دنوں میں اس کی بیماری اس قدر شدت اختیار کر گئی کہ اس میں روزہ رکھنے کی طاقت باقی نہ رہی اس کو اسہال کا مرض لاحق ہو گیا تھا۔

---

1. The Encyclopaedia of Religion, Vol. 11, P. 371

2. Encyclopaedia of Religion and Ethics, Vol. 8, P. 559
 i). Encyclopaedia of Islam, Vol. II, P. 255
 ii). Encyclopaedia Americana, Vol. 8, P. 668

[4] تاریخ ادبیات عربی ص 32

ادریس بن ابو حفصہ نے اس کی موت پر ایک مرثیہ کہا تھا جس میں وہ کہتا ہے

سقی اللہ یا بن الموصلی بو ابل ‏ ‏ ‏ من الغیث قبرا انت فیہ مقیم

ذہبت و اوحشت الکرام و رعتہم ‏ ‏ ‏ فلا غروان یبکی علیک حمیم

ترجمہ: (i) اے فرزند موصلی خدا اس قبر کو جس میں تو مقیم ہے، بارش سے شاداب رکھے۔

(ii) تم چلے اور شرفاء کو وحشت اور دہشت میں ڈال گئے اب اگر دوست تم پر آنسو بہاتے ہیں تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔

اسحاق شعر اور ماثر عرب کا راوی تھا وہ فصحائے عرب کے مردوں اور عورتوں سے ملا یہ لوگ دارالسلطنت میں آتے تو اس کے یہاں جاتے اور قیام کرتے۔ وہ ان اوصاف کے ساتھ ساتھ شاعر، فن غنا کا ماہر اور بہت سے علوم میں درک رکھنے والا تھا اور اپنے فضل و کمال کی بناء پر دربار سلطان کی طرف سے متعدد قسم کے انعامات و عطیات سے نوازا جاتا تھا اس کی تصنیفات میں کتاب اغانیہ التی غنی بھا، کتاب اخبار عزۃ المیلاء، کتاب اغانی معبد، کتاب اخبار حماد عجرد، کتاب اخبار حنین الحیری، کتاب اخبار ذی الرمۃ، کتاب اخبار طویس، کتاب اخبار المکین، کتاب اخبار سعید بن مسجح، کتاب اخبار الدلال، کتاب اخبار محمد بن عائشہ، کتاب اخبار الابجر، اور دوسری کتابیں شامل ہیں۔[1] اسحق بن ابراہیم موصلی کے علاوہ یہ افراد بھی حماد بن اسحاق، ابو احمد یحیٰ بن علی بن ابو منصور، ابو عبداللہ ہارون بن علی، ابو الحسن علی بن ہارون بن علی، ابو عیسیٰ احمد بن علی بن یحیٰ، ابو عبداللہ ہارون، یونس مغنی، ابن بانہ، نصیبی، محمد بن علی بن امیہ، جحظہ، ابو الفضل احمد بن ابو طاہر، ابو اسحاق بن ابی عون، شامل ہیں[2]

جاہلیت کی شاعری اور اموی عہد کی شاعری میں عام طور پر نمایاں ترین فرق نفسیاتی ہے زمانہ جاہلیت کے جذبات قوی تھے لیکن وہ تنگ حدود کے اندر رہتے تھے اور شاعر انہیں ایک بلند اخلاقی سطح پر رکھتے تھے اموی عہد کے جذبات متعدد اور متضاد تھے اور شاعر بھی اصولوں اور جماعتوں کے عام نفسیاتی تغیرات اور کشمکش سے متاثر ہوتے تھے غزل کی جذباتی بنیاد از خود عیاں ہے لیکن اب جذبات روایتی موضوعات میں بھی داخل ہو جاتے ہیں انہیں عام مذاق سے قریب تر لا کر ایک زیادہ تیز اور غیر شائستہ لہجے میں ادا کیا جاتا ہے جس سے زاہدانہ خیالات کی فراواں آمیزش کے باوجود اخلاقی سطح نیچی ہو جاتی ہے اس میں سے بیشتر شاعری کا سیاسی موقف بھی شاعروں سے اس بات کا متقاضی تھا کہ وہ عامیانہ مذاق کو ملحوظ رکھیں اور بالخصوص اپنے نقائض میں عوام کے گرے ہوئے ذوق اور ہیجان کے لئے کچھ سامان تفریح فراہم کریں[3]

---

[1] الفہرست ص 328 [2] الفہرست، ص 42-332 [3] اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد 13 ص 196

قصیدہ: عربی شاعری میں قصیدے کو ممتاز مقام حاصل ہے اس لئے کہ عربی شاعری کے اولین مآخذ میں اس کا شمار ہوتا ہے یہ ایک شعری ڈھانچے کا نام ہے جو متعدد ابیات پر مشتمل ہوتا ہے اور اس کی تمام ابیات کے شعر (جملے یا مصرع) مکمل ہوتے ہیں فصحائے عرب کے نزدیک قصیدے کی ابیات کی مقدار یا حد مقرر نہیں۔ تین ابیات، پندرہ سے زائد ابیات، اور سینکڑوں ابیات بھی ہو سکتی ہیں عرب کے فحول شعراء کے قصائد کی ابیات کی تعداد ساٹھ اور سو کے لگ بھگ ہوتی ہے لیکن پچیس ابیات کا قصیدے میں ہونا لازمی ہے قصیدہ اس منظوم ادب کی امتیازی فنکارانہ تخلیق کی، دراصل ایک ایسی فنی شکل ہے جس میں کوئی بات بھی دوسرے ادیبوں کی فنکارانہ شاعری سے مشترک نہیں ہے قصیدے کی ابتدائی تاریخ یعنی عام طور پر عربی شاعری کا مبداء و مصدر پردہ خفا میں گم ہو چکا ہے[1] قدیم ترین عربی قصائد کا منتخب مجموعہ المعلقات السبع جن سات قصائد پر مشتمل ہے ان کے اشعار کی تعداد کا اوسط اسی ابیات کے لگ بھگ ہے ان میں طویل ترین قصیدہ طرفہ بن العبد کا ہے جو ایک سو سات ابیات پر مشتمل ہے اور مختصر قصیدہ زہیر ابن ابی سلمٰی کا ہے جو صرف چونسٹھ ابیات پر مشتمل ہے باقی معلقات میں سے عنترہ اور امراؤالقیس کا قصیدہ اکاسی، لبید کا نواسی، حارث بن حلزہ کا چوراسی، اور عمرو بن کلثوم کا ایک سو چار ابیات پر مشتمل ہے[2]

ایچ۔اے۔ آر۔ گب کے مطابق معلقات کو آٹھویں صدی کے ایک راوی نے بیان کیا ہے ان سات قصائد کے ساتھ عام طور پر تین اور قصائد کو شامل کر لیا جاتا ہے[3] معلقات کے زمانے کا ایک مجموعہ اور بھی ہے جو اس کے مؤلف (المفضل ماہر لسانیات) کے نام پر مفضلیات کے نام سے مشہور ہے اس مجموعے میں کوئی 120 قصیدے اور اجزاء ہیں جو زیادہ تر جاہلیت کے زمانہ کے ذرا کم رتبہ کے شعراء کا کلام ہے اس سے بعد کے زمانے کے بھی کچھ مجموعے ہیں جو مقابلتاً کم مشہور اور کم معتبر ہیں۔[4] قصیدے کے موضوعات فخر، حماسہ، مدح، ہجا، مراثی، عتاب، غزل یا نسیب، وصف، اعتزاز اور حکمت وغیرہ ہیں مندرجہ بالا موضوعات کی ایک یا بعض اقسام ایک قصیدے کا مرکزی خیال ہوتے ہیں بعض حالتوں میں صرف ایک صفت کو ہی ایک علیحدہ اور مکمل موضوع کے طور پر استعمال کیا گیا ہے ان قصائد میں کہیں کہیں مناظر قدرت کی تصویر کشی بھی پائی جاتی ہے ان کی محصور زندگی اور دوسروں سے سیاسی و معاشی تعلقات کی عدم موجودگی کے باعث اجنبی ادب و تخیل سے۔ بیگانگت نے ان کے اسالیب کو بھی محدود کر دیا جن میں ان کی تخیل پسندی اور جذباتی زندگی کے تاثر نے بڑی حد تک داخلی شاعری کو پروان چڑھایا[5] سب سے پہلے قصیدہ کہنے والا عربی شاعر مہلہل بن ربیعہ تھا اسے مہلہل کا نام اس لئے دیا گیا کہ اس نے شعر کو رقت، نرمی

---

[1] اردو دائرہ معارف اسلامیہ، جلد 13، ص 188 [2] ایضاً، جلد 16/2، ص 289 [3] مقدمہ تاریخ ادبیات عرب، ص 27

[4] مقدمہ تاریخ ادبیات عرب، ص 28 [5] تاریخ ادبیات عربی، ص 34

اور موسیقی سے لبریز کیا معلقات کی روایت حماد الراویہ م 156ھ نے عہد عباسیہ میں کی بیان کئے گئے سبع معلقات کے علاوہ مزید چار قصائد کو اس میں شامل کیا جاتا ہے جن کے مصنفین نابغہ، اعشی، عبید بن الابرص، علقمہ شمار کئے جاتے ہیں محققین کے خیال میں قصائد کے مقابلوں کا یہ تسلسل ایک صدی سے زائد عرصہ تک جاری رہا اس لئے بعض لوگ ان قصائد کی تعداد کو سو سے زیادہ بتاتے ہیں لیکن حقدمین کا اجماع ان گیارہ شعراء یا پھر ابتدائی سات شعراء پر ہے ان کے سات قصائد خانہ کعبہ پر آویزاں کئے گئے جس کے باعث ان کو اصحاب معلقات کہتے ہیں روایت کے مطابق ہر سال سوق عکاظ میں مقابلہ شعر و سخن منعقد ہوتا جس میں سے ایک بہترین اور جامع شاہکار قصیدے کا انتخاب کرلیا جاتا جسے قباطی (مصر میں بنا ہوا ریشمی کپڑا) پر سونے کے پانی سے لکھ کر خانہ کعبہ پر آویزاں کیا جاتا کہ لوگ سارا سال اس کو دیکھتے رہیں اور اگر کوئی قابل اعتراض بات اس میں دیکھیں تو اس کی نشاندہی کریں ورنہ موجودہ سال اس شاعر کو بڑا شاعر تصور کیا جاتا کیونکہ اس کے برابر کا کوئی اور نہ ہوتا تھا اس طرح اس کا شمار نامی گرامی شعراء میں کیا جاتا بعض کی رائے کے مطابق قصائد خانہ کعبہ کے باہر لٹکائے نہیں جاتے تھے بلکہ عرب کا بادشاہ جس قصیدے کو پسند کرتا اس کے بارے میں حکم دیا جاتا کہ "اسے میرے خزانے میں آویزاں کردو۔" کاتب اس قصیدے کو بڑی احتیاط کے ساتھ لکھ کر بادشاہ کے خزانے میں داخل کر دیتے[1] لیکن یہ بات اس لحاظ سے دل کو نہیں بھاتی کہ عرب میں کوئی مرکزی ریاستی نظام نہیں تھا بلکہ قبائلی روایات کے حامل عرب معاشرے میں تمام قبائل آزادانہ اور خود مختار زندگی بسر کرتے تھے۔ بعض لوگ معلقات کی حقیقت سے قطعی انکار کرتے ہیں ان کے مطابق یہ جدت پسند لوگوں کی دور جاہلیت کے کافی دیر بعد کی اختراع ہے یہ جرمن ادیب نولڈکی (Neoldke) اور فرانسیسی ادیب کلیمنٹ ہیوارٹ کی رائے ہے۔ بعض علماء کے مطابق معلقات کو "السموط" "المذھبات" اور "السبع الطوال" کا نام بھی دیا گیا ہے[2] لیکن ہم اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتے کہ نامور عربی ادباء، علماء، محققین، شعراء اور باکمال لوگوں نے معلقات کی حیثیت کو ان کے جاہلی رشتے کے حوالے سے تسلیم کیا ہے۔

---

[1] تاریخ ادبیات عربی، ص 45 [2] ایضاً۔ دیکھو اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد 13، ص 189

برصغیر میں عربی ادب کا ارتقاء: برصغیر پاک و ہند میں عربی ادب کا ارتقاء اسی روز سے نشوونما پا رہا ہے جب زمانہ جاہلیت میں عرب تاجروں نے سینکڑوں سال پہلے یہاں آمد و رفت شروع کی عرب تجارت کی غرض سے دنیا کے مختلف ممالک میں آتے جاتے تھے ان میں برصغیر پاک و ہند بھی سرفہرست ہے عربوں نے ہند میں ظہور اسلام سے چار سو سال قبل تجارتی مراکز قائم کرلئے تھے عرب یہاں سے تلواریں، موتی، قیمتی پتھر، عطر، گرم مسالے، کپڑے اور جڑی بوٹیاں لے کر جاتے تھے ظہور اسلام کے ساتھ ہی عربی ادب کا اسلامی تصور سرزمین ہند پر قدم رکھنے والا پہلا مسلمان اپنے ساتھ لایا جس کو مزید فروغ اس وقت ملا جب راجہ داہر سے عرب تاجروں کی بیوہ عورتوں اور بچوں کو چھڑانے کے لئے حجاج بن یوسف نے اپنے سترہ سالہ عم زاد اور داماد محمد بن قاسم کی سرکردگی میں ایک فوج روانہ کی جس نے راجہ داہر کو شکست دے کر برصغیر میں اسلامی تہذیب کی باقاعدہ اشاعت کی محمد بن قاسم کے حسن سلوک کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے

کہ جب خلافت کی تبدیلی کے باعث محمد بن قاسم اپنوں میں واپس جا کر سازشوں کا شکار ہوا تو سندھ کی غیر مسلم آبادی نے اپنے مندروں اور عبادت گاہوں میں محمد بن قاسم کے مجسمے بنا کر رکھے اور دیوتا کا مقام دیا اور وہ لوگ محمد بن قاسم کی واپسی پر غیر ہونے کے باوجود رنجیدہ تھے یہ سب کچھ محمد بن قاسم کی مذہبی آزادی، رواداری، عبادت گاہوں کا تحفظ، لوٹ مار سے اجتناب، عزت و آبرو کی سلامتی اور غیر مسلم اقوام کے ساتھ بہترین اور احسن برتاؤ کا نتیجہ تھا محمد بن قاسم ہی برصغیر میں اسلامی تہذیب کے قائم کرنے میں پیش رو (Pioneer) ثابت ہوا۔ ابن ندیم نے یعقوب بن لیث کے بامیان تک پہنچنے کا ذکر کیا ہے۔[1] حجاج بن یوسف نے عبیداللہ بن بنہان کو پہلے پہل راجہ داہر کے پاس عورتوں کی واپسی کے لئے بھیجا ان کے قتل کے بعد بدیل بن طہفہ کو بھیجا گیا جو ایک روایت کے مطابق بدھ مت کے پیروکار جاٹوں کے ہاتھوں قتل ہوئے محمد بن قاسم کی سرکردگی میں اسلامی لشکر کے ان سرداروں بنانہ ابن حنظلہ کلبی، داؤد بن نصر عمانی، دعوۃ بن عمیر طائی، زائدۃ ابن نمیر طائی، قاسم بن ثعلبہ طائی، محمد بن مصعب ثقفی، نے سندھ میں اسلام کی سربلندی کی خاطر جہاد کیا اس کے ساتھ ہی اہل علم حضرات نے سندھ میں اسلام کی اشاعت کے لئے اور عرب تہذیب کے فروغ کے لئے دن رات کام کیا ان میں ابو عطاء سندھی، اسرائیل ابن موسیٰ بصری، بسطام بن عمرو تغلبی، تمیم بن زید العتبی، جنید بن عبدالرحمن المری، ربیع ابن صبیح السعدی، عبداللہ بن محمد بن عبداللہ بن حسن بن حسنؓ بن علیؓ بن ابو طالب ہاشمی قریشی، عمر بن حفص العتکی، عمرو بن محمد بن قاسم ثقفی، موسیٰ ابن یعقوب ثقفی، ابو معشر نجیح بن عبدالرحمن سندھی، شامل ہیں[2] یہ بات یاد رہے کہ سندھ

---

[1] الفہرست، ص 800 [2] دیکھو عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ، از ڈاکٹر زبید احمد، ص 31
[3] نزہتہ الخواطر، جلد اول، ص 39

میں جتنے بھی مسلم سردار تعینات ہوتے رہے وہ سب کے سب فن سپہ گری اور جہانبانی کے ساتھ ساتھ عالم و فاضل بھی تھے یہ اس لئے تھا کہ عرب خلفاء کسی کو امارت سونپتے وقت اس کی بہادری شہسواری' جنگی حکمت عملی اور میدان جنگ میں قابلیت کے ساتھ ساتھ دین اور دنیاوی علوم میں اس کی کامل دسترس کو بھی مد نظر رکھتے تھے حضرت عمر فاروقؓ کے عہد میں 15ھ میں حکم بن ابو العاص ثقفی کو بحرین اور عمان کا گورنر مقرر کیا گیا تھا اور حضرت عثمانؓ نے انہیں ہندوستان کی بہت بڑی ساحلی بندرگاہ بروچ پر حملہ کرنے کا حکم دیا تھا عہد قدیم میں ہند اور مغربی ممالک کے درمیان تجارت کے تین راستے تھے ان میں سے دو عرب میں سے گزرتے تھے پہلا راستہ دریائے سندھ کے دہانے سے دریائے فرات تک جاتا تھا اس مقام تک جہاں سے انطاکیہ اور مشرقی بحیرہ روم کی بندرگاہوں کو جانے والی سڑکیں الگ ہوتی تھیں سلطنت بابل کے زوال کے ساتھ یہ راستہ ترک کر دیا گیا دوسرا راستہ ہند کے ساحل سے لے کر حضرموت تک اور وہاں سے بحیرہ احمر کے ساحل کے ساتھ ساتھ شام تک اور پھر یورپ تک جاتا تھا ایک راستہ براستہ مصر و اسکندریہ یورپ تک جاتا تھا اور دوسرا براہ راست شامی ساحل سے یورپ تک تھا۔ عرب اور ہند کے قدیم تعلقات کو محمد بن قاسمؒ کی فتوحات نے نیا رنگ دیا اس طرح ہند میں عرب تہذیب کا ارتقاء تیزی سے ہونے لگا جس طرح عرب ہند میں مستقل آباد ہوئے اسی طرح ہند کے باشندے بھی غلاموں' ماتحتوں یا آزاد حیثیت سے عرب گئے اور وہاں قیام کے بعد جب وطن لوٹے تو اپنے ساتھ عرب تہذیب کے اجزاء کو بھی لیتے آئے وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ہندوستان میں مسلم حکومتیں قائم ہوتی رہیں سلطان شمس الدین التمش' سلطان ناصر الدین محمود' سلطان غیاث الدین بلبن' محمد تغلق (اس کے بارے میں مورخین رقم طراز ہیں کہ یہ اپنی پیدائش سے دو سو سال پہلے پیدا ہو گیا ہے یہ رائے محمد بن تغلق کے اقدامات کے تحت قائم ہوئی) بہلول لودھی' خاندان مغلیہ کے سربر آوردہ اور عظیم بادشاہوں کے علاوہ برصغیر میں وقتاً" فوقتاً" مختلف علاقوں پر حکمرانی کرنے والے مسلمان سرداروں' امراء' رؤساء اور مسلم حکمران عورتوں نے دین کی خدمت کے ساتھ ساتھ عربی زبان و ادب کی ترویج و ترقی میں حصہ لیا اور علماء کی سرپرستی کی یہ داستان اس وقت تک بے رنگ رہے گی جب تک مسلمان صوفیاء و علماء کا تذکرہ نہ کیا جائے جنہوں نے اپنی ساری زندگی اسلام کی اشاعت میں صرف کی اور ہندوستان کے کروڑوں بت پرستوں کو ظلمت کے اندھیروں سے نکال کر ہدایت و راہنمائی کے اجالوں میں لائے اور دینی علوم کی اشاعت کرنے کے ساتھ ساتھ غیر مسلم اقوام کے علماء کی طرف سے دین اسلام پر کئے جانے والے حملوں کا منہ توڑ جواب دیا اسلام کی حقانیت کو برقرار رکھا انہوں نے عظیم علمی درسگاہیں قائم کیں جہاں پر لاکھوں تشنگان علم نے اپنی پیاس بجھائی اس طرح عربی زبان و ادب کی متواتر خدمت و اشاعت ہوتی رہی جب عالم باعمل بادشاہ شہنشاہ محی الدین اورنگ زیب عالمگیر کی وفات کے بعد اس کے نااہل اور عیاش جانشین حکومت کے ٹکڑے ٹکڑے کر بیٹھے ظالم و مکار برطانوی قوم ایسٹ انڈیا کمپنی کی شکل میں

؎ عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ' ص 33 بحوالہ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا

قہر خداوندی بن کر آئی اور 1857ء کی جنگ آزادی کے بعد ہندوستانیوں بالخصوص مسلمانوں پر ظلم و ستم کی انتہاء کر دی کیونکہ ہندو اپنی روایتی مکارانہ ذہنیت کے بل بوتے پر انگریز سے مل گیا تھا اور جنگ آزادی کا سارا قصور مسلمانوں کے سر تھوپ دیا اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ انگریزوں نے جی بھر کے مسلمانوں سے انتقام لیا بے گناہوں کو قتل کیا' جائیدادیں ضبط کر لیں' دولت لوٹ لی' مسلمان عورتوں کی بے حرمتی کی' مساجد کو مسمار کیا' کتب خانے انگلینڈ منتقل کر دیئے' درسگاہوں سے وابستہ جاگیریں ضبط کر لیں' مسلمانوں کے لئے سرکاری نوکری کے دروازے بند کر دیئے زوال و انحطاط کے اس دور میں شاہ عبدالرحیم نے مسلمانوں کی دینی و دنیاوی تعلیم و تربیت کے لئے دہلی میں مدرسہ رحیمیہ قائم کیا ہزاروں افراد کی تربیت کی شاہ عبدالرحیم کے بعد ان کے فرزند شاہ قطب الدین ولی اللہ نے مسند تدریس سنبھالی اور مسلمانوں کے لئے نئی زندگی کا پیغام بن کر آئے انہوں نے برصغیر میں دینی' سیاسی' سماجی' معاشی' اخلاقی' تاریخی' اصلاحی خدمات کے ساتھ ساتھ عربی زبان و ادب کی ترویج و ترقی میں عظیم خدمات انجام دیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ کے حالات زندگی

شاہ ولی اللہ کی ولادت باسعادت دہلی جیسے تاریخی اور یگانہ روزگار شہر میں ہوئی آپ کی زندگی کے شب و روز علمی، تحقیقی اور انقلابی محفلیں بھی دہلی میں منعقد ہوئیں دہلی کو تاریخ عالم میں بالعموم اور تاریخ اسلام میں بالخصوص اہمیت حاصل ہے اس لئے کہ اس عظیم شہر کو مسلمان تاجداروں کے ساتھ ساتھ مسلمان علماء و صوفیاء نے بھی ہر دور میں زینت بخشی شاہ صاحب کے حالات زندگی کا ذکر کرنے سے پہلے دہلی کی تاریخ کا اجمالی خاکہ بیان کرنا موزوں معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ شاہ صاحب نے اپنی تصانیف میں اپنے نام کے ساتھ دہلوی کا لفظ دہلی کی نسبت سے استعمال کیا ہے [1] دہلی کی تاریخ میں بسنے اور اجڑنے، لٹانے اور لٹنے، تاریخ بنانے اور تاریخ بگڑنے، علم و ادب کے فروغ اور علم و ادب کی بربادی، شہنشاہوں کے تخت و تاج کو زینت بخشنے سے لے کر شہنشاہوں کے قتل ہونے اور زندانوں میں مرنے کے بہت سے دلخراش، سبق آموز، تاریخ ساز، عبرتناک اور دنیائے رنگ و بو کی بے ثباتی کے گواہ واقعات اور ناقابل فراموش حقیقتوں کی داستان ہے اسی داستان میں دہلی کی عظمت مضمر ہے اسی لئے حالی بے اختیار پکار اٹھا۔

تذکرہ دہلی مرحوم کا اے دوست نہ چھیڑ ۔ نہ سنا جائے گا ہم سے یہ فسانہ ہرگز (حالی)

دہلی نے جو مشرق میں دنیائے اسلام کا عظیم ترین مرکز، اسلامی علوم و فنون اور تہذیب و تمدن کا سب سے بڑا گہوارہ تھا ایسی یگانہ روزگار ہستیاں پیدا کی ہیں جن کی ضوفشانیوں نے قرطبہ، بغداد، قاہرہ اور اصفہان کی علمی و فنی روشنیوں کو ماند کر دیا اس کی خاک سے حضرت شاہ ولی اللہ، حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی، حضرت شاہ عبدالعزیز، شاہ اسماعیل شہید، مولانا عبدالحئی اور مولانا اسحٰق جیسے جید عالم اٹھے جنہوں نے شریعت اسلامیہ کی ترویج و ترقی میں نمایاں کردار ادا کیا اور ہندوستان میں اسلام کے ٹمٹماتے ہوئے چراغ کو نئی جلا بخشی شاہ ولی اللہ کا شمار دنیائے اسلام کے اکابر آئمہ میں ہوتا ہے اپنی تصانیف کے لحاظ سے وہ امام غزالی اور امام ابن تیمیہ کے ہم پلہ تسلیم کئے جاتے ہیں انہوں نے احیائے اسلام کی جو تحریک شروع کی وہ ہندوستان میں اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا باعث بنی انہیں دینی اور دنیاوی بصیرت عطا ہوئی تھی اور انہوں نے اسلامیان ہند کے زوال پذیر معاشرہ میں توازن پیدا کیا [2] دہلی کا شہر دریائے جمنا کے مغربی کنارے پر واقع ہے اور آج کل 28 درجے 30 ثانئے اور 28 درجے 44 ثانئے طول بلد شمالی اور 77 درجے 5 ثانئے اور 77 درجے 15 ثانئے عرض بلد مشرقی کے درمیان پھیلا ہوا ہے یہ 608ھ / 1211ء سے ہندوستان کے اولین مسلمان فرمانرواؤں کا دارالحکومت تھا اور چند مستثنیات (مثلاً دولت آباد، آگرہ، لاہور ان شہروں کو بعض اوقات دوسرے حکمرانوں نے اپنی راجدھانی بنایا) سے قطع نظر 608ھ / 1211ء

---

[1] (i) مسوّٰی شرح موطا امام مالک" ص 21 مصفیٰ شرح موطا امام مالک" ص 2 (ii) الطاف القدس فی معرفۃ النفس، ص 14

[2] اسلامی تہذیب کے گہوارے، از، خواجہ جمیل احمد، اردو اکیڈمی سندھ کراچی، نومبر 1974 ص 274۔

سے 1857ء میں بہادر شاہ ظفر کی رنگون جلاوطنی تک شمالی ہندوستان کے شاہی خانوادوں کا پائے تخت رہا 1911ء میں یہ برطانوی ہند کا دارالسلطنت قرار پایا اور 1947ء کے بعد سے آزاد بھارت کا دارالحکومت ہے [1] ایک اندازے کے مطابق دہلی کے بارے میں تاریخی حقائق تین ہزار سال پرانے ہیں اہل مغرب دہلی کے بارے میں رقم طراز ہیں۔

"Delhi, on the right bank of the Jamuna, on the site formerly known as Indra, Prashtha, several successive cities were erected in the Muslim epoch which show the importance given to the capital of the sultanate of Delhi". [2]

"Th region of DELHI has held a key position throughout India's history and the city is built on the site of at least seven cities dating back more than 2,000 years. [3]

"Old DELHI, reconstructed by Shah Jehan, was the capital of the Mogul Empire until the establishment of the British rule in 1857, notable are the wall with seven gates, the red fort (formerly) the imperial palace) and the Great Mosque, both 17th century. [4]

---

[1] (i) اردو دائرہ معارف اسلامیہ، جلد نہم، طبع اول، 1972ء ص 492۔

(ii) Encyclopaedia of Islam, Vol. II P, 255

(iii) Encyclopaedia Americana, Vol. 8, P, 668

[2] Encyclopaedia of world Art, Mcgraw-Hill book company, INC, New York, 1971, Vol. VII, P. 906

[3] The Joy Of Knowledge Fact Index A-K, Mitchell Beasley Encyclopaedia's Limited, England, 1978, P. 221

[4] Hutchinson Fastfinder Concise Encyclopaedia, by E. M. Horsley, London, 1986, P. 248

"Delhi, a city of Hindustan, built on the right bank of the Jumna, in lat 28° 39' N, and long 77° 18' E, and 800 feet above the see. It gives its name to a revenue district under the lieutenant-Governor of the Punjab.[1]

"Delhi Sultanate, The Principal Muslim Kingdom in North India from the 13th to 16th centuries.[2]

اس طویل ترین تاریخی دور میں دھلی بار بار اجڑی اور پھر آباد ہوئی بار بار اجڑنے کے باوجود اس کی تہذیب 'تمدن' رکھ رکھاؤ' وضعداری اور اس کے نرالے پن میں فرق نہیں آیا مورخین کے مطابق دہلی کے مقام پر سات پرانے شہر آباد ہو چکے ہیں[1] بعض کے نزدیک اس کی تعداد پندرہ اور بعض کے نزدیک بائیس ہے اگر گردو نواح کی بستیوں اور قلعہ بندیوں کو نظرانداز نہ کیا جائے۔ یہ تاریخی عمل اس طرح جاری رہا کہ شہر برباد ہوا تو عمارتوں کے ملبے اور سازو سامان کو نئے شہر کی تعمیر میں استعمال کر لیا گیا اس طرح قدیم شہروں کا کچھ بھی نہ بچا اور جو بچا اسے وقت کے تھپیڑوں نے فنا کر دیا اب صرف دو شہر ہیں اور دونوں زندہ ایک شاہجہان آباد دوسرا نئی دہلی دونوں شہروں میں تاریخی عمارات کے کھنڈر موجود ہیں یہ دونوں شہر موجودہ دہلی کے دو پہلو اور دو رخ ہیں ایک شہر سترھویں صدی سے شروع ہونے والی تہذیب اور مشرقی تمدن کی پوری عکاسی کرتا ہے جبکہ دوسرے میں جدیدیت اور مغربی تہذیب کے تمام عناصر شامل ہیں سترھویں صدی کے نصف میں جب شاہجہان آباد کی بنیاد رکھی گئی تو دلی اور دارالسلطنت کے طور پر اس کے دربار کی شان و شوکت کی دھوم مچ گئی اسے ایشیاء کا روم' ایشیا کا دارالحکومت' ہر فاتح کی محبوبہ' بادشاہوں کا شہر اور علم کی دیوی کے نام دیئے گئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے 1450 سال پہلے اندر پرستھ نامی نگری کے آباد ہونے سے پہلے یہاں ایک گھنا جنگل تھا جو کھانڈوون یا اندرون کہلاتا تھا چندر ونشی راجہ سدرشن نے اس جنگل کو صاف کروا کے ایک خوبصورت شہر بسایا تھا اس شہر کا نام کھانڈو پرست رکھا گیا اس زمانے میں جمنا شمال جنوبی سمت میں بہتی تھی اور کھانڈو پرستھ کے مشرق میں پڑتی تھی اب جمنا نے اپنا راستہ اڑھائی میل مشرق کی طرف بدل لیا ہے کھانڈو پرستھ کا رقبہ پانچ گاؤں پر مشتمل تھا اور پانڈوؤں نے اپنی راجدھانی اندر پرستھ اسی مقام پر قائم کی تھی قلم بودھ' راج گھاٹ اور نیلی چھتری

Encyclopaedia Asiatica, by. Edward Balfour, Cosmc Publications, New DELHI, India, 1982, Vol. III, P. 904

۲ · i. The world Book Encyclopaedia, Vol. 5, P. 100
ii. The New Encyclopaedia Britannica, Vol. III, P. 447

۳ 1. Encyclopaedia of Islam, Vol. II, P. 255

پانڈوؤں نے ہی تعمیر کرائے تھے پانڈوؤں کے سب سے بڑے بھائی یدھشٹر کو شہر کو خوبصورت بنانے اور نئی عمارتوں کی تعمیر کا بہت شوق تھا اندر پرستھ کے عروج و زوال کے بارے میں تاریخی ماخذ خاموش ہیں کھدائی سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے کئی ہزار سال پہلے بھی اسی مقام پر شہری زندگی موجود تھی اور اندازا یہ شہر ہمایوں کے مقبرے اور فیروز شاہ کوٹلہ کے درمیان والے علاقے پر آباد تھا بہت سے مورخین کے علاوہ ابوالفضل نے بھی اندر پرستھ کی موجودگی کو تسلیم کیا ہے "بھگوت پران" میں اندر پرستھ کا ذکر آیا ہے کہ پانڈوؤں کی راجدھانی ہستناپور تبدیل ہو جانے کے بعد ارجن کی اولاد نے بھی اندرپرستھ پر حکومت کی تھی[1] حضرت عیسیٰؑ کے دور سے پہلے کے یونانی سیاحوں جیسے میگستھنیز نے اپنے سفرناموں میں اندرپرستھ یا دہلی کا کوئی ذکر نہیں کیا بعد کے چینی سیاح بھی جن میں فاہیان اور ہیون سانگ شامل ہیں ان شہروں کے بارے میں خاموش ہیں سکندر اعظم کے جغرافیہ دان چولیمی نے اندرپرستھ کے بالکل پاس کسی "داتیدلا" کا ذکر کیا ہے اس کے بارے میں خیال کیا جاتا ہے کہ شاید یہی دہلی یا دلی ہو جسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے 57 سال پہلے قطب آباد اور تغلق آباد کے درمیان کسی مقام پر قنوج کے راجہ دیلو نے بسایا تھا یہ جگہ اندرپرستھ کے جنوب میں تقریباً چھ میل کے فاصلے پر تھی لیکن اس وقت کی داتیدلا یا دہلی کے کھنڈرات نہیں ملتے بعد کی کھدائی میں سلطان غیاث الدین بلبن کے زمانے کی بنی ہوئی ایک باؤلی میں ایک پتھر ملا ہے جس میں دہلی کا نام "ڈھیلیکا" اور اس کو "ہریانیکا" کا حصہ بتایا گیا ہے یہ پتھر انڈین نیشنل میوزیم میں موجود ہے[2] سنسکرت کے ایک کتبہ میں جو موضع پالم میں لگا ہوا تھا اور جس میں سمت 1337 مطابق 1280/1281 درج ہے یہ نام ڈھلی [illegible] ہی لکھا ہوا پایا جاتا ہے[3] تومار راجپوتوں نے اس علاقے پر 736 میں قبضہ کر لیا تھا اور دہلی کو دارالسلطنت' راجدھانی بنایا 1060 میں شہر میں لال کوٹ جیسی قلعہ نما عمارت تعمیر کی گئی اس عمارت میں اگلی صدی میں مسجد قوت الاسلام تعمیر کی گئی تومار راجپوتوں کے بعد چوہانوں نے حکومت کی ان کے مشہور راجہ رائے پتھورا نے لال کوٹ کی قلعہ بندی کو وسیع کر کے اس کا نام قلعہ رائے پتھورا رکھ دیا۔ 1192 میں محمد شہاب الدین غوری کے سپہ سالار قطب الدین ایبک نے دلی کو فتح کیا[4] 588ھ میں مسلمانوں نے پہلی مرتبہ دلی کا محاصرہ کیا لیکن مصالحت کے تحت ہندوؤں کے ہاتھ چھوڑ دیا گیا لیکن اگلے سال مسلمانوں نے دلی پر قبضہ کر کے اسے اپنا دارالسلطنت بنایا[5] اس طرح دہلی 591ھ بمطابق 1195ء میں مسلمان بادشاہوں کا پایہ تخت بن گئی[6]

---

[1] دیکھو سیر المنازل ص 145 (iii) Encyclopaedia of Islam, Vol. II, P. 255

[2] (i) فرہنگ آصفیہ' از' سید احمد دہلوی' مکتبہ حسن سہیل' لاہور' جلد دوم' ص 298

[3] عالم میں انتخاب دھلی' از' مہیشور دیال اردو اکادمی' دھلی' فروری 1987ء' ص 3 [4] مقالات برنی' از' سید حسن برنی' انجمن ترقی اردو پاکستان' کراچی' 1986ء ص 86 [5] عالم میں انتخاب دھلی' ص 4 / دیکھو سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات' از خلیق احمد نظامی' ادارہ ادبیات' دلی' 1981ء ص 18 [6] مقالات برنی' ص 88 [7] سیر المنازل' از' مرزا سنگین بیگ' مرتبہ' ڈاکٹر شریف حسین قاسمی' غالب انسٹی ٹیوٹ نئی دہلی' اگست 1982ء ص 146 دیکھو نزھۃ الخواطر' جلد اول' ص 110' 204' 230' 351 جلد دوم' 170

قطب الدین ایبک کے بعد سلطان شمس الدین التمش، سلطان ناصر الدین محمود، سلطان غیاث الدین بلبن، سلطان کیقباد۔ سلطان جلال الدین خلجی، سلطان علاؤ الدین خلجی، سلطان غیاث الدین تغلق، (امیر خسرو کے مرشد حضرت نظام الدین اسی عہد سے تعلق رکھتے ہیں) سلطان محمد تغلق، سلطان فیروز شاہ تغلق نے دہلی کو رونق بخشی اس دوران 1303ء میں منگولوں نے حملے کئے اور 1398ء میں امیر تیمور نے دہلی کی اینٹ سے اینٹ بجا دی دلی میں تغلق خاندان کے بعد سید خاندان کی حکومت قائم ہوئی سید خضر خان کے بعد بہلول لودھی، سکندر لودھی، اور سلطان ابراہیم لودھی نے ہندوستان پر اسلامی دور حکومت کو برقرار رکھا پانی پت کی لڑائی میں 1526ء میں بابر نے ابراہیم لودھی کو شکست دے کر برصغیر میں عظیم مغلیہ خاندان کی بنیاد رکھی۔ 27 اپریل 1526ء کو دہلی میں شہنشاہ ظہیر الدین بابر کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔[1] مغلیہ خاندان میں انیس بادشاہ ہوئے 1707ء میں اورنگ زیب عالمگیر کی وفات کے بعد مغلیہ دور حکومت کو زوال ہوا 1707ء سے 1737ء کے درمیان تیرہ مغل بادشاہ تخت پر بیٹھے محمد شاہ رنگیلا 1718ء سے 1748ء کے عہد میں نادر شاہ نے 1739ء میں دہلی میں قتل و غارتگری کا بازار گرم کیا[2] 1757ء میں احمد شاہ ابدالی نے دہلی پر حملہ کیا۔ ایرانیوں اور افغانوں کے ساتھ ساتھ مرہٹوں، جاٹوں، روہیلوں اور سکھوں نے بھی دلی کو لوٹا 1857ء کی جنگ آزادی کے بعد انگریزوں نے دہلی میں قتل عام کیا انسانی اقدار کی توہین کی۔ مذہب کی دھجیاں اڑادیں سفید رنگ میں لپٹی ہوئی جدید مذہبی و اخلاقی تہذیب کے دعویداروں کا بہت گھناؤنا اور مکروہ چہرہ ظاہر ہوا جن کے ظلم و ستم سے مرد، عورتیں، بچے بوڑھے کوئی نہ بچ سکا دلی پر آنے والا ظلم و ستم کا یہ دور دہلی پر گزرے ہوئے برے ادوار پر سبقت لے گیا۔ انگریزوں نے دہلی کی سیاسی و تاریخی اہمیت کو ختم کرنے کے لئے کلکتہ کو دارالسلطنت بنایا۔

جارج پنجم نے دسمبر 1911ء میں دہلی میں منعقدہ تیسرے دربار میں دہلی کو برطانوی حکومت کی راجدھانی بنانے کا اعلان کیا[3] آزادی کے بعد سے دہلی ہندوستان کا دارالحکومت ہے۔[4]

---

[1] عالم میں انتخاب دہلی، ص 10

Encyclopaedia of Islam, Vol. II, P. 255
(2) i. Collier's Encyclopaedia, Vol. 8, P. 65
(2) ii. Later Mughals, Vol. 2; P. 362
See also : Historia Religionum, Vol. II, P. 190
A history of the freedom Movement, Mahmud Hussain (Chairman) Karachi, 1957, Vol. I, P. 514
The New Cambridge History of India, by C. A. Bayly, India Office Library, London, 1988, P. 7

[3] ایضاً، ص 16 [4] اردو دائرہ معارف اسلامیہ، جلد نہم ص 492

دہلی شروع سے اہل علم و نظر کی آماجگاہ رہی ہے دجلہ و فرات سے علم و عرفان اور ہدایت و راہنمائی کی جو موجیں اٹھیں وہ جمنا ہی کے کناروں سے آکر ٹکرائی ہیں کبھی اس کے چپہ چپہ پر خانقاہیں تھیں قدم قدم پر مدرسے تھے کوچہ کوچہ میں مسجدیں تھیں چودھویں صدی عیسوی کے ایک نامور مورخ شہاب الدین العمری کے بقول صرف دہلی میں ایک ہزار مدرسے، دو ہزار خانقاہیں اور شفاخانے ہیں تشنگان معرفت اپنی روحانی پیاس بجھانے اور علم حاصل کرنے کے لئے بڑی بڑی صعوبتیں برداشت کر کے یہاں پہنچتے تھے ہندوستان کا یہ دارالسلطنت "رشک بغداد و غیرت مصر" بنا ہوا تھا۔[1] دہلی پر آنے والے یہ شب و روز اس کی عظمت کی گواہی دے رہے ہیں اور گردش زمانہ کے ہاتھوں بار بار اجڑنے کے بعد آج بھی دہلی شان و شوکت کے ساتھ دو تہذیبوں کے سنگم پر کھڑی اپنی کہانی سنا رہی ہے اس کے حسن میں اس وقت چار چاند لگ جاتے ہیں جب شاہ ولی اللہ جیسے عظیم انسانوں کے تذکرے میں اس کی نسبت آتی ہے۔ شاہ عبدالعزیز نے ایک نہایت دلچسپ نظم دہلی کی تعریف میں کہی ہے سرسید احمد خان نے آثار الصنادید ص 74 پر شاہ عبدالعزیز کے ایک شعر کو نقل کیا ہے۔

ان البلاد اماءٌ وھی سیدۃ وانھا درۃ والکل کالصدف[2]

ترجمہ: دوسرے شہر لونڈیاں ہیں اور دہلی ملکہ یہ موتی ہے اور باقی سب سیپیاں

---

[1] تاریخی مقالات، از پروفیسر خلیق احمد نظامی، ندوۃ المصنفین دہلی، 1966ء ص 241 دیکھو رود کوثر، از شیخ محمد اکرام، ص 595 [2] تاریخ مشائخ چشت، ص 339

ولادت کے وقت ہندوستان کے حالات: شاہ ولی اللہ کی ولادت کے وقت ہندوستان کے حالات مذہبی' سیاسی' روحانی' سماجی' معاشی' اخلاقی غرضیکہ انسانی زندگی کے ہر پہلو میں پائی جانے والی اقدار کے حوالے سے بڑی سرعت کے ساتھ تباہی و بربادی کی اتھاہ گہرائیوں کی طرف جا رہے تھے مغلیہ سلطنت اپنی عظیم الشان تاریخ کے ساتھ زوال کا شکار ہونے والی تھی اورنگ زیب عالمگیر مغلیہ خاندان کا ایک عظیم بادشاہ تھا جس کے دور حکومت میں مغلیہ سلطنت کو سب سے زیادہ وسعت ملی آپ 1703ء کو پیدا ہوئے اس وقت اورنگ زیب عالمگیر کی حکومت آخری منازل اقتدار طے کر رہی تھی اورنگ زیب عالمگیر کا دور حکومت مثالی تھا مغربی اہل علم اس دور حکومت کے بارے میں رقم طراز ہیں۔

Au-rangzeb (1618-1707) Moghal emperor of India, a period of great wealth and splendour for the empire.[1]

Au-rangzeb, most brilliant of the Mogul emperor of India.[2]

لیکن اورنگ زیب عالمگیر کی وفات کے بعد ہندوستان کے حالات بد سے بدتر ہوتے چلے گئے۔

Occidental influence made itself felt in India as early as the 17th Century, for a variety of Political, Economic and Religious reasons.[3]

اسلامی ہندوستان میں مغلیہ حکومت کے زوال کے ساتھ اخلاقی انحطاط بھی شروع ہو گیا تھا انگریز کی عیارانہ چالوں نے مسلم سیاست کو ایسا پامال کیا کہ عالمگیر بھی کچھ نہ کر سکے[4] اورنگ زیب کی وفات کے

---

1. The New Oxford Encyclopaedia Dictionary, Edited by, J. Coulson, **Oxford University Press**, Walton Street, Oxford, 1983, Vol. I, P. 93
(2) i. The Macmillan Encyclopaedia, P. 96.
(2) ii. Hutchinson Fast Finder Concise Encyclopaedia, P. 65
3. Encyclopaedia of World Art, Mcgraw-Hill Book Company New York, 1971, Vol. VII, P. 862
See Also : An Encyclopaedia of World History, P. 573

[4] تاریخ پاک و ہند' از' مولانا قاری احمد پیلی' قرآن محل کراچی' اکتوبر 1974ء ص 131

بعد برصغیر میں ابتری و تباہی کی وہ آندھیاں اٹھیں جن کا اورنگ زیب کو ڈر تھا اورنگ زیب اپنی زندگی میں ہی آنے والے طوفان کے آثار دیکھ رہا تھا لیکن ایک طرف اس کی ضعیف العمری اور دوسری طرف موت کا وقت قریب وہ اس آخر وقت میں کچھ نہ کر سکتا تھا وہ "میرے بعد طوفان" کہتا ہوا مر گیا!

اورنگ زیب عالمگیر نے غیر منقسم ہندوستان کو سیاسی لحاظ سے جس قدر منظم و مستحکم کیا اسی قدر ان کے تنگ نظر اور خود غرض جانشینوں نے اس سیاسی نظام کو متزلزل کر دیا تھا یہ ایک طرف تو تخت نشینی کے لئے آپس میں دست و گریبان تھے دوسری طرف انہوں نے تلوار سے رشتہ توڑ کر طاؤس و رباب سے اپنا رشتہ جوڑ لیا تھا نتیجہ یہ ہوا کہ ملک کے ہر گوشے میں بغاوتوں نے سر ابھارا[1] تاریخ شاہد ہے کہ اورنگ زیب عالمگیر نے جب وفات پائی تو حکومت کی باگ ڈور اس کے ایسے جانشینوں کے ہاتھ میں آئی جو نااہل کمزور' اور سیاست کے رموز سے بے خبر تھے۔ وہ اپنی حکومت کو اس زہر کے اثرات سے محفوظ نہ رکھ سکے جو جسد ملت میں سرایت کر چکا تھا انتشار' افتراق[2] گوشہ نشینی' عیش کوشی اور تن آسانی جس کے مختلف روپ تھے۔[3]

انسانی زندگی کا ہر شعبہ زوال کی زد میں تھا

Indian Art was in decline with the collapse of the Mogul Empire.[4]

1707-following Au-rangzeb's death the empire's rapidly disintegrated, various Provincial Governors became virtually independent (1722), and was of succession and foreign invasions culminated in anarchy.[5]

---

[1] مسلمانوں کا نظام تعلیم' از' پروفیسر سعید احمد رفیق' کراچی' 1982ء' ص 164

[2] اقبال اور علمائے پاک و ہند' از' اعجاز الحق قدوسی' لاہور' 1977ء ص 122

[3] اقبال اور پیروئی شبلی' از' سید افتخار حسین شاہ' لاہور 1983ء ص 116

See Also :Encyclopaedia Americana. Vol, 2, P, 691
The Joy of Knowledge History and Culture 2, P 312
An Encyclopaedia of World History, P 573
See Also : An Encyclopaedia of World History, William L. Langer, p 573

Three Principal Hindu Groups broke free from Moslem domination : the Rajput, the Marhattas and the Sikhs. In seven bloody battles of succession, fought within six year of Aurangzeb's death, the imperial family attested it inherent lawlessness and declining power. Then it became the sport of rival factions.[2]

"A Patchwork of races and religions, India had known a brief period of unity during the mogul domination, but Aurangzeb's death in 1707 was followed by rapid disintegration. The native princes regained their independence while the great Moslem officials carved out for themselves kingdoms in which they founded local ruling families. Aurangzeb's successors fought among themselves so bitterly that there were five Grand moguls within the space of twelve years;[3]

The decline of the Mogul authority, already manifest during the reign of Aurangzeb's rapidly developed under his immediate successors. Bahadur Shah (1707-1712) was too amiable, Jahandar Shah (1712-1713) was too vicious, Farrukh Siyar (1713-1719) was too feeble, to revive the empire. In seven bloody battles of succession, fought within six years of Aurangzeb's death, the imperial family attested its inherent lawlessness and declining power. Then it became the sport of rival factions.[4]

Dr. Iqbal, the Poet of the East, has characterized the celebrated Mughal Emperor Aurangzeb as (the last arrow in the

---

1 Larousse Encyclopaedia of Modern History, P 163
International Encyclopaedia of the social Sciences, Vol. 12, P 633

2 Larousse Encyclopaedia of Modern History, General Editor, Marcel Dunan, Excalibur Books, New York, 1981, P 162
3 (ii) . History and Culture 2, P 48
4 First Encyclopaedia of Islam, Vol. VI, P 633

quiver of Muslim Power in India). The anti Islamic forces which had raised their head during the reign of the irreligious Emperor Akbar and later found their Champions in Jahangir and Dara Shikoh were, to a great extent, checked by Aurangzeb, the most honest, conscientious and able Muslim monarch that ascended the throne of Delhi. With his passing away in 1707 A.C. started the political chaos which later culminated in the disintegration of the Muslim Power in the subcontinent. This political disintegration which was the result of spiritual confusion encompassed the socio-economic spheres also. Aurangzeb's successors were too weak and incapable of facing the rebellious forces emerging on all hands.[1]

سید ابوالحسن علی ندوی مغلیہ سلطنت کے زوال کے اسباب لکھتے ہوئے بیان کرتا ہے کہ بدقسمتی سے ہندوستان میں اسلام ایران و افغانستان کا چکر کاٹ کر پہنچا اور راستے میں اپنی بہت سی تازگی اور زندگی کھو کر یہاں کا اسلام سیکنڈ ہینڈ تھا ترک و مغل فاتحین اسلام کے اسلام میں کوئی شک نہیں لیکن مذاہب و تہذیب فتح کرنے کے لئے اتنی روحانی قوت کافی نہیں جتنی ان میں تھی وہ خود اس درجے میں تھے کہ ان کی دینی تربیت کی جاتی۔ یہاں کے اسلام میں وہ ساری کمزوریاں تھیں جو ایران و افغانستان کے اسلام میں تھیں اور وہ بھی جو ہندو مذہب و تہذیب و تصوف کے اختلاط سے پیدا ہوئی تھیں ہر بدعت 'بدعت حسنہ تھی اسلامی شعائر اٹھ رہے تھے اور ان کی جگہ ہندووانہ شعائر لے رہے تھے قرآن و حدیث کے بہت سے احکام منسوخ ہو گئے تھے رہے علماء ان کو شرعی و ضروری علوم سے اس کی فرصت ہی نہ تھی کہ وہ قرآن پر غور و تدبر کریں بازاری عورتیں دینی مجالس سے لے کر ہر مجلس کی زینت تھیں حد یہ ہے کہ بعض شرفاء اپنے لڑکوں کو ان کے پاس زبان اور علم مجلسی کی تعلیم کے لئے بھیجتے تھے بہت سے لوگ نکاح میں کسی تعداد کے بلکہ نکاح کے بھی پابند نہ تھے نشہ آور چیزوں کا استعمال عام تھا اخلاقی انحطاط اور قومی بے حسی کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ انیسویں صدی کے آغاز میں جب کہ انگریزوں کے قدم حاکمانہ طور پر ابھی ہندوستان میں جمے نہیں تھے اور ان کا وہ رعب و دبدبہ جو 1857ء کے بعد قائم ہوا ہے ابھی ہندوستانی مسلمانوں کے دلوں پر نہیں تھا متعدد مسلمان عورتیں یورپین تاجروں اور حکام کے گھروں میں تھیں کانپور کے منذرو فرنگی اور اگسٹس بروک ناظم بنارس کا ذکر تو نام کے ساتھ ہے باقی بغیر ناموں کے بھی بعض انگریزوں کا تذکرہ تاریخ کی کتابوں اور سفرناموں میں آتا ہے جن کے گھروں میں مسلمان عورتیں تھیں!

نادر شاہ کے حملے کے بعد دہلی کی صورتحال پر میر تقی میر نے اس طرح تبصرہ کیا ہے۔

جس جا کہ خس و خار کے اب ڈھیر لگے ہیں   واں ہم نے ان ہی آنکھوں سے دیکھی ہیں بہاریں
قافلہ در قافلہ رستوں میں تھے لوگ   ایسے گئے یاں سے کہ پھر کھوج نہ پایا

---

1 سیرت سید احمد شہید" از' سید ابوالحسن علی ندوی' کراچی' جلد اول ص 63-47

سرسری تم جہاں سے گذرے — ورنہ ہر جا جہاں دیگر تھا
اب خرابہ ہوا جہاں آباد — ورنہ ہر اک قدم پہ یاں گھر تھا
بے زری کا نہ کر گلہ غافل — رہ تسلی کہ یوں مقدر تھا[1]

Shah Walli Allah lived at a time when Chaos was the order of the day. The social condition of the Muslims was at its dead end.[2]

---

[1] تاریخ مشائخ چشت' ص 332

[2] اورینٹل کالج میگزین' مقالہ نگار' ڈاکٹر فضل محمود' لاہور' مئی 1967ء ص 1

See Also : Encyclopaedia Americana, Vol. 2. P. 691

سلطنت مغلیہ کے زوال کے اسباب: ایک سبب بیرونی قوموں فرانسیسی' پرتگالی' ڈچ اور انگریزوں کی امور سلطنت میں بے جا سیاسی مداخلت اور اندرونی گروہوں مرہٹوں' سکھوں' جاٹوں' روہیلوں کی لوٹ مار اور قتل و غارتگری کے ساتھ ساتھ نادر شاہ کا 1739ء میں حملہ اور احمد شاہ ابدالی کے مسلسل سات حملوں 1748 تا 1762ء کی قتل و غارتگری بھی شامل ہے اس کے ساتھ ساتھ بنگال میں علی وردی خان' دکن میں نظام الملک' نجیب آباد میں نجیب الدولہ' فرخ آباد میں بنگش' اودھ میں برہان الملک' روہیل کھنڈ میں روھیلے' خود مختار ریاستوں کی شکل میں حکمران بن بیٹھے قاسم جان اور عارف جان کے خاندانوں کے علاوہ بے شمار میر جعفر اور میر صادق پیدا ہوئے جنھوں نے قومی غیرت اور مذہبی حمیت کا چند روپوں میں سودا کیا مرزا غالب کے چچا نصر اللہ بیگ انگریزوں کی وفاداری میں مارے گئے[1] 1788ء میں غلام قادر روھیلے نے شاہجہان و اورنگ زیب کے جانشین شاہ عالم کی آنکھیں نکال لیں تھیں[2] جس سے سلطنت مغلیہ کے بتدریج زوال کی داستان کا پتہ چلتا ہے 7 جنوری 1761ء کو پانی پت کے میدان میں احمد شاہ ابدالی نے سکھوں اور مرہٹوں کی مشترکہ افواج کو شکست دے کر ان کی طاقت کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا تھا[3] زوال و انحطاط کے اسباب ہر مورخ اپنی سمجھ کے مطابق بیان کرتا ہے کوئی مرہٹوں اور سکھوں کے عروج' کوئی انگریزوں کی حکمت عملی اور کوئی تقدیر کا شاخسانہ قرار دیتا ہے سلطنت مغلیہ کے زوال کے اسباب آخری مغل بادشاہوں کی کاہلی' بزدلی' عیش پرستی' خیالات کی پستی' دون ہمتی اور دنائت نفس تھے[4] کسی نے اکبر کو اور کسی نے اورنگ زیب عالمگیر کو زوال کا ذمہ دار ٹھہرایا ہے[5] مغلوں کی طوائف الملوکی کے سبب نظام مملکت درہم برہم ہو گیا تھا اسلامی معاشرہ اور عقائد پر بھی اس کے اثرات مرتب ہوئے ایک طرف اہل تشیع کو پورے ملک میں بالا دستی حاصل ہو گئی تھی تو دوسری طرف علماء سوء نے عوام کو

---

1. (i) An Encyclopaedia of World History, P 573
(ii) First Encyclopaedia of Islam, Vol. VI, P. 635
(iii) المعارف' لاہور' ستمبر 1983ء ص 19 (مقالہ نگار' ڈاکٹر محمد ایوب قادری.

[2] سیرت سید احمد شہید' جلد اول ص 53

See Also : Lands and Peoples, U.S.A. 1981, Vol. 2, P. 206
3. Funk & Wagnalls New Encyclopaedia, Vol. 13, P. 437
See Also : Larousse Encyclopaedia of Modern History, General Editor, Marcel Dunan, Excalibur Books, New York, 1981, P. 162

[4] نظریات و مقالات' از' سید محفوظ علی بدایونی' 1974ء ص 515

[5] قوموں کی شکست و زوال کے اسباب کا ایک مطالعہ' از' ڈاکٹر آغا حسین ص 39

بالائے رکھ کر مذہبی اجارہ داری حاصل کرلی تھی [1]۔ فرخ سیر کے دور 1713ء تا 1719ء میں مسلمان امراء کے دو فریق ہو چکے تھے ایرانی اور تورانی (شیعہ اور سنی) ان کے اختلافات نے اسلامی حکومت کا خاتمہ کر دیا خاندان مغلیہ کے زوال کی سب سے پہلی منزل سید برادران سید حسین علی اور سید عبداللہ کی مرہٹوں کے ساتھ سازش کر کے فرخ سیر کا معزول کیا جانا تھا اور جب 1788ء میں غلام قادر روہیلے نے شاہ عالم کو اندھا کر کے تخت سے اتارا تھا تب حقیقت میں اسلامی حکومت ہند دم توڑ چکی تھی [2]۔ ان تمام حقائق سے پتہ چلتا ہے کہ خاندان مغلیہ کی عظیم حکومت کو زوال اسلامی تعلیمات سے روگردانی' عیش و عشرت میں مشغولیت' آرام پسندی' محلاتی سازشیں' ایرانی و تورانی مخاصمت' ہندو امراء کا دربار دہلی میں بے جا رسوخ' علم دوری' اسلام کے نظام حکومت کے اوصاف کا مغل حکمرانوں میں ختم ہو جانا' حصول اقتدار کی اندھی لالچ' پرتگیزی' ولندیزی' فرانسیسی اور انگریز قوم کو ہندوستان میں تجارت کی اجازت دے کر ان کے معاملات سے چشم پوشی' روایتی اندرونی غداری' اور غیروں پر اندھے اعتماد کی وجہ سے آیا یہی مکافات عمل ہے

[2] تجھ کو بتاؤں تقدیر امم کیا ہے　　شمشیر و سناں اول طاؤس و رباب آخر　(اقبال)

ہندوستان کی سیاسی و تمدنی تاریخ میں سولہویں اور سترھویں صدی عیسوی کو اس لحاظ سے بھی خاص اہمیت حاصل ہے کہ اگر ایک طرف پرانا سیاسی نظام منہدم ہوا تو دوسری طرف فکر و نظر کے پرانے سانچے بھی ٹوٹ گئے نئی نئی علمی اور مذہبی تحریکیں منصۂ شہود پر آئیں مسلمانوں کے لئے بعض تحریکیں ہمدردانہ تھیں اور بعض معاندانہ بہرکیف جب متضاد نظریات آپس میں ٹکرائے تو عمل اور رد عمل کا ایک ایسا سلسلہ قائم ہو گیا جس نے فکر و عمل کی صدہا نئی راہیں کھول دیں اس ہمہ گیر تبدیلی کے دور میں اسلامی سماج' مذہب اور معاشرہ کو مختلف منازل سے گزرنا پڑا مذہبی انتشار اور دینی گمراہیوں کو دور کرنے کے لئے متعدد مذہبی اور اصلاحی تحریکیں وجود میں آئیں سید محمد مہدی جونپوری سے لے کر حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی تک دینی اصلاح و تربیت کے لئے پرخلوص اور مسلسل جدوجہد جاری رہی ان بزرگوں کی راہیں مختلف تھیں بعض اوقات طریقہ کار بھی مختلف تھا لیکن منزل مقصود ایک تھی وہ چاہتے تھے کہ مسلمانوں کی دینی فکر کو اس طرح بیدار کیا جائے جس سے اسلامی معاشرہ کو صحیح اصولوں پر منظم کرنے کا کام لیا جا سکے اور جس کے سایہ میں اسلام ایک علیحدہ مستقل دینی ادارہ کی حیثیت سے قائم رہے [3]

1۔ (i) تاریخ مذاہب' از' رشید احمد' قلات پبلشرز کوئٹہ' 1979ء ص 434 (ii) مغلیہ سلطنت کا آخری دور' از' الٰہی رحمت راج' مکتبہ کارواں لاہور 1970ء ص 160 (iii) شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک' از' عبیداللہ سندھی' لاہور' 1965ء ص 31

2۔ رود کوثر' از' شیخ اکرام ص 598

3۔ حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی' از' پروفیسر خلیق احمد نظامی' ندوۃ المصنفین دہلی' ستمبر 1953ء' ص ک

شاہ ولی اللہ کی شخصیت ایک روشن چراغ کی مانند تھی جس سے بھٹکے ہوئے مسافروں نے زیست کی راہ منزل تلاش کی اور مقصد کے حصول میں اپنی زندگی کے شب و روز وقف کر دیئے قربانیوں کا یہ سلسلہ چلتا رہا چراغ سے چراغ جلتا رہا' شہادتوں کا سفر جاری رہا اور پھر جیسا کہ دستور فطرت ہے کہ کوشش کرنے والے کو مقصد اور جدوجہد کرنے والے کو منزل ملا کرتی ہے قربانیوں کی شمعیں روشن کر کے منزل کی طرف بڑھتے ہوئے مسافر راہ میں آنے والی ہر مصیبت کا بڑی جوانمردی سے مقابلہ کرتے ہوئے تاریخ رقم کرتے رہے یہ خواب 1947ء میں پاکستان کی شکل میں شرمندہ تعبیر ہوا۔

خاندان: شاہ ولی اللہ کے حالات زندگی بہت سے تذکرہ نگاروں اور تاریخ دانوں نے لکھے ہیں جن میں اہل مشرق و مغرب شامل ہیں لیکن یہ تاریخ کے طالب علم کی پیاس بجھانے کے لئے ناکافی ہیں کیونکہ ان کا ذکر جزوی انداز میں کیا گیا ہے شاہ ولی اللہ کے آباؤ اجداد کے بارے میں تفصیلات خود شاہ صاحب کی تصانیف میں ملتی ہیں "فیوض الحرمین" "انفاس العارفین" الدر الثمین' الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ و اسانید وارثی رسول اللہ' میں کافی معلومات موجود ہیں اس کے علاوہ شاہ صاحب نے "الجزء اللطیف فی ترجمۃ العبد الضعیف" میں اپنے حالات زندگی بیان کئے ہیں شاہ صاحب نے "بوارق الولایۃ" نامی رسالے میں اپنے والد بزرگوار شیخ عبدالرحیم کے حالات بیان فرمائے ہیں "شوارق المعرفۃ" میں عم بزرگوار شیخ ابوالرضا محمد قدس سرہ کے علوم و معارف بیان کئے ہیں "النبذۃ الابریزیۃ فی اللطیفۃ العزیزیۃ" میں شیخ عبدالعزیز دہلوی اور ان کے اسلاف و اخلاف کے حالات بیان کئے ہیں جو کہ نسبت مادری سے شاہ عبدالرحیم کے جد اعلیٰ ہیں "العطیۃ الصمدیۃ فی انفاس المحمدیۃ" میں شیخ محمد پھلتی قدس سرہ کی کرامات و مناقب بیان کئے ہیں "انسان العین فی مشائخ الحرمین" میں حرمین شریفین کے بعض ان مشائخ' صوفیاء' علماء محدثین کے حالات بیان فرمائے ہیں جن سے شاہ ولی اللہ کو سلسلہ خرقہ صوفیاء اور اسناد حدیث پہنچی ہیں شاہ صاحب کے خلیفہ شاہ محمد عاشق پھلتی نے شاہ صاحب کے حالات زندگی "القول الجلی فی مناقب الولی" میں تحریر فرمائے ہیں ملفوظات شاہ عبدالعزیز میں بھی شاہ ولی اللہ کے حالات زندگی کی جھلک ملتی ہے شاہ صاحب کے حالات زندگی بیان کرنے سے قبل مناسب ہے کہ شاہ صاحب کے عظیم آباؤ اجداد کے حالات کا خاکہ بیان کر دیا جائے تاکہ شاہ صاحب کے عظیم خاندانی پس منظر سے آگاہی ہو سکے شاہ ولی اللہ کا سلسلہ نسب والد کی جانب سے سیدنا فاروق اعظمؓ تک اور والدہ کی جانب سے حضرت موسیٰ کاظم تک پہنچتا ہے آپ والد کی جانب سے فاروقی اور والدہ کی جانب سے فاطمی ہیں

The new Cambridge History of India by C.A. Bayly, India Office Library, London, 1988, P. 7

شاہ صاحب "الامداد فی مآثر الاجداد" میں اپنا سلسلہ نسب اس طرح بیان کرتے ہیں "جاننا چاہئے کہ اس فقیر کا سلسلہ نسب امیرالمومنین عمر بن الخطابؓ کے ساتھ اس طرح پہنچتا ہے فقیر ولی اللہ بن شیخ عبدالرحیم بن الشہید بن معظم بن منصور بن احمد بن محمود بن قوام الدین عرف قاضی قازن بن قاضی قاسم بن قاضی کبیر عرف قاضی بدھ بن عبدالملک بن قطب الدین بن کمال الدین بن شمس الدین مفتی بن شیر ملک بن محمد عطا ملک بن ابوالفتح ملک بن عمر حاکم ملک بن عادل ملک بن فاروق بن جرجیس بن احمد بن محمد شہریار بن عثمان بن ہامان بن ہمایوں بن قریش بن سلیمان بن عفان بن عبداللہ بن عمر الخطاب رضی اللہ عنہم اجمعین"

پرانے نسب ناموں میں جو کہ رہتک اور شاہ ارزانی بدایونی کے خاندان میں موجود ہیں جن کا نسب سالار حسام الدین بن شیر ملک سے ملتا ہے ان میں ایسا ہی پایا جاتا ہے اور ملک پرانے زمانے میں تعظیم کا لفظ تھا جیسا کہ ہمارے زمانے میں خان ہے واضح ہو کہ ہمارے خاندان میں سب سے پہلے جس نے رہتک میں رہائش اختیار کی شیخ شمس الدین مفتی ہیں اور یہ رہتک' ہانسی اور دہلی کے درمیان ایک شہر ہے جو تیس کوس دہلی سے قبلہ کی طرف واقع ہے شروع میں جب ہندوستان فتح ہوا اور سادات و قریش نے وہاں اقامت اختیار کرلی تو اس طرف کوئی شہر اس سے زیادہ آباد اور پر رونق نہیں تھا مگر زمانہ کے گزرنے کے ساتھ وہ رونق اور آبادی جاتی رہی اور یہ شخص عالم و عابد تھا سب سے پہلے قریش سے جو شخص اس شہر میں آیا اور شعائر اسلام کا ظہور اور طغیان کفر فرو ہوا وہی تھا ان کے عجیب و غریب حالات میں سے ایک یہ بھی ہے واللہ اعلم انہوں نے وصیت کی کہ کہ نماز جنازہ ادا کرنے کے بعد ان کے جنازہ کو اس مسجد میں جو ان کی عبادت گاہ اور اعتکاف گاہ تھی میں رکھیں تھوڑی دیر اسے خالی رکھیں اس کے بعد اگر وہاں جنازہ موجود ہو تو دفن کریں ورنہ واپس آجائیں لوگوں نے ایسا ہی کیا ایک ساعت کے بعد جب تلاش کیا تو جنازہ کا کوئی نشان دکھائی نہ دیا حضرت والد بزرگوار جب اس حکایت کو بیان کرتے تھے تو اس کی تائید فرماتے تھے اس بزرگ کی زندگی ختم ہونے کے بعد اس کا سب سے بڑا بیٹا کمال الدین مفتی ان امور میں اپنے والد کا

جانشین ہوا۔ اس کے بعد اس کے بیٹے قطب الدین اور اس کے بعد اس کے بیٹے عبدالملک نے اسی طریق پر زندگی بسر کی ان بزرگوں کے بعد ان شہروں میں باقاعدہ طور پر قضات کے تقرر کا دستور ہو گیا قاضی بدھ بن عبدالملک نے اپنی موروثی ریاست کی حفاظت کے لئے منصب قضاء اختیار کیا اپنے بعد اس نے دو بیٹے چھوڑے ایک قاضی قاسم جو باپ کی وفات کے بعد اس کا جانشین ہوا اور دوسرا مسکن اس کے بعد ایک بیٹا اس کی یادگار رہا قاضی قاسم کے دو بیٹے تھے ایک قاضی قازن جو کہ اپنے باپ کا جانشین اور شہر کا رئیس تھا۔ بظاہر اس کا نام عبدالقادر یا قوام الدین ہے ہندوؤں کی زبان پر اس کی تحریف ہوئی واللہ اعلم دوسرا کمال الدین تھا جس کا ایک بیٹا نظام الدین نامی تھا قاضی قازن کے دو بیٹے تھے شیخ محمود اور شیخ آدم جو بھائی

خاں کے عرف سے مشہور تھا اس کی نسل باقی ہے شیخ محمود جو اپنے خاندان میں بزرگ تھے اس نے کسی سبب سے قضاء کا عہدہ قبول نہیں کیا بادشاہی نوکری کرلی اس دوران اس نے زمانہ کا بہت تجربہ کیا اس کا ظاہری حال رہتک کے صدیقیوں کی طرح تھا

اس کی شادی سونی پت کے گھرانے کی ایک لڑکی فریدہ سے ہوئی جس سے شیخ احمد پیدا ہوا شیخ احمد بچپن ہی سے رہتک سے چلا گیا تھا اور شیخ عبدالغنی بن شیخ عبدالحکیم کے ساتھ پرورش پائی موصوف نے اس کی شادی اپنی لڑکی کے ساتھ کردی اور ایک مدت تک اس کی تربیت کرتے رہے اس کے بعد رہتک میں دوبارہ آکر قلعہ کے باہر عمارت تعمیر کی اور اپنے عزیزوں اور خدام کے ساتھ وہاں قیام کیا شیخ احمد کی نسل اس کے فرزندوں میں سے اس کے دو بیٹوں کی اولاد میں منحصر رہی ایک شیخ منصور جو بہادری حلم وغیرہ صفات ریاست سے متصف تھا اس نے پہلے شیخ عبداللہ بن شیخ عبدالغنی مذکور کی ایک بیٹی سے شادی کی جو اس کا ماموں تھا اس سے شیخ معظم اور شیخ اعظم پیدا ہوئے اس کی وفات کے بعد دوسری شادی کی جس سے شیخ عبدالغفور اور اسماعیل پیدا ہوئے دوسرا شیخ حسین تھا جو خوشحال اور فارغ البال تھا اس کے دو بیٹے تھے محمد سلطان اور محمد مراد' حضرت والد بزرگوار نے محمد مراد کو دیکھا تھا اور اس کی قوت گرفت کے عجیب و غریب واقعات مشاہدہ کئے ان میں سے ایک یہ ہے کہ اسی سال کی عمر میں دینار کو انگوٹھے اور شہادت کی انگلی میں لے کر رگڑتے اور اسے دوہرا کردیتے حضرت والد ماجد (شاہ عبدالرحیم) کو بچپن میں جب وہ دیکھتے تو کہتے کہ اس بچے کو دیکھنے سے مجھ پر رعب اور ہیبت طاری ہو جاتی ہے جیسا کہ اس کے دادا معظم کو دیکھنے سے ہیبت طاری ہوتی تھی اس تحریر کا مقصد یہ ہے کہ اسے مطالعہ کرنے والا نسب کے اس حصہ پر مطلع ہو جائے جو صلہ رحمی میں ضروری ہے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔

تعلموا من انسابکم ما تصلون بہ ارحامکم فان صلۃ الرحم محبۃ فی الاھل مثراۃ فی المال منساۃ فی الاثر (رواہ الترمذی) اپنے نسب کا علم حاصل کرو تاکہ اس کے ذریعہ تم صلہ رحمی کر سکو کیونکہ صلہ رحمی خاندان میں محبت کا باعث ہے دولت اور شہرت اس سے بڑھتی ہے)

اس فقیر (شاہ ولی اللہ) نے شیخ عبدالغنی مذکور کی بعض اولاد سے سنا ہے کہ وہ عالم متقی اور پرہیزگار تھے اور جلال الدین اکبر ان کی تعظیم و توقیر کرتا تھا جب بادشاہ نے الحاد اور بے دینی اختیار کرلی تو وہ دوستی کا رشتہ ٹوٹ گیا بلکہ ایک دوسرے سے شدید نفرت پیدا ہو گئی ایک مدت کے بعد بادشاہ کو چتوڑ کی مہم پیش آگئی اس طرف مسلسل افواج بھیجتا تھا لیکن فتح نہیں ہوتی تھی اسی اثناء میں ایک رات امام ناصرالدین شہید ابن امام محمد باقرؒ کے مزار کے بعض معتکفین نے عالم بیداری میں دیکھا کہ ایک رئیس مسلح جماعت کے ساتھ آئے ان کے ساتھ ایک مشعل تھی وہ روضہ امام میں داخل ہو گئے دیکھنے والے نے سمجھا کہ مسافر ہیں جو زیارت کے ارادہ سے آئے ہیں اس نے آگے بڑھ کر دیکھا کہ وہ بزرگ قبر میں داخل ہو گیا ہے اور اس جماعت میں سے ہر شخص ایک ایک قبر میں داخل ہو گیا اس نے ان میں سے بعض سے سوال کیا کہ یہ سردار کون ہے اور یہ جماعت کیسی ہے اس نے کہا یہ شہداء کی ایک جماعت کے ساتھ امام ناصرالدین ہیں

اس نے پھر سوال کیا کہ یہ لوگ کہاں گئے تھے اور کیا کام کیا اس نے کہا چتوڑ فتح کرنے کے لئے گئے تھے اور اسے فلاں وقت فلاں برج کی طرف سے فتح کر لیا شیخ عبدالغنی کو جب اس عجیب واقعہ کی اطلاع ملی فتح کی خوشخبری اور صورت واقعہ پورے کا پورا بادشاہ کی خدمت میں پہنچا دیا کچھ دنوں کے بعد فتح چتوڑ کی خبر اس کے مطابق موصول ہوئی جس میں سر مو فرق نہیں تھا بادشاہ نے بارہ گاؤں حضرت امام ناصرالدین کے مزار کے لئے وقف کر کے شیخ عبدالغنی کے سپرد کر دیے خواجہ محمد ہاشم کشمی نے شیخ مجدد حضرت شیخ احمد سرہندی قدس سرہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میرے والد گرامی (شیخ عبدالاحد) ایک مدت تک شیخ عبدالغنی کی ملاقات کے متلاشی رہے کیونکہ شہر سون پت کے بہت ہی عمر رسیدہ بزرگ سے ایک راز ان تک پہنچا تھا اور وہ راز یہ تھا جو کہ اس نے بتایا میرے پیرو مرشد جو کہ میرے جد مادری تھے اپنے انتقال کے وقت ایک شوریدہ کار درویش کے ساتھ اپنے پاس بلایا تاکہ نسبت اور فیوض باطنی عطا فرمائیں جب میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے حقیقت کا ایک راز ہمیں بتایا جسے سنتے ہی وہ درویش جان سے ہاتھ دھو بیٹھا اور میں اسی طرح حیران و سراسیمہ رہ گیا حضرت والد بزرگوار اس راز کو سننے کے لئے ان کی خدمت میں حاضر ہونے کا بہت شوق رکھتے تھے اچانک شیخ مذکور کسی مہم کے سلسلہ میں سرہند سے گزرے جب سرہند پہنچے تو کاروان سرا میں قیام کیا ہمارے والد بھی وہاں پہنچے معانقہ اور رسمی مزاج پرسی کے بعد خلوت کی درخواست کی اور التماس کی کہ اس سربستہ راز کو ظاہر فرمائیں شیخ نے اسے بیان کیا جب میرے والد شیخ کے پاس سے باہر نکلے تو شیخ جمیل الدین جو صاحب دل' فاضل اور ہمارے خلفاء میں سے تھے ان سے پوچھا کہ کیا آپ نے ان سے ۔ راز پوچھا فرمایا ہاں میں نے ان سے پوچھا وہ یہی مسئلہ تھا جس پر ہم ہیں اور ہمارے مشرب کی جان ہے یعنی جو دکھائی دیتا ہے واحد حقیقی ہے جو کثرت کے عنوان سے ظاہر ہوا ہے مگر چونکہ وہ درویش سادہ لوح تھا یہ راز اچانک اسے معلوم ہوا تو وہ اسے برداشت نہ کر سکا اور ہلاک ہو گیا اور شیخ عبدالغنی چونکہ عالم تھے اور صاحب تمکین اور اس راز سے واقف تھے تو وہ برقرار رہے

شیخ معظم: شیخ معظم بہت بڑے بہادر تھے اس سلسلہ میں ان کے عجیب واقعات حد و شمار سے باہر ہیں حضرت والد بزرگوار فرماتے تھے کہ شیخ منصور کو ایک راجہ سے جنگ کرنے کا اتفاق ہوا میمنہ لشکر شیخ معظم کے سپرد ہوا اس وقت آپ کی عمر بارہ سال تھی زبردست جنگ ہوئی اور دونوں طرف سے بہت سے لوگ قتل ہوئے اسی اثناء میں شیخ معظم سے کسی نے کہا کہ شیخ منصور شہید ہو گئے اور ان کا تمام لشکر شکست کھا گیا اس سے ان کی رگ حمیت پھڑکی انہوں نے کفار کے سردار کا رخ کیا اس اثناء میں جو بھی ان کے سامنے آیا قتل یا زخمی کر کے بیکار کر دیا بڑی سعی و کاوش کے بعد راجہ کے ہاتھی کے پاس پہنچ گئے وہاں ایک کافر سردار نے مقابلہ کیا اسے تلوار کے ایک ہی وار سے دو ٹکڑے کر دیا اور اسے گھوڑے کے نیچے ڈال دیا لوگوں نے اس پر ہجوم کر لیا اس راجہ نے تمام لوگوں کو منع کیا اور ڈانٹا اور کہا جو شخص اتنی کم عمری میں اس طرح کی جرات اور بہادری کرتا ہے عجائبات زمانہ سے ہے اس کے بعد اس نے شیخ معظم کے دونوں

ہاتھ چومے اور بہت عزت سے پیش آیا اور اس غصہ کا سبب پوچھا انہوں نے کہا مجھے خبر ملی ہے کہ میرے والد شہید ہو گئے ہیں میں نے حملہ کرنے کا ارادہ کیا اور اس وقت تک پیچھے نہیں ہٹوں گا جب تک کفار کے رئیس کو قتل نہیں کروں گا یا خود قتل نہیں ہو جاؤں گا راجہ نے کہا اس شخص نے جھوٹ کہا تمہارے والد زندہ ہیں اور ان کا جھنڈا فلاں جگہ دکھائی دے رہا ہے پھر شیخ منصور کے پاس راجہ نے آدمی بھیجا کہ ہم اس بچے کی وجہ سے صلح کرتے ہیں اور شیخ منصور کے تمام مطالبات تسلیم کر لئے اور واپس چلا گیا۔[1]

نیز حضرت والد ماجد نے موضع شکوہ پور جو کہ شیخ معظم کا تعلقہ تھا کے ایک بوڑھے زمیندار سے سنا کہ ایک مرتبہ تقریباً تیس ڈاکوؤں نے اس بستی کے مویشی لوٹ لئے اس وقت شیخ معظم بھی اس بستی میں موجود تھے ان کی اولاد بھائیوں اور چچیرے بھائیوں میں سے کوئی بھی اس وقت موجود نہیں تھا انہیں اس حادثہ کی لوگوں نے اطلاع دی اس وقت دسترخوان بچھ چکا تھا اور کھانا رکھا جا چکا تھا ان سے کسی عجلت اور بے چینی کا مظاہرہ نہیں ہوا حسب معمول کھانے سے فارغ ہوتے ہی ہاتھ دھوئے پھر فرمایا کہ میرے ہتھیار لاؤ اور گھوڑا تیار کرو

جب سوار ہو گئے تو کسانوں کی ایک مسلح جماعت ہمراہی کے لئے نکلی انہوں نے تمام لوگوں کو واپس کر دیا اور فرمایا ہم انتہائی تیزی سے جائیں گے تو تم میرے گھوڑے کی رفتار کا ساتھ نہیں دے سکو گے صرف راوی قصہ کو ساتھ لے لیا جو گھوڑے کے ساتھ بھاگ سکتا تھا تاکہ قوم کو اس دار و گیر سے جو ان کے اور ڈاکوؤں کے درمیان ہو خبر دے سکے وہ دوڑے چلے جا رہے تھے یہاں تک کہ وہ ڈاکوؤں کے پاس پہنچ گئے اس وقت وہ اپنے گھروں میں داخل ہو رہے تھے غیرت انگیز کلمات سے اس جماعت کو میدان میں لائے پھر انہوں نے ایک تیر سے دو آدمیوں کو گرانا شروع کر دیا جب دو تین تیر ایسے انہوں نے مشاہدہ کئے تو زبردست رعب اس جماعت کے دلوں پر طاری ہو گیا اور زندگی سے مایوس ہو کر انہوں نے فریاد کی کہ ہم توبہ کرتے ہیں ہمیں معاف کیجئے شیخ معظم نے کہا تمہاری توبہ یہ ہے کہ اپنے ہتھیار ڈال دو ہر ایک دوسرے کے ہاتھ باندھے سواری' ہتھیار اور گھوڑے لے کر اس بستی میں پہنچو انہوں نے ایسا ہی کیا اور اپنے دین و مذہب کے مطابق انہوں نے موکد قسمیں کھائیں کہ وہ دوبارہ اس قصبہ کا رخ نہیں کریں گے اور شیخ معظم کی رائے کی خلاف ورزی نہیں کریں گے

شیخ معظم کے سید نورالجبار سون پتی جو کہ ایک عالی نسب سید تھے اور ان کے آباؤ اجداد علم و فضل سے آراستہ تھے کی بیٹی سے تین لڑکے پیدا ہوئے شیخ جمال' شیخ فیروز اور شیخ وجیہہ الدین۔

---

[1] تذکرہ علمائے حق' مرتبہ' اعجاز احمد خان بنگھانوی' مکہ پبلشنگ کمپنی' لاہور ص 34

شیخ وجیہہ الدین: شیخ وجیہہ الدین کمال تقویٰ اور شجاعت سے موصوف تھے حضرت والد قدس سرہ فرماتے تھے کہ میرے والد ماجد کا وظیفہ تھا کہ شب و روز میں دو پارے تلاوت کرتے تھے خوشی' غمی' سفر اور حضر کسی وقت بھی اسے ترک نہیں کرتے تھے جب بوڑھے ہو گئے تو بینائی کمزور ہو گئی تو جلی حروف کا قرآن مجید اپنے ساتھ رکھتے تھے سفر میں وہ کبھی بھی ان سے جدا نہیں ہوا۔[1] یہ بھی فرماتے تھے کہ وہ اپنا گھوڑا کسی کی زراعت میں نہیں لے جاتے تھے اگرچہ تمام لشکر اس زراعت میں چلا جاتا بعض اوقات انہیں متعارف راستہ سے ہٹ کر چلنا پڑتا یہ بھی فرمایا کہ ایک لڑائی میں ان کا وہ اونٹ گم ہو گیا جس پر سامان تھا کھانے پینے کا سامان میانہ ہو سکا ساتھی گاؤں کے مویشی زبردستی پکڑتے اور کھاتے تھے لیکن وہ ان چیزوں سے پرہیز کرتے تھے جب دو تین فاقے ہو گئے اور قوت ختم ہونے لگی تو رازق حقیقی کی رزاقیت نے اس طرح ظہور فرمایا کہ اتفاقاً جیسا کہ فکرمندی کے ساتھ ہوتا ہے زمین کو چابک سے کریدا وہاں سے ان کی خوراک کے مطابق چنے مل گئے چونکہ گری پڑی چیز سے مالک بے نیاز ہوتا ہے اسے انہوں نے دھو کر پاک کیا اور بھگو کر تناول فرمایا' فرمایا کہ میرے والد ماجد اپنے خدام' ملازمین اور گھسیاروں وغیرہ سے ایسی نرمی اور انصاف برتتے تھے جو زمانہ کے متقی لوگوں سے بھی کم دیکھنے میں آتا ہے نیز فرماتے تھے کہ میرے والد صاحب نے ایک سفر میں ایک شخص میں ولایت کے بعد شواہد مشاہدہ کئے اور اس سے بیعت کر لی اور صوفیہ کے اشغال میں مشغول ہوئے اور کم گوئی اور لوگوں کی مجلس سے یکسوئی اختیار کی اور یہ چیز انہوں نے اس طرح ادا کی کہ اس زمانہ کے صوفیا میں نظر نہیں آتی کاتب حروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ شیخ مظفر (جو کہ) میرے والد اور شیخ ابوالرضا محمد کے ساتھ ان کے والد شیخ وجیہہ الدین کے تعلق کو بیان کرتے تھے بعید نہیں کہ دونوں چشمہ ہائے شیریں سے شرف یاب اور ہر دو منبع زلال سے فیض حاصل کیا ہو

حضرت والد ماجد ان کی بہادری کی بہت سی حکایات بیان کرتے تھے ان میں سے چند اس کتاب میں درج کرتا ہوں ان میں سے ایک یہ ہے

والد صاحب نے فرمایا کہ میری عمر چار سال کی تھی کہ میرے والد بزرگوار شیخ وجیہہ الدین سید حسین کے ساتھ جو اپنے زمانہ کا مشہور بہادر تھا مالوہ کے علاقہ میں دہاموِنی کے قصبہ کی طرف روانہ ہوئے اور مجھے اپنے ساتھ لے لیا وہاں شجاعت و بہادری سے موصوف ایک کافر نے فساد برپا کر رکھا تھا بڑی کوشش کے بعد وہ سید حسین کی ملاقات کے لئے آیا دربانوں نے اسے اسلحہ کے بغیر مجلس میں لے جانا چاہا لیکن وہ اس بات پر راضی نہ ہوا اس سلسلہ میں جب گفتگو بہت طویل ہو گئی تو اس نے سید حسین کو کہلا بھیجا کہ تم سپاہی اور کثیر جماعت ہو تمہیں اس بات سے شرم نہیں آتی کہ ایک مکھی کو ہتھیار سمیت اپنی مجلس میں حاضر ہونے کی اجازت نہیں دیتے سید حسین نے اس بات سے متاثر ہو کر حکم دیا کہ کوئی شخص اس کے اسلحہ سے معترض نہ ہو فرماتے تھے کہ اس کا بشاش چہرہ آج بھی میرے تصور میں موجود ہے وہ پان چباتے ہوئے آہستہ آہستہ ٹہلتا ہوا چلتا تھا گویا کہ وہ کسی خوشی کی مجلس میں آ رہا ہے میرے والد صاحب

---

[1] تذکرہ علمائے حق' ص 36

نے جب اسے دیکھا تو فرمایا کہ یہ شخص ضرور اس مجلس میں ہاتھ اٹھائے گا انہوں نے فی الفور خدمت گار کو بلایا اور میری طرف اشارہ کر کے کہا کہ اسے اونچی جگہ پر کھڑا کر دو تاکہ اس پکڑ دھکڑ میں اسے نقصان نہ پہنچے جب وہ نزدیک پہنچا اور سلامی کی جگہ سے آگے بڑھا تو دربان نے کہا کہ اسی جگہ سلام کرو اور آگے مت بڑھو اس نے دربان کی بات کی طرف توجہ نہ دی اور کہا کہ میں سید صاحب کے پاؤں کو بوسہ دینا چاہتا ہوں تاکہ میرے گناہوں کا کفارہ ہو جائے جب اور زیادہ نزدیک پہنچ گیا تو اس نے سید حسین پر تلوار کا وار کیا سید حسین بڑی پھرتی سے ایک طرف ہو گیا تلوار تکیہ پر گری اور اسے کاٹ دیا اس نے دوبارہ تلوار اٹھا کر وار کرنے کا ارادہ کیا میرے والد انتہائی تیزی سے اس کے پاس پہنچے اور خنجر کی ایک ضرب سے اسے جہنم رسید کر دیا

شاہ ولی اللہ نے آپ کی بہادری کے کئی واقعات بیان کئے ہیں ان واقعات میں سے ایک یہ تھا فرماتے تھے کہ عالمگیر بادشاہ تھا اس کے بھائی شاہ شجاع نے بنگال کی طرف رخ کیا عالمگیر اس جنگ کی طرف متوجہ ہوا وہ بھی عالمگیر کے لشکر میں تھے زبردست جنگ ہوئی دونوں لشکر تھک گئے آخر کار دو تین مست ہاتھی شجاع کی طرف سے عالمگیر کے لشکر پر حملہ آور ہوئے ہر ہاتھی کے پیچھے زرہ پوشوں کا ایک دستہ تھا جب یہ صورت پذیر ہوئی تو عالمگیر کے لشکر میں افراتفری پڑ گئی ہر شخص بھاگ نکلا عالمگیر کے ہاتھی کے گرد صرف چند آدمی باقی رہ گئے ایسے وقت میں میرے والد رحمتہ اللہ علیہ کو خیال پیدا ہوا کہ وہ ان ہاتھیوں میں سے ایک پر حملہ کریں انہوں نے اپنے ساتھیوں سے کہا یہ جان دینے کا وقت ہے ایسی جگہ میں ہر شخص ثابت قدم نہیں رہ سکتا جو شخص علیحدگی چاہتا ہے میری طرف سے اجازت ہے اس پر چار آدمیوں کے سوا سب نے پہلوتہی کی میرے والد نے ان کے ہمرکاب ہو کر بارہا فرمایا کہ اگر ہمارے رفقاء میں سے کوئی شخص ہماری محبت میں شریک ہو گا تو یہ چار اشخاص ہوں گے ان چاروں نے ان کے شکار بند کو مضبوطی سے پکڑا اور اقرار کیا کہ جہاں آپ ہوں گے وہاں ہم بھی ہوں گے اس کے بعد اس ہاتھی پر جو زیادہ فساد مچا رہا تھا حملہ کیا وہ ڈٹے رہے یہاں تک کہ ہاتھی نے انہیں اٹھانے کے لئے اپنی سونڈ کو ان کی طرف بڑھایا اور چاہا کہ انہیں گھوڑے سے اٹھا لے یا گرا دے اس وقت انہوں نے تلوار کے ایک بھرپور وار سے سونڈ کو بیچ سے کاٹ دیا ہاتھی خوفناک چیخ مار کر بھاگا اس کا ضرر اور نقصان اس کے دستہ کو پہنچا یہ پہلی فتح تھی عالمگیر نے اس مقابلہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا فتح کے بعد اس نے ان کے منصب کو زیادہ کرنا چاہا مگر انہوں نے استغناء کیا اور قبول نہ کیا ان کی شادی شیخ رفیع الدین محمد بن قطب العالم بن عبدالعزیز کی بیٹی سے ہوئی جس سے تین فرزند پیدا ہوئے۔ (1) مخدومی شیخ ابوالرضا محمد (2) مخدومی شیخ عبدالرحیم (3) مخدومی شیخ عبدالحکیم میرے والد گرامی فرماتے تھے کہ میرے والد ماجد ایک رات تہجد کی نماز ادا کر رہے تھے ایک سجدہ میں ٹھہرے رہے میں نے خیال کیا کہ ان کی روح ان کے جسم سے پرواز کر گئی جب انہیں افاقہ ہوا تو میں نے اس طویل ٹھہرنے کے متعلق استفسار کیا فرمایا کہ مجھے غیوبت واقع ہوئی تو اس حالت میں مجھے اپنے ان عزیزوں کے حالات کی اطلاع ہوئی جو شہید ہوئے تھے ان کے درجات و مقامات مجھے بہت پسند آئے

میں نے حق سبحانہ و تعالیٰ سے شہادت طلب کی اور بے حد الحاح اور زاری کی یہاں تک کہ مجھ پر میری دعا کی قبولیت منکشف ہوئی اور دکن کی طرف اشارہ ہوا کہ تمہاری شہادت کی جگہ وہاں ہے اس واقعہ کے بعد اگرچہ نوکری چھوڑ دی تھی اور اس شغل سے نفرت پیدا ہو گئی تھی از سرنو سفر کا سامان تیار کیا گھوڑا خریدا اور دکن کی طرف روانہ ہو گئے ان کا خیال تھا یہ مقابلہ سیدا کے ساتھ ہو گا جو اس وقت کفار کا بادشاہ تھا اور مسلمانوں کے قاضی کے متعلق اس نے بہت بے حرمتی کی تھی جب برہانپور پہنچے تو ان پر منکشف ہوا کہ وہ شہادت کی جگہ پیچھے چھوڑ آئے ہیں وہاں سے پھر واپس آئے راستہ میں بعض تاجروں کے ساتھ جو صلاح و تقویٰ سے متصف تھے دوستی کا عہد باندھا اور ارادہ کیا کہ قصبہ ہنڈیا کے راستے ہندوستان میں داخل ہوں اسی اثناء میں ایک بوڑھا شخص ملا جو گرتا پڑتا جا رہا تھا اس کی حالت پر رحم کیا اور اس سے اس کا مقصد دریافت کیا اس نے کہا میں دہلی جانا چاہتا ہوں آپ نے فرمایا میرے ملازمین سے روزانہ تین پیسے لے لیا کرو وہ بوڑھا کفار کا جاسوس تھا جب یہ قافلہ تونیا کی سرا میں پہنچا جو کہ دریائے نربدہ سے دو تین منزل ہندوستان کی طرف ہے تو اس جاسوس نے اپنے ساتھیوں کو اطلاع دی ڈاکوؤں کی ایک کثیر جماعت سرا میں آئی اس وقت آپ قرآن مجید کی تلاوت کر رہے تھے اس جماعت میں سے دو تین آدمی آگے بڑھے اور پوچھا کہ وجیہہ الدین کون ہے جب انہوں نے آپ کو پہچان لیا تو کہا ہمیں آپ سے کوئی سروکار نہیں ہے اور ہمیں علم ہے کہ آپ کے پاس کوئی مال نہیں ہے ہمارے گروہ میں سے ایک آدمی پر آپ کا حق نمک بھی ہے لیکن ان تاجروں کے پاس فلاں فلاں مال ہے انہیں ہم نہیں چھوڑیں گے چونکہ آپ کو اس سفر کا مقصد پوری طرح معلوم تھا اس لئے تاجروں کی رفاقت چھوڑنے پر راضی نہ ہوئے اور جنگ و قتال پر اتر آئے اس اثناء میں ان کو بائیس زخم آئے اور ایک زخم میں سر جسم سے جدا ہو گیا اس کے باوجود تکبیر کہتے ہوئے ایک تیر کی مار تک کفار کا تعاقب کیا ایک عورت یہ حال دیکھ کر بہت متعجب ہوئی پھر آپ گر پڑے اور وہیں دفن ہوئے والد صاحب فرماتے تھے کہ اسی دن کے آخری حصہ میں متمثل ہو کر مجھے زخم دکھائے میں نے ایصال ثواب کے لئے کچھ صدقہ دیا حضرت والد صاحب فرماتے تھے کہ میں نے ان کے جسم کو وہاں سے منتقل کرنے کا ارادہ کیا ایک روز انہوں نے متمثل ہو کر مجھے ایسا کرنے سے منع فرمایا"۔[1]

شاہ ولی اللہ کے آباؤ اجداد برعظیم پاک و ہند میں ابتداء ہی سے بزرگی اور عظمت کے مالک رہے ان میں سے بعض نے علم و فضل میں اور بعض نے بہادری و سخاوت اور سرداری میں ممتاز شہرت حاصل کی ان میں شاہ ولی اللہ کے والد بزرگوار شیخ عبدالرحیم کو بھی بہت زیادہ عزت و توقیر حاصل ہے۔ شیخ وجیہہ الدین کے تین فرزند تھے۔ (1) ابوالرضا محمد (2) شیخ عبدالرحیم (3) شیخ عبدالحکیم ان میں سے ہر ایک اپنی ذات میں علم و عرفان کا سمندر تھا اور ہر ایک کی شخصیت بذات خود ایک انجمن تھی خاص طور پر شیخ ابوالرضا محمد اور شیخ عبدالرحیم نے بہت زیادہ شہرت حاصل کی۔

---

[1] الامداد فی مآثر الاجداد' از' شاہ ولی اللہ' مترجم' محمد اصغر ص 241 "انفاس العارفین"

شیخ عبدالرحیم: شیخ عبدالرحیم 1644ء/ 1054ھ میں پیدا ہوئے شیخ عبدالرحیم کے پیدا ہونے سے پیشتر ہی ان بعض پاک نفوس اور پاکیزہ باطن حضرات نے جنہیں فطرت سے ممتازیت کا کافی حصہ ملا تھا اور جن کے دلوں میں ربانی جلال بڑے زور و شور سے چمک چکا تھا نیز جنہوں نے روحانی ذریعہ سے تعلیم پائی تھی صاف لفظوں میں جناب شیخ وجیہہ الدین کو بشارت دی تھی کہ تمہاری پشت سے ایک ایسا پاک نفس اور نیک فطرت لڑکا پیدا ہو گا جس کی فرزندی کے اثبات سے نہ صرف تم بلکہ تمہارا سارا خاندان دنیا میں روشناس ہو جائے گا اور ہندوستان سے لے کر عرستان تک اس کے نام کا امتیازی جھنڈا گڑا جائے گا چنانچہ شیخ رفیع الدین محمد صاحب نے جن کے علمی و عملی کارنامے دنیا میں خاص طور پر مشہور ہو چکے تھے اور جن کا فضل و کمال اعلیٰ درجہ کی وقعت کے ساتھ ذکر کیا جاتا تھا صریح لفظوں میں شیخ عبدالرحیم صاحب کی بابت پیش گوئی کی تھی جب شیخ رفیع الدین محمد کا جام حیات لبریز ہونے کے قریب ہوا تو ایک دن آپ نے اپنا تمام اثاثہ بیت جمع کیا اور تمام وارثوں کو شرعی حصہ پر تقسیم کر دیا اپنی اولاد میں سے ہر ایک شخص کو اس کے حسب حال عنایت فرمایا جب آپ کی سب سے چھوٹی صاحبزادی کی نوبت پہنچی (جو آئندہ شاہ عبدالرحیم کی والدہ ہوئی) تو آپ نے انہیں فوائد طریقت کے چند جزو اور پیروں کا شجرہ عطا کیا شیخ کی بی بی صاحبہ نے فرمایا کہ اس لڑکی کی ہنوز شادی نہیں ہوئی ہے اس کے مناسب حال یہ کاغذ کے چند اوراق نہیں ہیں بلکہ شادی کے سامان مہیا کرنے ضروری ہیں شیخ محمد صاحب نے جواب دیا کہ یہ کاغذ کے چند اجزاء ہماری گزشتہ اسلام کی ایک محسوس یادگار اور میراث ہیں جنہیں ہم دنیا کے تمام حشمت و شوکت سے افضل اور قیمتی سمجھتے ہیں اس لڑکی کے ایک فرزند پیدا ہو گا جو بڑا ہو کر اہل اللہ کی جماعت کا سرتاج قرار دیا جائے گا اور عالم کا مقتداء و پیشوا ہو گا چونکہ وہ ہماری اس معنوی میراث کا مستحق ہو گا لہٰذا یہ تمام اوراق اس کے حوالے کر دیا شادی کا سامان ان کا ہمیں ذرا فکر نہیں کرنا چاہئے خدا تعالیٰ مسبب الاسباب ہے خود مہیا کر دے گا چنانچہ جب شیخ عبدالرحیم صاحب پیدا ہوئے اور ابتدائی عمر کے مرحلے طے کر کے جب سن رشد کو پہنچے تو بی بی صاحبہ نے وہ اوراق آپ کے سپرد کر دیئے جو آپ کے بہت کام آئے جس زمانہ میں شاہ عبدالرحیم صاحب کی ولادت ہوئی اس وقت اورنگ زیب عالمگیر حکمران تھا اور شیخ وجیہہ الدین صاحب سلطنت کی طرف سے ایک معزز عہدہ پر ممتاز تھے قطع نظر اس کے آپ خود بھی دولت و ثروت رکھتے تھے غرضیکہ شیخ عبدالرحیم کی اقبال پروری سے وہ تمام سامان مہیا ہو گئے تھے جو ایک خوش قسمت بچہ کی پرورش کے لئے درکار ہوتے ہیں لہٰذا نہایت ناز و نعمت کے ساتھ آپ کی پرورش ہوئی تھی[1]

---

[1] (i) رود کوثر' از' شیخ محمد اکرام ص 534 (ii) سیرت سید احمد شہید" از' سید ابوالحسن علی ندوی' حصہ اول' ص 22 (iii) حیات ولی از' رحیم بخش دہلوی' ص 35 (iv) ارتفاقات معاشیہ' از' شیخ بشیر احمد' ص 10 (v) ارمغان شاہ ولی اللہ' از' محمد سرور' ص 474 (vi) تذکرہ علمائے حق' ص 71

[2] حیات ولی' از' رحیم بخش دہلوی' ص 207

"میرے والد ماجد (شاہ عبدالرحیم) فرماتے تھے کہ میرے ماموں شیخ عبدالحئی نیک مرد تھے دنیا سے روگرداں اور اپنے بزرگوں کے راستہ پر گامزن تھے اپنی اولاد کی تربیت پر بہت کوشاں تھے لیکن وہ ان سے متاثر نہیں ہوتے تھے اس چیز کو دیکھ کر وہ مغموم رہتے تھے یہاں تک کہ ایک روز انہوں نے مجھے دیکھا کہ باوجود صغرسنی کے میں نے اپنی دستار اتار کر زانو پر رکھی ہوئی تھی اور سنن و مستحبات کی پوری اطاعت سے اچھی طرح وضو کر رہا تھا وہ بہت زیادہ خوش ہوئے خدا تعالٰی کی حمد کہی اور کہا جب میں نے اپنی اولاد میں تربیت کا کوئی اثر نہ دیکھا تو میں ڈرا کہ ہمارے بعد اسلاف کا راستہ ہمارے خاندان سے منقطع ہو جائے گا اب معلوم ہوا کہ اس کا پیروکار ہمارے خاندان میں ہے اگر وہ اولاد میں سے نہیں ہے تو کوئی غم نہیں ہماری لڑکی سے تو ہے۔ فرماتے تھے کہ میری عمر نو یا دس سال کی تھی سلسلہ نقشبندیہ کے ایک بزرگ خواجہ ہاشم نامی بخارا سے تشریف لائے ہمارے محلہ میں قیام فرمایا مجھ پر بہت نظر کرم رکھتے تھے ایک مرتبہ انہوں نے فرمایا مجھے ایک ایسا درود شریف معلوم ہے کہ جو شخص اسے پڑھے دولت مند ہو جاتا ہے میرا دل اس وقت تمام تعلقات سے منقطع تھا میں نے کہا مجھے خدا تعالٰی میرے والد بزرگوار کے توسط سے ضرورت کی چیزیں پہنچا دیتا ہے مجھے زیادہ کی ضرورت نہیں خاموش ہو گئے چند روز کے بعد پھر فرمایا ہمارے پاس بزرگوں سے ایک ایسی دعا پہنچی ہے کہ اگر ہم مجذوم پر دم کریں تو وہ ٹھیک ہو جاتا ہے میں نے عرض کیا کہ خدا تعالٰی نے مجھے اس بیماری سے محفوظ رکھا ہے اور اگر مجھے کوئی جذام والا ملا تو میں اسے آپ کی طرف راہنمائی کروں گا انہوں نے سکوت فرمایا چند روز کے بعد فرمایا درود اور دعا سے ہمارا مقصد تمہیں شکار کرنا تھا کیونکہ تم بلند استعداد رکھتے ہو معلوم ہوا کہ تم بہت ہی بلند ہمت ہو میرا اصل منشاء یہ ہے کہ صوفیہ کے اشغال میں سے کوئی شغل اختیار کرو میں نے عرض کیا دل و جان سے حاضر ہوں مجھے انہوں نے شغل انعکاس تلقین کیا یعنی اسم ذات ہمیشہ کاغذ یا تختی پر لکھنا چاہئے تاکہ کثرت ملابست کی وجہ سے قوت متخیلہ میں مستحکم ہو جائے میں نے یہ شغل اختیار کیا تو یہ شغل مجھ پر غالب آ گیا ان دنوں شرح عقائد اور حاشیہ خیالی پڑھا کرتا تھا میں نے حاشیہ ملا عبدالحکیم لکھنا چاہا ایک جز کے مقدار اسم لکھتا رہا لیکن مجھے اس کا کوئی شعور نہیں تھا۔

فرماتے تھے میں بارہ یا تیرہ سال کا تھا کہ میں نے حضرت ذکریا علیہ السلام کو خواب میں دیکھا مجھے آپ نے اسم ذات کی تلقین فرمائی قوت نبوی سے اس قدر تاثیر ہوئی کہ اس عمر میں باوجود تحصیل علم میں مشغولیت اور ذکر کی طرف کم توجہ ہونے کے اس طرح ظہور پذیر ہوتا تھا کہ قوی الطلب لوگوں سے مشاہدہ نہیں ہوتا تھا

شیخ عبدالعزیز قدس سرہ کو میں نے خواب میں دیکھا فرمایا بیٹا کسی کے ہاتھ میں دست ارادت نہ دینا یہاں تک کہ حضرت خواجہ تمہیں قبول فرمالیں پھر تمہیں اختیار ہے میں نے اس خواب کو خواجہ خرد کی خدمت میں بیان کیا اور اس کی تعبیر پوچھی اور عرض کیا کہ آپ کے سوا اس شہر کے مشاہیر میں سے کوئی خواجہ کے لقب سے ملقب نہیں فرمایا تمہارے خواب کی تعبیر یہ ہے کہ تمہیں خواجہ کائنات علیہ افضل الصلوات واکمل التحیات کی بیعت میسر آئے گی کیونکہ اس فقیر کا مرتبہ اس سے بہت فروتر ہے کہ حضرت

شیخ عبدالعزیز خواجہ کے لقب سے تعبیر کریں فقیر کو اسی طرح یاد ہے اور بعض دوست عبدالعزیز کی بجائے خواجہ نقشبند کا ذکر کرتے ہیں واللہ اعلم فرماتے تھے اس کے بعد میں اس حقیقت کا منتظر تھا اور درود شریف پڑھنے میں بہت مصروف رہتا تھا ایک رات میں درود شریف پڑھ رہا تھا کہ چاند کے نور کی مانند ایک نور ظاہر ہوا حالانکہ چاند کی رات نہیں تھی آہستہ آہستہ اس نے زمین پر پھیلنا شروع کیا پھر میری چارپائی اور میرے جسم پر آ گیا جب تک وہ میرے سر سے نیچے تھا مجھ میں پورا ذوق و شوق تھا جب وہ میرے سر پر آیا میں بے ہوش ہو گیا بظاہر میرا وجود مفقود ہو گیا واللہ اعلم کہ میرے والد نے مجھے تلاش کیا میں انہیں نہ ملا اس وجہ سے وہ بہت بے چین و بے قرار ہوئے۔ میں ایسی غیبوبت کے دوران کے بعد دیگرے آسمان طے کرتا ہوا ان کے اوپر پہنچا مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ سلم کی حضوری حاصل ہوئی اور آپؐ نے میری بیعت قبول فرمائی اور مجھے نفی و اثبات کی تلقین فرمائی اس کے بعد افاقہ ہو گیا چند دنوں کے بعد میں نے خواجہ خرد کی خدمت میں عرض کیا جو مقصد تھا وہ حاصل ہو گیا اب میری اصلاح کی کیا صورت ہے فرمایا ظاہر میں بھی کسی کی بیعت ہونا چاہئے میں نے عرض کیا میں آپ سے بیعت ہونا چاہتا ہوں فرمایا میں تمہیں بہت دوست رکھتا ہوں میں نہیں چاہتا کہ تمہاری بیعت میرے ساتھ ہو میں نے عرض کیا کہ میں یہ نہ سمجھ سکا کہ دوستی بیعت نہ کرنے کا سبب کیوں ہے فرمایا وجہ یہ ہے کہ بعض ممنوعہ امور کا مرتکب ہوتا ہوں اور اتباع سنت میں سستی کر جاتا ہوں ایسا نہ ہو کہ میرے ساتھ ربط کی وجہ سے شرع کے راستے سے تمہارے قدم ڈگمگا جائیں لیکن مجلس میں فیض سے کسی قسم کا دریغ نہ ہو گا میں نے عرض کیا جس سے آپ فرمائیں بیعت ہو جاؤں فرمایا اگر شیخ آدم بنوری قدس سرہ کے خلفاء میں سے کوئی ہو تو بہت مناسب ہے کیونکہ وہ شریعت کی پابندی' ترک دنیا' اور تہذیب نفس میں اونچا مقام رکھتے ہیں جو دوسروں کو حاصل نہیں میں نے عرض کیا ہمارے پڑوس میں آپ کے خلفاء میں سے عبداللہ قیام پذیر ہیں فرمایا غنیمت ہیں ان سے تعلق کر لینا چاہئے میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا باوجود یہ کہ ان پر علیحدگی اور تنہائی کا غلبہ تھا پہلی ملاقات میں ہی انہوں نے بیعت قبول فرمالی اس کے بعد خواجہ خرد اور سید عبداللہ دونوں کی خدمت میں حاضر ہوتا رہا اور فیض صحبت حاصل کرتا رہا

فرماتے تھے کہ شغل اسم ذات جو میں نے حضرت ذکریا علیہ السلام سے حاصل کیا تھا کا مجھ پر غلبہ تھا اور اس سے مجھے بڑی لذت حاصل ہوتی اور میں نفی و اثبات نہیں کر سکتا تھا اگر کرتا تو لذت حاصل نہیں ہوتی تھی اس وجہ سے میں بہت شرمندہ تھا میں نے سید عبداللہ سے اس کے علاج کی درخواست کی آپ نے چند مرتبہ توجہ فرمائی کوئی فائدہ نہ ہوا فرمایا وہ چیز جو انبیاء کے انفاس طیب سے مستحکم ہوتی ہو ہم اس کو تبدیل نہیں کر سکتے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف متوجہ ہو اس کا علاج وہاں سے ہو گا میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی تو مجھ پر نفی و اثبات کا شغل جاری ہو گیا اور میرے لئے بہت آسان ہو گیا حتیٰ کہ اس عمر میں ایک سانس میں دو سو بار کہتا اور کسی طالب علم میں میں نے ایسا جذب و کشش باوجود تحصیل علم اور دوسرے موانع کے نہیں دیکھا

حضرت والد فرماتے تھے کہ عالمگیر بادشاہ کے زمانہ میں فتاویٰ عالمگیری اس کے حکم سے مدون ہوا اب اس کی نظرثانی ہو رہی تھی اس میں سے کچھ کام شیخ حامد کے سپرد ہوا جو مرزا زاہد بیگ کے درس میں میرے شریک سبق تھے وہ میرے پاس آئے اور کہا کہ تم بھی میرے ساتھ کام میں شریک ہو جاؤ تمہارے نام اتنا روزینہ مقرر ہو جائے گا میں نے اسے قبول نہ کیا میری والدہ نے یہ قصہ سنا تو اسے قبول کرنے پر بے حد اصرار اور مبالغہ کیا مجبوراً مجھے قبول کرنا پڑا اور اس کام میں معروف ہوا حضرت خلیفہ کو جب اس کا علم ہوا فرمایا اس وظیفہ کو ترک کر دو میں نے عرض کی والدہ ناراض ہوتی ہیں فرمایا: اذا جاء حق اللہ ذھب حق العباد صحیح قول ہے میں نے عرض کی دعا کرو خدا تعالیٰ اس وظیفہ کو میری کوشش کے بغیر دور کر دے تاکہ والدہ ناراض نہ ہوں انہوں نے دعا فرمائی چند روز میں بادشاہ نے اہل وظیفہ کے نام طلب کئے اور انہیں عزل و نصب سے تبدیل کیا جب میرے نام پر پہنچا وظیفہ کاٹ دیا اور لکھا کہ اگر وہ چاہیں تو اس قدر زمین دے دی جائے مجھے پوچھا تو میں نے اسے قبول نہ کیا اور خدا تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور حمہ کہی فرماتے تھے ایک روز نظرثانی کرتے ہوئے میری نظر ایک ایسی عبارت پر پڑی جو گنجلک تھی اور مسئلہ مکمل طور پر کچھ کا کچھ ہو گیا تھا میں نے وہ کتابیں جو اس مسئلہ کی ماخذ تھیں کو دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ مسئلہ دو کتابوں میں بیان ہوا ہے اور ہر ایک نے الگ عبارت سے بیان کیا ہے مولف فتاویٰ نے دونوں عبارتوں کو جمع کر دیا ہے اس وجہ سے مسئلہ کے بیان میں خرابی واقع ہوئی ہے میں نے یہ حاشیہ چڑھا دیا۔ ومن لم یتفقہ فی الدین قد خلط فیہ ھذا اخلط وصوابہ کذا یعنی جو دین کی سمجھ نہیں رکھتا اس نے گڑبڑ کر دی ہے اور صحیح یوں ہے

ان دنوں عالمگیر کو اس کی ترتیب و تدوین میں بہت زیادہ اہتمام تھا اور ملا نظام الدین ایک دو صفحات بادشاہ کے سامنے پڑھتا تھا جب وہ اس مقام پر پہنچا اتفاقاً" اس نے اس حاشیہ کو متن کے ساتھ ملا کر ایک ہی انداز سے پڑھا بادشاہ چونکا اور کہا یہ کیسی عبارت ہے ملا نظام الدین نے اس وقت تو دفع الوقتی کرتے ہوئے کہا اس جگہ کا میں نے مطالعہ نہیں کیا تھا کل تفصیل سے عرض کروں گا جب وہ گھر آیا تو ملا حامد پر خفا ہوا کہ یہ حصہ میں نے تمہارے اعتماد پر چھوڑ دیا تھا تم نے مجھے بادشاہ کے سامنے شرمندہ کیا یہ تو بتایئے یہ لفظ کیا ہے؟ ملا حامد نے اس وقت کچھ نہ کہا پھر اس نے میرے ساتھ اظہار ملال کیا میں نے وہ کتابیں جو اس مسئلہ کا ماخذ تھیں پیش کیں اور عبارت کی خرابی کو اس طرح واضح کیا کہ سب نے تسلیم کر لیا اس کے بعد ان میں سے بہت سے مجھ سے حسد کرتے تھے اور میری معزولی کا سبب ان کا حسد ہی تھا

شاہ ولی اللہ نے اپنے والد ماجد شاہ عبدالرحیم کے حالات زندگی بڑی تفصیل سے رقم کئے ہیں شاہ عبدالرحیم کی وفات کے متعلق رقم طراز ہیں

جب شوال کا چاند نظر آیا تو ایک دم بھوک ختم ہو گئی اور کمزوری آ گئی جس سے بینہ ہو گیا یہاں تک کہ زندگی کی امید جاتی رہی اور مُردوں کی طرح گر پڑے یہ فقیر بھی حاضر تھا گرتے وقت یہ کلمہ

استغفر اللہ الذی لا الہ الا ھو الحی القیوم

ان کی زبان پر جاری ہوا اس کے بعد روبصحت ہونے لگے اور مرض کی شدت کم ہو گئی ماہ صفر کے

ابتدائی دنوں میں بیماری پھر غالب آ گئی صبح صادق سے پہلے جب موت کے آثار ظاہر ہوئے آپ کا عزم یہ تھا کہ صبح کی نماز قضا نہ ہو۔ کمزوری کی حالت میں چند مرتبہ پوچھا کہ صبح ہوئی ہے یا نہیں حاضرین نے کہا نہیں جب موت قریب ہو گئی تو جواب دینے والوں کو جھڑک کر کہا کہ اگرچہ تمہاری نماز کا وقت نہیں ہے مگر ہماری نماز کا تو وقت آ گیا ہے پھر فرمایا مجھے قبلہ کی طرف متوجہ کرو پھر اشاروں سے آپ نے نماز ادا کی حالانکہ نماز کے وقت میں شک تھا پھر زیر لب اسم ذات میں مشغول ہو کر امانت خالق حقیقی کے سپرد کر دی یہ واقعہ فرخ سیر کے آخر عہد میں بدھ کے روز 12 صفر 1131ھ کو ظہور پذیر ہوا آپ دہلی میں فوت ہوئے اور مہندیوں کے قبرستان میں دفن ہوئے آپ کے انتقال کے 50 روز بعد فرخ سیر گرفتار ہوا اور دہلی میں عام بے چینی اور عظیم تہلکہ مچ گیا۔ شاہ عبدالرحیم کی عمر شریف 77 سال تھی فتح چتوڑ اور جامع مسجد شاہ جہاں آباد کی تعمیر انہیں یاد تھی۔ [1]

"Shah Abdur Rahim, a Sufi and an eminent Scholar assisted in the compilation of Fata-wa-Alamgiri in the voluminous code of Islamic Law. He, however, refused an invitation to visit the Emperor and devotes his energies to the organization and teaching at "Madrasa Rahimia" a theological college which he had established and which, later, played an important part in the religious emancipation of Muslim India and became the breeding ground of religious reformers and Mujahids' like Shah Walliullah, Shah Abdul Aziz, Syed Ahmed of Bareli, Maulvi Abdul Haiy and Shah Ismail Shaheed, writing about the teachings of Shah Abdur Rahim and his brother Maulana Ubaidullah Sindhi observes".

The essence of the teaching of the two brothers was the effort to discover a path which could be traversed together by the Muslims Philosophers (the Sufis and the Mutakallimin) and the Muslim Jurists (Faqih) [2]

[1] (i) بوارق الولایہ، ص 20 (ii) مقالات محمد شفیع، مرتبہ، احمد ربانی، مجلس ترقی ادب لاہور، اکتوبر 1972ء جلد چہارم ص 83 (iii) ارمغان شاہ ولی اللہ، ص 466 (iv) برصغیر پاک و ہند میں علم فقہ، مولانا محمد اسحٰق بھٹی، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور، جون 1973ء ص 330

[2]. Hundred Great Muslims, P. 297

شاہ عبدالرحیم نے اکبر آباد میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد دہلی میں "مہندیوں" کے محلے کے نزدیک مدرسہ رحیمیہ قائم کر کے وہاں درس و تدریس کا شغل اختیار کیا آپ کا شمار اپنے زمانے کے اہل دل علماء میں ہوتا تھا شاہ عبدالرحیم بڑے سمجھدار' بلند پایہ عالم اور صوفی تھے شاہ ولی اللہ کی علمی ترقیوں اور طبعی نشوونما میں ان کی تربیت اور تعلیم کو بڑا دخل تھا شاہ عبدالرحیم کو خدا رسیدہ بزرگوں کی تلاش رہتی اور ان کی صحبت میں وہ بڑے ذوق و شوق سے شریک ہوتے تھے ابن العربی کے وہ مداح تھے اگرچہ عوام کے سامنے وحدت الوجود کے مسائل اس لئے بیان نہ کرتے تھے کہ مبادا لوگ انہیں صحیح طور پر نہ سمجھیں اور الحاد و زندقہ میں گرفتار ہو جائیں لیکن تصوف سے اس قدر شغف کے ساتھ ساتھ وہ فقہ اور علوم ظاہری سے بھی واقف تھے۔ [1] صرف و نحو جو علوم عربیہ کے عنصر ہیں ان میں شیخ کو اس قدر کمال تھا کہ موجدین فن میں آپ کا شمار ہوتا تھا اور علم حدیث کے ماہرین نے آپ کو شیخ الحدیث کا خطاب دیا تھا فقہی لوگ آپ کو فقہ کا دوسرا بازو سمجھتے تھے فن تفسیر کا جہاں تک تعلق ہے تو آپ وہ الہامی نکات اور ربانی اسرار جو قرآن مجید کے ہر لفظ میں کوٹ کوٹ کر بھرے ہوئے ہیں آپ ایسے تبحر کے ساتھ بیان کرتے جسے سن کر بڑے بڑے علامہ اور ماہرین فن حیرت زدہ ہو جاتے علم ادب میں آپ کو وہ کمال حاصل تھا جو اس وقت تک ماہرین فن کو تسلیم ہے شاعری جسے علم و ادب کا بہت بڑا جوہر کہنا چاہئے اس میں بھی شیخ کو مہارت تامہ حاصل تھی لیکن آپ کے اشعار ہمیشہ مبالغہ آمیز باتوں اور فضول و بیہودہ عبارتوں سے خالی ہوتے اور پند و نصائح کے رنگ میں ڈوبے ہوئے ہوتے تھے شاہ عبدالرحیم نے فتاویٰ عالمگیری پر نظر ثانی میں حصہ لیا [2] شاہ ولی اللہ بوارق الولایۃ میں فرماتے ہیں۔ "ایک روز حضرت والد ماجد ظہر کی نماز کے فوراً بعد اس فقیر کی طرف متوجہ ہوئے اور فی البدیہہ یہ دو اشعار پڑھے

گر تو راہ حق بخواہی اے پسر — خاطر کس را مرنجاں الحذر

در طریقت رکن اعظم رحمت است — ایں چنیں فرمود آں خیر البشر

پھر فرمایا کہ دوات قلم لا کر اس کو لکھ لو کیونکہ حق سبحانہ و تعالیٰ نے یہ اشعار اچانک میرے دل میں القا فرمائے ہیں تاکہ تجھے وصیت کروں فرمایا یہ بہت بڑی نعمت ہے اس کا شکر ضروری ہے۔ یہ رباعی بھی حضرت والد کے پاکیزہ خیالات سے ہے۔

اے کہ نعمتہائے تو از حد فزوں — شکر نعمت ہائے تو از حد بروں

عجز از شکر تو باشد شکر ما — گر بود فضل تو مار راہ نموں

ان اشعار سے شاہ عبدالرحیم کے خیالات کی پاکیزگی کے علاوہ ان کی تصوف میں بلند رسائی کی بھی نشاندہی ہوتی ہے اب ہم شاہ ولی اللہ کے حالات زندگی بیان کرتے ہیں اور ساتھ ساتھ اس وقت کے حالات بھی بیان کرتے جاتے ہیں تاکہ یہ واضح ہو سکے کہ شاہ ولی اللہ نے کتنے کٹھن حالات میں دین کی کتنے بہترین انداز میں خدمت کی۔

---

[1] (1) رود کوثر' از' شیخ محمد اکرام ص 536۔ (2) ارتفاقات معاشیہ' از' شیخ بشیر احمد ص 12 [2] (1) برصغیر پاک و ہند میں علم فقہ' ص 322 (2) اورینٹل کالج میگزین' مقالہ نگار' صادق علی دلاوری' فروری' مئی 1969ء' ص 49

حضرت شاہ ولی اللہ کی ولادت

شاہ ولی اللہ 21 فروری 1703ء 4 شوال 1114ھ بروز چہار شنبہ بوقت طلوع آفتاب کو قصبہ پھلت دہلی میں شیخ محمد کی صاحبزادی کے بطن سے پیدا ہوئے [1]

---

[1] (1) شاہ ولی اللہ کی تعلیم' از' غلام حسین جلبانی' ص 6 (2) علم حدیث میں پاک و ہند کا حصہ ص' 192 (3) رود کوثر' از' شیخ محمد اکرام' ص 534 (4) مسلمانوں کے سیاسی افکار' از' پروفیسر خورشید احمد' ص 211 (5) اقبال اور علمائے پاک و ہند' از' اعجاز الحق قدوسی' ص 132 (6) افکار شاہ ولی اللہ' از' قاضی جاوید' ص 63 (7) ہندی مسلم تہذیب' از' قاضی جاوید' ص 242 (8) اصول فقہ اور شاہ ولی اللہ' از' ڈاکٹر مظہر بقا' ص 55 = انہوں نے دس فروری 1703ء بیان کی ہے (9) ارتفاقات معاشیہ' از' شیخ بشیر احمد' ص 12 = انہوں نے دس فروری 1703ء بیان کی ہے (10) تحریک شیخ الہند' از' مولانا سید محمد میاں' ص 76 = انہوں نے دس فروری 1703 بیان کی ہے۔

11 Historia Religionum, Leiden, 1971, Vol, II, P, 191
12 Encyclopaedia of Islam, Vol, III, P, 432
13 Life of Shah Walliullah, P, 1
14 Iqbal Review, Karachi, October 1965, P, 9
15 Hundred Great Muslims, P, 304
16 Ilmi Encyclopaedia General Knowledge, P, 423

(17) متعلقات خطبات اقبال' مرتبہ' ڈاکٹر سید عبداللہ' اقبال اکادمی پاکستان لاہور' 1977ء ص 142 (18) حیات شاہ ولی اللہ' از' فقیر محمد' مکی مسجد میر درد روڈ نئی دہلی' جولائی 1962ء ص 8 (19) شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک' از' عبید اللہ سندھی' لاہور' 1965ء ص 31 (20) تذکرہ شہید' از' محمد خالد سیف' لاہور' مئی 1983ء ص 27

شاہ ولی اللہ اپنی ولادت کے متعلق الجزء اللطیف میں فرماتے ہیں "میری ولادت بروز بدھ 4 شوال 1114ھ طلوع شمس کے وقت ہوئی بعض ستارہ شناسوں نے علم نجوم کے مطابق یہ حکم لگایا کہ میرا طالع ولادت حوت کے دوسرے درجہ میں تھا اور شمس بھی اسی درجہ میں تھا زہرہ آٹھویں عطارد اکیسویں زحل دسویں اور حمل و مشتری پندرھویں درجے میں تھے اور وہ حال علویین کے قرن کا سال تھا یہ قرن درجہ اول میں تھا اور مریخ اس سے دوسرے درجہ میں تھا اور راس سرطان تھا واللہ اعلم بالصواب بعض احباب نے میری تاریخ پیدائش "عظیم الدین" سے نکالی ہے میرے والدین اور صلحاء کی ایک جماعت کو اس فقیر کی ولادت سے پہلے اور بعد بہت سی بشارتیں ہوئیں۔[1] آپ کا نام قطب الدین ابو عبدالعزیز احمد بن عبدالرحیم عمری حنفی دہلوی ہے[2] شاہ ولی اللہ کے نام سے مشہور و معروف ہوئے آپ کا سلسلہ نسب والد کی طرف سے حضرت عمر فاروقؓ اور والدہ کی طرف سے امام موسیٰ کاظم تک پہنچتا ہے[3] آپ کی ابتدائی تعلیم و تربیت گھر پر ہوئی آپ کی والدہ کا نام فخر النساء تھا آپ کا نام ولی اللہ، شاہ عبدالرحیم نے رکھا تھا کیونکہ شاہ صاحب میں ولایت و بزرگی کے آثار بچپن سے ظاہر تھے ایک مرتبہ شاہ صاحب نے ولی اللہ کے معنی بتاتے ہوئے فرمایا کہ اس سے مراد ایسا شخص ہے۔ جس کے ظاہر و باطن کی حفاظت کا اللہ تعالیٰ ذمہ دار ہو۔

---

(21) ملفوظات شاہ عبدالعزیز، مترجمین، مولوی محمد علی لطفی، مفتی انتظام اللہ شہابی، کراچی 1960ء، ص 96 (22) اردو انسائیکلوپیڈیا، فیروز سنز لاہور ص، 634 (23) اسلام ایک نظریہ ایک تحریک، از، مریم جمیلہ، مترجم، آباد شاہ پوری، لاہور 1969ء، ص 191 (24) حضرت شاہ ولی اللہ، از، احسان الحق اختر، لاہور، ص 121 (25) دلی کے بائیس خواجہ، از، ڈاکٹر ظہور الحسن شارب، حامد اینڈ کمپنی لاہور، ص 243 (28) شاہ ولی اللہ اور ان کا خاندان، ص، 42-31 (29) حدائق الحنفیہ، از، فقیر محمد جہلمی ص 466 (30) فقہ اسلامی، از، مولانا عبدالاول جونپوری، ص 138 (31) معارف اکتوبر 1975ء ص 28 (32) فارسی ادب کی مختصر ترین تصنیف، ص 220 (33) برصغیر پاک و ہند کی سیاست میں علماء کا کردار، ص 14

---

[1] الجزء اللطیف، ص 1 [2] (1) علم حدیث میں پاک و ہند کا حصہ ص، 192 (2) ہندی مسلم تہذیب، ص 242 [3] (1) الامداد فی مآثر الاجداد، ص 1 (2) مسلمانوں کا نظام تعلیم، از، پروفیسر سعید احمد رفیق، ص 184 (3) تذکرہ علمائے حق، ص 161 (4) الفوزح المستفید، از، عطاء الرحمن قاسمی، شاہ ولی اللہ اکیڈمی دہلی 1989ء ص 99

آپ کا نام قطب الدین اس لئے رکھا گیا کہ ایک مرتبہ شاہ عبدالرحیم نے حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ کے مزار کی زیارت کی حضرت بختیار کاکیؒ ظاہر ہوئے انہوں نے شاہ عبدالرحیم کو ایک بیٹے کی ولادت کی خوش خبری سنائی اور انہیں نصیحت کی کہ اس بیٹے کا نام ان کے نام پر رکھا جائے جب شاہ صاحب کی ولادت ہوئی تو شاہ عبدالرحیم آپ کا نام قطب الدین رکھنا بھول گئے جب چند دن کے بعد یاد آیا تو انہوں نے آپ کا نام قطب الدین رکھا۔[1]

آپ کی ولادت کے وقت ہندوستان کے حالات: معاشرتی، سیاسی، مذہبی، فکری و لسانی تباہی، پراگندی اور بدامنی کی انتہائی حدود کو چھو رہے تھے لیکن اس زمانے میں مسلمانوں میں جو (Reformers) مصلح پیدا ہوئے ان کی بدولت عالم اسلام اور برصغیر پاک و ہند کو ایک نئی مذہبی سیاسی اور فکری زندگی ملی جس کی بدولت بعد میں آنے والے زمانہ میں مسلمان اپنی عظمت رفتہ کو بحال کرنے میں کامیاب ہو سکے یہ مصلح برصغیر پاک و ہند میں شاہ ولی اللہ اور ریگستان عرب میں شیخ عبدالوہاب تھے ان بزرگوں کے بعد برصغیر پاک و ہند اور سرزمین عرب میں ان کی تعلیمات اور جدوجہد کے زیر اثر کئی تحریکیں پیدا ہوئیں جنہوں نے تاریخ عالم پر دور رس اثرات مرتب کئے شاہ عبدالرحیم اپنے وقت کے جید عالم تھے انہوں نے اپنے بیٹے کی ابتدائی تربیت گھر پر بڑے احسن انداز میں کی پانچ برس کی عمر میں آپ نے مدرسے جانا شروع کر دیا اور مدرسے کے انداز تربیت میں تعلیم حاصل کی سات سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کر لیا کم عمری میں ہی نماز پابندی سے ادا کرنے لگے اور روزے باقاعدگی سے رکھنے لگے قرآن مجید حفظ کرنے کے ساتھ ساتھ علم قراءت و تجوید، صرف و نحو، سیکھا اور عربی و فارسی علوم کی آگاہی میں مستغرق ہو گئے[2] شاہ صاحب اپنے والد ماجد کا ذکر کرتے ہوئے اپنی ولادت سے پہلے کا ایک دلچسپ واقعہ بیان کرتے

---

(3) اصول فقہ اور شاہ ولی اللہ، ص 55 (4) شاہ ولی اللہ، از، احسان الحق، ص 125 (5) دلی کے بائیس خواجہ، از، ڈاکٹر ظہور الحسن، ص 242 (6) اردو انسائیکلوپیڈیا، ص 634 (7) حیات شاہ ولی اللہ، از، فقیر محمد، ص 3 (8) شاہ عبدالعزیز اور ان کی تعلیمات، از، مولوی ظہیر الدین، کلام کمپنی کراچی، ص 11 (9) مجموعہ وصایا اربعہ، مترجم، محمد ایوب قادری، حیدر آباد پاکستان، 1964ء ص 13 (10) اردو انسائیکلوپیڈیا، ص 634

---

[1] انفاس العارفین، ص 62
[2] (1) رود کوثر، ص 541 (2) اقبال اور علمائے پاک و ہند، ص 132 (3) ہندی مسلم تہذیب، ص 242 (4) حدائق الحنفیہ ص 466 (5) صراط مستقیم، از، سید احمد شہیدؒ، شاہ اسمٰعیل شہیدؒ، مترجم، مولانا محمد اکرم، اسلامی اکیڈمی لاہور، ص 303

ہیں جس کا تذکرہ ضروری معلوم ہوتا ہے "حضرت والا کی عمر ساٹھ کی ہو گی تو ان پر منکشف ہوا کہ ان کی تقدیر میں ایک اور بیٹا دیا جانا ہے اور بعض خاص دوستوں کی زبانی سنا گیا ہے کہ وہ مولود فلاں فلاں مقام پر پہنچے گا تو ان کے دل میں دوسری شادی کرنے کا خیال پیدا ہوا جب مخدومی حضرت شیخ محمد نے یہ ماجرا سنا تو ان کی خواہش ہوئی کہ یہ فرزند ان کے جگر گوشہ سے ہو اس فقیر نے بعض ثقہ لوگوں سے سنا ہے کہ جب یہ شادی ہو گئی تو بعض منافقین نے کہا کہ اس عمر میں شادی کرنا مناسب نہیں ہوتا حضرت والا نے اس بات کو سنا اور فرمایا میری عمر کافی ہے اور میرے فرزند پیدا ہوں گے اس کے بعد سترہ سال زندہ رہے اور دو فرزند پیدا ہوئے فقیر ابھی پیدا نہیں ہوا تھا کہ ایک رات حضرت والا نماز تہجد گزار رہے تھے اور فقیر کی والدہ بھی وہاں قریب ہی تہجد کی نماز پڑھ رہی تھیں نماز سے فراغت کے بعد حضرت والد ماجد نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے میری والدہ دعا کے لئے آمین کہتی تھیں ان کے درمیان دو اور ہاتھ ظاہر ہوئے حضرت والا نے فرمایا کہ یہ دو ہاتھ ہمارے فرزند کے ہیں جو پیدا ہو گا ہمارے ساتھ دعا کرتا ہے اس کے بعد یہ فقیر پیدا ہوا اور سات سال کے بعد نماز تہجد میں والدین کے ساتھ شریک ہوا اور اسی طریق پر ان کے درمیان ہاتھ اٹھائے

نیز یہ فقیر ابھی اپنی ماں کے پیٹ میں جنین کی صورت میں تھا حضرت والا نے ایک بھکارن کو فی سبیل اللہ نصف روٹی دی پھر اسے دوبارہ بلا کر نصف دوسری بھی دی اور کہا یہ بچہ جو ابھی جنین ہے کہتا ہے کہ خدا کی راہ میں پوری روٹی دینی چاہئے[1]

حصول علم کے دوران ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس نے شاہ ولی اللہ کی توجہ کامل طور پر تعلیم دین کی طرف مبذول کر دی اور آپ علم و عرفان کی منزلیں طے کرنے لگے "ایک روز جب یہ فقیر بہت ہی کم عمر تھا اسے اہل اللہ کے نام سے مکرر پکارا کسی شخص نے۔ اس بات کے راز کے متعلق سوال کیا۔ فرمایا اہل اللہ اس کا بھائی ہے جو عنقریب پیدا ہو گا میری زبان اسے پکارنے لگی حضرت والد خلوت و جلوت میں بہت دفعہ ایسا ہوتا کہ اس فقیر کی طرف متوجہ ہوتے مہربانی فرماتے خوشی و مسرت سے جھوم اٹھتے اور فرماتے میرے دل میں خیال آتا ہے کہ میں یکدم تمام علوم تیرے دل میں انڈیل دوں پھر کئی دنوں کے بعد جوش مارتے اور یہی بات کہتے علی ہذا القیاس کئی مرتبہ فرماتے رہے یہاں تک کہ آپ کی باتوں کا اثر مجھ میں ظاہر ہوا وگرنہ اس فقیر نے علوم کے حاصل کرنے میں زیادہ محنت نہیں اٹھائی یہ فقیر زمانہ طفولیت میں احباب اور رشتہ داروں کی موافقت میں ایک باغ کی سیر کو گیا جب واپس آیا حضرت والد نے فرمایا اے فلاں اس دن رات تو نے کیا حاصل کیا جو تیرے لئے باقی رہے یہ دیکھو ہم نے اس مدت میں اس قدر درود شریف پڑھ لیا ہے

---

[1] انفاس العارفین، ص 106 (بوارق الولایۃ)

محض یہ بات سننے سے فقیر کے دل سے باغات کی سیر کا شوق ختم ہو گیا پھر کبھی ایسا خیال پیدا نہیں ہوا۔"[1]

اس واقعے کے بعد شاہ ولی اللہ نے اپنے آپ کو علوم و معارف کے حصول میں گم کر لیا آپ کے شب و روز صرف اور صرف تحصیل علم اور خدمت دین کے لئے وقف ہو گئے شاہ صاحب انفاس العارفین میں فرماتے ہیں "دس سال کی عمر میں شرح ملا جامی پڑھتا تھا اور مطالعہ کا راستہ قدرے کھل گیا" (انفاس، ص 296) اور پھر معقولات ختم کر کے منقولات تک جا پہنچے فقہ، منطق، حدیث، کلام کے علاوہ آپ نے اپنے والد ماجد سے طب جسمانی اور ہندسہ و حساب کی کتابیں پڑھیں آپ بچپن سے ہی خلق خدا میں علم بانٹنے میں لگ گئے آپ فرماتے ہیں

"میں ابھی طفل مکتب تھا کہ شیخ فیروز شاہ جو مشاہیر عصر میں سے تھے اور سلسلہ شیخ آدم بنوریؒ سے پیوند رکھتے تھے میرے والد کی ملاقات کے لئے تشریف لائے آپ اس دنیا میں انہی آنکھوں سے رویت حق سبحانہ کے قائل تھے اور اس مسئلے پر والد ماجد سے بحث کرنے لگے میں بھی باوجود طفولیت کے بیچ میں بول اٹھا کہ باصرہ اپنی ناتوانی یا کسی اور کمی کے باعث اس چیز کو بھی جو ہمارے پیچھے بلکہ ہمارے سر پر ہو۔ نہیں دیکھ سکتی اس سے قریب ہمارا نفس ہے اسے نہیں دیکھ سکتی پھر اس کی ان کمزوریوں کے باوجود کس طرح اس سے توقع ہو سکتی ہے کہ وہ ایک ایسی ذات کو جو ہر لطیف شئے سے زیادہ لطیف ہے معائنہ کر سکے گی جب میں نے مثالیں دے کر یہ بات واضح کی تو بحث ختم ہو گئی اور سب لوگ میری تعریف کرنے لگے[2] شاہ صاحب کی شادی آپ کے ماموں شیخ عبید اللہ پھلتی کی صاحبزادی اور شاہ محمد عاشق کی ہمشیرہ سے ہوئی[3]

شاہ صاحب اپنے حالات زندگی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"چودھویں سال شادی عمل میں آئی والد صاحب نے میری شادی میں بڑی عجلت سے کام لیا جب میرے سسرال والوں نے سامان مہیا نہ ہونے کا عذر کیا تو حضرت والا نے انہیں لکھا کہ اس عجلت میں راز ہے یہ راز اس کے بعد واضح ہو گیا کہ شادی کے فوراً بعد میری بیوی کی والدہ فوت ہو گئیں اس کے بعد میری بیوی کے نانا اور اس کے بعد اس فقیر کے عم بزرگوار شیخ ابوالرضا محمد قدس سرہ کے خلف الصدق شیخ فخر العالم فوت ہو گئے اس کے بعد جلد ہی اس فقیر کے بڑے بھائی شیخ صلاح الدین کی والدہ وفات پا گئی اس کے بعد جلد ہی حضرت والا کے والد بزرگوار کمزور ہو گئے اور مختلف امراض نے آپ پر غلبہ کیا اس کے بعد آپ کی وفات کا واقعہ پیش آ گیا غرضیکہ یہ جمعیت منتشر ہو گئی اور ہر خاص و عام کو معلوم ہو گیا کہ اگر اس وقت شادی نہ ہوتی تو اس کے بعد سالہا سال تک اس کا امکان نہیں تھا کہ یہ وقوع پذیر ہوتی پندرھویں سال تھا کہ میں نے والد بزرگوار سے بیعت کی اور اشغال صوفیہ میں خصوصاً نقشبندیہ میں مشغول ہوا اور توجہ، تلقین، تعلیم آداب طریقت اور خرقہ صوفیاء پہن کر ربط درست کیا اسی سال بیضاوی کا کچھ حصہ پڑھا

---

[1] بوارق الولایۃ، از، شاہ ولی اللہ، ص 207
[2] رود کوثر، از، شیخ اکرام، ص 542 [3] شاہ ولی اللہ اور ان کا خاندان، ص 120

حضرت والد ماجد نے بہت سا کھانا تیار کیا خاص وعام کی دعوت کی اور درس دینے کی اجازت فرمائی الغرض علوم متعارفہ سے اس ملک کے دستور کے مطابق پندرہ برس کی عمر میں فراغت حاصل کر لی علم حدیث کتاب البیع سے کتاب الآداب تک تھوڑا سا حصہ چھوڑ کر تمام مشکوۃ پڑھ لی صحیح البخاری کم وبیش کتاب طہارۃ تک مکمل اور شمائل النبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت والد صاحب کے سامنے بعض اصحاب کے پڑھنے پر میں نے سنی اور علم تفسیر سے بیضاوی کا کچھ حصہ اور کچھ تفسیر مدارک پڑھی اور اس ضعیف پر احسانات عظمیٰ میں سے ایک یہ تھا کہ چند مرتبہ مدرسہ میں قرآن مجید معانی کے غور و فکر اور شان نزول کے متعلق تفاسیر کی طرف رجوع کے ساتھ والد صاحب کی خدمت میں پڑھا یہ بات فتح عظیم کا سبب ہوئی والحمد للہ

علم فقہ میں شرح وقایہ اور ہدایہ تھوڑا سا چھوڑ کر مکمل پڑھا گیا اصول فقہ میں سے حسامی اور توضیح تلویح کا کچھ حصہ، منطق میں سے شرح شمسیہ مکمل اور شرح مطالع کا کچھ حصہ، علم کلام میں شرح عقائد مکمل خیالی اور شرح مواقف کے کچھ حصے، سلوک میں عوارف المعارف کا کچھ حصہ اور رسائل نقشبندیہ کے کچھ حصے، حقائق میں شرح رباعیات مولانا جامی، لوائح اور مقدمہ شرح لمعات، مقدمہ نقد النصوص اور خواص اسماء و آیات میں حضرت والد بزرگوار کا خاص مجموعہ جس کی آپ نے کئی بار مجھے اجازت فرمائی، طب سے موجز القانون اور حکمت میں سے شرح ہدایۃ الحکمت وغیرہ نحو میں کافیہ اور اس پر شرح ملا جامی اور معانی سے مطول کا اکثر حصہ اور مختصر معنی کا وہ حصہ جس پر ملا زادہ کا حاشیہ ہے اور ہندسہ و حساب میں بعض رسائل مختصر پڑھے اس زمانہ میں ہر فن میں اونچے نکات میرے ذہن میں ہوتے تھے اور زیادہ تر کوشش سے حل ہو جاتے تھے۔" [1] شاہ ولی اللہ تفسیر، حدیث، فقہ، کلام، ادب، معانی، منطق، فلسفہ، طب، ہندسہ، ہیئت اور دوسرے ہر قسم کے علوم دینی و دنیاوی پر مکمل علمی دسترس حاصل کر چکے تھے [2] سترہ سال کی عمر میں آپ کے والد ماجد کا انتقال ہو گیا[3] لیکن وفات پانے سے قبل شاہ عبدالرحیم نے شاہ ولی اللہ کو ہر طرح کے علوم و معارف میں یکتا اور اعلیٰ درجے تک پہنچا دیا تھا شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں

"فقیر کے سترھویں سال حضرت والد بزرگوار بیمار ہو گئے اور اسی بیماری میں رحمت خداوندی کی آغوش میں چلے گئے مرض موت میں بیعت و ارشاد کی اجازت فرمائی اور یہ کلمہ یدہ کیدی (اس کا ہاتھ میرے ہاتھ کی مانند ہے) کئی مرتبہ فرمایا وہ نعمت جسے تمام نعمتوں سے بڑا سمجھنا چاہئے یہ ہے کہ حضرت والد بزرگوار مجھ سے بہت ہی خوش تھے اور اسی حالت میں رخصت ہوئے آپ کی توجہ مجھ پر اس قدر تھی کہ

---

[1] الجزء اللطیف فی ترجمہ العبد الضعیف، از، شاہ ولی اللہ، ص 3 [2] (i) تذکرہ شہید، از، محمد خالد سیف، ص 27 (ii) اسلام ایک نظریہ ایک تحریک، از، مریم جمیلہ ص 192 (iii) علم حدیث میں پاک و ہند کا حصہ، از، ڈاکٹر محمد اسحاق، ص 192 (iv) شاہ ولی اللہ، از، احسان الحق اختر، ص 122 (v) حدائق الحنفیہ، ص 466 [3] (i) شاہ ولی اللہ، ص 123 (ii) متعلقات خطبات اقبال، ص 143 (iii) رود کوثر، ص 542

کسی باپ کی اپنے بیٹے پر نہیں ہو سکتی اس کے باوجود کسی باپ کو کسی استاد کو اور کسی مرشد کو میں نے نہیں دیکھا کہ اپنے بیٹے، شاگرد، اور مرید سے اس قدر شفقت سے پیش آتا ہو جیسا کہ حضرت والد صاحب مجھ سے پیش آتے تھے۔" [1] شاہ عبدالرحیم کی وفات کے بعد سترہ سال کی عمر میں شاہ ولی اللہ نے مدرسہ رحیمیہ کی مسند تدریس سنبھالی اور ہزاروں تشنگان علم کی پیاس بجھائی اس دنیائے رنگ و بو کے اسرار و رموز کو حق کے متلاشیوں پر آشکار کیا تاکہ وہ اپنی زندگیاں خدائے بزرگ و برتر کے عطا کردہ قانون قرآن کی روشنی میں گزار کر دین و دنیا میں بلند مرتبہ سرفرازی حاصل کر سکیں شاہ ولی اللہ نے اس زمانے کی آلائشوں سے مذہب و فکر انسان کو پاک کرنے کا مشن جاری رکھا شاہ ولی اللہ کی تعلیمات کا پلیٹ فارم انقلابی تھا آپ کے فکر میں کچھ کر گزرنے کا جذبہ موجود تھا آپ نے مدرسہ رحیمیہ میں بے شمار خلق خدا کو فیض یاب کیا اور دین اسلام کی ایسے دلنشین انداز میں تشریح فرمائی کہ ہر فرقے کے لوگ آپ کو محبوب رکھتے تھے شاہ ولی اللہ نے بارہ سال تک مدرسہ رحیمیہ میں درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھا اور علوم دینی و عقلی کی تعلیم بہترین انداز میں دی شاہ صاحب فرماتے ہیں۔

"حضرت والا کی وفات کے بعد کم و بیش بارہ سال کتب دینیہ و عقلیہ کی درس و تدریس کی اور ہر علم میں غور و فکر کا موقعہ ملا حضرت والد بزرگوار کے مزار پر توجہ کرنا اپنا دستور بنا لیا ان دنوں توحید کے مسائل کھلے جذب کا راستہ کشادہ ہوا اور سلوک میں سے کافی حصہ ملا وجدانی علوم تو ذہن میں فوج در فوج نازل ہوتے تھے مذاہب اربعہ کی کتابوں، ان کے اصول فقہ اور وہ احادیث جن سے وہ تمسک کرتے ہیں کو ملاحظہ کرنے کے بعد نور غیبی کی مدد سے فقہاء محدثین کی روش اختیار کرنے کا فیصلہ ہوا [1]

شاہ صاحب کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیعت حاصل ہوئی جس سے ان کی دینی و دنیاوی اور اخروی عظمت و خوش نصیبی کا پتہ چلتا ہے

در عالم باطن ارتباط ایں فقیر از جہت بیعت و صحبت و خرقہ و لبس توجہ و تلقین بجناب عالی حضرت پیغامبر صلی اللہ علیہ وسلم رسیدہ است و مقابل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم است تفصیل ایں اجمال آنکہ ایں فقیر در واقعہ دید کہ بخدمت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نشستہ نخت۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ

---

[1] الجزء اللطیف، از، شاہ ولی اللہ، ص 3 [1] (i) الجزء اللطیف، از، شاہ ولی اللہ، ص 4 (ii) Encyclopaedia of Islam, Vol. II, p. 254 (شاہ عبدالعزیز کے مطابق میں نے اپنے والد ماجد کی طرح حافظہ کسی کا نہیں دیکھا۔ ملفوظات شاہ عبدالعزیز، ص 33)

وسلم صورت مثالیہ افاضہ فرمودند یکے جسمے کہ جانب اعلیٰ و اسفل او ہر دو پیرہن دارد۔ و اعلیٰ آن عریض تر است، از اسفل و در میان اعلیٰ تا اسفل تدریجت چنانکہ در جسم مخروطی می باشد و آن مثال نسبت خاصہ آنحضرت است صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم دیگر جسمی مدور مثلِ طبق مستقر در زمین و در وسط آن عودی مرکوز است و آن تمامثل نسبت سالکان است کہ از جذب چندان بہرہ نیافتہ اند، سوئم جسمی شبیہہ ثانی الا آنکہ عود بر زمین قائم است و آن طبق بروئے معتمد و آن تمثال نسبت مجذوبان است۔ کہ از مراقب سلوک چنداں بہرہ ندارند۔ در ضمن نمودن ایں صور تہائے سہ گانہ القا فرمودند۔ کہ نسبت خاصہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آنست کہ طبقات مجردہ روحانیہ و مراتب سفلانیہ جسمانیہ ہمہ بکمالات مناسبہ خود متصف باشند و مراتب روحانیہ قوی تر بود و ہیچ چیز از مراتب روحانیہ بنا شد الا کہ اور عالم نسمیہ خلیفہ و نموذجی ہست، مانند آن کہ محبت ذاتیہ را نمونہ باشد و آن محبت افعال است و انقیاد روح را خلیفہ باشد و آن سجدہ ظاہرو آنانکہ ایں جامعیت را نیافتہ اند دو قسم اند قسمی مجذوبانند کہ تکمیل مراتب روحانیہ کردہ اند۔ دون المراتب النسمیہ و وسعت درجات ایشاں فوق است فقط و قسمی سار کانند کہ تکمیل مراتب ساقلہ کردہ اند۔ دون المراتب الروحانیہ و وسعت کمال ایشاں درجات تحت است و بس چوں ایں معرفت جلیلہ بخاطرم جاگرفت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تبسم کنان سراز جیب مراقبہ بیروں آوردن۔ و در دست خویش برداشتند و اشارت فرمودند۔ بہ بیعت و مصافحہ ایں فقیر برخاست و زانو بہ زانو متصل ساختہ دو دست خود درمیان دو دست آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہادہ و بیعت کرد و بعد فراغ از بیعت چشم فروبستند و ایں فقیر نیز در حضور مبارک چشم بستہ متوجہ شد آنگاہ ہمان نسبت خاصہ کہ سابقاً علم آن داده بودند عطا فرمودند۔ فا حفت بہا علما و حاشا دریں واقعہ ہیچ کلمہ و کلام درمیان نبودہ و افاضہ روحانیہ بود یا اشارت و فعل و چون این فقیر بزیارت مدینہ منورہ رسید مدتے بر قبر مبارک متوجہ شد۔ مراتب جذب و سلوک ہمہ از ابتدا تا انتہا در نظر آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم طے کرد آنگاہ ایں فقیر را بزکی و حکیم ملقب ساختند و طریقہ عنایت فرمودند و آنچہ در علم مشکلات داشتم پرسیدم جواب باصواب اکثر آں چیزہا در رسالہ فیوض الحرمین نوشتہ ام و بیان طریقہ در رسالہ لمعات میسر شد۔

ترجمہ: اس فقیر کو ارتباط بیعت صحبت و خرقہ و فیض توجہ و تلقین عالم باطن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ اس فقیر نے خواب میں دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حضور میں حاضر ہوا ہے اور روبرو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹھا ہے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت مثالیہ دیکھی اول تو ایک ایسا جسم کہ اس کا اعلیٰ اور اسفل پیرہن رکھتا ہے اور اعلیٰ اسفل سے زیادہ چوڑا ہے اور درمیان اعلیٰ اور اسفل کے تدریج ہے جیسے جسم مخروطی میں ہوتی ہے اور وہ تمثال (صورت) ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خاص نسبت کی پھر ایسا معلوم ہوا ایک جسم مدور جیسے ایک

طباق زمین پر رکھا ہوا ہے اور اس میں ایک لکڑی گڑھی ہوئی ہو وہ تمثال سالکوں کی نسبت کی ہے جنہوں نے جذب کا چنداں حصہ نہ پایا ہو تیسرے ایسی شکل جیسی دوسرے سے مشابہ لیکن وہ اس طرح کہ جیسے لکڑی زمین میں گڑھی ہوئی اور طباق اس کے اوپر ہو وہ تمثال مجذوبوں کی نسبت کی ہے جنہوں نے سلوک کا چنداں حصہ نہیں پایا اور ان تینوں تمثالوں کے دکھانے کے درمیان یہ بات دل میں ڈالی کہ خاص نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ ہے کہ طبقات مجردہ روحانیہ اور مراتب سفلانیہ جسمانیہ سب اپنے اپنے کمالات مناسبہ کے ساتھ متصف ہوں اور مراتب روحانیہ زیادہ قوی ہوں اور مراتب روحانیہ سے کوئی ایسی چیز نہیں جس کا عالم نسمیہ میں خلیفہ اور نمونہ نہیں ہے مثلاً محبت ذاتیہ کا نمونہ کیا ہے محبت افعال اور روح کی اطاعت کا خلیفہ کیا ہے سجدہ ظاہر اور جن لوگوں کو یہ جامعیت نہیں ملی ہے وہ دو قسم ہیں ایک قسم تو مجذوب ہیں کہ انہوں نے روحانیہ کی تکمیل کی ہے سوائے مراتب نسمیہ کی ان کی وسعت درجات فقط فوق ہے اور دوسری قسم سالک ہیں کہ مراتب سافلہ کی تکمیل کی ہے سوائے مراتب روحانیہ کے ان کی وسعت کمالات فقط درجات تحت ہے اور بس جب یہ معرفت جلیلہ میری خاطر میں جمے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے مسکراتے ہوئے سر مبارک گریبان مراقبہ سے اٹھایا اور اپنے مبارک ہاتھ اٹھائے اور اشارہ فرمایا بیعت اور مصافحہ کا۔ یہ فقیر اٹھا اور زانو بہ زانو متصل بیٹھ کر اپنے دونوں ہاتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں مبارک ہاتھوں میں رکھے اور بیعت کی۔ بعد فراغ بیعت کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مبارک آنکھیں بند کیں اور اس فقیر نے بھی اپنی آنکھیں ان کے حضور مبارک میں بند کیں اس وقت آپؐ نے وہی نسبت خاصہ جس کا پہلے علم القا فرمایا تھا۔ عطا فرمائی۔ تو میں محیط ہو گیا ازروئے علم کے اور حاشاللہ کہ اس واقعہ میں کچھ کلمہ و کلام درمیان نہ تھا فقط روحانیہ فیض تھا یا اشارہ اور فعل تھا اور جب یہ فقیر مدینہ منورہ پہنچا اور ایک مدت تک روضہ انور میں متوجہ رہا سب مراتب جذب و سلوک کے ابتدا سے انتہا تک طے کئے اس وقت اس فقیر کو القاب زکی و حکیم سے ملقب فرمایا اور ایک طریقہ عنایت فرمایا اور جو علم میں مشکلات تھیں میں نے پوچھا اور ان کا جواب باصواب پایا ان میں سے اکثر میں نے رسالہ فیوض الحرمین میں لکھے ہیں اور طریقہ کا بیان رسالہ لمعات میں میسر ہوا[1]

شاہ صاحب طریقہ شاذلیہ کا خرقہ پہننے کے متعلق بیان فرماتے ہیں

اما طریقہ شاذلیہ پس ایں فقیر خرقہ پوشید از دست شیخ ابو طاہر از والد خود شیخ ابراہیم کردی فھو عن الشیخ احمد القشاشی وھو عن الشیخ احمد الشناوی وھو اخذ عن جماعۃ منہم سیدی احمد بن قاسم العلامۃ الولی الکبیر سیدی حسن الانجیبی والشیخ ابراہیم العلقمی و سیدی محمد بن زین الدین کلہم صحبوا الشیخ الاسلام کمال الدین الطویل وتاولو اباہ بہ ولبسوا منہ وھو صحب العلامۃ محمد بن محمد بن الجزری وھو صحب واخذ الخرقۃ

---

[1] انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ، ص 6 تا 8

من التاج السبکی وهو صحب واخذ عن سیدی احمد بن عطاء الله الاسکندری صاحب الحکم وهو صحب واخذ عن سیدی ابی العباس المرسی هو صحب واخذ ولبس من القطب ابی الحسن الشاذلی ولبس الشیخ ابو طاهر الخرقة واخذ التلقین من الشیخ الحرام احمد النخلی والشیخ عبدالله بن سالم الشیخ عیسی المغربی عن الشیخ ابی عثمان سعید بن ابراهیم الجزائری ایضا لبس الشیخ اما طاهر خرقة شیخه بالکتابة والاجازة الشیخ محمد بن محمد بن سلیمان المغربی نزیل مکة طلب الشیخ ابراهیم منه الخرقة لاولاده فارسلها الی المدینة لهم وکتب لهم بالاجازة لما تصح لدرایت ولم یجمع الشیخ ابو طاهر معه بلبا سدلها من ید شیخه ابی عثمان الجزائری من ابی العباس احمد حجی الوهرانی بلبا سه لها من ابی سالم سیدی ابراهیم التازی بلبا سدلها من صالح بن موسی الزواوی من ابی عبدالله محمد بن محمد بن مخلص الطیبی عن علاء الدین مغلطائی عن السید زین الدین ابی بکر والسید ابی عبدالله بن السید ابی الحسن الشاذلی وهما من القطب ابی الحسن الشاذلی ثم القطب نور الدین ابو الحسن علی بن عبدالله بن عبدالجبار الشهیر بالشاذلی اخذ الطریقة ولبس الخرقة عن شیخه عبدالسلام من مشیش وهو عن السید عبدالرحمن بن زیات المدنی وهو عن الشیخ تقی الدین الصوفی المعروف بالفقیر مصغر وهو عن الشیخ فخر الدین وهو عن الشیخ ابی الحسن علی وهو عن الشیخ تاج الدین بن محمد وهو عن الشیخ شمس الدین محمد وهو عن الشیخ زین الدین محمد القزوینی وهو عن الشیخ ابی اسحاق ابراهیم البصری وهو عن الشیخ ابی القاسم المروانی وهو عن الشیخ فتح السعود وهو عن الشیخ سعید القروانی وهو عن الشیخ ابی محمد جابر وهو عن السید الشهید الامام حسینؓ بن علیؓ وهو عن ابیه الامام امیر المومنین علیؓ ابن ابی طالب وهو عن السید المرسلین وشفیع المذنبین قائد الغر المحجلین محمد رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم۔

ترجمہ: طریقہ شاذلیہ کا اس فقیر نے خرقہ پہنا ہاتھ سے شیخ ابو طاہر کے انہوں نے اپنے والد شیخ ابراہیم کردی سے انہوں نے شیخ احمد قشاشی سے انہوں نے اخذ کیا ایک جماعت سے کہ ان میں سے سیدی احمد بن قاسم علامہ وولی کبیر سیدی حسن الانجیبی اور شیخ ابراہیم ملقمی اور سیدی محمد بن زین الدین ان سب نے صحبت پائی ہے شیخ الاسلام کمال الدین طویل کی اور آداب یافتہ ہوئے ہیں ان کے آداب سے اور خرقہ پہنا ہے ان کے ہاتھ سے اور وہ صحبت میں رہے ہیں علامہ محمد بن محمد جزری کے اور انہوں نے صحبت پائی ہے اور اخذ خرقہ کیا ہے تاج سبکی سے اور انہوں نے سیدی بن عطاء اللہ اسکندری صاحب حکم سے اور انہوں نے سیدی ابو العباس مرسی سے اور انہوں نے قطب ابو الحسن شاذلی سے اور شیخ ابو طاہر نے خرقہ پہنا اور اخذ تلقین کیا شیخ حرم شیخ احمد نخلی سے اور شیخ عبداللہ بن سالم سے اور انہوں نے شیخ عیسیٰ مغربی سے انہوں نے شیخ ابو عثمان سعید بن ابراہیم جزائری سے اور نیز پہنایا ابو طاہر کو شیخ نے خرقہ اپنے شیخ کا کتابت اور اجازت کے ساتھ شیخ محمد بن محمد بن سلیمان مغربی نزیل مکہ سے طلب کیا تھا۔ شیخ ابراہیم نے ان سے خرقہ اپنی اولاد

کے واسطے انہوں نے خرقہ بھیجا ان کے واسطے طرف مدینہ کے اور جازت لکھی جس وقت صحیح ہوئی یہ روایت اور مجتمع نہیں ہوئے شیخ ابو طاہر ان سے خرقہ پہننے میں ان کے شیخ ابو عثمان جزائری کے ہاتھ سے خرقہ پہنے کو ابو عثمان مغربی سے انہوں نے پہنا ابو العباس احمد جحی وحراق سے انہوں نے ابو سالم سیدی ابراہیم تازی سے انہوں نے صالح بن موسیٰ زواوی سے انہوں نے ابو عبداللہ محمد بن محمد بن مخلص طیبی سے انہوں نے شیخ علاؤ الدین مغلطائی سے انہوں نے سید زین الدین ابو بکر اور سید ابو عبداللہ بن سید ابو الحسن شاذلی سے پھر قطب نور الدین ابو الحسن علی ابن عبداللہ بن عبدالجبار مشہور شاذلی نے اخذ طریقہ کیا اور خرقہ پہنا اپنے شیخ عبدالسلام بن مشیش سے اور انہوں نے سید عبدالرحمٰن بن زیات مدنی سے انہوں نے شیخ تقی الدین صوفی عرف بالفقیر مصغر اور انہوں نے شیخ فخر الدین سے انہوں نے شیخ ابو الحسن علی سے انہوں نے شیخ تاج الدین محمد سے انہوں نے شیخ شمس الدین محمد سے انہوں نے شیخ زین الدین محمد قزوینی سے انہوں نے شیخ ابو اسحاق ابراہیم بصری سے انہوں نے شیخ ابو القاسم مروانی سے انہوں نے شیخ فتح المسعود سے انہوں نے شیخ سعید قروانی سے انہوں نے شیخ ابو محمد جابر سے انہوں نے سید الشہید امام حسین بن علی سے انہوں نے اپنے والد امام المومنین علی ابن ابی طالب سے انہوں نے سید المرسلین شفیع المذنبین قائد الغر المحجلین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے۔[1]

اس سے شاہ ولی اللہ کی عظمت کا پتہ چلتا ہے ان کے سلسلے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملے ہوئے ہوں گے تو دنیا اور آخرت میں عزت و توقیر تو ان کے لئے لازم ہے اسی بناء پر شاہ صاحب کی حیات و تعلیمات میں اللہ تعالیٰ نے برکت عطا کی اور ان کا نام ان کی تصانیف جن کا سلسلہ فکر و علم و عمل آج تک جاری و ساری ہیں اور انشاء اللہ قیامت تک ان کا نام زندہ رہے گا شاہ عبدالعزیز فرماتے ہیں شاہ صاحب نے ارشاد فرمایا کہ آج میں نے حدیث میں دیکھا ہے کہ حضرت ابو ایوب انصاریؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار مبارک پر منہ رکھے رو رہے تھے اس واقعہ سے ہمارے ماں باپ پیر و مرشد کی قبر پر بوسہ دینے کی بابت حجت ملتی ہے اور علمائے متقشفین کے اعتراضات سے نجات کی سبیل نکلتی ہے جو تشدد کے ساتھ اس کو منع کرتے ہیں[2] شاہ صاحب کے اشعار ہیں فرمایا

در صحبت اہل دل رسیدیم بسے   دریوزہ کناں زنا ہر کسے یک نفسے
از چشمہ آب زندگانی قدحے   در آتش وادی مقدس قبسے[3]

---

[1] انجاہ فی سلاسل اولیاء اللہ و اسانید وارثی رسول اللہ، ص 55-163
[2] ملفوظات شاہ عبدالعزیز، ص 219 [3] ایضاً، ص 193

31 - 1730ء / 1143ھ کو شاہ ولی اللہ نے حرمین شریفین کا سفر اختیار کیا اور حج بیت اللہ کیا اس دوران شاہ ولی اللہ نے وہاں اکتساب علم مسلسل جاری رکھا اور جید علمائے کرام سے علوم و فنون کے حاصل کرنے میں شب و روز میں فرق مٹادیا پوری تندہی اور کامل خلوص دین کے ساتھ علم کے مراتب طے کئے دنیائے علم و فن کے آسمان پر درخشندہ ستارے کی مانند اپنا مقام بنایا[1] وہاں دو سال قیام کر کے علمی اور

---

[1] (1) فیوض الحرمین' از' شاہ ولی اللہ' ص 3 (2) ارمغان شاہ ولی اللہ' از' محمد سرور' ص 452 (3) تاریخ پاک و ہند' از' مولانا قاری احمد پیلی' ص 131 (4) شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ' از' عبید اللہ سندھی' ص 36 (5) اصول فقہ اور شاہ ولی اللہ' از' ڈاکٹر مظہر بقا' ص 59 (6) دلی کے بائیس خواجہ' از' ڈاکٹر ظہور الحسن شارب' ص 244 (7) تذکرہ شاہ ولی اللہ' از' مناظر احسن گیلانی' ص 111 (8) اسلام ایک نظریہ ایک تحریک' از' مریم جمیلہ' ص 192 (9) مسلمانوں کا نظام تعلیم' از' پروفیسر سعید احمد' ص 184 (10) اقبال اور علمائے پاک و ہند' از' اعجاز الحق قدوسی' ص 133 (11) رود کوثر' از' شیخ محمد اکرام' ص 542 (12) علم حدیث میں پاک و ہند کا حصہ' از' محمد اسحاق' ص 193 (13) شاہ ولی اللہ' از' احسان الحق اختر' ص 124

14. Encyclopaedia Britannica, Vol. X, P. 521
15. Hundred Great Muslims, P. 298
16. Walli Allah, His Life and Times, P. 15

(17) تذکرہ شہید' ص 92 (18) اردو انسائیکلو پیڈیا' ص 634 (19) حدائق الحنفیہ' ص 466 (20) شاہ ولی اللہ کے عمرانی نظریے' از' شمس الرحمٰن محسنی 58 شیل روڈ لاہور' 1946ء ص 28 (21) فقہ اسلامی' از' مولانا عبد الاول جونپوری' مکتبہ غوثیہ ملتان 1401ھ ص 138 (22) ہندی مسلم تہذیب' ص 245 (23) فارسی ادب کی مختصر ترین تاریخ' از' ڈاکٹر محمد ریاض و ڈاکٹر صدیق شبلی' سنگ میل پبلیکیشنز لاہور 1987ء ص 220 (24) برصغیر پاک و ہند کی سیاست میں علماء کا کردار' از' ایچ بی خان' قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت اسلام آباد' 1985ء ص 14

25. Life of Shah Walliullah, P. 22
26. Encyclopaedia of Islam, Vol. II, P. 254

(27) الواح الصنادید' ص 106

روحانی مشاغل کے ساتھ ساتھ بڑا کام یہ کیا کہ یورپ اور ایشیا کے زائرین سے ان ممالک کے متعلق پوری واقفیت حاصل کرلی ترکی کی حکومت کو اگرچہ سماجی خرابیوں کا گھن لگ چکا تھا مگر پھر بھی وہ اس زمانہ میں ایشیا کی سب سے بڑی حکومت تھی تمام مشرق وسطیٰ پر اس کے اقتدار کا پرچم لہرا رہا تھا شاہ صاحب نے اس سب سے بڑی حکومت کے اندرونی حالات کا بھی گہری نظر سے مطالعہ کیا ان تمام ممالک کے حالات کا جائزہ لینے کے بعد آپ کی گہری سوچ و بچار اور علمی تدبر نے فیصلہ کیا کہ جو کچھ سماجی' معاشی یا اقتصادی تباہیاں اس وقت موجود ہیں ان کا اصل سبب ملوکیت اور شہنشاہیت ہے اس سفر حجاز میں آپ کے ضمیر کی آواز نے یہ فیصلہ بھی سنا دیا کہ ان تباہیوں اور بربادیوں کا واحد علاج "فک کل نظام" ہے یعنی ایسا ہمہ گیر اور مکمل انقلاب جو سماج کے معاشی' سیاسی' اقتصادی غرضیکہ ہر ڈھانچے کو بدل ڈالے جو انسانی زندگی سے تعلق رکھتا ہو[1] شاہ صاحب فیوض الحرمین میں رقمطراز ہیں

اللہ کا بڑا انعام ہے کہ اس نے مجھے حج بیت اللہ اور زیارت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی 1143ھ یعنی ایک ہزار ایک سو تینتالیس میں توفیق عطا فرمائی اور اس سے اعلیٰ یہ نعمت حاصل ہوئی کہ میراج مشاہدہ اور معرفت الٰہی کے ساتھ ہوا۔ کوئی حجاب اور کسی قسم کی کوئی رکاوٹ پیش نہیں آئی اور اسی طرح زیارت بھی زیارت مبصرہ ہوئی اندھوں والی زیارت نہ ہوئی سو یہ زیارت شریفہ میرے نزدیک تمام نعمتوں سے فائق ہے[2]

"رایت فی المنام اللیلۃ العاشرہ من صفر سنۃ اربع و اربعین و الف وما ئۃ بمکۃ المبارکۃ کان الحسن و الحسین رضی اللہ عنہما نزلا فی بیتی و بید الحسن رضی اللہ عنہ قلم انکسر لسانہ فبسط الی یدہ لیعطینی و قال ھذا قلم جدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثم قال حتی یصلحہ الحسین فلیس ما اصلحہ الحسین کما لم یصلحہ فاخذہ حسین رضی اللہ عنہ و اصلحہ ثم ناولنیہ فسررت بہ ثم جئی بردا مخطط فیہ خطا اخضر و خطا ابیض فوضع بین یدیہما فرفعہ حسین رضی اللہ عنہ و قال ھذا ردا جدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثم البسنی فوضعتہ علی راسی تعظیما و حمدت اللہ تعالی ثم انتبہت

ترجمہ: میں نے ماہ صفر کی دسویں تاریخ 1144ھ ایک ہزار ایک سو چوالیس میں مکہ مکرمہ میں خواب دیکھا کہ امام حسنؓ اور حسینؓ میرے گھر تشریف لائے اور حضرت حسینؓ کے ہاتھ میں ایک قلم ہے جس کی نوک ٹوٹی ہوئی ہے انہوں نے میری طرف ہاتھ بڑھایا اور فرمایا یہ ہمارے جد اکرم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا

---

[1] علمائے ہند کا شاندار ماضی' از' سید محمد میاں' ص 5 [2] فیوض الحرمین' از' شاہ ولی اللہ' مترجم' مولانا عبد الرحمان' قرآن محل کراچی' ص 202

قلم مبارک ہے پھر فرمایا ذرا اسے حضرت حسینؓ ٹھیک کر دیں اس لئے کہ یہ ایسا نہیں ہے کہ جیسا حضرت حسینؓ نے سنوارا تھا چنانچہ حضرت حسینؓ نے اس قلم کو لے لیا اور سنوار کر پھر مجھے عنایت کر دیا میں بہت خوش ہوا اس کے بعد دھاری دار چادر لائی گئی جس میں ایک سبز دھاری اور ایک سفید دھاری تھی اور ان دونوں کے سامنے رکھ دی گئی حضرت حسینؓ نے اس چادر کو اٹھایا اور فرمایا یہ میرے جد اکرم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر ہے اس کے بعد وہ مجھے اوڑھا دی میں نے اس چادر کو اپنے سر پر تعظیماً رکھا اور اللہ تعالیٰ کا شکر کیا پھر میری آنکھ کھل گئی۔

انی لما زرت شھداء بدر رضی اللہ تعالی عنھم وقمت بحیال قبورھم سطعت الانوار من قبورھم الینا وفعتہ فی اول الامر کمثل الانوار المحسوسۃ حتی ترددت انی ادرکھا بالحس او ببصر الروح ثم تاملت فیھا ای انوار ھی فوجدتھا انوار الرحمۃ ولما زرت القبر الذی ینسب الی ابی ذر الغفاری رضی اللہ تعالی عنہ بصفراء واللہ اعلم بحقیقۃ الحال وجلست حیالہ وتوجھت الی روحہ ظھرت بی کمثل ھلال الثالثۃ فتاملت فیھا فاذا نورھا نور الاعمال ونور الرحمۃ جمیعا الا ان نور الرحمۃ اغلب واظھر وکنت قبل ذلک بمکۃ المعظمۃ فی مولد النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی یوم ولادتہ والناس یصلون علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ویذکرون ارھاصاتہ التی ظھرت فی ولادتہ ومشاھدہ قبل بعثتہ فرایت انوار سطعت دفعتہ واحدۃ لا اقول انی ادرکھا ببصر الجسد ولا اقول ادرکتھا ببصر الروح فقط واللہ اعلم کیف کان الامر بین ھذا وذلک فتاملت تلک الانوار فوجدتھا من قبل الملا لکتہ الموکلین بامثال ھذہ المشاھد وبامثال ھذہ المجالس ورایت یخالطہ انوار الملا لکتہ انوار الرحمۃ

ترجمہ: جس وقت میں نے شہداء بدر کی زیارت کی اور میں ان کے مزاروں کے گرد کھڑا ہوا تو ان کے مزاروں سے یکبارگی میری طرف نور چکا جیسا کہ انوار محسوسہ حتیٰ کہ میں تردد میں تھا کہ ان آنکھوں سے میں دیکھتا ہوں یا روح کی آنکھوں سے اس کے بعد میں نے غور کیا کہ یہ کون سے انوار ہیں تو میں نے انہیں انوار رحمت پایا اور جس وقت میں نے اس مزار کی زیارت کی جو وادی صفراء میں ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار کے ساتھ مشہور ہے (حقیقت حال سے اللہ تعالیٰ خوب واقف ہے) اور ان کے مزار کے قریب بیٹھا اور ان کی روح کی جانب توجہ کی تو مجھے ایسا معلوم ہوا کہ ایک تیسری شب کا چاند ہے میں نے غور کیا تو معلوم ہوا کہ اس نور میں نور اعمال اور نور رحمت دونوں جمع تھے مگر نور رحمت بہت غالب اور ظاہر تھا اور میں اس سے پہلے مکہ معظمہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مولد مبارک میں ولادت کے روز حاضر تھا اور لوگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیج رہے تھے اور آپؐ کے ان معجزات کا تذکرہ کر رہے تھے جو

ل (1) فیوض الحرمین' ص 65 تا 66 (2) الدر الثمین فی مبشرات النبی الامین" ص 29 - 30 (حدیث سوئم) (3) ملفوظات شاہ عبدالعزیز' ص 158

ولادت باسعادت کے وقت ظاہر ہوئے اور ان مشاہدات کو بیان کر رہے تھے جو بعثت سے پہلے ظاہر ہوئے تو میں نے دیکھا کہ اچانک بہت سے انوار ظاہر ہوئے ہیں میں نہیں کہہ سکتا کہ ان جسمانی آنکھوں سے دیکھا اور میں بیان نہیں کر سکتا کہ صرف روح کی آنکھوں سے اس کا مشاہدہ کیا واللہ اعلم کچھ نہیں بیان کیا جا سکتا کہ ان آنکھوں سے دیکھا یا روح کی آنکھوں سے میں نے ان انوار کے متعلق بھی غور کیا تو معلوم ہوا کہ یہ نور ان فرشتوں کا ہے جو ایسی مجالس اور مشاہد پر موکل اور مقرر ہیں اور میں نے دیکھا کہ انوار ملائکہ اور انوار رحمت دونوں ملے ہوئے ہیں۔ل

شاہ صاحب نے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں قیام کے دوران ان مقدس مقامات سے فیض کثیر حاصل کیا فیوض الحرمین میں شاہ صاحب نے حرمین شریفین کی ان ہی برکات کا ذکر کیا ہے جن سے وہ مستفیض ہوئے اور باطن آلائشوں سے پاک ہو کر نور سے بھر گیا یہ فیوض و برکات بہت طویل اور زیادہ ہیں اختصار کو مد نظر رکھ کر چند فیوض و برکات کا ذکر کیا جا رہا ہے شاہ صاحب کے مطابق "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے استفادہ کیا حتیٰ کہ میرا نفس وسیع ہو گیا یہاں تک کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس وراثت کی بناء پر لاحق ہو گیا تدلی اعظم کی برزہ مثالیہ کو جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے منتقل ہونے کے ساتھ ناسوت کی طرف منتقل ہو گیا اور میں متصل ہوا اور پہونچا اور مل گیا اس برزہ کے ساتھ بایں طور کہ تو مجھے دو حالتوں اور شکلوں میں ایک حالت خیال کرے کہ ایک ان میں سے اتم اور اعم ہے اور قریب ہے حضرت وجود خارجی سے اور دوسری حالت کی پہلی حالت سے ایسی نسبت ہے جیسا کہ مذاہب تخریج کرنے والے کی صاحب مذاہب سے کہ وہ حضرت وجود علمی کے قریب ہے اور اس وقت میرا نام زکی اور آخری نقاط علم رکھا گیا اور اس وقت میں نے معلوم کر لیا کہ جو اس برزہ سے مخلوط ہوا۔ اور اس تک پہونچا جیسا کہ میں مخلوط ہوا۔ اور پہونچا یعنی اس کی جو ہر روح میں داخل ہو گیا تو یہ چیز یادداشت کے داخل ہونے کے طور پر ہے جو ہر نفس میں بایں طور پر کہ اس سے وہ نقطہ کھل جاتا ہے جہاں نفس آ کر حاصل ہوا ہے سو اس مقام کے شعبوں میں سے مجددیت' وصایت' قطبیت اور امامت طریق ہے اور یہ بات اس وقت حاصل ہوتی ہے جبکہ اپنے بعد کلمہ باقیہ کا مصداق ہو۔ غرضیکہ اسرار عمیق ہیں غور سے کام لینا چاہئے۔

حقیقت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑا ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا اور کمال عاجزی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں ہاتھ پھیلائے اور اپنی روح کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب متوجہ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک سے انوار چمکے تو میری روح نے بہت اچھے طریقہ پر ایک لمحہ یا اس کے قریب میں اس سے ملاقات کی میں متعجب ہوا کہ کس قدر روح نے جلد ملاقات کی اور اصل اور فرع اور تمام اطراف کو ایک آن بلکہ اس سے بھی کم میں احاطہ کر لیا اور یہ انوار اس حبل ممدود کی تجلی ہے جس سے تمام عالم بندھا ہوا ہے اور میں نے دیکھا کہ یہ

ل فیوض الحرمین' ص 79

تجلی آپ کے جوہر روح مبارک میں داخل ہے اور اصل اس جبل ممدود کی تدبیر واحد ہے جو کہ اس مبداء سے خائض ہے کہ جس کی تفصیل تمام عالم ہے اور جبل ممدود کی فروع و تدبیرات تفصیلیہ ہیں کہ جن سے تمام عالم قائم ہے اور میں نے یہ چیز بھی دریافت کر لی کہ یہ جبل ممدود حقیقت محمدیہ کی حقیقت ہے اور اسی سے ہر ایک قطب، محدث اور نبی متکلم کو حصہ ملا ہے

شاہ صاحب کا سالک بننا: مجھے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سالک بنایا اور آپؐ نے خود میری تربیت فرمائی لہذا میں کسی واسطے کے بغیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا شاگرد ہوں اور اویسی ہوں اور یہ بات اس بناء پر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی روح مبارک مجھے دکھائی اور اس سے مجھے عارف بنایا کیونکہ معرفت مفیض کے افاضہ سے پیشتر ہی میرے نزدیک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک اعرف الاشیاء بنے حتی کہ محسوسات میں بھی۔ غرضیکہ سلوک کے ابتدائی مراحل یہ ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے مجھ پر تجلیات حق میں سے ایک تجلی کا افاضہ کیا اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود سے برزہ مثالیہ کا ظاہر ہونا ہے چنانچہ میں نے اس تجلی کو اپنے جوہر روح سے قبول کیا اور اس میں مستغرق ہو گیا اور فنا ہو گیا اس کے بعد میں اس سے متحقق ہوا اور مجھے بقا حاصل ہو گئی اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ ایک اور تجلی افاضہ فرمائی کہ وہ اس برزہ مذکورہ کی اصل ہے اور وہ عالم میں اصل افعال حق کا ایک نقطہ فرد ہے اور اللہ کی تدبیرات کا عالم میں اصل ہے اس کو بھی میں نے قبول کیا اور اس میں فنا ہوا اور اس سے بقا حاصل ہوئی اس کے بعد تیسری مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر نقطہ ذات کو افاضہ فرمایا کچھ لون جبروتی کے ساتھ اسے میں نے قبول کیا اور میں فانی اور باقی ہوا پھر چوتھی مرتبہ اس نقطہ کا افاضہ فرمایا جو روحانیت میں منعقد ہے اس سے نہایت کا اندراج ہدایت میں ہوتا ہے چنانچہ اسے بھی میں قبول کر کے فانی اور باقی ہو گیا پھر پانچویں مرتبہ مجھے نقطہ احوال نسمہ کی معرفت کرائی اور اس نقطہ کی کیفیات اس نقطہ روحانیہ کے محاذی ہیں گویا کہ یہ وہی شئے ہے تو میں نے معلوم کیا کہ جو اسے حاصل کرے تو اس کی تاثیر اس کے شاگرد پر قوی ہے اور یہ عزم اور جرات کے مشابہ ہے میرا مقصود اس سے کسی چیز کا عزم اور کسی چیز پر جرات نہیں ہے بلکہ نفس عزم اور نفس جرات میرا مقصود ہے تو اس وقت صعود اور ہبوط سب تمام ہو گیا یہ ایک مختصر سا سلوک ہے جو جذب کے مشابہ ہے اور انبیاء کرام علیہم السلام کے احوال کے بہت مشابہ ہے

مشہد آخر: اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے مجھے بواسطہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے راستہ پر سلوک کا طریقہ عطا کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح کریمہ اس عطا کا سبب ہوئی اور مجھے اس شئے کی حقیقت پر بھی مطلع کیا جو مجھے عنایت کی ہے تو میں نے اسے اس کی معرفت کے حقوق کے پیش نظر پہچان لیا اور میں نے جان لیا کہ یہ اس کے طریق فی السلوک کی ایک شکل ہے اور اس کا مین نہیں اور عنقریب میں تم سے بعض معرفتیں بیان کروں گا والحمد للہ رب العالمین۔[1]

[1] ایضاً ص 122 تا 129

شاہ صاحب کو اللہ کی طرف سے ولایت ملنا: اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے مجھے اس شئے سے مطلع کیا جو کہ مجھے کروانے والا ہے اور وہ جو کہ ظاہری اور باطنی نعمتیں مجھے دینے والا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ مجھے دنیا اور آخرت کے مواخذہ سے عصمت عطا فرمائی لہذا جو خفتیاں بھی مجھ پر گزریں وہ مقتضیات طبیعت سے ہیں مواخذہ کی وجہ سے نہیں اللہ تعالیٰ نے مجھ پر ان چیزوں کا احسان کیا اور مجھے بتلا دیا کہ وہ ایک ایسی شئے ہے جو اولیاء کو کم ملتی ہے اور مجھے بہترین زندگانی عطا کی اور ہر ایک سعادت سے مجھے معتدبہ حصہ ملا اور مجھے خلافت باطنہ کا خلعت پہنایا چنانچہ یہ راز دفعتاً ظاہر ہوا اور میں متحیر ہو گیا پھر اس کے بعد یہ چیز مجھ پر ظاہر ہوئی تو میں اس کی کماحقہ حقیقت سمجھ گیا![1]

مذہب حنفی کا بہترین طریقہ: مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلایا کہ مذہب حنفی میں ایک بہترین طریقہ ہے اور وہ بہت موافق ہے اس طریقہ مسنونہ کے جو کہ مدون اور منقح کیا گیا بخاری اور اس کے اصحاب کے زمانہ میں وہ یہ کہ مسئلہ میں اقوال ثلثہ یعنی امام اعظمؒ اور صاحبینؒ میں سے جو قول اقرب با لسنتہ ہو اسے اختیار کر لیا جائے۔ اس کے بعد ان فقہائے احناف کی کلی طور پر اتباع کی جائے جو علمائے حدیث میں سے ہیں کیونکہ بہت سی ایسی چیزیں ہیں جو امام صاحبؒ اور صاحبینؒ نے اصول میں نہیں بیان کی ہیں اور نہ ان کی نفی کی ہے اور احادیث ان پر دلالت کرتی ہیں تو ان کا اثبات ضروری ہے اور یہ سب مذہب حنفی ہے۔[2]

شاہ صاحب نے حرمین میں قیام کے دوران مندرجہ ذیل بزرگوں سے اکتساب علم کیا آپ نے ان بزرگوں کے حالات "انسان العین فی مشائخ الحرمین" میں جمع کیے ہیں۔ یہاں مختصر ذکر کر دیتے ہیں۔

شیخ احمد شناویؒ: آپ علی بن عبدالقدوس بن محمد عباس شناویؒ کے فرزند ہیں آپ شریعت و طریقت میں کامل دسترس رکھتے تھے آپ نے اپنے والد اور سید صبغتہ اللہ سے خرقہ خلافت پہنا آپ کے اقوال ہیں "اگر شعراوی زندہ ہوتے تو ان کے لئے بھی میری اتباع کے بغیر چارہ کار نہ ہوتا" "وہ شخص دوزخ میں داخل نہیں ہو گا جس نے مجھے دیکھا یا اس کو دیکھا جس نے مجھے دیکھا یہ سلسلہ قیامت کے دن تک رہے گا" آپ کی وفات 1028ھ میں ہوئی اور جنت البقیع میں مدفون ہوئے

شیخ احمد قشاشیؒ: آپ محمد بن یونس القشاشی المعروف بعبدالنبی ابن شیخ احمد الدجانی کے فرزند تھے دجاجہ بیت المقدس کے قرب میں ایک گاؤں ہے آپ کے والد کو عبدالنبی اس لئے کہتے ہیں کہ وہ لوگوں کو روپوں کے عوض نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے کے لئے مسجد میں بٹھاتے تھے اور آپ کو قشاشیؒ اس

[1] ایضاً ص 190

[2] ایضاً، ص 138

لئے کہتے ہیں کہ آپ مدینہ منورہ میں پرانی گری پڑی بیکار چیزوں کا کاروبار کرتے تھے تاکہ اپنے آپ کو لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ رکھ سکیں آپ علم حقیقت اور شریعت میں امام تھے۔ شیخ احمد قشاشی ؒ نے ایک رات خواب میں دیکھا کہ شیخ احمد شناوی ؒ کی شرمگاہ سے منی بہہ رہی ہے اور ان کے کپڑے اور پاؤں آلودہ ہو گئے ہیں جب خواب سے جاگے تو یہ جان لیا کہ شیخ نے مرتبہ کمال حاصل کر لیا ہے لیکن ان کا فرزند کوئی معنوی پیدا نہیں ہوا جلدی سے ان کی خدمت میں حاضر ہوئے شناوی ؒ نے جب انہیں دیکھا تو کہا "ہم اس شخص کو خوش آمدید کہتے ہیں جو ہم سے ہمارے علوم حاصل کرتا ہے" یہ کہا جاتا ہے کہ ایک رات شیخ احمد کاشی ؒ

نے خواب میں دیکھا کہ شیخ محی الدین ابن عربی نے انہیں خرقہ پہنایا اور اپنی بہن ان کے نکاح میں دے دی آپ نے سمجھ لیا کہ آپ کی وحدت الوجود کی معرفت درست ہو گئی ہے اور ابن عربی کی ہمشیرہ کی یہی تعبیر ہے۔ آپ کی ایک کرامت یہ ہے کہ آپ نے تمام قرآن مجید نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پڑھا تھا سید محمد بن علوی کو دو مرتبہ خواب میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے شیخ احمد قشاشی ؒ کے جنتی ہونے اور ان کی شفاعت کی بشارت دی شیخ احمد قشاشی ؒ کی بے شمار کرامات ہیں شیخ عیسٰی مغربی کا کہنا ہے کہ میں جب بھی قشاشی ؒ کی مجلس سے اٹھا تو دنیا میری نظر میں سب سے زیادہ حقیر اور میرا نفس سب سے زیادہ ذلیل ہوتا خواہ متعدد بار میں ان کی مجلس میں حاضر ہوتا۔ آپ 19 ذی الحج 1071ھ میں فوت ہوئے

سید عبدالرحمٰن الادریسی المشہور بالمحجوب ؒ: آپ کی ولادت مغرب کے شہر کناسہ میں ہوئی۔ مغرب، مصر، روم اور شام کی سیاحت کی اس کے بعد کئی سال تک حرمین شریفین کی مجاورت کی پھر اولیاء کرام کی زیارت کے لئے یمن گئے کیونکہ کہا جاتا ہے کہ یمن میں اولیاء یوں پیدا ہوتے ہیں جیسے زمین سے سبزی۔ یہاں ان کے ساتھ عجیب واقعات، دلچسپ اور رنگین صحبتیں میسر آئیں پھر جب مکہ واپس آئے اور یہاں قیام کیا تو اہل مکہ نے آپ سے استفادہ کیا اور خرقہ صوفیاء حاصل کیا۔ آپ سے بے شمار کرامتیں منقول ہیں شیخ زین العابدین شافعی تھیہ مدینہ سے میں (شاہ صاحب) نے سنا وہ اپنے والد سے جو سید محمد کے خادم تھے اور سید محمد سید عبدالرحمٰن کے معتقد تھے سے نقل کرتے ہیں کہ شریف مکہ کو کوئی ضرورت پیش آئی اس نے سید عبدالرحمٰن محجوب سے رجوع کیا اور دعا کی درخواست کی سید کچھ دیر تک سوچتے رہے پھر فرمایا کہ فلاں محلہ میں اس قسم کا مکان ہے بیت المال کے افسر کو چاہئے کہ اس میں سے شریف مکہ کو جس قدر ضرورت ہے لے لیں اور باقی کو وہاں احتیاط سے چھوڑ دیں لوگ اسی وقت گئے اور گھر کو اسی طرح پایا جیسا کہ انہوں نے بتایا تھا وہاں سے بیس ہزار اشرفیاں لے لیں اور صندوق پر مہر لگا دی اور سید صاحب کے پاس لے آئے آپ نے اسے شریف مکہ کو دے دیا۔ تاکہ اپنی ضرورت میں خرچ کرے شریف مکہ کا اس کے بعد ارادہ ہوا کہ باقی رقم بھی اپنے تصرف میں لائے لیکن کافی تلاش کرنے کے باوجود اس کو گھر اور مال نہ ملا بہت حیران ہوئے سید صاحب سے اس کا راز پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ ایک ایرانی شخص اپنے وطن میں مر گیا اس کا کوئی وارث نہیں تھا میں تصرف کر کے اس کے مکان کو مکہ میں لایا جو ضرورت پوری ہو جانے

کے بعد واپس چلا گیا آپ سماع کے وقت اپنے چہرہ کو ڈھانپ لیتے تھے جب محفل سماع گرم ہوتی چہرہ سے پردہ اٹھا دیتے تھے اور عجیب انوار اس سے ظاہر ہوتے تھے اور اس کا اثر اہل مجلس پر بھی پڑتا تھا اس حقیقت کی طرف شیخ احمد نخلی ؒ نے اشارہ کیا ہے

شمس الدین محمد بن العلاء البابلی ؒ: حافظ حدیث تھے کہتے ہیں کہ آغاز کار میں انہیں لیلتہ القدر دکھائی دی اور اس رات کے بعض عجیب آثار مشاہدہ کئے اس وقت آپ نے خدا سے دعا کی کہ مجھے حافظ ابن حجر عسقلانی کی طرح کر دے چنانچہ آپ کی دعا قبول کی گئی آپ سے منقول ہے کہ کوئی شخص ان سات اقسام کے علاوہ کسی موضوع پر کتاب تصنیف نہ کرے یا تو اس چیز میں کتاب تالیف کرے جس کی طرف پہلے کسی شخص کا ذہن نہ گیا ہو یا کسی ناقص چیز کی تکمیل کرے یا کوئی چیز دشوار ہو اس کی شرح لکھے یا طویل کو مختصر کرے مگر اختصار اس قسم کا ہو جس سے معانی میں خلل پیدا نہ ہو یا غلط بحث ہو تو اسے صحیح ترتیب سے جمع کرے یا پہلے مصنف نے غلطی کی ہو۔ اس کی صحیح کرے یا کوئی منتشر ہو تو اسے جمع کر دے ورنہ تضیع اوقات کے سوا کچھ حاصل نہیں آپ اپنے زمانہ میں معمو حرمین میں استاد تھے۔ شریف مکہ، امراء اور وزراء آپ سے تبرک حاصل کرتے تھے آپ کی وفات مصر میں 1077ھ میں ہوئی۔

شیخ عیسٰی جعفری ؒ مغربی: آپ کی جائے پیدائش اور نشوونما مغرب میں ہے الجزائر کے علماء سے دس سال سے زیادہ عرصہ تک علم حاصل کیا اور متبحر عالم بنے علماء مصر قسطنطنیہ اور حرمین شریفین سے بھی روایت کی مکہ کو اپنا وطن بنایا۔ مقالید الاسانید کے نام سے آپ کی ایک معجم ہے ادعیہ حدیث اور قراءت میں ایک کتاب تصنیف کی۔ سید عمر نے ان کے حق میں کیا عمدہ رائے دی ہے کہ "جو شخص چاہتا ہے کہ کسی ایسے شخص کو دیکھے جس کی ولایت میں کوئی شک و شبہ نہ کیا جائے تو وہ اس شخص کو دیکھے" آپ نے 1080ھ میں انتقال فرمایا۔

محمد بن محمد سلیمان ؒ مغربی: آپ بہت بڑے عالم، فاضل متقی، اور پرہیزگار تھے جمہور اہل حرمین کے استاد اور متبحر ثقہ عالم تھے کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ استنبول گئے ہوئے تھے وہاں ایک شخص نسخہ نبویہ فروخت کر رہا تھا آپ نے تین ہزار سکہ رائج الوقت کے عوض اس نسخہ کو حاصل کیا بڑی محبت سے اسے رکھتے تھے ایک مرتبہ مسجد حرام میں سیلاب آگیا جس سے لوگوں کو غرق ہونے کا خوف طاری ہو گیا محمد بن سلیمان نے تیزی سے نسخہ نبویہ سر پر رکھا اور طواف میں مشغول ہو گئے تاکہ اسے اچانک کوئی گزند پہنچے تو وہ بہترین حالت میں ہو اس فقیر (شاہ ولی اللہ) نے اس نسخہ کی زیارت کی ہے اور کچھ پڑھا بھی ہے اس فقیر (شاہ ولی اللہ) نے شیخ مذکور کے فرزند محمد وفد اللہ سے ان کی تمام مرویات کی اجازت لی ہے کیونکہ انہوں نے اپنے والد سے قراءت، سماعت اجازت کے لحاظ سے انہیں حاصل کیا تھا اس کے علاوہ میں نے مکمل موطا بروایت یحیٰی بن یحیٰی بھی تمام ان کے سامنے پڑھی انہوں نے شیخ حسن عجمی وغیرہ مشائخ سے پڑھی تھی۔

شیخ ابراہیم کردیؒ: آپ عالم و عارف تھے فقہ شافعی' حدیث اور عربی ادب میں مہارت تامہ رکھتے تھے اور ہر فن میں ان کی تصنیف موجود ہے عبداللہ عباسی کا کہنا ہے "آپ کی مجلس جنت کے باغات میں سے ایک باغ تھی" کلام صوفیاء کو حکماء کی تحقیق پر ترجیح دیتے تھے اور فرماتے تھے یہ فلاسفہ گرتے پڑتے حق تک پہنچے اور ہدایت پائی ایک خطیب نے آپ کی تاریخ وفات ان الفاظ سے نکالی ہے۔ واللہ انا علی فواقک یا ابراہیم لمحزنون

شیخ حسن عجمیؒ: آپ شیخ الحدیث' فصاحت و بلاغت' حفظ اور جودت فہم میں جامع فنون علم تھے آپ کا زیادہ تر استفادہ و صحبت شیخ عیسیٰ مغربی سے ہے بہت سے شیوخ شیخ احمد قشاشیؒ' شیخ محمد بن العلاء بابلی' شیخ زین العابدین بن عبدالقادر طبری' شوافع کے امام و مفتی کی صحبت میں بھی رہے اور ان سے روایت کی ہے۔

شیخ ابو طاہر بیان کرتے ہیں کہ شیخ حسن عجمی نے شیخ نعمت اللہ قادری وغیرہ صوفیاء سے ملاقات کی دعوت اسماء بھی جانتے تھے اور یہ بھی فرماتے تھے کہ شیخ حسن حنفی تھے لیکن سفر میں ظہر عصر اور مغرب عشاء میں جمع کرتے تھے اور امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھتے تھے ہمیں وصیت کرتے تھے کہ اپنی عورتوں کو تنگی میں نہ ڈالا کرو۔ احناف کی بعض سہولتوں سے انہیں مطلع کرو تاکہ وہ نماز ادا کر سکیں یعنی قدر درہم نجاست وغیرہ میں جو اجازت ہے کاتب حروف کہتا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ باوجود ان تمام باتوں کے ایک مذہب کا التزام تمام امور میں ضروری نہیں سمجھتے تھے۔ شیخ ابو طاہر یہ بھی کہتے تھے کہ میرے شیخ سیدی حسن عجمی خوبصورت نہیں تھے بلکہ ان کی آنکھ میں عیب تھا اس کے باوجود جب وہ حدیث پڑھتے تھے تو ان کے چہرے پر انوار دیکھے جاتے تھے۔ 1113ھ میں طائف میں وفات پائی اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے مزار کے قریب دفن ہوئے۔

شیخ احمد نخلیؒ: علوم ظاہری و باطنی کے جامع تھے بہت سے مشائخ طریقت اور علمائے شریعت کی صحبت حاصل کی اور سید عبدالرحمٰن' سید محمد رومی' سید عبداللہ سقاف اور میر کلاں بن میر محمود بلخی وغیرہ سے خرقہ خلافت حاصل کیا اور حدیث محمد بن العلاء بابلی' شیخ عیسیٰ مغربی اور اس طبقہ کے دوسرے علماء سے حاصل کی اور سماع بخاری اور موطا میں تسلسل حاصل کیا انہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے خواب میں طریقہ نقشبندیہ کی طرف راہنمائی کی۔

شیخ عبداللہ بن سالمؒ بصری: آپ نے بہت سی کتب احادیث کو زندہ کیا ان میں سے ایک مسند امام احمد ہے قریب تھا کہ روئے زمین سے اس کا نسخہ کاملہ نہ مل سکے آپ نے مصر' عراق اور شام کی پرانی لائبریریوں سے اس کے اجزاء کو جمع کیا اور ان تمام سے ایک نسخہ لکھا اسے صحیح کر کے اصلی نسخہ کی صورت میں عام کر دیا۔ آپ اس آخری زمانہ میں حافظ حدیث تھے آپ 1134ھ میں فوت ہوئے۔

شیخ ابو طاہر محمد ابراہیم الکردی المدنیؒ: آپ شروع سے ہی علم اور علماء کی طرف راغب تھے اپنے والد سے خرقہ خلافت پہنا آپ کے والد نے ان کے لئے بہت سے بزرگوں سے خرقہ اور اجازت حاصل کی آپ نے اپنے وقت کے جید علماء سے دین کی تعلیم حاصل کی۔ آپ سلف صالحین کے تمام اوصاف' تقویٰ' عبادت میں کوشش' علم میں معقولیت اور مذاکرہ میں انصاف سے متصف تھے ایک روز احوال صوفیاء کا ذکر چل نکلا اور اس باہمی تردید و تنقید جو بعض دفعہ ان کے متبعین میں شروع ہو جاتی ہے کے متعلق بات ہوئی تو شیخ ابو طاہر نے فرمایا میں صوفیاء پر اعتراض کرنے سے بہت ڈرتا ہوں اگرچہ میرے بعض اسلاف نے بعض صوفیاء کے بارے میں تنقید کی ہوگی لیکن میں ان کے خلاف گراں خاطر نہیں ہوتا۔ پھر آپ نے ایک قصہ بیان کیا کہ شیخ یحییٰ شاذیؒ میرے والد سے کچھ اختلاف رکھتے تھے جس کا اثر مجھ پر بھی تھا اسی اثناء میں شیخ یحییٰ شاذیؒ فوت ہو گئے ایک عرصہ بعد جب انہیں قبر سے نکالا تو اس طرح صحیح و سالم تھے گویا آج ہی سوئے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ کسی پر کسی عارف کے اختلاف کے سبب طعن نہیں کرنا چاہئے انہوں نے مزید فرمایا کہ شیخ محی الدین ابن عربی نے اس سلسلہ میں عجیب و غریب وصیت فرمائی ہے پھر آپ نے شیخ ابن عربی کے اپنے قلم سے لکھا ہوا الفتوحات کا نسخہ نکالا اور اس بحث کو پڑھا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ "شیخ اکبر فرماتے تھے کہ مجھے ایک شخص سے اس لئے عداوت تھی کہ وہ شیخ ابو مدین پر طعن کرتا تھا جبکہ مجھے شیخ مغربی کی بزرگی کا یقین تھا ایک روز میں نے پیغمبر خدا صلی اللہ علی و آلہ وسلم کی خواب میں زیارت کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم فلاں شخص سے کیوں بغض رکھتے ہو میں نے عرض کیا کیونکہ وہ ابو مدین سے دشمنی رکھتا ہے اور میں انہیں بزرگ سمجھتا ہوں آپؐ نے فرمایا کیا وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دوست نہیں رکھتا میں نے عرض کیا ہاں رکھتا ہے آپؐ نے فرمایا تو ابو مدین کے ساتھ بغض کی وجہ سے اس سے عداوت رکھتا ہے اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت کی وجہ سے اس کے ساتھ دوستی کیوں نہیں رکھتا شیخ اکبر نے کہا میں نے اس کے بعد اس دشمنی سے اللہ کے حضور توبہ کی اور اس کے گھر گیا اس سے معذرت کی اور قصہ بیان کیا قیمتی کپڑا تحفہ پیش کر کے اسے راضی کیا پھر میں نے ابو مدین کے متعلق ناراضگی کا سبب پوچھا تو اس نے ایسی وجہ بتائی وہ ایسی نہ تھی جس کی وجہ سے ابو مدین کے ساتھ دشمنی رکھی جائے میں نے اسے حقیقت سمجھائی پس اس نے اللہ تعالیٰ کے ہاں توبہ کی اور طعن و تشنیع ختم کی اور تمام میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت جاری و ساری ہو گئی۔"

شیخ ابو طاہر رمضان المبارک 1145ھ میں فوت ہوئے۔[1]

---

[1] انفاس العارفین ص 274 (انسان العین فی مشائخ الحرمین)

شیخ تاج الدین قلعی حنفی: آپ مکہ کے مفتی اور قاضی عبدالمحسن کے فرزند تھے بہت سے علماء سے اکتساب علم کیا آپ نے علم حدیث کی اکثر تعلیم شیخ عبداللہ بن سالم مصری سے حاصل کی کاتب حروف نے شیخ تاج الدین سے عجیب قصہ سنا ہے اور وہ یہ ہے کہ

"ایک مرتبہ میں سخت بیمار ہو گیا اور بیماری لمبی ہو گئی ضعف کمزوری نے بیٹھنے چلنے کے قابل نہ چھوڑا اس حالت میں ایک رات میں نے خواب میں دیکھا گویا کوئی شخص آیا ہے اور وہ کہتا ہے کہ اس مرض کی شفاء کے لئے ایک مرغی پکائی جائے اور اس پر تمام قرآن پڑھا جائے یہ بیمار اسے کھائے تو شفا پائے گا جب میں بیدار ہوا تو میں نے پختہ ارادہ کر لیا کہ خواب کے حکم کے مطابق عمل کرنا چاہیے آئندہ رات جب میں سویا تو گویا امام محمد بخاریؒ ہمارے گھر تشریف لائے ہیں اپنے دست مبارک سے ایک دیگ رکھی اور اس کے نیچے آگ جلائی اور صبح سے شام تک اس میں مرغی پکائی میرے سامنے لا رکھی اور فرمایا ہم نے اس مطبوخ پر تمام قرآن پڑھا ہے اسے کھالو میں نے اسے کھایا تو تندرست ہو گیا اور مجھ میں بیماری کا اثر نہ تھا میں صحیح و تندرست ہو کر اٹھ کھڑا ہوا۔ مجھے ازالۂ مرض سے زیادہ اس بات کی خوشی ہوئی کہ حضرت امام بخاریؒ نے مجھ پر اس درجہ لطف و عنایت فرمایا"

کاتب حروف کہتا ہے کہ شیخ تاج الدین کی مجلس درس میں جس زمانہ میں' وہ بخاری کا درس دیا کرتے تھے دو تین روز مسلسل حاضر ہوا۔ صحاح ستہ اور موطا امام مالک کے کچھ حصے' مسند دارمی' کتاب الاثار امام محمد اور موطا کی آپ سے سماعت کی آپ نے ان کتابوں کی اجازت تمام اہل مجلس کو دی اور اس جماعت میں یہ فقیر بھی شامل تھا اور وہ حدیث جو حدیث مسلسل بالاولیت سے مشہور ہے شیخ ابراہیم سے سماعت کی اور یہ پہلی حدیث شریف ہے جو میں نے روضہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے بعد ان سے سنی 1144ھ کچھ احباب نے خراب حالات کے پیش نظر وطن واپس نہ آنے کا مشورہ دیا لیکن شاہ صاحب کے قلب و ذہن پر ملک و قوم کی اصلاح کرنا غالب تھا شاہ صاحب نے دو حج کئے اور 9 جولائی 1732ء/ 14 رجب 1145ھ کو واپس وطن تشریف لائے[1] آپ الجزء اللطیف میں فرماتے ہیں۔

"اس فقیر پر سب سے بڑی نعمت یہ ہے کہ مجھے خلعت فاتحیہ عطا فرمائی اور اس آخری دور کا آغاز میرے ہاتھوں کرایا اور فقہ میں پسندیدہ مسلک کی طرف راہنمائی کی اور اسے جمع کرکے فقہ حدیث کی نئے سرے سے بنیاد رکھی اسی طرح اسرار حدیث' مصالح احکام' ترغیبات اور جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم' اللہ تعالی کی طرف سے لائے اور تعلیم فرمائی ہے ان تمام کے اسرار و رموز کا بیان ایک مستقل فن ہے اس فقیر سے پہلے کوئی شخص اتنی عمدگی سے اسے نہیں کر سکا اگر کسی کو اس فن کی عظمت و بلندی میں شبہ ہو تو اس کو شیخ عزالدین بن عبدالسلام کی کتاب "قواعد کبریٰ" دیکھنی چاہئے کہ اس میں اس نے کسی

[1] (1) رود کوثر' ص 554 (2) تاریخ پاک و ہند' ص 131 (3) مسلمانوں کا نظام تعلیم' ص 184 (4) حدائق الحنفیہ' ص 466 (5) تذکرہ شہید' ص 29 (6) تذکرہ شاہ ولی اللہ' ص 284 (7) اصول فقہ اور شاہ ولی اللہ' ص 69

قدر کوشش اور سعی کی ہے پھر بھی اس فن کا وہ عشر عشیر بھی نہیں کر سکے اور طریقہ سلوک جو کہ اللہ تعالی کے نزدیک پسندیدہ برہان ہے اور جس کو اس دور میں رائج ہونا ہے جسے میں نے اپنے دو رسائل لمعات اور الطاف القدس میں جمع کیا ہے میں نے قدیم علماء اہل سنت کے عقائد کو دلائل و براہین سے اس طرح ثابت کیا ہے کہ اسے معقولیوں کے شک و شبہات کے گرد و غبار سے صاف کر دیا ہے اور اس طرح منور کیا ہے کہ بحث کی گنجائش نہیں رہی اور مجھے علم کمالات اربعہ یعنی ابداع' خلق' تدبیر اور تدلی پورے طول و عرض کے ساتھ اور نفوس انسانیہ کی استعداد کا تمام علم اور ہر شخص کے کمال اور انجام کا علم عطا فرمایا یہ دونوں علوم اس قدر اہم ہیں کہ اس فقیر سے پہلے کسی کو ان کی ہوا بھی نہیں لگی اور حکمت عملی جس کے ذریعے اس دور کی اصلاح کی جا سکتی ہے مجھے پوری وسعت کے ساتھ عطا فرمائی گئی ہے اور مجھے کتاب و سنت اور آثار صحابہؓ کے ذریعے اسے مستحکم کرنے کی توفیق عطا کی گئی ہے جو کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے اور جو کچھ اس میں داخل کیا گیا ہے اور جو سنت ہے یا ہر فرقہ نے جو نئی باتیں دین میں ایجاد کر لی ہیں ان تمام کا علم مجھے دیا گیا ہے اگر میرا بال بال زبان بن جائے تو بھی اس کی حمد و شکر کا حق ادا نہیں کر سکتا"[1] شاہ صاحب "الدرالثمین فی مبشرات النبی الامین" میں فرماتے ہیں۔

حدیث اول: "میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا میں آپؐ کے پاس حاضر ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھ گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم مراقبہ میں ذقن مبارک سینہ مکرم پر رکھے تشریف فرما ہیں مجھ پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تین مثالی صورتیں ظاہر ہوئیں پہلے مخروطی اوپر اور نیچے عریض ہیں مگر نیچے کا جسم مبارک قدرے عریض ہے دوسری مطبوع سخت جسم جیسے عود کی لکڑی کا درمیانی حصہ ہوتا ہے تیسری جیسے عود کا ایک مینار زمین پر قائم ہو اور اس پر ٹھوس جسم دکھائی دے پھر مجھے یوں معلوم ہوا کہ پہلی صورت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کا تمثل ہے وہ نسبت جامع ہے تاکہ سافل جسمانی کی تہذیب مراتب ہو سکے اور روحانیت کے مراتب عالی کی تعمیر ہو سکے دوسری صورت سالکین کی نسبت کا تمثل ہے اسفل کے قریب جو کچھ بھی ہے اس میں فراخی ہے تیسری صورت مجذوبوں کی نسبت کا تمثل ہے یہ نسبت اعلیٰ کے نہایت قریب ہوتی ہے اس میں وسعت و کشادگی ہی ہے جب مجھے ان تینوں صورتوں کی کیفیت ذہن نشین ہو گئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سر مبارک بلند فرمایا اور تبسم فرماتے ہوئے میری طرف ہاتھ بڑھا دیئے اور بیعت کا اشارہ فرمایا میں آگے بڑھ کر اس قدر قریب ہو گیا کہ میرے زانو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زانوئے اقدس سے چھونے لگے اور میں نے مصافحہ کیا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذقن مبارک سینہ مکرم پر رکھی اور آنکھیں بند کیں اسی طرح میں نے بھی کیا میرے قلب پر وہ تمام نسبتیں آشکار ہو گئیں جنہیں میں نے ابھی ابھی سمجھا تھا

[1] انفاس العارفین' از' شاہ ولی اللہ' مترجم' محمد اصغر' لاہور' 1964ء ص 299 (الجزء اللطیف)

حدیث دوئم: **بینا انا مراقب فی المسجد فی بلدۃ کھنبایت بعد العصر اذ شاھدت روحہ الکریمۃ صلی اللہ علیہ وسلم قد حضرت فالبسنی رداء فظھر لی فی ذلک الحین بعض دقائق العلوم الشریعۃ ولم تزل تتزائدحینا بعد حین۔** ترجمہ: ایک دفعہ شہر کھنبات کی جامع مسجد میں بعد از نماز عصر میں مراقبہ میں تھا میرے مشاہدے میں یہ بات آئی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی روح اقدس رونما ہوئی اور مجھے چادر اوڑھاوی چادر اوڑھتے ہی مجھے علوم شریعت کی باریکیاں معلوم ہو گئیں اور پھر ان میں اضافہ ہوتا گیا۔

چھٹی حدیث: **اشار صلی اللہ علیہ وسلم اشارۃ روحانیۃ مخاطبا بھذا الفقیر ان مراد الحق فیک ان یجمع اللہ تعالیٰ شملا من شمل الامۃ المرحومۃ بک**

ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے روحانی اشارہ سے اس فقیر کو مخاطب فرمایا کہ حق کی خواہش ہے کہ تجھ میں امت مرحومہ کی ان اشیاء کو زندہ کرے جو ترک کردی گئی ہیں۔"[1]

یہ یاد رہے کہ در ثمین میں شاہ ولی اللہ نے ان چالیس احادیث کو جمع کیا ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک کے مشاہدہ کی روشنی میں جمع کی گئی ہیں بعض بلاواسطہ ہیں بعض ایک واسطہ سے اور بعض ایسی ہیں کہ شاہ صاحب اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان دو یا دو سے زائد واسطوں سے پہنچی ہیں ان احادیث سے شاہ ولی اللہ کی عظمت و بزرگی کا پتہ چلتا ہے کہ انھیں دین اسلام میں کتنے بلند مقام پر فائز کیا گیا ہے۔

شاہ صاحب نے وطن واپس آکر ہندوستان کے حالات کا گہرا مشاہدہ کیا اور معاشرتی' سیاسی' اخلاقی اور مذہبی خرابیوں کی نشاندہی کی تاکہ لوگ ان خرابیوں اور برائیوں سے بچیں نیز اور حق کا راستہ اختیار کریں شاہ صاحب فرماتے ہیں

یہ جو ہمارے زمانے میں متصوفین کا گروہ ہے وہ خود بھی گمراہ ہے اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتا ہے میں اللہ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ یہ اسلام میں خودرو ہے اور اسلام میں اس کی کوئی اصل نہیں ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی بونے والا غذائیت بخش اور نفع دینے والا اناج بوئے پھر آسمان سے اس پر بارش برسے اور پانی کی فراوانی اور زمین کی نرمی سے گھاس وغیرہ اگ آئے اس صورت میں بونے والے کے لئے سوا اس کے کوئی چارہ نہیں ہوگا کہ وہ اس گھاس کو کاٹنے اور ضائع کردے اسی طرح اللہ نے ایک کھیتی بوئی اور وہ تھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم کے حاملین کی' پھر اسے قرآن اور حکمتوں

---

[1] الدرالثمین فی مبشرات النبی الامین' از' شاہ ولی اللہ' مترجم' علامہ اقبال احمد فاروقی' مکتب خانہ علویہ' لائل پور' 1386ھ ص 27 تا 29[3] حیات طیبہ' ص 38

کے پانی سے سیراب کیا اس کی جڑیں زمین میں پھیلیں اور اس سے حسب مطلوب کھیتی پیدا ہوئی لیکن اس کے ساتھ ہی ایک گمراہ فرقہ پیدا ہوا جو فہم وذکاوت کا مالک تھا اس کا رجحان اس عالم کے ایسے امور کی طرف ہوا جن کا تقاضا اس فرقے کے نفوس کرتے تھے جب اسے علوم کا پانی ملا تو اس سے اس فرقے والوں کی خواہشات کو غذا ملی اور ان کے دلوں میں ایسے مذاہب وافکار ابھرے جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلوب نہ تھے ان مذاہب وافکار کے لئے کتاب وسنت اور ان کے حاملین کی زبانت سے مدد لی گئی اور قول وعمل سے یہ ثابت کیا گیا کہ یہ حق ہیں اللہ تعالیٰ نے خلافت کا وعدہ صرف فاطمیین کے لئے مخصوص نہیں کیا بلکہ یہ مومنین کے لئے ہے پرہیزگار اور متقی لوگوں کے لئے خواہ وہ معاشرتی Status کے لحاظ سے کوئی بھی ہوں[1] شاہ صاحب متقشفین (رھبانیت کی طرف مائل) کا ذکر کرتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعتدال اور میانہ روی کی تلقین کی ہے۔ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔

لا رھبانیۃ فی الاسلام (الحدیث) ترجمہ: اسلام میں رھبانیت نہیں ہے۔

ولا تنسک نصیبک من الدنیا (الحدیث) ترجمہ: اور دنیا سے اپنا حصہ لینا نہ بھولو۔

اور قرآن میں بھی تو آخرت کے ساتھ دنیا کی بھلائی کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔

ربنا آتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الآخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار[2]

ترجمہ: اے ہمارے رب ہمیں دنیا اور آخرت میں بھلائی عطا فرما اور ہمیں دوزخ کی آگ سے محفوظ رکھ۔

اس طرح اسلام میں رھبانیت کے تصور کی نفی کی گئی ہے ان لوگوں کی اصلاح جنید بغدادی" شیخ ابو سعید بن ابی الخیر اور شیخ محی الدین ابن عربی نے کی۔ "پھر ایک خبیث فرقہ پیدا ہوا اور یہ وہ فرقہ ہے جو یہ گمان کرتا ہے کہ اللہ بعینہ عالم ہے اور یہ کہ نہ کوئی حساب ہوگا اور نہ کوئی عذاب۔ میں ان کو کہتا ہوں جو اپنے آپ کو فقہاء سے موسوم کرتے ہیں اور تقلید میں جامد ہیں ان تک نبی علیہ السلام کی احادیث میں سے کوئی حدیث صحیح اسناد کے ساتھ پہنچتی ہے اور گو فقہائے متقدمین میں سے ایک کثیر جماعت اسے اختیار کرنے کی طرف گئی ہے لیکن ان فقہائے جامدین کو اسے اختیار کرنے سے باز رکھتی ہے ان لوگوں کی تقلید جو اسے اختیار کرنے کے حق میں نہ تھے اسی طرح میں ان ظاہریہ سے کہتا ہوں جو ان فقہاء کا انکار کرتے ہیں جو علم کے حاملین اور اہل دین کے آئمہ ہیں یہ سب کے سب غلطی' حماقت اور گمراہی پر ہیں اور حق ایک ایسا امر ہے جو بین بین ہے۔ میں مشائخ کی اولاد سے جو بغیر استحقاق اپنے آباؤ اجداد کی گدیوں پر بیٹھتے ہیں سے کہتا

---

[1] القرآن الکریم = النور: 55

[2] القرآن الکریم = ۲: ۲۰۱

ہوں اے لوگو تمہیں کیا ہو گیا ہے تم نے گروہ اور پارٹیاں بنالی ہیں اور ہر شخص اپنی رائے پر چلتا ہے تم نے وہ طریقہ چھوڑ دیا ہے جو اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک کے ذریعے نازل کیا تھا اور وہ لوگوں کے لئے رحمت' لطف و عنایت اور ہدایت ہے تم میں سے ہر ایک نے اپنے آپ کو امام بنالیا ہے وہ لوگوں کو اپنی طرف بلاتا ہے اور اپنے آپ کو ہادی و مہدی سمجھتا ہے درحقیقت وہ خود گمراہ ہے اور دوسروں کو گمراہ کرنے والا ہے ہم ان سے راضی نہیں جو لوگوں سے اس مطلب سے بیعت لیتے ہیں کہ تھوڑا مال اکٹھا کرلیں یا تحصیل علم کے ساتھ دنیاوی اغراض کو ملادیں کیونکہ جب تک ارباب ہدایت کی مشابہت اختیار نہ کی جائے دنیا حاصل نہیں ہوتی ہم ان سے بھی راضی نہیں ہیں جو اپنی ذات کی طرف لوگوں کو دعوت دیتے ہیں اور اپنی مرضی کے مطابق ان کو احکام دیتے ہیں یہ راہزن' دجال' کذاب' فریب خوردہ اور فریبی ہیں ان سے بچو اور صرف اسی کی اتباع کرو جو کتاب اللہ اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف بلاتا ہے اور اپنی ذات کی طرف نہیں بلاتا۔"

شاہ صاحب طلباء سے کہتے ہیں کہ یونانی علوم صرف' نحو و معانی ہی علم نہیں بلکہ علم قرآن کی تفسیر اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت و حدیث میں ہے جس کے مطابق ہمیں اپنی زندگیاں بسر کرنی چاہئیں شاہ صاحب کہتے ہیں علم کی نشرواشاعت کرو اس لئے کہ علاقے علماء سے خالی ہو گئے ہیں اور اگر علماء ہیں تو اسلامی شعائر کے ظہور میں ان سے کوئی مدد نہیں ملتی شاہ صاحب واعظوں' عبادت گزاروں اور خانقاہوں میں بیٹھنے والوں سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ تم جعلی اور باطل چیزوں کو چھوڑ کر "احسان" کو اس کے دونوں جزوں کے ساتھ سمجھو[1] شاہ صاحب بادشاہوں سے خطاب کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس زمانے میں ملاء اعلیٰ کی مرضی یہ ہے کہ تم تلواریں کھینچ لو اور اس وقت تک انہیں نیام میں نہ ڈالو جب تک اللہ مسلمانوں اور مشرکین کے درمیان دو ٹوک فیصلہ نہ کردے اور جب تک سرکش' فاسق' اور کافر اپنے میں سے کمزوروں سے جاکر نہ مل جائیں ارشاد خداوندی ہے۔

وقاتلوهم حتى لاتكون فتنة ويكون الدين كله لله

ترجمہ: اور تم ان سے لڑو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور تمام کا تمام دین اللہ تعالیٰ کے لئے ہو جائے۔ (القرآن = انفال:39)

جب یہ دو ٹوک فیصلہ ہو جائے تو ملاء اعلیٰ کی منشاء یہ ہے کہ تم ہر سمت میں اور ہر تین یا چار دن کی منزل پر ایک عادل امیر مقرر کرو جو ظالم سے مظلوم کا حق لے حدود اللہ قائم کرے اور یہ کوشش کرے کہ لوگوں میں فساد برپا نہ ہو لڑائی ارتداد اور کبیرہ گناہ بند ہو جائیں اسلام پھیلے اور اس کے شعائر کا ظہور ہو وہ امیر ہر ایک سے اس کے فرائض منصبی پورے کرائے ہر علاقے کے امیر کا اپنے علاقے پر رعب و دبدبہ ہو تاکہ وہ اپنے علاقے کی اصلاح کرنے پر قدرت رکھے یہ رعب و دبدبہ اس لئے نہ ہو کہ اس کی بناء پر من مانی کرے اور بادشاہ و سلطان کی نافرمانی کرے۔ شاہ صاحب امراء سے کہتے ہیں اے امیرو کیا تم اللہ سے نہیں ڈرتے تم

---

[1] القرآن الکریم = انعام:153

فانی لذتوں میں منہمک ہو اور تم نے رعایا کو اپنے حال پر چھوڑ دیا ہے کہ اس میں سے بعض بعض کو کھاتے رہیں شرابیں کھلے بندوں پی جاتی ہیں اور تم اسے برا نہیں سمجھتے زنا' شراب خوری اور جوا بازی کے لئے مکان بنائے جاتے ہیں (Diamond Markets, Red Light Areas) (ہیرا منڈیاں) اور تم ان کو نہیں توڑتے۔ بڑے بڑے علاقے ہیں جہاں چھ سو سال سے زیادہ عرصہ سے بھی کوئی حد جاری نہیں کی گئی جس کو تم کمزور پاتے ہو' اسے ہڑپ کرلیتے ہو جسے قوی پاتے ہو اسے چھوڑ دیتے ہو تمہارے خیالات لذیذ کھانوں' عورتوں کی لطافتوں' کپڑوں اور مکانوں کے حسن و خوبی کے لئے وقف ہو کر رہ گئے ہیں تم نے کبھی اللہ کی طرف توجہ نہیں کی تم اس کا اپنی حکایتوں کے بیان کے وقت صرف زبان سے ذکر کرتے ہو یعنی تم صرف اللہ کا نام لینے سے زمانے میں انقلاب لانا چاہتے ہو تم کہتے ہو کہ اللہ اس پر قادر ہے اور تمہاری اس سے یہ مراد ہوتی ہے کہ اس طرح زمانے میں انقلاب آجائے گا میں فوجیوں سے کہتا ہوں اے فوجیو اللہ نے تمہیں جہاد کے لئے باہر نکالا تھا تاکہ تم کلمہ حق کو ظاہر کرو اور شرک اور اہل شرک کو دباؤ تم نے رباط الخیل اور اسلحہ بندی کو اپنا ذریعہ معاش بنالیا اور تم جہاد کے قصد اور نیت کے بغیر زیادہ سے زیادہ دولت حاصل کرتے ہو تم شراب اور بھنگ پیتے ہو تم نے ڈاڑھیاں منڈوا رکھی ہیں مونچھیں بڑھائی ہیں لوگوں پر ظلم کرتے ہو اور جہاں سے بھی مل جاتا ہے بے پرواہ ہو کر کھاتے ہو خدا کی قسم تم عنقریب اللہ کی طرف لوٹو گے پھر اللہ تمہیں بتائے گا تمہارے اعمال تمہارے بارے میں اللہ چاہتا ہے کہ تم نمازیوں میں سے جو صالحین ہیں ان کی طرح لباس پہنو' ڈاڑھیاں بڑھاؤ' مونچھیں کٹواؤ' پانچ وقت کی نماز پڑھو لوگوں کے معاملے کے بارے میں اللہ سے ڈرو جنگ و قتال اور مصیبت میں صبر کرو نمازوں میں جو رخصتیں ہیں جیسے قصر' جمع' سنتوں کا ترک اور تیمم' ان پر مضبوطی سے عمل کرو' فرائض پر سختی سے جمے رہو۔ اپنی نیتوں کو اچھا کرو' تمہارا پروردگار تمہارے خاندان کو برکت دے گا اور تم کو تمہارے دشمنوں پر فتح دے گا میں دست کاروں اور حرفہ پیشہ والوں سے کہتا ہوں تمہاری امانتیں ضائع ہو گئیں تم نے اپنے پروردگار کی عبادت سے انحراف کیا اور اس کے ساتھ دوسروں کو شریک بنایا تم نے اپنے شیطانوں کے لئے جانوروں کی قربانیاں دیں اور شاہ مدار اور سالار غازی کے مزاروں پر حج کئے تمہاری یہ حرکات کتنی بری ہیں تم میں سے کافی لوگوں کے پاس زیادہ مال اور آمدنی نہیں ہے لیکن تم اپنے لباس' زینت و آرائش اور کھانے میں تکلف کرتے ہو اور ان کی آمدنی ان چیزوں کے لئے کافی نہیں ہوتی چنانچہ اس وجہ سے تمہاری عورتوں کے حقوق پورے نہیں ہوتے تم میں سے بہت سے ایسے ہیں جو شراب پیتے ہیں اور فواحش کا ارتکاب کرتے ہیں اس سے ان کی معاش دنیوی بھی ضائع ہوتی ہے اور آخرت بھی۔ اللہ نے یقیناً تمہارے لئے اتنی روزی فراہم کردی ہے کہ اگر تم میانہ روی اختیار کرو تو وہ تمہارے لئے اور ان کے لئے جن کے تم پر حقوق ہیں کافی ہو اور آخرت کے زاد راہ کے لئے بھی کافی ہو تم نے اپنے پروردگار کی نعمت کی ناشکری کی اور بری تدبیر کو اختیار کیا تم جہنم کے عذاب سے نہیں ڈرتے اور وہ بہت ہی برا ٹھکانہ ہے اپنی صبحیں اور شامیں اللہ تعالیٰ کے ذکر میں' پورا دن اپنے حرفے اور پیشے میں اور

راتیں اپنی بیویوں کے ساتھ صرف کرو آمدنی سے کم خرچ کرو اور اس طرح جو بچے اس سے غریب الوطن اور محتاج کی مدد کرو کچھ آنے والی آفات اور ضرورتوں کے لئے بچا کر رکھو اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو یہ تمہاری غلط تدبیر ہو گی میں مسلمان جماعتوں سے بحیثیت مجموعی ایک بات کہتا ہوں اے بنی آدم کے گروہو تمہارے اخلاق میں فتور آگیا ہے تم پر بخل اور کنجوسی نے غلبہ پالیا ہے شیطان کا تم پر تسلط ہو گیا ہے عورتیں مردوں کے سر ہو گئی ہیں اور مرد عورتوں کو حقیر سمجھتے ہیں تم حرام کو اچھا سمجھتے ہو اور حلال کو برا' میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اللہ ایک آدمی کو ایسی چیزوں کا مکلف بناتا ہے جن کی وہ استطاعت رکھتا ہے اپنی جنسی خواہش کی نکاح سے تسکین کرو خواہ تمہیں ایک سے زیادہ بیویاں کرنا پڑیں۔ اپنے کھانے پینے اور لباس میں ایسا تکلف نہ کرو کہ تم ان کے مصارف کا بار نہ اٹھا سکو۔ اپنی بیوی کو معلق بنا کر نہ چھوڑو اپنے اوپر چیزوں کو تنگ نہ کرو کیونکہ اگر تم ایسا کرو گے تو تمہارے نفوس فسق و فجور کی طرف مائل ہوں گے اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے کہ اس کی عطا کردہ رخصتوں پر اس طرح عمل ہو جیسے اس کی مقرر کردہ عزیمتوں پر اپنے پیٹوں کی خواہش کا مداوا کھانوں سے کرو اور اتنا کماؤ جو تمہارے لئے کافی ہو لوگوں پر بار نہ بنو کہ ان سے مانگتے رہو اور وہ تمہیں کچھ دینے سے انکار کر دیں اسی طرح خلفاء و امراء پر بار نہ بنو تمہارے لئے اچھی بات یہ ہے کہ اپنے ہاتھوں سے کماؤ اس سے مستثنیٰ صرف وہ بندہ ہو سکتا ہے جسے اللہ نے یہ الہام کیا ہو کہ اللہ اس کے لئے کافی ہے اور اسے وہ فقر و فاقہ سے محفوظ رکھے اے بنی آدم کے گروہو جسے رہنے کے لئے مسکن' پیاس بجھانے کے لئے پانی' پیٹ بھرنے کے لئے کھانا' تن ڈھانپنے کے لئے کپڑا' جنسی ضروریات کے لئے بیوی جو معیشت میں اس کی مددگار و معاون ہو' میسر آجائے تو اسے اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔[1]

شاہ ولی اللہ نے مذہبی' سیاسی' سماجی' معاشرتی' اخلاقی تنزل کے عوامل کی نہ صرف نشاندہی کی بلکہ ان کے موثر علاج اور حل کے لئے اقدامات تجویز کئے اور مدرسہ رحیمیہ میں ہزاروں تشنگان علم کی پیاس بجھائی حالات کے مارے ہوئے بیماروں کو روحانی اور اخلاقی شفاء دی اور ہر موضوع پر بہترین کتب تصنیف و تالیف کیں۔ امت مسلمہ کے درمیان پائے جانے والے اختلافات کی خلیج کم کرنے کی کوشش کی۔ عملی لحاظ سے بھی اور تصانیف کے حوالے سے بھی اس طرح شاہ صاحب نے امت مسلمہ کی بہترین خدمت کی اس کے ساتھ ساتھ شاہ صاحب نے صالح متقی مومنین کی ایک ایسی جماعت تیار کی جن کے ذریعے اس زوال پذیر ہندوستانی معاشرے میں اسلامی انقلاب کو از سر نو منظم کیا جاسکے شاہ عبدالعزیز فرماتے ہیں۔

"حضرت والد ماجد نے ہر فن میں ایک آدمی تیار کیا تھا اور اس فن کے طالب علم کو اس کے سپرد کرتے تھے اور خود معارف گوئی اور معارف نویسی میں مشغول رہتے تھے اور حدیث شریف پڑھایا کرتے تھے مراقبہ کے بعد جو کشف ہوتا تھا لکھ لیتے تھے باوجود محنت شاقہ بہت کم بیمار ہوتے تھے"[2]

---

[1] ارمغان شاہ ولی اللہ' ص 356 [2] ملفوظات شاہ عبدالعزیز' ص 96

شاہ صاحب نے سلطنت مغلیہ کی زبوں حالی اور مسلمانوں کی کسمپرسی دیکھ کر احمد شاہ ابدالی کو خط کے ذریعے ہندوستان کے مسلمانوں اور مغلیہ سلطنت کو مرہٹوں' سکھوں اور جاٹوں کے ظلم و ستم سے بچانے کی خاطر ہندوستان آنے کی دعوت دی اور اس مکتوب میں آیات قرآنیہ اور حدیث نبوی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا حوالہ دے کر اسلامی غیرت و حمیت کے تقاضوں کے تحت مسلمانوں کے مال و متاع سے باز رہنے کی تلقین کی اور نادر شاہ کے حملے کے تحت ہونے والی غارتگری سے آگاہ کیا کہ اس طرح نہ ہو۔ چنانچہ احمد شاہ ابدالی نے ہندوستان پر سات حملے کئے اور پانی پت کے میدان میں برصغیر کی سرکش اور مسلمانوں کی بدترین دشمن مرہٹہ قوم کو ہمیشہ کے لئے تباہ کر دیا انہیں آئندہ سر اٹھانے کی جرات نہ ہوئی جاٹوں اور سکھوں کی طاقت کو بھی شدید نقصان پہنچا۔[1] شاہ صاحب نے روہیلہ سردار نجیب الدولہ کو بھی خدا اور رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا واسطہ دے کر مسلمانوں کا مال و متاع لوٹنے سے باز رہنے کی تلقین کی۔ اس طرح ہندوستانی عوام مرہٹوں' جاٹوں اور سکھوں کی چیرہ دستیوں سے امان میں آگئے گو کہ ہندوستان کے بگڑے ہوئے حالات کے تحت بدامنی 1867ء کی جنگ آزادی تک جاری رہی۔

اس دور میں علمی انحطاط کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ عام تعلیمیافتہ مسلمان گلستان' بوستان' سکندر نامہ اور شاہنامہ تو پڑھتے اور سمجھتے لیکن قرآن مجید سے جو ہدایات کا سرچشمہ ہے ناواقف رہتے پرانے علماء اور خواص میں سے قرآن مجید اگر کسی نے پڑھا تو ناظرانہ یعنی اس کے مفاہیم و مطالب سے آگاہی ہوتی اور نہ ہی قرآنی تعلیمات کی روح سمجھ میں آتی شہنشاہ جلال الدین محمد اکبر (دین الہی کا بانی) کے دربار میں جب عیسائی مشنریوں (پرتگیزی) اور مسلمان علماء کے درمیان مباحثے ہوئے اور مشنریوں نے (جنہوں نے قرآن مجید کو لاطینی ترجمہ کے ساتھ پڑھا تھا) قرآن کے بعض حصوں پر اعتراضات کئے تب پتہ چلا کہ جن مسلمانوں نے عربی میں بھی قرآن پڑھا تھا انہیں بھی اس کے مضامین اور اندراجات سے پوری طرح واقفیت نہ تھی بعض دفعہ اس طرح ہوتا کہ پادری حضرات قرآن مجید کے کسی بیان پر اعتراض کرتے تو مسلمان کہہ دیتے کہ یہ تو قرآن میں موجود نہیں ہے اور جب قرآن مجید کو کھولا جاتا تو وہ حوالے موجود ہوتے شاہ صاحب کو اس بوالعجبی کا احساس ہوا اور حج سے واپس آنے کے پانچ سال بعد 38_1737ء میں آپ نے فارسی زبان میں قرآن مجید کا ترجمہ کیا۔[2] اس کی علماء نے پرزور مخالفت کی اور اسے بدعت قرار دیا گیا شاہ صاحب کے بارے میں نازیبا کلمات ادا کئے گئے آپ کو تنگ کیا گیا بعض سوانح نگاروں کے مطابق اس

---

[1] (1) تذکرہ شاہ ولی اللہ' ص 78 (2) اصول فقہ اور شاہ ولی اللہ' ص 8 (3) فتوحات و مہمات احمد شاہ ابدالی' از' ڈاکٹر گنڈا سنگھ' مترجم' سید رئیس احمد جعفری' ایچ ایم سعید کمپنی' کراچی' اگست 1977ء ص 149۔ (4) احمد شاہ درانی' از' سید نصیر احمد' سنگ میل پبلیکیشنز لاہور 1986ء ص 88

[2] (1) رود کوثر' ص 552 (2) تذکرہ شاہ ولی اللہ' ص 250 (3) اصول فقہ اور شاہ ولی اللہ ص 65

مخالفت کی وجہ سے شاہ صاحب کی زندگی خطرے میں پڑ گئی انہیں کچھ عرصہ کے لئے دہلی سے جانا پڑا[1] شاہ صاحب نے لوگوں کو سمجھایا کہ قرآن کی تعلیمات پر احسن انداز میں اسی صورت میں عمل کیا جاسکتا ہے جب آیات کے ظاہری و باطنی مفہوم سے آگاہی ہو اور سوائے چند لوگوں کے لوگ قرآن کو اس کے ظاہری معنی سے بھی نہیں سمجھ سکتے چنانچہ فارسی ترجمہ اس لئے ضروری ہے کہ عام لوگ قرآن کی آیات کے مطالب سمجھ سکیں اور ان کے مطابق اپنی زندگیاں بسر کریں جب آہستہ آہستہ لوگوں کی آنکھوں سے مخالفت اور لاعلمی کے پردے اٹھے تو انہیں اس ترجمے کی افادیت کا پتہ چلا اس طرح شاہ صاحب نے اس دور تنزل میں قرآن کی تعلیمات کو لوگوں کے لئے قابل عمل بنانے میں اہم کردار ادا کیا شاہ صاحب کی دیگر تصانیف کا ذکر ادبی خدمات کے ضمن میں آئے گا۔ شاہ ولی اللہ کے نامور تلامذہ کی فہرست بہت طویل اور روشن ہے۔ شاہ صاحب نے مدرسہ رحیمیہ اور اپنی تصانیف کے ذریعے مسلمانان برصغیر کو خواب غفلت سے بیدار کرنے کی پوری کوشش کی اس جدوجہد میں آپ کی مخالفت کی گئی آپ کو تکالیف پہنچانے کی کوششیں کی گئیں آپ پر کفر کے فتوے لگائے گئے لیکن آپ نے ان تمام حالات کا بڑی پامردی سے مقابلہ کیا اپنا مشن جاری رکھا ایک روایت کے مطابق دشمنوں کی کینہ جوئی کی بناء پر نجف علی خان نے آپ کے ہاتھ اتروا دیئے تاکہ آپ تصنیف و تالیف کا سلسلہ جاری نہ رکھ سکیں لیکن آپ نے مسلسل اپنے کام کو جاری رکھا اور اپنے نصب العین کے حصول کے لئے تادم مرگ کوشاں رہے[2] صوفیانہ اشعار زیادہ نہیں کہتے تھے مگر کبھی کبھی۔[3] شاہ صاحب امین تخلص کرتے تھے[4]

چند روز کی خفیف سی بیماری میں مبتلا ہو کر آپ نے 29 محرم الحرام 1176ھ میں سفر آخرت اختیار کیا اور شاہجہان آباد سے جنوب میں میردرد روڈ بمقام مہندیوں میں قبرستان کے اندر اپنے والد بزرگوار جناب شیخ

---

[1] (1) مسلمانوں کا نظام تعلیم، ص 184 (2) تذکرہ شہید، ص 31 (3) حیات طیبہ، از، مرزا حیرت دہلوی، اسلامی پبلشنگ کمپنی، لاہور، ص 31 (4) تاریخ پاک و ہند ص 131 (5) مسلمانوں کے سیاسی افکار، ص 212 (6) تاریخ مذاہب، ص 434 (7) اردو انسائیکلوپیڈیا، ص 634 (8) تاریخ مذاہب ص 434 (9) حقیقت اجتہاد بنظر حضرت شاہ ولی اللہ، از، منور حسین لاہور 1969ء ص 7 [2] ملفوظات شاہ عبدالعزیز، ص 100 [3] (1) دلی کے بائیس خواجہ، ص 245 (2) اقبال ریویو، جنوری 1967ء ص 141 (3) حجۃ اللہ البالغہ، جلد اول، ص 11 (پیش لفظ از مترجم) (4) اقبال اور علمائے پاک وہند، ص 144 (5) رود کوثر، ص 673

عبدالرحیم دہلوی کی بغل میں اس آفتاب علم و فضل کو سپرد خاک کر دیا گیا۔[1] شاہ عبدالعزیز کے مطابق شاہ صاحب نے 29 محرم الحرام بوقت ظہر یا 12 محرم وقت سحر 1176ھ / 1762ء کو وفات پائی وفات کی تاریخ "امام اعظم" دوسرا مادہ تاریخ "ہائے دل روز گار رفت" ہے ملفوظات شاہ عبدالعزیز ص 95)

---

[1] (1) حدائق الحنفیہ، ص 467 (2) شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک ص 31 (3) حیات طیبہ، ص 39 (4) تذکرہ شاہ ولی اللہ، ص 262 (5) دلی کے بائیس خواجہ، ص 244 (6) تاریخ پاک و ہند، ص 132 (7) تقویم تاریخی، مرتبہ، عبدالقدوس ہاشمی، اسلام آباد 1987ء، ص 294 (اس میں وفات دو شنبہ ربیع الاول 1176ھ / 20 ستمبر 1762ء بیان کی گئی ہے) (8) مسلمانوں کے سیاسی افکار، از، پروفیسر خورشید احمد، ص 212 (9) علماء ہند کا شاندار ماضی، جلد دوم، ص 38 (10) رود کوثر، 551

(11) اقبال اور علمائے پاک و ہند، ص 145 (12) حیات طیبہ، ص 39 (13) حضرت شاہ ولی اللہ، ص 176 (14) تاریخ التفسیر، از، عبدالصمد صارم الازہری، مکتبہ معین الادب، اردو بازار لاہور، 1982ء ص 37 (5) حیات مولانا شاہ ولی اللہ، ص 18 (16) سید احمد شہید" از، غلام رسول مہر، لاہور، 1981ء ص 54 (30 محرم 1176ھ / 21 اگست 1762ء) (17) علم حدیث میں پاک و ہند کا حصہ، ص 194 (29 محرم 1176ھ / جولائی 1762ء وفات درج ہے)

18. Encyclopaedia of Islam, Vol. II, P. 254
19. Encyclopaedia New Britannica, Vol. X, P. 521
20. Hundred Great Muslims, P. 298
21. Historia Religionum, Vol. II, P. 191
22. Life of Shah Walliullah, P. 42

تذکرہ علمائے حق، ص 198 بدھ بوقت ظہر 29 محرم 1176ھ بمطابق 20 اگست 1762ء

شاہ ولی اللہ نے دہلی میں مندرجہ ذیل بادشاہوں کا دور دیکھا۔

(1) اورنگ زیب عالمگیر محی الدین — 11 ذی قعدہ 1068ھ تا 28 ذی قعدہ 1118ھ
2 جون 1658ء تا 4 فروری 1707ء

(2) شاہ عالم بہادر شاہ اول — ذی الحج 1118ھ تا 21 محرم 1124ھ
8 مارچ 1707ء تا 1712ء

(3) معز الدین جاندار شاہ — 1124ھ تا 8 محرم 1125ھ
8 اپریل 1712ء تا 1713ء

(4) فرخ سیر 1125ھ تا 8 ربیع الثانی 1131ھ
1713ء تا 1719ء

(5) رفیع الدرجات — 9 ربیع الثانی 1131ھ تا 20 رجب 1131ھ
21 فروری 1719ء تا 1719ء

(6) رفیع الدولہ — 20 رجب 1131ھ تا 17 ذی قعدہ 1131ھ
20 مئی 1719ء تا 1719ء

(7) محمد شاہ 1131ھ تا 29 ربیع الثانی 1161ھ
15 ستمبر 1719ء تا 1748ء

(8) احمد شاہ 2 جمادی الاول 1161ھ تا 27 شوال 1167ھ
29 اپریل 1748ء تا 1754ء

(9) عالمگیر ثانی — 10 شعبان 1167ھ تا 8 ربیع الثانی 1173ھ
24 مئی 1754ء تا 1759ء

(10) شاہجہاں ثالث — 20 ربیع الثانی 1173ھ تا 1173ھ
22 نومبر 1759ء تا دسمبر 1759ء

(11) شاہ عالم ثانی — 14 جمادی الاول 1173ھ تا 7 رمضان 1221ھ
21 دسمبر 1759ء تا 1808ء [1]

---

[1] تقویم تاریخی، ص 267، 280، 281، 282، 283، 291، 292، 294 (ان تواریخ میں اختلاف پایا جاتا ہے)

شاہ صاحب کی تصانیف: یہ امر قابل ذکر ہے کہ ایک کتاب میں صرف ایک عنوان Topic زیر بحث نہیں ہے بلکہ ایک کتاب کئی عنوانات اور مباحث علوم و فنون پر مشتمل ہے

شاہ ولی اللہ کی تصانیف کی تعداد سینکڑوں تک پہنچتی ہے لیکن اس دنیائے رنگ و بو کی گردش حالات نے جو کتب ہم تک پہنچائی ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں

قرآن:

(1) فتح الرحمٰن فی ترجمۃ القرآن — فارسی
(2) مقدمہ فی قوانین الترجمہ — فارسی
(3) الفوز الکبیر مع فتح الخبیر — عربی و فارسی
(4) تاویل الاحادیث — عربی

حدیث:

(5) الدر الثمین فی مبشرات النبی الامین — عربی — آثار المحدثین (مخطوطہ کتب خانہ آصفیہ)
(6) المسوّیٰ شرح موطا امام مالکؒ — عربی
(7) المصفّیٰ شرح موطا امام مالکؒ — فارسی
(8) اربعون احادیث مسلسلات بالاشراف فی غالب سندھا — عربی
(9) الفضل المبین فی المسلسل من حدیث النبی الامین — عربی
(10) النوادر من احادیث سید الاول والاخر — عربی
(11) الارشاد الی مہمات علم الاسناد — عربی
(12) تراجم البخاری شرح تراجم ابواب البخاری — عربی

فقہ و کلام و عقائد و تصوف:

(13) حجۃ اللہ البالغہ — عربی
(14) البدور البازغہ — عربی
(15) قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین — فارسی
(16) العقیدۃ الحسنۃ — فارسی
(17) عقد الجید فی احکام الاجتہاد والتقلید — عربی
(18) الانصاف فی بیان سبب الاختلاف — عربی
(19) القول الجمیل — عربی
(20) فیوض الحرمین — عربی
(21) الخیر الکثیر — عربی
(22) السر المکتوم فی اسباب تدوین العلوم — عربی

(23) القالۃ الوضیۃ فی النصیحۃ والوصیۃ	(وصیت نامہ)
(24) تفہیمات الٰہیہ	عربی و فارسی
(25) ہمعات	فارسی
(26) سطعات	فارسی
(27) لمعات	فارسی
(28) لمحات	فارسی
(29) الطاف القدس	فارسی
(30) ہوامع شرح حزب البحر	فارسی
(31) شفاء القلوب	فارسی
(32) کشف الغین فی شرح الرباعیتین	فارسی
(33) زہراوین	فارسی
(34) فیصلہ وحدت الوجود والشہود	فارسی
(35) الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ واسانید وارثی رسول اللہ	فارسی

سیر و سوانح

(36) ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء	فارسی
(37) انفاس العارفین (اس مجموعہ میں سات کتب شامل ہیں)	فارسی
(38) سرور المحزون	فارسی

مکتوبات

(39) مکتوبات مع مناقب امام البخاری و ابن تیمیہ	فارسی
(40) مکتوب العارف مع ضمیمہ مکتوب ثلاثہ	فارسی
(41) مکتوبات مشمولہ کلمات طیبات	فارسی
(42) مکتوبات عربی (مندرج حیات ولی)	عربی
(43) شاہ صاحب کے سیاسی مکتوبات مرتبہ خلیق احمد نظامی	فارسی

صرف

(44) نظم صرف میر	فارسی

قصائد

(45) اطیب النغم فی مدح سید العرب والعجم	عربی

دیوان

(46) دیوان اشعار عربی	عربی

1. A History of the Freedom Movement, Vol. I, P. 507
2. Life of Shah Walliullah, P. 32, 42, 52
3. Hundred Great Muslims, P. 299
4. Historia Religionum, Vol. II, P. 191
5. Encyclopaedia of Islam, Vol. II, P. 254

(6) حدائق الحنفیہ، ص 467
(7) علم حدیث میں پاک و ہند کا حصہ ص 97-194
(8) اصول فقہ اور شاہ ولی اللہ، ص 65 تا 76
(9) متعلقات خطبات اقبال، ص 143
(10) تاریخ پاک و ہند، ص 132
(11) فقہ اسلامی، ص 138
(12) مسلمانوں کے سیاسی افکار، 213
(13) معارف، ستمبر 1968ء ص 3
(14) قرآن مجید کے اردو تراجم مع مختصر تاریخ القرآن و تراجم القرآن، ص 42
(15) رود کوثر، ص 57+552
(16) سیرت سید احمد شہید، جلد اول، ص 48
(17) اقبال اور علمائے پاک و ہند، ص 139 (i) الفوز الکبیر، ص 111-84
(18) تاریخ التفسیر، ص 37
(19) تاریخ مذاہب، ص 439
(20) افادات حضرت شاہ ولی اللہ، از صدر الدین اصلاحی، ص 6
(21) معارف، لاہور، ستمبر 1971ء، ص 34
(22) اردو انسائیکلوپیڈیا، ص 634
(23) فارسی ادب کی مختصر ترین تاریخ، ص 220

شاہ صاحب کی تصانیف میں بہت کم تعداد کے بارے میں صحیح تاریخ تصنیف کا پتہ چلتا ہے

فتح الخبیر 1150/1737 تا 1156/1743 کے درمیان لکھا گیا۔

القول الجمیل، ڈاکٹر مظہر بقا کے بقول حرمین شریفین سے واپسی پر لکھی گئی جبکہ غلام حسین جلبانی کے مطابق یہ سفر حرمین شریفین سے قبل کی تصنیف ہے[1]

قصیدہ الیب النغم 1156-57/1743-44 کی تصنیف ہے

قصیدہ ہمزیہ 1157/1744 کی تصنیف ہے

الخیر الکثیر 1152/1739 تا 1160/1747 کے درمیان لکھی گئی

قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین 1170/1756 کے قریب کی تصنیف ہے

ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء 1170/1756 کی تصنیف ہے

المسوّٰی شرح موطا امام مالک 1179/1765 کی تصنیف ہے

قصیدہ Lamiyah 1143/1730 ۔ 1143 سے قبل لکھا گیا

فتح الرحمان 1150/1737 کے قریب تیار ہوا اور چھ سال بعد 1156/1743 میں اس کی اشاعت ہوئی

لمعات 1148/1735 میں تصنیف کی گئی اور ایک سن تصنیف 1162/1749 ہے۔

لمعات، لمحات، سطعات، ہوامع، اور الطاف القدس 1150/1737 تا 1160/1747 کے درمیان کی تصانیف ہیں

الجزء اللطیف 1160/1747 کے قریب کی تصنیف ہے

حجۃ اللہ البالغہ 1163/1769 کے قریب کی تصنیف ہے

تفہیمات الٰہیہ حجۃ اللہ البالغہ کے بعد کی تصنیف ہے

السر المکتوم 1166/1753 کے بعد کی تصنیف ہے

العقیدۃ الحسنۃ اور الامداد فی ماثر الاجداد 1166/1763 کے بعد کی تصانیف ہیں

---

[1] (1) اصول فقہ اور شاہ ولی اللہ، از ڈاکٹر مظہر بقا، ص 88

2. Life of Shah Walliullah, P. 32

شاہ صاحب کی طرف منسوب کتابیں

مندرجہ ذیل کتب کو شاہ صاحب کی طرف منسوب کیا جاتا ہے ان کے بارے میں محققین کی رائے ہے کہ انہیں مفاد پرست گروہوں نے شاہ صاحب کی مقبولیت کے پیش نظر اپنے ذاتی و گروہی مفادات حاصل کرنے کی خاطر خود لکھ کر شاہ صاحب کی طرف منسوب کیا

(1) قرۃ العینین فی ابطال شہادۃ الحسین (2) البلاغ المبین (3) تحفۃ الموحدین (4) الجنۃ العالیہ فی مناقب المعاویہ (5) اشارہ مستمرہ (6) قول سدید (7) قول جلی (8) رسالہ اوائل

بعض رسائل کو بھی شاہ صاحب کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اور بعض کتب مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب اور مولانا شاہ عبدالقادر کی طرف بھی منسوب کی جاتی ہیں جو حقیقت میں ان کی تصانیف نہیں ہیں[1]

شاہ ولی اللہ کی اولاد: شاہ صاحب کی طرح ان کی اولاد نے بھی علم و عرفان کے چراغ جلائے اور اس دنیائے رنگ و بو کے ظلمت کدوں کو علم کے نور سے روشن کیا اور خلق خدا کی صراط مستقیم کی طرف راہنمائی کی انہوں نے قابل قدر تصنیفات و تالیفات کیں شاہ ولی اللہ کے نام کو اور بلند کر دیا شاہ صاحب نے اپنی اولاد کی علمی و مذہبی خدمات کے بارے میں پہلے ہی پیشین گوئی کر دی تھی جو تفہیمات الٰہیہ میں درج ہے۔

این فقیر را آگاہانیدند کہ در طبقہ فقیر و طبقہ کہ بعد از دے باشد علوم ظاہرہ ظہور نمایند و در طبقہ ثالثہ علوم باطنہ، مراد ایں جا از طبقہ ثانیہ اولاد است و از طبقہ ثالثہ احفاد یا اولاد صغار کہ بمنزلہ احفاد باشد،

و مراد ایں جا شیوع علوم ایشانست و ظہور امر ایشاں و مراد از علوم ظاہرہ کتاب و سنت است و از علوم باطنہ علومے کہ بلطائف خفیہ تعلق دارند از حجر بحث و انانیت کبری انتہی۔

ترجمہ: مجھے آگاہ کیا گیا ہے کہ میرے طبقے اور میرے بعد کے آنے والے طبقے سے علوم ظاہری ظاہر

---

[1] (1) اصول فقہ اور شاہ ولی اللہ ص 74-75 Life of Shah Walliyullah, p. 41 (2) (3) شاہ ولی اللہ اور ان کا خاندان، ص 57 تا 61

ہوں گے اور تیسرے طبقے سے علوم باطنی کا ظہور ہوگا یہاں دوسرے طبقے سے مراد اولاد ہے اور تیسرے طبقے سے مراد پوتے ہیں یا چھوٹے بیٹے ہیں، جو بمنزلہ پوتوں کے ہیں اور اشاعت سے مراد ان کے علوم کی اشاعت اور ان کے امر کا ظہور ہے اور علوم ظاہرہ سے مراد کتاب و سنت ہے اور علوم باطنی سے مراد وہ علوم ہیں جن کا تعلق لطائف خفیہ سے ہے مثلاً تجرمحت اور انانیت کبریٰ۔

شاہ ولی اللہ کی پہلی شادی چودہ سال کی عمر میں 1128ھ / 1715ء میں ان کے ماموں شیخ عبید اللہ پھلتی کی صاحبزادی فاطمہ سے ہوئی جس سے ایک فرزند پیدا ہوا جن کا نام شیخ محمد رکھا گیا ان کی وجہ سے کئی مقامات پر شاہ ولی اللہ کی کنیت "ابو محمد" ذکر کی گئی ہے "الارشاد الی مہمات الاسناد" میں شاہ ولی اللہ کی کنیت "ابو محمد" درج ہے انہوں نے شاہ ولی اللہ سے تعلیم حاصل کی مستقل قیام دہلی میں رہا کچھ عرصہ لکھنؤ بھی گئے آپ کو دینی علوم میں خصوصاً قراءت میں کافی مہارت حاصل تھی آپ نے مدرسہ رحیمیہ میں تدریس کے فرائض بھی انجام دیے۔ آپ ولی کامل تھے اور جذب غالب تھا مولوی نصر اللہ کے مطابق ایک دفعہ آپ دہلی میں جا رہے تھے کہ آپ نے ایک برہنہ مجذوب کو دیکھا جس سے آپ متردد ہوئے اس فقیر نے کہا کہ آج میرا دل چاہتا ہے کہ کسی بڑے مولوی پر سواری کروں آپ نے کہا میرا دل چاہتا ہے کہ کسی بڑے فقیر کا گوشت کھاؤں مجذوب نے جواب دیا کہ اے مولوی آدمی کا گوشت کھانا ٹھیک نہیں وہ بھی ایک فقیر کا۔ آپ نے جواب دیا کہ پھر آدمی پر سوار ہونا کیا ٹھیک ہے اس فقیر نے جواب دیا کہ سوار ہونے سے مراد اس کو فیض دینا ہے آپ نے کہا گوشت کھانے سے میرا مطلب فیض لینا ہے مجذوب نے کہا بسم اللہ آیئے اس مجذوب نے آپ کو ایک شعر سنایا

کارے نسا ختیم درمیدن گرفت صبح اوجی چراغ خانہ بافسانہ سوختیم

چنانچہ شاہ محمد کو انتہا کا جذب ہوا[1] آپ کے دوسرے بہن بھائی صغر سنی میں وفات پا گئے۔ آپ اپنے ننھیال بھلت میں آخری عمر کے قریب منتقل ہو گئے تھے آپ کے دو صاحبزادے تھے آپ نے 1208ھ / 1794ء کو بڈھانہ میں وفات پائی آپ اور آپ کے صاحبزادوں کے مزارات بڈھانہ کی جامع مسجد کے ساتھ ہیں۔[2]

شیخ محمد علم و طریقت میں یکتا تھے اور حدیث میں بلند مقام رکھتے تھے

شاہ ولی اللہ نے پہلی بیوی کی وفات کے بعد دوسری شادی کی جس سے مندرجہ ذیل اولاد ہوئی

---

[1] (i) نزہتہ الخواطر، جلد 7 ص 422 (ii) شاہ ولی اللہ اور ان کا خاندان، ص 144 بحوالہ مقالات طریقت ص 14

(iii) Life of Shah Waliyullah, p, 7

[2] نزہتہ الخواطر از علامہ عبدالحئی، دائرہ معارف عثمانیہ، حیدر آباد دکن، 1967 جلد ہفتم ص 422

شیخ عبدالعزیز: شاہ ولی اللہ نے 43 سال کی عمر میں سیدہ ارادت بنت سید شاہ اللہ سونی پت سے 1157ھ / 1744ء میں عقد ثانی کیا۔ ان سے چار بیٹے اور ایک بیٹی پیدا ہوئی شاہ عبدالعزیز 1159ھ 1746ء دہلی میں پیدا ہوئے آپ کا لقب "سراج الہند" اور "حجتہ اللہ" ہے آپ کا تاریخی نام "غلام حلیم" ہے۔[1] آپ نے ملفوظات میں اپنا عرف "میتا" بیان کیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ شاہ عبدالعزیز کی ولادت سے پہلے شاہ ولی اللہ کی اولاد صغر سنی میں اللہ کو پیاری ہو جاتی تھی اس لئے ان کو پیدائش کے فوراً بعد مسجد میں اللہ کی نذر کے لئے رکھ دیا گیا جہاں آپ کے خاندان کے معتکف بزرگوں نے اللہ کی طرف سے آپ کو آپ کے والدین کے حوالے کیا

آپ نے پانچ سال کی عمر میں قرآن مجید پڑھنا شروع کیا اور تھوڑی مدت میں قرآن و اسلام کے ابتدائی مسائل و احکام کی تعلیم سے فراغت حاصل کر لی تیرہ برس کی عمر میں کتب درسیات صرف، نحو، فقہ، اصول فقہ، منطق، کلام، عقائد، ہندسہ، ہیئت اور ریاضی وغیرہ میں خاصی مہارت حاصل کر لی تھی شاہ عبدالعزیز صرف علوم نقلیہ کے ہی عالم نہ تھے بلکہ فنون عقلیہ میں بھی آپ کو بڑی دسترس حاصل تھی منقولات کے ساتھ ساتھ آپ نے معقولات کی بھی مشہور و متداول کتابیں باقاعدہ پڑھی تھیں ان میں بھی آپ دوسرے طلباء میں امتیازی حیثیت کے مالک تھے اپنے تینوں بھائیوں کو شاہ عبدالعزیز نے یہ کتابیں خود پڑھائی تھیں شاہ عبدالعزیز اور ان کے بھائی شاہ عبدالقادر بھی اردو زبان سیکھنے کے لئے میر درد کے شاگرد تھے۔[2] آپ عربی، فارسی اور اردو کے علاوہ عبرانی زبان سے بھی واقفیت رکھتے تھے۔[3] آپ تفسیر، حدیث، فقہ، تاریخ، قیافہ، تاویل، مناظرہ، تطبیق مختلف اور تفریق مشتبہ میں یکتائے زمانہ تھے ادب و شاعری کا بلند ذوق رکھتے تھے جب آپ کی عمر سترہ سال ہوئی تو شاہ ولی اللہ وفات پا گئے۔ آپ نے مدرسہ رحیمیہ میں درس و تدریس کا عظیم الشان اور تاریخی سلسلہ شروع کیا آپ کا حافظہ قوی تھا تعبیر خواب میں بڑا ملکہ تھا وعظ خوب فرماتے تھے تمام علماء و فضلاء و فقراء و سلاطین اور امرائے شیعہ و سنی آپ کی مدح و عقیدت میں رطب اللسان تھے صاحب دلائل و براہین تھے[4] آپ نے تمام عمر تدریس و افتاء و فصل خصومات و وعظ و تربیت مریداں اور تکمیل تلمیذاں میں بسر کی اور جاہ و عزت ظاہری کو کمالات باطنی کے ساتھ جمع کیا[5] آپ کے بارے میں صاحب نزہتہ الخواطر رقمطراز ہے۔

---

[1] نزہتہ الخواطر، جلد 7، ص 268 (ii) شاہ ولی اللہ اور ان کا خاندان، ص 150 (iii) ملفوظات شاہ عبدالعزیز، ص 8 (iv) تاریخی مقالات، ص 242 (تاریخ پیدائش 1746ء / 1159 درج ہے)

(ii) Hundred Great Muslims, p, 300

(v) Life of Shah Waliyullah, p, 8

[2] ملفوظات شاہ عبدالعزیز، ص 9-11 [3] ایضاً، ص 27 [4] شاہ عبدالعزیز اور ان کی تعلیمات، مرتبہ، مولانا ظہیر الدین، کلام کمپنی کراچی ص 12 [5] (i) حدائق الحنفیہ، ص 487

"وکان طویل القامۃ نحیف البدن اسمر اللون انجل العینین کث اللحیۃ' وکان یکتب النسخ والرقاع بغایۃ الجودۃ' وکانت لہ مہارۃ فی الرمی والفروسیۃ والموسیقی"۔[1]

حال ہی میں کتب خانہ رامپور سے موسیقی پر ایک مخطوطہ برآمد ہوا ہے کتاب کا نام "سنگیت شاستر" مصنف "شاہ عبدالعزیز دہلوی"۔ اس مخطوطہ کے کاتب اور واحد راوی کا نام منشی کندن لال اشکی ہے جناب عضد الدین خاں صاحب نے معارف (اعظم گڑھ ستمبر1966) میں اس مخطوطہ کا تعارف کرایا ہے اور اس مخطوطہ کی نسبت شاہ محدث کی طرف تسلیم کرلی ہے[2] شاہ عبدالعزیز نے اپنے والد کی وفات کے بعد مسلسل ساٹھ سال تک مدرسہ رحیمیہ میں ہزاروں مسلمانوں کو شریعت و طریقت کی تعلیم دی اور برصغیر میں علوم اسلامی کی شمع فروزاں کی جس سے مسلمانوں کو زوال کے دور میں ڈھارس بندھی اور ان میں سوئے ہوئے مسلم تشخص نے انگڑائی لی چنانچہ مسلمانوں نے عملی میدان میں عظمت رفتہ کو پانے کے لئے جدوجہد کو منظم کرنا شروع کیا شاہ عبدالعزیز سے ایک برہمن نے سوال کیا کہ خدا ہندو ہے یا مسلمان۔ آپ نے جواب دیا کہ جو ہم کہیں اسے خوب سوچو پھر فرمایا کہ اگر خدا ہندو ہوتا تو گئو ہتھیا کبھی نہیں ہوتی یہ سن کر وہ برہمن مسلمان ہو گیا۔[3]

عالم رؤیا میں مولانا صاحب کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی حضوری حاصل ہوئی اور بیعت کرکے فیضیاب ہوئے حضرت علیؓ نے فرمایا کہ فلاں شخص نے ہماری مذمت میں ایک کتاب پشتو زبان میں لکھی ہے اور اس کے باپ کا نام' مقام سکونت' اور کتاب کا نام بھی ظاہر فرمایا آپ نے عرض کیا میں پشتو زبان نہیں جانتا ہوں حضرت امیر المومنین نے فرمایا کوئی مضائقہ نہیں آپ خواب سے بیدار ہوئے تلاش کرنے کے بعد کتاب حاصل کی آپ نے اس کا جواب پشتو زبان میں لکھ کر منتشر کیا۔[4]

ایک شخص نے آپ سے مسئلہ پوچھا کہ طوائف کی نماز جنازہ پڑھنی درست ہے یا نہیں؟ آپ نے فرمایا کہ جو مردان کے آشنا ہیں ان کی نماز جنازہ پڑھتے ہو یا نہیں؟ اس نے عرض کیا ہاں پڑھتے ہیں آپ نے فرمایا تو پھر طوائف کی بھی نماز جنازہ پڑھو۔

---

[1] نزہتہ الخواطر' جلد ہفتم' ص 269 [2] شاہ ولی اللہ اور ان کا خاندان' ص 58 [3] (i) شاہ عبدالعزیز اور ان کی تعلیمات ص 13 ۔ (ii) فارسی ادب کی مختصر ترین تاریخ' ص 220 [4] ایضاً' ص 20

ایک سوداگر کو اپنی بیوی سے بہت محبت تھی گھر سے سفر کے لئے روانہ ہوتے وقت اس نے اپنی بیوی سے کہا کہ اگر تم اپنے باپ کے گھر جاؤ گی تو میری طرف سے تمہیں طلاق ہے جب واپس آیا تو پتہ چلا کہ بیوی باپ کے گھر گئی تھی علمائے وقت سے فتویٰ طلب کیا تو سب نے جواب دیا کہ طلاق ہو گئی وہ شخص بہت مایوس ہو گیا آپ کی عمر اس وقت صرف بارہ سال تھی سوداگر سے فرمایا کہ اگر شیرینی کھلاؤ تو تمہارا نکاح پھر پڑھوا دیں انہوں نے اقرار کیا آپ نے فتویٰ لکھا کہ جب اس عورت کا باپ مرگیا تو اس وقت وہ گھر اس صورت میں وہ گھر اس کے باپ کا نہ رہا بلکہ وہ گھر عورت کا ہو گیا لہٰذا وہ اپنے گھر گئی نہ کہ باپ کے' سب علماء نے پسند و قبول کیا۔[1]

آپ نے اپنی عمر کا بیشتر حصہ احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تحقیق و تدوین اور اشاعت و تبلیغ کے لئے وقف کر رکھا تھا آپ کو آخری عمر میں بہت سے امراض نے گھیر رکھا تھا اور آپ کی بینائی جاتی رہی تھی کثرت امراض کی بناء پر غذا بند کر رکھی تھی لیکن اس وقت بھی آپ دینی و علمی خدمات ادا کرتے تھے آپ نے 7 شوال 1239ھ / 30 مئی 1823ء میں وفات پائی۔[2] آپ کی تصانیف میں تفسیر فتح العزیز بقدر سواتین پارہ قرآن شریف دو مجلد کلاں' تحفہ اثنا عشریہ' بستان المحدثین' سر الشہادتین' عجالہ نافعہ اور فتاویٰ کثیرہ یادگار اور مشہور ہیں۔[3] عزیز الاقتباس فی فضائل اخبار الناس' شرح میزان المنطق' بھی شاہ صاحب کی تصانیف ہیں[4]

مومن نے شاہ صاحب کی وفات پر مرثیہ لکھا اس کا ایک شعر ہے

دست بے داد اجل سے بے سرو پا ہو گئے   فقر و دیں' فضل و ہنر' لطف و کرم' علم و عمل[5]

شاہ صاحب کی شادی مولوی نوراللہ بڈھانوی کی بیٹی سے ہوئی اور ان کے بطن سے تین بیٹیاں پیدا ہوئیں ایک کی شادی مولانا عبدالحئی سے ہوئی دوسری مولوی محمد عیسیٰ فرزند شاہ رفیع الدین اور تیسری شیخ محمد افضل سے بیاہی گئی مولوی محمد یعقوب اور مولوی محمد اسحٰق مہاجر مکی شاہ صاحب کے نواسے تھے' شاہ صاحب کی وفات پر اہل عقیدت نے مولانا محمد اسحٰق کو آپ کا جانشین مقرر کیا انہوں نے چند سال کے بعد 1840ء میں مکہ معظمہ کی طرف ہجرت کی اور وہیں 1846ء میں انتقال فرمایا۔

---

[1] شاہ عبدالعزیز اور ان کی تعلیمات' ص 20 [2] (i) تقویم تاریخی' ص 310 (ii) ملفوظات شاہ عبدالعزیز' ص 30 (iii) حدائق الحنفیہ' ص 488 (iv) تاریخی مقالات' ص 242 (v) نزہتہ الخواطر' جلد ہفتم' ص 268 (vi) رود کوثر (میں 7 شوال 1238ھ / 17 جولائی 1823ء ہے) ص 595
[3] حدائق الحنفیہ' ص 488

[4] ملفوظات شاہ عبدالعزیز' ص 30

[5] (i) تاریخی مقالات' ص 242 (ii) رود کوثر' ص 596 (iii) اردو انسائیکلو پیڈیا' ص 633

شیخ رفیع الدین دھلوی: آپ 1163ھ / 1749ء کو دلی میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم شاہ ولی اللہ سے حاصل کی جب آپ کی عمر تیرہ برس ہوئی تو شاہ ولی اللہ کا انتقال ہو گیا باقی تعلیم شاہ عبدالعزیز اور شیخ محمد عاشق پھلتی سے حاصل کی اور بہت جلد علوم دین و شریعت میں کامل دسترس حاصل کرلی[1] شاہ عبدالعزیز نے جب بڑھاپے، ضعف مزاج اور کثرت امراض کے باعث آخری عمر میں درس و تدریس کا کام بمشکل انجام دیتے تھے تو شاہ رفیع الدین نے درس و تدریس کا کام سنبھال لیا گو کہ اس سے پہلے بھی وہ مدرسہ رحیمیہ میں تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے تھے مگر اب تمام ذمہ داری ان کے کندھوں پر آن پڑی آپ ریاضیات و معقولات میں خاصی مہارت رکھتے تھے[2]

شاہ رفیع الدین محقق منتقن، فقیہ، محدث تھے تالیفات جیدہ کیں جن میں ایسے بہت سے اسرار و رموز کو آشکار کیا جن تک عام ذہن رسائی حاصل نہیں کر سکتا کلمات یسیرہ میں مسائل کثیرہ جمع کیے علم حقائق میں آپ کی کتاب "دفع الباطل فی بعض المسائل الغامضۃ" مشہور و معروف ہے اس کے علاوہ قرآن مجید کا اردو ترجمہ بھی کیا جس پر آپ کی بھی مخالفت کی گئی مقدمۃ العلم اور التکمیل و اسرار المحبہ نامی کتب تصنیف کیں رسالہ عروض[3] رسالہ شق القمر اور رسالہ اردو، راہ نجات وغیرہ یادگار زمانہ ہیں آپ کی اور بہت سی تصنیفات کا ذکر ملتا ہے[4] آپ نے قابل ذکر نعتیہ شاعری کی دو اشعار پیش خدمت ہیں نزہتہ الخواطر میں تفصیل موجود ہے۔

یا احمد المختار یا زین الوری — یا خاتما للرسل یا اعلا کا
یا کاشف الغراء من متنجد — یا منجیا فی الحشر من و الا کا[5]

آپ نے 1238ھ میں وفات پائی "چشمہ فیض" تاریخ وفات ہے[6]

آپ شاہ ولی اللہ کے قرب میں دفن ہوئے (چراغ دہلی از میرزا حیرت دھلوی، اردو اکادمی، دہلی، مارچ 1987ء ص 379 (1818ء/1233ھ) Life Of Shah Waliallah, P.8

---

[1] (i) نزہتہ الخواطر، جلد ہفتم، ص 183
(ii) رود کوثر، ص 596 (iii) حیات مولانا شاہ ولی اللہ، ص 23
(iv) Life of Shah Walliyullah, p 8

[2] (i) ملفوظات شاہ عبدالعزیز ص 40 (ii) تاریخی مقالات، ص 245

[3] (i) حدائق الحنفیہ ص 487 (ii) اردو انسائیکلو پیڈیا، ص 632 (iii) الواح الصنادید، ص 174

[4] نزہتہ الخواطر جلد ہفتم، ص 184

[5] ایضاً، ص 184

[6] (i) حدائق الحنفیہ، ص 487 (ii) شاہ ولی اللہ اور ان کا خاندان، ص 156 (پر 1233ھ وفات درج ہے) (iii) رود کوثر (میں 1233ھ / 18-1817ء درج ہے) ص 596 (iv) تاریخ ہندو پاک ص 132 (پر 1233ھ وفات درج ہے)

شیخ عبدالقادر دھلوی: آپ 1167ھ / 1753ء دہلی میں پیدا ہوئے[1] آپ نے ابتدائی علوم و تربیت شاہ عبدالعزیز سے حاصل کی[2] شیخ عبدالعدل الدھلوی سے طریقت میں راہنمائی حاصل کی۔ علم و عمل، زھد و تواضع اور سلوک و عرفان کی منازل طے کیں۔[3] آپ نے عمر کا بیشتر حصہ مسجد اکبر آبادی دھلی میں درس و تدریس میں گزارا وہیں پر سکونت بھی اختیار کی آپ عالم و فاضل، فقیہ، زاہد عابد خصوصاً تفسیر و حدیث میں یگانہ روزگار، صاحب ورع واتقاء صادق الفراست تھے اپنے والد ماجد کی تفسیر فتح الرحمن کا جو فارسی میں ہے نہایت فصاحت و بلاغت سے اردو میں موضح القرآن نام سے ترجمہ کیا[4]

آپ گوشہ نشین، پرہیزگار، بلند اخلاق، بارعب، صاحب نسبت اور عالم باعمل تھے شاہ عبدالقادر کا کھانا اکبری مسجد میں روزانہ شاہ عبدالعزیز کے گھر سے جاتا تھا وہی اپنے متوکل بھائی کے کپڑے بنا دیتے تھے[5] آپ نے 1242ھ / 1826ء میں وفات پائی[6] آپ کو دفن کرتے وقت "انا لاندفن الانسان بل ندفن العلم والعرفان" کہا گیا[7]

آپ کی ایک صاحبزادی تھی جس کی شادی آپ نے شاہ رفیع الدین کے صاحبزادے شاہ مصطفیٰ سے کردی تھی۔

شاہ عبدالغنی دھلوی: آپ 1171ھ / 1757ء کو پیدا ہوئے آپ نے ابتدائی تعلیم بہت جلد مکمل کرلی اور آٹھ سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کر لیا مدرسہ رحیمیہ میں ہی درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا آپ کی شادی شیخ علاؤ الدین پھلتی کی صاحب زادی فاطمہ سے ہوئی آپ کی دو بیٹیاں اور ایک بیٹا شاہ محمد اسماعیل تھے[8]

---

[1] تاریخی مقالات، ص 246

[2] (i) حدائق الحنفیہ، ص 488 (ii) رود کوثر ص 596

[3] نزہتہ، الخواطر، جلد ہفتم، ص 295

[4] (i) حدائق الحنفیہ، ص 488 (ii) حیات شاہ ولی اللہ، ص 24

[5] تاریخی مقالات، ص 246 بحوالہ امیر الروایات، ص 105

[6] (i) حدائق الحنفیہ ص 488 (ii) شاہ ولی اللہ اور ان کا خاندان (میں تاریخ وفات 1230ھ / 1814ء ہے ص 164 (iii) تاریخی مقالات (میں تاریخ وفات 1230ھ / 1814ء ہے) ص 246 (iv) رود کوثر (15-1814ء / 1230ھ درج ہے ص 96 (v) تاریخ ہندو پاک ص 132 (1230ھ درج ہے) (1815ء / 1230ھ) Life of Shah Walliyullah, p.8.

[7] نزہتہ الخواطر، جلد ہفتم، ص 296

[8] ایضاً ص 296 (i) رود کوثر، ص 597 (ii) الواح الصنادید، ص 193

شاہ عبدالغنی علوم شرعیہ میں مکمل مہارت رکھتے تھے اور آپ نے مدرسہ رحیمیہ میں سینکڑوں تشنگان علم کو معرفت و سلوک کی منازل طے کرائیں آپ صاحب کشف و کرامات اور انتہائی متقی عالم تھے جوانی میں ہی آپ کا انتقال بتیس سال کی عمر میں 1203ھ / 1788ء کو ہوا[1] صاحب نزہتہ الخواطر لکھتے ہیں۔

"ومن عجائب الدھر: انہ کان للشیخ ولی اللہ بن عبدالرحیم الدھلوی اربعۃ ابناء من بطن ارادۃ بنت السید ثناء اللہ: اکبرھم عبدالعزیز ثم رفیع الدین ثم عبدالقادر واصغرھم عبدالغنی والدا لشیخ اسماعیل شہید، فمات اصغرھم عبدالغنی اولا ثم عبدالقادر ثم رفیع الدین ثم اکبرھم عبدا لعزیز، وکانوا کلھم من اجلاء العصر علماء وعملا وافادۃ وافاضۃ الا الشیخ عبدالغنی فانہ توفی فی عنفوان شبابہ، فوفق اللہ سبحانہ ولدہ اسماعیل المذکور ان یتدارک مافات والدہ"۔[2]

شاہ عبدالعزیز ملفوظات میں لکھتے ہیں۔ "میرے بھائیوں کی وفات میں ترتیب معکوس واقع ہوئی سب سے پہلے مولوی عبدالغنی صاحب کا انتقال ہوا جو سب سے چھوٹے تھے اس کے بعد عبدالقادر کا انتقال ہوا اس کے بعد مولوی رفیع الدین صاحب کا جو ان سے بڑے تھے حالانکہ میں سب سے بڑا ہوں اب میری باری ہے"[3]

شاہ صاحب نے وفات سے پہلے باضابطہ طور پر اپنے چاروں صاحبزادوں کو اپنا خلیفہ بنایا تھا[4] شاہ ولی اللہ کے پانچوں بیٹوں کے بعد، علم و عرفان کی جو شمع انہوں نے فروزاں کی تھی شاہ ولی اللہ کے پوتوں، نواسوں، اخلاف، مریدین اور شاگردوں نے اس شمع کو بجھنے نہیں دیا[5] برصغیر پاک و ہند میں اسلامی تشخص کو بیدار کرنے، بدعات کو ختم کرنے، اسلامی عظمت رفتہ کو بحال کرنے اور ظالم و ذلیل انگریز حکمرانوں کے خلاف جہاد کے ساتھ ساتھ ہندوؤں کی مذہبی، معاشرتی، سیاسی یلغار کا مقابلہ کرنے کے لئے سرفروشان اسلام نے شاہ ولی اللہ کی آفاقی فکر کے تحت انقلاب دہر کی راہ کو اپنا نصب العین بنائے رکھا۔

---

[1] شاہ ولی اللہ اور ان کا خاندان، ص 166 (ii) رود کوثر، ص 597 (iii) تاریخ ہندو پاک، ص 132 (iv) حیات مولانا شاہ ولی اللہ ص 25 [2] نزہتہ الخواطر، جلد ہفتم، ص 296

[3] (i) ملفوظات شاہ عبدالعزیز ص 153

(ii) A History of The Freedom Movement. Vol. I, P. 508

[4] تذکرہ شاہ ولی اللہ، از، مناظر احسن گیلانی ص 293 [5] موج کوثر، از شیخ اکرام، ادارہ ثقافت اسلامیہ، کلب روڈ لاہور، 1979ء، ص 35

(ii) Historia Religionum, Vol. II, P. 191

مدرسہ رحیمیہ

برصغیر کے سیاسی مد و جزر میں مدرسہ رحیمیہ کی خدمات ناقابل فراموش ہیں یہاں سے ہزاروں تشنگان علم نے اپنی پیاس بجھائی اور برصغیر کی سیاست پر اثر انداز ہونے والی کئی تحریکوں نے بالواسطہ جنم لیا یہاں کے فارغ التحصیل علماء و مشائخ اور دین حق کے سرفروشوں نے برصغیر میں اسلامی نشاۃ ثانیہ کے لئے بھرپور جدوجہد کی اور تاریخی کردار ادا کیا

شاہ عبدالرحیم نے آبائی پیشے سپاہ گری کی بجائے درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا آپ فتاویٰ عالمگیری کے مؤلفین میں بھی شامل رہے یہ شمولیت والدہ کے اصرار کے باعث تھی آپ نے شہنشاہ اورنگزیب عالمگیر کے عہد میں دہلی کے محلہ "مہندیوں" میں اپنے گھر میں مدرسہ کی بنیاد رکھی اور یہ مدرسہ اپنے بانی کے نام سے مدرسہ رحیمیہ مشہور ہوا شاہ عبدالرحیم نے برصغیر میں اسلامی حکومت کے زوال کے دور میں مسلمانان ہند کے لئے دینی و علمی خدمات انجام دیں آپ کو دور عالمگیری کی علمی و دینی شخصیات میں ممتاز مقام حاصل ہے آپ کو تفسیر حدیث اور فقہ میں خاصی مہارت حاصل تھی آپ نے جب 1131ھ / 1719ء کو سفر آخرت اختیار کیا تو شاہ ولی اللہ نے سترہ برس کی عمر میں مدرسہ میں علوم نقلیہ و عقلیہ کی تدریس شروع کی اور مسلسل بارہ سال تک آپ علم و عمل کو عام کرتے رہے[1] تفسیر، حدیث، فقہ، تصوف اور فلسفہ میں اپنی خصوصی مہارت کے سبب آپ نے اتنی تاریخی دینی و علمی خدمات انجام دیں کہ مدرسہ رحیمیہ کا شہرہ دور دور تک پہنچا اور برصغیر کے دور دراز علاقوں سے بھی طالب علم مدرسہ میں تحصیل علم کے لئے آنے لگے۔ شاہ ولی اللہ 1143ھ کو سفر حرمین شریفین پر روانہ ہوئے اور 14 رجب 1145ھ کو حرمین شریفین کے جید و ممتاز علمائے دین سے علم و عرفان کی منازل طے کر کے واپس وطن تشریف لائے اس سفر سے شاہ ولی اللہ کی دینی، علمی، سیاسی اور باطنی شخصیت میں مزید نکھار پیدا ہوتا چلا گیا جس سے آپ کے شاگردوں و مریدین نے اکتساب فیض کیا شاہ ولی اللہ کی شخصیت میں ایک اہم پہلو یہ تھا کہ آپ اختلافی مسائل میں تطبیق کرتے تھے لوگوں کو انتشار و فرقہ پرستی اور گروہی جماعت بندی سے نکال کر دین ہدایت اور اخوت و محبت کی تعلیم دیتے تھے جس کی بناء پر تمام مسالک سے تعلق رکھنے والے لوگ آپ کی دل و جان سے تعظیم کرتے تھے۔ شاہ صاحب کے شاگردوں کی تعداد میں روز بروز بہت زیادہ اضافہ ہوتا چلا گیا مغل بادشاہ محمد شاہ (1131ھ / 1719ء - 1161ھ / 1748ء) نے شاہ ولی اللہ کو شاہ جہان آباد میں ایک عالی شان عمارت مدرسے کے لئے دی۔ جس میں ایک حصہ زنانہ کہلاتا تھا اس میں خاندان کے افراد رہائش پذیر تھے جبکہ دوسرے حصے میں درس و تدریس شروع کی گئی جہاں تمام علوم دین کی اشاعت کی حدیث میں آپ صحاح ستہ، موطا، مسند دارمی، مشکوٰۃ المصابیح کی تعلیم ربع صدی تک دیتے رہے آپ کے درس کا

---

1. Walli Allah, His Life and Times, P. 10

طریقہ کار یہ تھا کہ طلباء اپنا روزانہ کا سبق گھر سے خود پڑھ کر آتے اور پھر اس سبق پر آپ بحث و تنقید کرتے اور لیکچر دیتے تھے۔[1] شاہ صاحب کی وفات کے بعد شاہ عبدالعزیز ان کے بھائیوں اور اخلاف و تلامذہ شاہ محمد اسحٰق شاہ اسماعیل شاہ یعقوب شاہ مخصوص اللہ شاہ محمد موسیٰ مولوی رشید الدین مولانا عبدالغنی نے درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔[2] یہ سلسلہ 1258ھ / 1840ء میں شاہ محمد اسحاق کی ہجرت مکہ تک پورے عروج اور علمی شان و شوکت کے ساتھ جاری رہا۔ دہلی میں مولانا مملوک علی کی صدارت میں مولانا قطب الدین دھلوی، مولانا مظفر حسین کاندھلوی اور مولانا عبدالغنی کا ایک بورڈ بنایا یہ بورڈ مدرسہ اور اس کی تحریک کا سرپرست تھا اس کا مقصد یہ تھا کہ چونکہ اس وقت شاہ ولی اللہ کا صحیح جانشین کوئی نہ تھا اور جب تک کوئی شخص صحیح معنوں میں جانشین ثابت نہ ہو مدرسہ اور سید احمد شہید اور شاہ اسماعیل شہید کی تحریک اسی طرح چلتی رہے مولانا عبدالغنی اگرچہ صرف پچیس برس کے تھے لیکن اپنے زہد و تقویٰ کی بناء پر دور و نزدیک مشہور تھے آپ اپنے فرائض کو 1272ھ / 1856ء تک نہایت دیانتداری کے ساتھ ادا کرتے رہے اسی دوران مولانا رشید احمد گنگوہی اور مولانا محمد قاسم نانوتوی نے شاہ عبدالغنی سے احادیث نبویہ اور فیوض و کمالات کا اکتساب کیا شاہ عبدالغنی نے شاہ عبدالعزیز کے بھتیجے مولانا محمد موسیٰ کی وفات کے بعد ہجرت کی اور برصغیر کو چھوڑ دیا۔ محمد موسیٰ کی وفات کے بعد اس خاندان میں صرف ان کے صاحبزادے میاں عبدالسلام اور ایک صاحبزادی رہ گئی تھیں خاندان میں کوئی ایسا نہ رہا تھا جو سلام صاحب کو تعلیم دلاتا یہ سلسلہ جو اس خاندان میں جاری تھا بند ہو گیا۔[3] 1857ء میں لوگوں نے مدرسہ کو لوٹ لیا اور مکانات تعمیر کر لئے۔ اس گلی پر "مدرسہ رائے بہادر لالہ رام کشن داس" کا تختہ لگا دیا گیا ہے کیونکہ یہ تمام جائیداد رائے بہادر لالہ شیو پرشاد صاحب کی ملکیت ہے۔ مناظر احسن گیلانی کے بقول دارالعلوم پر یہ تختہ لگایا گیا ہے۔ پروفیسر سعید احمد رفیق کے مطابق اب مدرسہ کا صرف اس قدر نشان باقی ہے کہ یہ محلہ مدرسہ شاہ عبدالعزیز کے نام سے مشہور ہے۔[4]

---

[1] (i) علم حدیث میں پاک و ہند کا حصہ، ص 193 (ii) رود کوثر، ص 535 (iii) مسلمانوں کا نظام تعلیم، ص 185 (iv) ہندی مسلم تہذیب، ص 245 (v) متعلقات خطبات اقبال، ص 143

[2] (i) شاہ ولی اللہ اور ان کا خاندان، ص 88 (iii) پاک و ہند میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت، از مناظر احسن گیلانی، مکتبہ رحمانیہ، لاہور، جلد اول، ص 210

(ii) Hundred Great Muslims, P. 302

مسلمانوں کا نظام تعلیم، ص 189

[3] (i) تذکرہ شاہ ولی اللہ، ص 297 (ii) مسلمانوں کا نظام تعلیم، ص 186 ۔ شاہ ولی اللہ اور ان کا خاندان ص 93 بحوالہ واقعات دارالحکومت دھلی، جلد دوم ص 167 ۔ تذکرہ شاہ ولی اللہ ص 299 ۔

[4] مسلمانوں کا نظام تعلیم، ص 186

شاہ ولی اللہ کی نظر میں مغلیہ سلطنت اور عوام کی حالت: شاہ ولی اللہ کے عہد میں مغلیہ سلطنت چراغ سحری کی مانند دم توڑ رہی تھی اس کی شان و شوکت کو گرہن لگا چکا تھا محلاتی سازشیں عروج پر تھیں صوبے خود مختار ہو رہے تھے یورپی اقوام بالخصوص انگریز برصغیر میں اپنا اثر و نفوذ بڑھا رہے تھے عوام میں بدامنی و انتشار کا دور دورہ تھا مذہب میں بدعات رواج پا چکی تھیں فرقہ پرستی میں انتہاپسندی کا عنصر شدت کے ساتھ سرایت کر چکا تھا اور یہ زہر پورے معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لے چکا تھا ایک ہی مذہب کو ماننے اور اس کی تعلیمات پر عمل کرنے والے لوگ آپس میں دست و گریبان تھے رشتہ اخوت ختم ہو چکا تھا غیر مسلم اقوام اور فرقے حرف غلط کی طرح مسلمانوں کو صفحہ ہستی سے مٹانے میں سرگرم تھے جبکہ مسلمانوں کی علمی اور معاشرتی حالت دن بدن گرتی چلی جا رہی تھی حالانکہ مسلمان برصغیر میں ہندوؤں کے بعد سب سے بڑی تعداد میں آباد تھے اس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ مسلمان آج بھی ہندوؤں کے بعد سب سے بڑی تعداد میں آباد ہیں۔

The most important minority in India is the Muslim minority. With over 80 million Muslims, India, after Bengladesh and Indonesia, has the third largest Muslim population in the world.[1]

شاہ ولی اللہ کے دور میں مسلمان ہندوؤں کے بعد سب سے بڑی اکثریت ہونے، سینکڑوں سال تک برصغیر پر حکومت کرنے، دین ہدایت کے پیامبر ہونے اور علم و فضل کے آفتاب روشن کرنے کے باوجود اپنی غلطیوں کے سبب زوال کے ستارے کی گردش کے بھنور میں پھنس چکے تھے شاہ ولی اللہ گرد و پیش کے حالات کی کامل طور پر مومنانہ فراست کے ذریعے Judgement کر چکے تھے۔

The word "judgment" has a range of meanings which includes three principal varities referring to (i) a quality of the mind, (ii) a faculty of the mind, (iii) an act of the mind. The sense in which judgment is a quality of the mind is the sense in which we ordinarily peak of a person as having sound judgment poor judgment. We credit the same people, Aristotle says, "with possessing judgment and having practical wisdom and

---

1. World Encyclopaedia of political systems & parties, Edited by George E. Delury, published by Facts on File Publications. Leiden, Netherlands. 1971. Vol. II. P. 190

understanding, to be a man of understanding and of good or sympathetic judgment" he continues, is to be "able to judge about the things with which practical wisdom is concerned".[1]

اس زمانے کا ادراک شاہ صاحب کی تصانیف اور ان کے خطوط سے بالکل واضح ہو جاتا ہے جو شاہ صاحب نے عربی اور فارسی زبان میں مختلف افراد کو لکھے شاہ صاحب نے مسلم سوسائٹی اور مغلیہ سلطنت کے زوال کے اسباب علیحدہ علیحدہ متعین کئے ہیں[2] ایک طویل مکتوب جو بنام "بعضے سلاطین" ہے شاہ صاحب نے مکتوب الیہ کو مرہٹوں اور جاٹوں کے حالات سے پوری طرح آگاہ فرمایا ہے اور آخر میں ان کے استیصال کی طرف توجہ دلائی ہے شاہ صاحب لکھتے ہیں۔

کسی بادشاہ کے نام خط = بعد حمد صلوٰۃ کے ـــــ یہ چند کلمات ہیں جن کے لکھے جانے کا باعث اسلامی حمیت ہے اللہ تعالیٰ ان کلمات کو گوش مبارک تک پہنچا دے بادشاہان اسلام کا وجود اللہ تعالیٰ کی ایک زبردست نعمت ہے جاننا چاہئے کہ ملک ہندوستان ایک وسیع ملک ہے قدیم اسلامی بادشاہوں نے طویل مدت میں زبردست جدوجہد کے بعد کئی دفعہ میں جا کر اس ولایت کو فتح کیا ہے دہلی کے علاوہ جو صاحب اقتدار بادشاہوں کا مستقر رہی ہے ہر علاقے میں علیحدہ علیحدہ فرماں روا تھے مثلاً گجرات' احمد آباد کا علاقہ ایک علیحدہ حکمران سے تعلق رکھتا تھا ٹھٹھہ کا بادشاہ دوسرا تھا بنگال ایک اور حاکم کے زیر حکومت تھا اودھ ایک جدا شخص کے زیر اقتدار تھا جس کو سلطان الشرق یعنی پورب کا بادشاہ کہتے تھے۔ ملک دکن حسب ذیل پانچ سلطنتوں کا مجموعہ تھا۔

1- برہان پور 2- برار 3- اورنگ آباد 4- حیدر آباد 5- بیجاپور

ان پانچوں سلطنتوں میں ہر سلطنت کا ایک جداگانہ مستقل بادشاہ تھا۔ مالوہ کا حکمران بھی علیحدہ تھا ان تمام مذکورہ علاقہ جات میں سے ہر ایک علاقے کا بادشاہ مستقل طور پر صاحب فوج اور صاحب خزانہ ہوتا تھا ہر بادشاہ نے اپنی اپنی مملکت میں مسجدیں تعمیر کروائیں مدرسے قائم کئے عرب و عجم کے مسلمان اپنے اپنے وطنوں سے منتقل ہو کر ان علاقوں میں آ گئے اور یہاں اسلام کی ترویج و اشاعت کا باعث بنے اس وقت تک ان لوگوں کی اولاد اسلام کے طور طریقے پر قائم ہے ایک اور ملک بھی جو کبھی کسی بادشاہ اسلام

1. Great Books of the Western World, (The Great Ideas) Editor-in-chief, Robert Maynard Hutchin, Published by, Encyclopaedia Britanica Inc., London, 1978, Vol. I, P. 835

[2] شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات' از' خلیق احمد نظامی' ص 5

کے قبضے میں نہیں آیا اور وہ اپنے خالص غیر مسلمانہ طریقے پر قائم رہا۔ اتنا ضرور ہوا کہ بادشاہ ان راجاؤں سے جو ان کی حدود میں تھے خراج لیا کرتے تھے یہ ملک جس کا تذکرہ ہو رہا ہے راجپوتانہ کا ملک ہے اس ملک کا طول حدود ٹھٹھہ سے لے کر حدود بنگالہ و بہار تک بیس منزل ہے۔ یہی وہ باوسعت ملک ہے جو کبھی ملوک اسلامیہ کی نشست گاہ نہیں بنا' قصہ مختصر بادشاہان مغلیہ نے راجپوتوں سے معاہدہ کر لیا اور اس گروہ کو اپنا ماتحت قرار دے کر ان کی مخالفت سے مامون و محفوظ ہو گئے اس طرح جنگ سے دست کشی اختیار کر لی۔ واقفان فن تاریخ تفصیلی طور پر ان واقعات کو بیان کریں گے غیر مسلموں میں ایک قوم مرہٹہ نامی ہے کہ ان کا ایک سردار ہے اس قوم نے کچھ عرصے سے اطراف دکن میں سر اٹھایا ہے اور تمام ملک ہندوستان پر اثر انداز ہے شاہان مغلیہ میں سے بعد کے بادشاہوں نے عدم دور اندیشی' غفلت اور اختلاف فکر کی بناء پر ملک گجرات مرہٹوں کو دے دیا پھر اسی سست اندیشی اور غفلت کی وجہ سے ملک مالوہ بھی ان کے سپرد کر دیا اور ان کو وہاں کا صوبے دار بنا دیا رفتہ رفتہ مرہٹہ قوم قوی تر ہو گئی اور اکثر بلاد اسلام ان کے قبضے میں آ گئے مرہٹوں نے مسلمانوں اور ہندوؤں دونوں سے باج لینا شروع کر دیا اور اس کا نام چوتھ (آمدنی کا چوتھا حصہ) رکھا۔ دہلی اور نواح دہلی میں مرہٹوں کا تسلط اس وجہ سے نہ ہو سکا کہ دہلی کے روساء بادشاہان قدیم کی اور یہاں کے وزراء اور امراء' امرائے قدیم کی اولاد ہیں ناچار مرہٹوں نے ان لوگوں سے یک گونہ مروت کا معاملہ رکھتے ہوئے عہدوپیمان کر لیا اور رواداری کا سلسلہ جاری کر کے طرح طرح کی چاپلوسی سے دہلی والوں کو اپنی طرف سے امان دے کر چھوڑ دیا دکن پر بھی مرہٹوں کا قبضہ اس بناء پر نہ ہو سکا کہ نظام الملک مرحوم کی اولاد نے بڑی بڑی تدبیریں کیں کبھی مرہٹوں کے درمیان پھوٹ ڈلوا دی کبھی انگریزوں کو اپنا رفیق بنا لیا اس طرح برہان پور' اورنگ آباد' بیجاپور جیسے بڑے بڑے شہروں پر اولاد نظام الملک قابض رہی البتہ اطراف و نواحی کو مرہٹوں کے لئے چھوڑ دیا المختصر سوائے دہلی و دکن کے خالص طور پر مرہٹوں کا تسلط ہے قوم مرہٹہ کو شکست دینا آسان کام ہے بشرطیکہ غازیان اسلام کمر ہمت باندھ لیں حقیقت یہ ہے کہ مرہٹہ قوم خود قلیل ہے لیکن ایک کثیر گروہ اس کے ساتھ ملا ہوا ہے اس گروہ میں سے ایک صف کو بھی اگر درہم برہم کر دیا جائے تو یہ قوم منتشر ہو جائے گی اور اصل قوم اسی شکست سے ضعیف ہو جائے گی چونکہ یہ قوم قوی نہیں ہے اس لئے اس قوم کا تمام تر سلیقہ ایسی کثیر فوج جمع کرنا ہے جو چیونٹیوں اور ٹڈیوں سے بھی زیادہ ہو۔ دلاوری اور سامان حرب کی بہتات ان کے ہاں نہیں ہے الغرض مرہٹہ قوم کا فتنہ ہندوستان کے اندر بہت بڑا فتنہ ہے حق تعالیٰ بھلا کرے اس شخص کا جو اس فتنہ کو دبائے۔ غیر مسلموں کی ایک قوم جاٹ ہے جس کی بودوباش دہلی و آگرہ کے درمیان ہے یہ دونوں شہر بادشاہوں کے لئے دو حویلیوں کی مانند رہے ہیں مغل بادشاہ کبھی آگرہ میں رہتے تھے تاکہ ان کا دبدبہ اور رعب راجپوتانہ تک پڑے اور کبھی دہلی میں فروکش ہوتے تھے تاکہ ان کی شوکت و ہیبت سرہند اور نواحی سرہند تک اثر ڈالے دہلی و آگرہ کے درمیان موضعات میں جاٹ قوم کاشتکاری کرتے تھے شاہ جہان کے زمانہ میں اس قوم کو حکم تھا کہ گھوڑوں پر سوار نہ

ہوں بندوق اپنے پاس نہ رکھیں اور اپنے لئے گڑھی نہ بنائیں بعد کے بادشاہوں نے رفتہ رفتہ ان کے حالات سے غفلت اختیار کرلی اور اس قوم نے فرصت کو غنیمت جان کر بت سے قلعے تعمیر کرلئے اور اپنے پاس بندوق رکھ کر بٹ ماری کا طریقہ شروع کر دیا اورنگ زیب اس وقت دکن میں قلعہ بیجا پور اور حیدر آباد کے فتح کرنے میں مشغول تھا دکن سے ہی ایک فوج اس نے جاٹوں کی تادیب کے لئے روانہ کی اور اپنے پوتے کو فوج کا سردار مقرر کیا۔ رئیسان راجپوتانہ نے اس شہزادے سے مخالفت کرلی لشکر میں اختلاف پیدا ہوا جاٹوں کی تھوڑی سی عاجزی پر اکتفا کرکے فوج بادشاہی واپس ہو گئی۔ محمد فرخ سیر کے زمانے میں اس جماعت کی شورش پھر جوش میں آئی قطب الملک وزیر نے زبردست فوجیں اس کی طرف بھیجیں چورامن جو اس قوم کا سردار تھا جنگ کے بعد صلح پر راضی ہو گیا کو بادشاہ کے سامنے لائے اور تقصیرات کی معافی دلوائی یہ کام بھی خلاف مصلحت عمل میں آیا۔ پھر محمد شاہ کے عہد میں اس قوم کی سرکشی حد سے تجاوز کر گئی اور چورامن کا چچا زاد بھائی سورج مل اس جماعت کا سردار ہو گیا اور فساد کا راستہ

اختیار کیا۔ چنانچہ شہر بیانہ جو کہ اسلام کا قدیم شہر تھا اور جہاں پر علماء و مشائخ سات سو سال سے اقامت پذیر تھے اس شہر پر قہراً" وجبراً" قبضہ کرکے مسلمانوں کو ذلت و خواری کے ساتھ وہاں سے نکال دیا اس کے بعد سے سرکشی برابر بڑھتی گئی۔ بادشاہوں اور امیروں کے اختلافات و غفلت کی بناء پر کوئی بھی اس جانب متوجہ نہ ہوا۔ اگر بالفرض ایک امیر اس کی تنبیہہ کا قصد کرے تو سورج مل کے کارکن دوسرے امراء کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اس طرح بادشاہ کے مشورے کو پلٹ دیتے ہیں پسر محمد شاہ کے عہد میں صفدر جنگ ایرانی نے خروج کیا اور سورج مل سے سازش کرکے پرانی دہلی پر حملہ کر دیا اور تمام شہر کہنہ کو لوٹ لیا۔ پسر محمد شاہ نے شہر کے دروازوں کو بند کرکے جنگ توپ خانہ شروع کی محض خدا کے فضل سے صفدر جنگ اور سورج مل دو تین ماہ کے بعد ناکام واپس ہوئے اور صلح و موافقت کی داغ بیل ڈالی چونکہ بادشاہ کے آدمی جنگ سے تھک چکے تھے اس لئے انہوں نے صلح کو غنیمت جانا اس کے بعد سورج مل کی شوکت ترقی پا گئی۔ دہلی سے دو کوس کے فاصلے سے لے کر آگرہ کے آخر تک طول میں' میوات کی حدود سے فیروز آباد و شکوہ آباد تک' عرض میں سورج مل قابض ہو گیا۔ کسی کی طاقت نہیں کہ وہاں اذان و نماز جاری رکھ سکے۔ ایک سال ہوا کہ قلعہ الور جو کہ تمام میوات کی خبر گیری کے لئے ایک جائے بلند تھی سورج مل اس کو بھی اپنے قبضے میں لے آیا۔ ارکان سلطنت میں سے کسی کی مجال نہ ہوئی کہ وہ اس کام سے روک دیتا۔ ہندوستان کے محصولات سات کروڑ سے کم نہیں ہیں بشرطیکہ غلبہ و شوکت موجود ہو ورنہ ایک کوڑی بھی ملنی مشکل ہے جیسا کہ اس وقت دیکھا جا رہا ہے جس علاقے پر جاٹ قابض ہیں وہ ایک کروڑ روپیہ محصول کی جگہ ہے راجپوتانہ کا علاقہ اپنی وسعت کے باعث دو کروڑ روپیہ سے کم آمدنی کا نہیں ہے بشرطیکہ ہر راجہ پر خراج مقرر کیا جائے عہد محمد شاہ میں بنگالہ سے ہر سال ایک کروڑ کی آمدنی تھی اور وہاں کا صوبے دار بلا توقف بھیجتا رہتا تھا اس رقم کی ادائیگی کے باوجود صوبے دار بنگالہ ہندوستان کے امراء میں انتہائی مال دار

امیر تھا چنانچہ اس وقت بھی کہ بنگالہ میں بے انتظامی ہے اور وہاں ایک بے وقوف ناواقف کار نوجوان یعنی ناظم قدیم کا پوتا مسلط ہے پھر بھی وہ نوجوان بے شمار خزائن کا مالک ہے سعادت خان ایرانی اور اس کے بعد اس کا داماد صفدر جنگ صوبہ اودھ پر قابض تھے۔ دو کروڑ اس صوبے سے وصول کرتے تھے ایک کروڑ خرچ کرتے تھے اور ایک کروڑ جمع کرتے تھے اسی مال داری نے صفدر جنگ کے اندر بادشاہ سے مقابلہ کرنے کا حوصلہ پیدا کیا جاٹوں کی شوکت کو درہم برہم کرنا بھی تدبیر کے نزدیک آسان کام ہے انہوں نے جو علاقے اپنے قبضے میں کرلئے ہیں وہ ان کے نہیں ہیں بلکہ غصب کئے ہوئے ہیں ان کے مواضع کے مالک ابھی تک زندہ و موجود ہیں اگر کوئی صاحب شوکت و عدالت بادشاہ مہربانی کا ہاتھ ان مالکوں کے سر پر رکھے تو وہ سورج مل کے مقابلے کے لئے اٹھ کھڑے ہوں گے۔ جو کچھ بیان کیا گیا ہندوستان کے غیر مسلموں کا حال تھا رہا مسلمانوں کا حال وہ یہ ہے کہ نوکران شاہی جو کہ ایک لاکھ سے زائد تھے ان میں پیادہ و سوار بھی تھے اہل نقدی و جاگیر دار بھی تھے بادشاہوں کی غفلت سے نوبت یہاں تک پہنچی کہ جاگیردار اپنی جاگیروں پر عمل دخل نہیں پاتے کوئی غور نہیں کرتا کہ اس کا باعث بے عملی ہے جب خزانہ بادشاہ نہیں رہا نقدی بھی موقوف ہو گئی آخر کار تمام ملازمین تتر بتر ہو گئے اور کاسہ گدائی اپنے ہاتھ میں لے لیا سلطنت کا بجز نام کے اور کچھ باقی نہ رہا جب ملازمین بادشاہ کا یہ برا حال ہے تو تمام دیگر اشخاص کے حال کو جو کہ وظیفہ خوار یا سوداگر یا اہل صنعت ہیں انہی پر قیاس کرلینا چاہئے کہ کس حد تک خراب ہو گیا ہو گا طرح طرح کے ظلم اور بے روزگاری میں یہ لوگ گرفتار ہیں علاوہ اس تنگی و مفلسی کے جب سورج مل کی قوم نے اور صفدر جنگ نے مل کر دہلی کے پرانے شہر پر دھاوا بولا یہ غریب سب کے سب بے خانماں و پریشان اور بے مایہ ہو گئے پھر متواتر آسمان سے قحط نازل ہوا غرضیکہ جماعت مسلمین قابل رحم ہے اس وقت جو عمل و دخل سرکار بادشاہی میں باقی ہے وہ ہنود کے ہاتھ میں ہے کیونکہ متصدی و کارکن سوائے ان کے اور کوئی نہیں ہے ہر قسم کی دولت و ثروت ان کے گھروں میں جمع ہے افلاس و مصیبت کا بادل مسلمانوں پر چھا رہا ہے۔ بات طویل ہو گئی اور اختصار کی حدود سے نکل گئی حاصل کلام یہ ہے کہ ملک ہندوستان میں غیر مسلموں کے غلبے کی نوعیت یہی ہے کہ جو معرض بیان میں آئی اور مسلمانوں کا ضعف اس حد تک پہنچ گیا جو لکھا گیا ہے اس زمانے میں ایسا بادشاہ جو صاحب اقتدار و شوکت ہو اور لشکر مخالفین کو شکست دے سکتا ہو دور اندیش اور جنگ آزما ہو۔ سوائے آں جناب کے کوئی اور موجود نہیں ہے یقینی طور پر جناب عالی پر فرض عین ہے ہندوستان کا قصد کرنا' مرہٹوں کا تسلط توڑنا اور ضعفائے مسلمین کو غیر مسلموں کے پنجے سے آزاد کرانا۔ اگر غلبہ کفر معاذ اللہ اسی انداز پر رہا تو مسلمان اسلام کو فراموش کر دیں گے اور تھوڑا زمانہ نہ گزرے گا کہ یہ مسلم قوم ایسی بن جائے گی کہ اسلام اور غیر اسلام میں کوئی تمیز نہ ہو سکے گی۔ یہ بھی بلائے عظیم ہے اس بلائے عظیم کے دفع کرنے کی قدرت بہ فضل خداوندی جناب کے علاوہ کسی کو میسر نہیں ہے ہم بندگان

الٰہی، حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شفیع گردانتے ہیں اور خدائے عزوجل کے نام پر التماس کرتے ہیں کہ ہمت مبارک کو اس جانب متوجہ فرما کر مخالفین سے مقابلہ کریں تاکہ خدا تعالیٰ کے یہاں بڑا ثواب جناب کے اعمال نامہ میں لکھا جائے اور مجاہدین فی سبیل اللہ کی فہرست میں نام درج ہو جائے دنیا میں بے حساب غنیمتیں ملیں اور مسلمان دست کفار سے خلاصی پا جائیں خدا سے پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ نادر شاہ کی طرح عمل ہو کہ وہ مسلمانوں کو زیروزبر کر گیا اور مرہٹہ و جاٹ کو سالم و عالم چھوڑ کر چلتا بنا نادر شاہ کے بعد سے مخالفین زور پکڑ گئے اور لشکر اسلام کا شیرازہ بکھر گیا۔ اور سلطنت دہلی بچوں کا کھیل بن گئی۔ پناہ بخدا اگر قوم کفار اسی حال پر رہے اور مسلمان ضعیف ہو جائیں تو اسلام کا نام بھی کہیں باقی نہ رہے گا خدا تعالیٰ مجاہدین کی صفت میں فرماتا ہے۔

محمد رسول اللہ والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینھم ○ الفتح:29

ترجمہ: محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ غیروں پر سخت دل ہیں اور اپنوں پر مہربان ہیں۔

اس جماعت کے وصف میں جو مرتدوں سے مقابلہ کرتی ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے = **یا ایھا الذین امنوا من یرتد منکم عن دینہ فسوف یاتی اللہ بقوم یحبھم ویحبونہ اذلۃ علی المومنین اعزۃ علی الکفرین ○ المائدہ:54**

ترجمہ: اے ایمان والو تم میں جو کوئی اپنے دین سے پھرے گا تو عنقریب اللہ ایسے لوگ لائے گا کہ وہ اللہ کے پیارے اور اللہ ان کا پیارا۔ مسلمانوں پر نرم اور کافروں پر سخت۔

اس سے معلوم ہوا کہ فتح اسلام اس جماعت کو نصیب ہوتی ہے جس کی یہ شان ہوتی ہو کہ اگر کسی جگہ مسلمان ہوں ان کو وہ اپنے بیٹوں اور سگے بھائیوں کی طرح رکھے اور مخالفت کے مقابلے میں وہ شیر نر کی مانند ہو۔ پس واجب ہے کہ ان مجاہدات میں تقویت اسلام کی نیت کر لی جائے جب افواج قاہرہ ایسے مقام پر پہنچیں جہاں پر مسلمان اور غیر مسلمان دونوں رہتے ہوں چاہئے کہ منتظمین خاص طور پر ایسے مقام پر متعین ہوں اور اس کی تاکید کی جائے کہ جو ضعیف مسلمان قریوں میں ساکن ہیں ان کو قصبوں اور شہروں میں لے آئیں پھر کچھ منتظمین قصبوں اور شہروں پر مقرر کئے جائیں جو اس بات کی کڑی نگرانی کریں کہ کسی مسلمان کا مال نہ لوٹا جائے اور کسی مسلمان کی عزت میں فرق نہ آنے پائے۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ "اللہ کے نزدیک تمام دنیا کا زوال قتل مسلم کے مقابلے میں ہیچ ہے" حضرت سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم بقصد عمرہ جب حدیبیہ تشریف لے گئے اور کفار قریش مکہ کے داخلہ سے مانع ہوئے۔ آخر الامر کفار مکہ سے صلح ہوئی اگرچہ بعض بڑے صحابہ میں سے ایسے تھے جن کی حمیت دینی جوش میں آئی اور اس صلح پر راضی نہیں ہوتے تھے لیکن حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان

کے قول پر التفات نہیں فرمایا اور صلح کر لی۔ جب اس سفر سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واپس ہوئے سورہ انا فتحنا نازل ہوئی اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ میں صلح کی حکمت اور تاخیر فتح کی وجہ ظاہر فرمائی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

ولولا رجال مومنون ونساء مومنت لم تعلموھم ان تطئوھم فتصیبکم منھم معرۃ بغیر علم لیدخل اللہ فی رحمتہ من یشاء لو تزیلوا لعذبنا الذین کفروا منھم عذابا الیما ○ 25:48

القرآن ترجمہ: "اور اگر یہ نہ ہوتا کچھ مسلمان مرد اور کچھ مسلمان عورتیں جن کی تمہیں خبر نہیں کہیں انہیں تم روند ڈالو تو تمہیں ان کی طرف سے انجانے میں کوئی مکروہ پہنچے تو ہم تمہیں ان کی مثل کی اجازت دیتے ان کا یہ بچاؤ اس لئے ہے کہ اللہ اپنی رحمت میں داخل کرے جسے چاہے اگر وہ جدا ہو جاتے تو ہم ضرور ان میں کے کافروں کو دردناک عذاب دیتے۔"

یعنی چونکہ مسلمانوں کو معرت پہنچ جانے کا اندیشہ تھا حکمت الٰہی نے تقاضا کیا کہ اس مقصد کو مہلت کے ساتھ انجام دیا جائے گا تاکہ منکرین کسی نہ کسی طرح قبول اسلام کر لیں اور مسلمان مجاہدین کے غلبے سے محفوظ رہیں چنانچہ صلح حدیبیہ کے دو سال بعد مکہ فتح ہوا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بارہ ہزار اشخاص کے ساتھ مکہ کے قریب پہنچے اور اہل مکہ بہر طور داخل اسلام ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی اس واقعہ صلح حدیبیہ و مکہ میں پادشاہان دور اندیش کو حکمت کی عجیب و غریب تعلیم دی گئی ہے اور وہ یہ ہے کہ مسلم اور غیر مسلم کے اختلاط کے مقام پر حلم کا معاملہ کرنا چاہئے۔ پہلے مخالفین اسلام کو جو مسلمانوں پر تسلط جمائے ہوئے ہوں متفرق کریں۔ بعد ازاں مسلمان خود بخود پادشاہ عادل و دور اندیش کے ہاتھ میں ہاتھ دیں گے۔

و کم للہ من لطف خفی　　　یدق خفاہ عن فھم الذکی

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی کتنی پوشیدہ مہربانیاں ہیں جن کی پوشیدگی سے ایک ذکی و فہیم بھی بے خبر ہے۔ جیسا کہ دوائے تلخ ہرچند فائدہ مند ہو لیکن مریض کی طبیعت اس کی طرف رغبت نہیں کرتی، طبیب حاذق اس کڑوی دوا کو شہد کے ساتھ ملاتا ہے اسی طرح بادشاہان عادل کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کی طرف جس جگہ متوجہ ہوتے ہیں اور وہاں پر جو مسلمان متفرق طور پر رہتے ہیں اور اپنی جان و آبرو کا خوف کرتے ہیں اور اپنی طبیعت سے اس گیرودار کو نہیں چاہتے وہاں پر فقیروں، غریبوں، سادات و علماء کو اپنے الطاف خسروانہ اور انعام پادشاہانہ سے اور طرح طرح کے دلاسوں اور تسلیوں سے محفوظ رکھتے ہیں تاکہ ان کی مہربانی کا شہرہ دور و نزدیک شہروں تک جا پہنچے اور سب کے سب ہاتھ اٹھا اٹھا کر پادشاہان عادل کی فتح و نصرت کی دعائیں کریں اور خدائے عزوجل سے شب و روز یہی درخواست کریں کہ اے اللہ یہ رحمت کی نشانی پادشاہ عادل ہمارے شہر میں فروکش ہو۔ سب سے پہلے اہم اس کے بعد بالترتیب اس کے نیچے درجے کے اہم امور انجام دیئے جائیں۔ جس جگہ کسی مسلمان کی شکست کا احتمال ہو وہاں توقف کرنا چاہئے تاکہ بغیر احتمال قتل مسلم

مدعا حاصل ہو جائے۔ شاہ ولی اللہ کے اس خط میں مکمل تاریخی حقائق کو بیان کیا گیا ہے جس سے اس دور کی مکمل تصویر آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے شاہ صاحب نے حافظ جار اللہ (پنجابی) کے نام خط میں بھی دہلی میں جاٹوں کی لوٹ مار کو بیان کیا ہے۔ شاہ صاحب کی تصانیف میں یہ امور بڑی تفصیل و صراحت کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ حجۃ اللہ البالغہ میں شاہ صاحب مسلم معاشرے کے زوال کے اسباب مذہبی شعار سے بے اعتنائی اور علوم اسلامیہ سے لاتعلقی بیان کرتے ہیں مغلیہ سلطنت کے زوال کا سبب اقتصادی انحطاط قرار دیتے ہیں جس کے باعث تمام سیاسی انتشار اور بدنظمیاں پیدا ہوئی تھیں ان اسباب کو شاہ صاحب باب سیاستہ المدینہ کے تحت بیان کرتے ہیں۔ شاہ ولی اللہ اپنے مکتوبات میں معاشرے کی خرابیوں کی نشاندہی کرتے ہوئے زوال کے اسباب مندرجہ ذیل متعین کرتے ہیں۔

1- خالصہ کے علاقہ کا محدود ہونا 2- خزانہ کی حالت 3- جاگیرداروں کی کثرت

4- اجارہ داری کے مسموم اثرات 5- افواج کے مواجب کا بروقت نہ ملنا وغیرہ

آج دو سو سال گزر جانے کے بعد بھی مؤرخین سلطنت مغلیہ کے زوال کے اسباب کا اس قدر صحیح تجزیہ نہیں کر سکے جتنا شاہ صاحب نے اس طوفانی دور میں ہوتے ہوئے کیا تھا اس سے ان کی بے پناہ خداداد سیاسی بصیرت کا پتہ چلتا ہے۔[1] میرے ذاتی خیال میں شاہ صاحب نے مغلیہ سلطنت اور مسلم معاشرے کے زوال کے اسباب کا بہترین تجزیہ اس لئے بہتر انداز میں کیا ہے کہ آپ اس زمانے میں موجود ہونے کے ساتھ مومنانہ فراست سے بہرہ مند تھے اور آج کے مورخین کے تقابل میں جنھوں نے اس دور کو صرف تاریخ کے متضاد مورخین و مصنفین کی تحریروں میں پڑھ کر زوال کے اسباب متعین کئے ہیں شاہ صاحب چونکہ اعلیٰ ترین خداداد صلاحیتوں سے متصف اور امور ریاست و معاملات دین و مذہب کے علاوہ تہذیب کے اسرار و رموز سے آگاہی رکھتے تھے اس لئے شاہ صاحب نے جو کچھ اپنے گرد و پیش میں دیکھا اس کا ایک صاحب فہم و فراست ہی ادراک کر سکتا ہے یہ تمام تباہ کن خونین ڈرامے شاہ ولی اللہ کی زندگی میں ان کی چشم بینا کے سامنے ہو رہے تھے ایک طرف آپ کے قلب حساس میں بربادی وطن کا درد تھا دوسری طرف آپ کا مغز بیدار اسباب مرض کی تلاش اور فکر علاج میں مشغول تھا۔[2] شاہ ولی اللہ کے دل و دماغ پر ان حالات کا جو اثر ہوا اس کا اندازہ تو ان کے اس شعر سے ہو جاتا ہے۔[3]

1- حجۃ اللہ البالغہ' از' شاہ ولی اللہ' مترجم عبد الحق حقانی' کراچی' جلد اول ص 90 [2] شاہ ولی اللہ دہلوی کے سیاسی مکتوبات' ص 10

[3] علماء ہند کا شاندار ماضی' از' سید محمد میاں' جلد دوم' ص 4 [4] شاہ ولی اللہ دہلوی کے سیاسی مکتوبات ص

کان نجوما اومضت فی الغیاھب عیون الافاعی اورؤس العقارب[1]

ترجمہ: ستارے جو گھپ اندھیروں میں چمک رہے ہیں وہ گویا اژدھوں کی چمکدار آنکھیں ہیں یا بچھوؤں کے سر ہیں جن کے دیکھنے سے خوف و دہشت طاری ہو رہی ہے۔

لیکن مایوسی اور قنوطیت کو انہوں نے پاس نہ آنے دیا بلکہ حقیقت میں طوفان کے ہر تھپیڑے نے ان کے مرکب ہمت کے لئے مہمیز کا کام کیا انہوں نے گرد و پیش کے حالات کا جائزہ پوری سیاسی بصیرت کے ساتھ کیا زوال و انحطاط کے ایک ایک سبب پر غور کیا ہندوستان کے بسنے والوں کی عام حالت کا اندازہ لگایا امراء و سلاطین کی انفرادی صلاحیتوں کو پرکھا اور پھر اپنے اصلاحی پروگرام کا خاکہ تیار کیا۔[2] ایسے پر آشوب اور افراتفری کے عالم میں شاہ صاحب نے ایک عظیم پیش رو کی طرح مسلمانوں کو زوال سے عروج کی طرف واپسی کے لئے انقلابی اقدامات کئے۔

"In the time of anarchy in Muslim India that followed the death of Aurangzeb (d. 1707) and was characterized by the frequent attack of Western neighbours (Nadir Shah, Ahmed Shah Durrani) and when Hindus and Sikhs, too, took advantage of the weakness of the regime, Shah Walli Allah of Delhi (1703-1762), who combined wide learning and mystical experience, tried to revive the religious conscience through numerous books."[3] ان کٹھن حالات میں شاہ صاحب نے تجدید دین کی تحریک کو منظم کیا۔

---

[1] قصیدہ الطیب النغم' از' شاہ ولی اللہ' ناشر' مطبع مجتبائی دہلی 1308ھ ص 8۔ [2] شاہ ولی اللہ دھلوی کے سیاسی مکتوبات' از' خلیق احمد نظامی' ص 4

Historia Religionum (Religions of the Present) Edited by C. Jouco Bleeker, Leiden, 1971, Vol. II, P. 190

عربی ادب کسی ایک قوم کا نہیں بلکہ ایک مکمل تہذیب کا قابل اور پائیدار ترکہ ہے۔ اس ادب کی نشوونما کرنے والوں میں مختلف حسب ونسب کے لوگوں کا حصہ ہے۔ یہ لوگ عرب فاتحین کے زیر اثر اپنی قومی زبان' روایتوں' رسموں کو کھو چکے تھے۔ عقائد وخیالات کی یک جہتی اور ہم آہنگی نے انہیں ایک جدید اور وسیع تر عرب قوم بنا دیا۔ (یعنی مسلم قوم امت مسلمہ)[1] شاہ ولی اللہ کی ذات گرامی چمکتے ہوئے سورج کی مانند ہے۔ جس کی روشنی سے تاریکیاں چھٹ جاتی ہیں۔ اور تابناک اجالے حکمرانی کرتے ہیں۔ شاہ صاحب کی ذات میں بے شمار خوبیاں قدرت کی طرف سے ودیعت کی گئی تھیں۔ جن کی بدولت آپ نے عربی زبان و ادب میں نمایاں قابل قدر اور یادگار علمی و تحقیقی خدمات سرانجام دی ہیں۔ جن سے ایک زمانہ گزرنے کے باوجود اب بھی لوگ پہلے کی طرح استفادہ کر رہے ہیں۔ شاہ صاحب کی اسلامی تعلیمات کی تشریح اب بھی معاشرے میں موجود فتنوں اور برائیوں کا خاتمہ کرنے کے لئے موثر اور قابل عمل ہے۔ شاہ صاحب کی ذہانت اور دانائی بے مثال تھی۔ دانائی کی تعریف ایک مفکر اس طرح کرتا ہے۔

"Consequently, while philosophy appeals only the intellectual clites, wisdom appeals to all who are interested in life and have understanding enough to appreciate a word of truth well spoken. In spite of this distinction, however, the two are closely allied. The knowledge of life reached intuitively by wisdom is the raw material out of which philosophical systems are involved. And in its polder flights wisdom moves in the atmosphere of philosophy"[2]

"As distinguished from the seasoned, systematic view of the world and man which is the conscious aim of philosophy, wisdom may be defined as the direct, practical insight into the meaning and purpose of things that comes to shrewd, penetrating, and observent minds, from their own experience of

---

1 مقدمہ تاریخ ادبیات عربی' از' ایچ۔ اے۔ آر۔ گب مترجم سید محمد اولاد علی' ص ۱

2. Encyclopaedia of Religion and Ethics, Edited by, James Hastings, Vol. XII, P. 742

life, and their daily commence with the world".[1]

"Wisdom like a fine mest, she rises from the power of God, a pure effluence from the glory of the almighty. She is the reflection of everlasting light, the flameless mirror of the active power of God and the image of his goodness".[2]

صاحب کی شخصیت ذہانت اور دانائی کا حسین امتزاج تھی۔ آپ کے فیض تدریس سے ہزاروں تشنگان علم نے اپنی پیاس بجھائی۔ اور علم کی دولت سے مالا مال ہو کر چراغ سے چراغ جلنے کے علم و عمل کو زندہ رکھا۔ جس کی زندہ مثال شاہ صاحب کی وفات کے بعد اٹھنے والی مسلم تحریکیں تھیں۔ آپ نے سماجی کردار کی تبدیلی میں بہترین انداز میں اپنا کردار ادا کیا سماجی کردار کیا ہے؟

"Social Behaviour is by definition an interactive process". [3]

"Social Behaviour encompasses a human being interaction not only with other persons but also with the world of things, which have acquired their meaning and status from the custom and practices of the culture". [4]

"If the concept is not logically odd, it still remains to show whether or not we have any obligations to future generations. It will readily be seen that two of the standard sources of obligations (and rights) are inapplicable to this case, namely, contract (agreement) and mutual benefit. We cannot enter into an agreement with distant future generations, nor are we participants with them in a mutually beneficial social arrangment". [5]

---

1. J. Morley, studies in literature, London, 1891, P. 57
2. An illustrated Encyclopaedia of Mysticism and the Mystery Religions, by John Ferguson, New York, 1977, P. 210
3. Encyclopaedia of Psychology, P. 363

4. Concise Encyclopaedia of Psychology, Edited by Raymond J. Corsini, published by, John Wileys Sons, New York, 1987, P. 310
5. Encyclopaedia of Bioethics, Editor-in-Chief, Warren T. Reich, The Free Press, New York, 1978, P. 508

شاہ ولی اللہ کی انقلابی تعلیمات نے

معاشرے کے سماجی کردار کی تبدیلی میں مثبت انداز فکر و عمل کو فروغ دیا۔ شاہ صاحب نے دلائل و براہین کی روشنی میں معاشرے میں ہر سطح پر پائی جانے والی بے چینی اور اضطراب کو دور کرنے کی کوشش کی۔ شاہ صاحب نے نہ صرف اپنے موجودہ زمانہ اور حالات کی اصلاح کے لئے اقدامات کئے بلکہ آنے والی نسلوں کے لئے بھی ضابطہ حیات بنایا۔ جو آپ کی عربی و فارسی تصنیفات میں اپنے مصنف کے علمی مراتب کی بلندی کی گواہی دے رہا ہے۔ شاہ صاحب نے افراتفری و انتشار کے ایسے بدترین دور میں عربی زبان وادب کے ذریعے معاشرے کی اصلاح کی کوشش کی جب ہندو' سکھ' مرہٹے' جاٹ اور سب سے بڑھ کر انگریز سلطنت دہلی کا شیرازہ بکھیرنے میں پوری قوت صرف کر رہے تھے علاقائی اقوام کی زبانوں کے ساتھ ساتھ انگریزی زبان بھی معاشرے کی شکست و ریخت میں اپنا کردار ادا کر رہی تھی۔ ایسے سخت ترین حالات میں عربی زبان میں کتابیں تصنیف کر کے معاشرے کے حساس ترین معاملات کی اصلاح' معاشرہ کے ساتھ ساتھ عربی زبان کی اہم خدمت ہے۔ جب کہ اس کے ساتھ آپ مدرسہ رحیمیہ میں سینکڑوں افراد کو روزانہ عربی صرف و نحو اور قوائد کی تعلیم دیتے تھے۔ جو بلاشبہ عربی زبان کی عظیم خدمت ہے۔ شاہ صاحب علم کی دولت سے مالا مال تھے۔ علم ایک سمندر ہے جس کی کوئی انتہا نہیں لیکن خدائے بزرگ و برتر وحدہ لا شریک اپنے نیک بندوں کو اس دولت سے مالا مال کرتا ہے۔

"The most important and unique gift of Nature, the creator to man is knowledge, which is not only vital to his success in this world and the hereafter but, infect, is the sole basis of his progress in this world and a major instrument of his excellence in the hereafter".[1]

علم کا براہ راست اثر انسانی شخصیت

پر اثر انداز ہوتا ہے۔ شخصیت کی نشوونما اور عظیم بننے میں علم کے پیانے کا دخل ہوتا ہے۔ "العلم درک الحق للاشیاء" ترجمہ = علم اشیاء کی حقیقت ثابتہ کے ادراک کا نام ہے[2] شاہ صاحب علم کی

---

1. Muhammad (peace be upon him) Encyclopaedia of Seerah, London, 1984, P. 11

[2] انسان کامل' از' سید عبدالکریم بن ابراہیم جیلانی' مترجم فضل میراں' نفیس اکیڈمی کراچی' 1980ء ص 154

تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں۔ العلم الحق عندنا ما کان بمشالعته الحال والقران الذی ھو اعظم العلوم عندنا فاجلھا وابجلھا انما نزل بمشالعته الحال" ترجمہ = صحیح علم وہ ہے جو حال کے تقاضے اور ضروریات پوری کرے یہ صرف قرآن ہی ہے۔ جو زمانے کا ہم رکاب ہے۔ اور اس کے تقاضے پورے کرتا ہے۔"[1] افلاطون کہتا ہے۔ "علم ایک ایسا ادراک ہے۔ جس میں ہمارا فہم اشیاء کی اصل یا ہستوں (essences) سے' جو عالم بالا میں صرف اپنے آپ کے لئے موجود رہتی ہیں۔ منور ہو جاتا ہے"[2] شاہ ولی اللہ علم کی تعریف کرتے ہیں۔ "فلما کان العلم عندنا ھو الانکشاف فقد انکشفت علیہ الاشیاء کلھا بماھی مندجتہ فی ذاتہ ثمہ بماھی موجودۃ تفصیلا فجب ان یسمی علیما" ترجمہ = علم ہمارے نزدیک انکشاف کا نام ہے۔ اور خدا تعالیٰ پر تمام اشیاء منکشف ہیں پہلے وہ سب اس کی ذات میں مندرج تھیں اس کے بعد ان کا وجود تفصیلی ہوا تو ضرور ہم اس کو علیم کہہ سکتے ہیں۔[3]

"The word Knowledge, as applied to the finite ego, always means, discursive knowledge".[4]

"علامہ اقبال کی علم

کی تعریف خودی کے لحاظ سے' بہترین انسانی شخصیت میں ایسی خداداد صلاحیتیں ہوتی ہیں۔ کہ وہ ہر قسم کے حالات کا بڑی فراخدلی اور دلیری سے نہ صرف سامنا کرنے بلکہ حالات کے بہاؤ کو اپنی مرضی کے تابع کرنے کی قوت اثر رکھتی ہے۔ شخصیت کے بارے میں ایک انگریز مفکر یوں رقم طراز ہے۔

"Personality can be defined Behaviourally as that which predicts what a person will do in any defined situation".[5]

---

[1] تفہیمات الٰہیہ' از' شاہ ولی اللہ' دہلی 1890ء جلد ثانی ص 166 [2] اردو دائرہ معارف اسلامیہ' رئیس ادارہ' ڈاکٹر سید محمد عبداللہ' لاہور 1975ء' جلد 15' ص 475 [3] حجتہ اللہ البالغہ' از' شاہ ولی اللہ' مترجم' محمد عبدالحق حقانی' نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص 132

4. The Reconstruction of Religious thought in Islam, by, Mohd. Iqbal, Annotated by, M. Saeed, Lahore. 1986, P. 62

5. The Social Science Encyclopaedia, Edited by, Adam Kuper and Jessica Kuper London, 1985, P. 583

"Personality is defined as those Characteristics of an individual which determine the unique adjustment he makes to his environment. Development begins at birth and continues throughout the life span".[1]

World Book Encyclopaedia

"Personality is a term that has many general meanings. Sometimes the word refers to the ability to get along well socially, for example, we speak of glamour courses designed to give a person "more personality" the term also may refer to the most striking impression that an individual makes on other persons".[2]

شاہ صاحب کی

شخصیت میں وہ تمام خوبیاں اپنے انتہائی عروج پر تھیں جو ایک بگڑے ہوئے معاشرے کو سدھارنے کے لئے ضروری اور ایک ایسی قوم پر جو جمود کی حالت میں ہو' کو انقلاب کی طرف مائل کرنے اور عمل پر ابھارنے کے لئے ضروری ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ سے معاشرے کی اصلاح کا کام لینا تھا۔ اسی لئے آپ کی شخصیت میں انسانی حالات وواقعات اور معاشرے میں پائی جانے والی بے چینی اور اضطراب وبے راہ روی کا ادراک کرنے کا فہم موجود تھا۔ آپ کی یادداشت قابل رشک حد تک عمدہ تھی۔

"The power of retaining, recalling and recognizing previous experience. In its most developed and significant meaning memory is a faculty of the higher intellect. Memory serves as a link with our own past and constitutes on all important ingredient in the integrative process of our personalities and the recognition of our selves as individuals. Memory alone forms the link in the continuous flux of perception, and is, according to David Hume (d. 1776), the source of personal identity".[3]

1. The Encyclopaedia Dictionary of Psychology, Rom Harre & Roger Lamb, England, 1983, P. 460
2. The World Book Encyclopaedia, U.S.A., 1980, Vol. 15, P. 264
3. Encyclopaedia of Esoteric Man, Benjamin Walker, Routledge & Kegam Paul, London, 1977, P. 166

شاہ

صاحب کی یادداشت پر آپ کے اساتذہ فخر کرتے تھے۔ اور آپ مدینہ میں علم حدیث حاصل کرتے وقت اپنے استاد کی نظر میں محترم تھے اپنے ہم جماعتوں میں ممتاز تھے۔ آپ نے مدینہ منورہ سے ہندوستان واپسی پر عربی میں کتابیں تصنیف کیں معاشرے کی اصلاح کا کام شروع کیا انسائیکلوپیڈیا اسلام کا مقالہ نگار شاہ ولی اللہ کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے رقم طراز ہے۔

"Era of regeneration : The 12th/18th century was an era of regeneration in Indian Islam. Shah Walli Allah (1114-76/1703-63) **and Shah Kalim Allah (1060-1142/1650-1724)** were the two outstanding figures who attempted to revive the original teachings of Islam - one at the intellectual, and the other at the spiritual level. Shah Walli Allah gave a new impetus to the revival of the religious sciences. He laid the foundation of a new school of scholastic theology; bridged the gulf between the jurists and the mystics; softened the controversy between the exponents and the critics of the doctrine of wahdat-ul-wadjud and awakened a new spirit of religious enquiry. He addressed all sections of Muslim society - rulers, nobles, ulama, mystics, soldiers, trader etc., and tried to infuse a new spirit of dedication in them. His seminary, Madrasa-i-Rahimiyya, became the nucleus of a revolutionary movement for the reconstruction of religious thought in Islam and scholars flocked to it from every corner of the country. His concentration on Fikh and Tasawwaf and his attempt to make them complementary was determined by his conviction that through a dynamic use of these two active principles both the structural and the spiritual aspects of Muslim religious life could be resuscitated and a healthy balance between the form and the spirit which had been shattered during the preceding years could be maintained. His work was continued by his sons and successors. The extent to which he and his family contributed to the revival of Muslim religious sciences may be judged from the fact that the majority of Muslim institutions all over India from the 12th/18th century onwards owe their existence to their efforts".[1]

1. Encyclopaedia of Islam (New Edition) Edited by, C. E. Bosworth, E. Van Donzel, B. Lewis, Ch. Pellat, Published by E. T. Brill, Leiden, Netherlands, 1986, Vol. III, P. 432

شاہ ولی اللہ کی ذات گرامی اس دور پر آشوب میں ایک ایسے روشن چراغ کی مانند تھی جس سے بھٹکے ہوئے مسافر زندگانی دنیا و آخرت کی کامیابی کی راہ کی طرف راہنمائی حاصل کر کے اپنی منزل کو پا لیتے تھے۔ عربی زبان وادب میں شاہ ولی اللہ کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ حجتہ اللہ البالغتہ' ازالتہ الخفاعن خلافتہ الخلفاء' عقدالجید فی الاجتہاد والتقلید' درالثمین فی مبشرات النبی الامیین' الخیر الکثیر' الانصاف فی بیان سبب الاختلاف' مسوی شرح موطا امام مالکؒ' الارشادالی مہمات علم الاسناد' تراجم البخاری' السر المکتوم فی اسباب تدلین العلوم' حسن العقیدہ' الفضل المبین فی المسلسل من حدیث نبی الامیین' النوادر من احادیث سید الاول والاخر' شرح تراجم بعض ابواب البخاری' تجوید محمدیؐ اور دوسری بے شمار کتب اس کا کھلا ثبوت ہے۔ مندرجہ بالا شاہکار تصانیف عربی زبان وادب میں گرانقدر اضافہ ہے۔ ان کتابوں کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ شاہ صاحب نے افراتفری کے زمانہ میں علمی کتب تصنیف کر کے عربی زبان وادب کی ایسی خدمت کی ہے۔ کہ اس پر شاہ صاحب کی ذات گرامی کو جس قدر خراج تحسین پیش کیا جائے کم ہے۔

اسلوب تحریر کو انسانی تہذیب وتمدن کی ترقی میں اہم مقام حاصل ہے۔ اس لئے کہ علم کی ترویج اور علم کو پھیلانے کا سلسلہ تحریروں کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ قدیم زمانے میں حافظے کی بناء پر علم اور فضل کے متعلق معلومات محفوظ ہوتی تھیں۔ تحریر کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پہلی وحی کے نزول میں ہی پڑھنے کے ساتھ تحریر کا ذکر ہے۔ ارشاد خداوندی ہے۔ اقرا وربک الاکرم○ الذی علم بالقلم○ علم الانسان مالم یعلم○ 3:96 تا 5 ترجمہ = آپ پڑھئے اور آپ کا رب کریم ہے۔ جس نے علم سکھایا قلم سے انسان کو ان اشیاء کا علم دیا جن سے وہ ناواقف تھا۔ [1] یہ پہلا سبق ہے جو اللہ تعالٰی نے علم کی افادیت واہمیت کے متعلق دیا اسلام سے پہلے علم ایک مخصوص طبقے کی میراث سمجھا جاتا تھا عام انسان کے لئے اس کی نہ ضرورت سمجھی جاتی تھی اور نہ علم تک اس کی پہنچ تھی اسلام ہی وہ پہلا دین ہے جس نے علم کی ضرورت پر زور دے کر عام انسانوں تک علم پہنچایا اور اس دولت کو عام کیا۔ [2] "زبان ایک جاندار چیز کی مانند بڑھتی ہے' پھیلتی ہے' اثر قبول کرتی ہے' اثر ڈالتی ہے' لسانی تاریخ یہ بتاتی ہے کہ زبانیں زمان ومکان کی تبدیلیوں سے ہمیشہ متاثر ہوتی ہیں۔ جب فاتحین اپنی کوئی جدا زبان لے کر آتے ہیں۔ تو مفتوحین وفاتحین

[1] القرآن الکریم = علق : 1 تا 3 [2] نورستان قرآن حکیم اور ہماری زندگی' از' حکیم محمد سعید ہمدرد فاؤنڈیشن پریس کراچی ص 158 ۔

دونوں کی زبانیں باہمی اثر پذیر ہوتی ہیں۔ دوسری تہذیبوں کا غلبہ بھی ان عوامل میں سے ہے۔ جن کے زیر اثر مغلوب اقوام کی زبانیں نئے نئے الفاظ وتراکیب اور خیالات قبول کرتی ہیں۔ یہ ایک ایسا قدرتی عمل ہے۔ جسے نہ روکا جا سکتا ہے۔ نہ اس کا انکار کیا جا سکتا ہے۔ یورپ پر عربی کے اثرات' امریکہ میں انگریزی کے نئے دبستان کا قائم ہونا' ماوراء النہر اور ہندوستان میں فارسی زبان کا نفاذ بھی اسی قسم کے اہم تہذیبی واقعات ہیں۔ [1] زبان کے ساتھ ساتھ تحریر بھی انسانی تہذیب وتمدن کی ترویج وترقی میں بنیادی حیثیت کی حامل ہے۔

"Man has always needed to make permanent records of important events as information passed down from one generation to another. By words of Mouth was liable to lose its meaning or become forgotten altogether at some stage. One way to record an event was to show it in a paining or drawing. A sequence of events could be described in a series of drawings and these were often simplified, so that they could be drawn or carved more quickly. In this way, symbols were gradually invented to represent objects and actions". [2]

"Writing, the communication of ideas by means of conventional symbols that are traced, incised, drawn or otherwise formed on the surface of the some material such as stone, metal, bamboo, papyrus, parchment, or paper. The complex society of a higher civilization would be impossible with out the art of writing". [3]

"Writing and Alphabet is such an important invention that no other method of communication is likely to rival it. Alphabet may differ from language to language but the ideas behind them remain the same". [4]

[1] ارمغان دانشگاہ' مقالہ نگار' ڈاکٹر سید عبداللہ' باہتمام سید وزیر الحسن عابدی' تقدیم' پروفیسر علامہ علاؤ الدین صدیقی' ناشر' دانشگاہ پنجاب لاہور ص 15

[2] Encyclopaedia of Knowledge, Published by, Macdonald Educational Ltd., Barcelona, 1984, P. 244

[3] Encyclopaedia Americana, Grolier Incorporated, U.S.A., 1980, Vol. 29, P. 558

[4] Encyclopaedia of Indica by Jagdish Sarah Sharma, S. Chand & Company, Delhi, Vol. II, P. 1345

"Writing method of human intercommunication by means of orbitrary visual marks forming a system".[1]

"دنیا میں خیالات کو قلم بند کرنے کے جتنے طریقے آج تک رائج ہوئے ہیں ان میں قدیم تر طریقہ تصویر کشی کو قرار دیا جاتا ہے۔ جن اقوام نے اپنے کارناموں کی تحریری یادگاریں چھوڑی ہیں۔ ان میں اہل مصر کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ مصری آثار کی شہادت یہ ہے کہ ابتدا میں حروف نہیں تھے۔ بلکہ تصویروں کے ذریعے احساسات وجذبات اور خیالات وتصورات قلم بند کئے جاتے تھے اہل مصر سے زیادہ اہل بابل کی تہذیب پرانی ہے۔ یہ کہنا ذرا مشکل ہے۔ کہ سب سے پہلے کس قوم نے تحریر کا آغاز کیا"۔[2] "کسی زبان میں تبادلہ خیالات کرنے کے لئے کلام کی سب سی پہلی وجود پذیر ہونے والی قسم نثر ہے۔ اس لئے کہ وہ آسان اور بے قید ہونے کے ساتھ ساتھ سب کی ضرورت کی چیز ہے نثر کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو مسجع جس کے ہر دو فقروں کے آخری کلمات کو موزوں و مقفی لانے کا التزام کیا جائے دوسری مرسل جس میں سادگی اختیار کی جائے۔ تک بندی اور قافیہ کی قید ملحوظ نہ رکھی جائے طبعی قوت' موروثی ذہانت اور عجمیوں سے بہت کم اختلاط کے باعث عربوں کی نثر نہایت شستہ' پاکیزہ' آسان اور سلجھی ہوئی تھی"۔[3] تحریر کے بارے میں ابتدائی معلومات کے بعد اب یہ دیکھنا ہے کہ عمدہ اسلوب تحریر کی کیا خصوصیات ہیں۔ جن کی بناء پر کسی تحریر کو اچھا یا قابل تعریف کہا جاسکتا ہے۔ کیونکہ ایک عام ادبی یا مذہبی آدمی کے مقابلے میں ادبی' مذہبی اور علمی طور پر ممتاز اور اعلیٰ شخصیت کی تحریر کی دلکشی اور اثر میں فرق ہوتا ہے۔ یہاں پر چونکہ شاہ ولی اللہ کے اسلوب تحریر کا ذکر ہے۔ اور شاہ صاحب کی ذات کی علمیت وبزرگی کے مسلمانوں کے علاوہ ہندو اور انگریز عالم بھی معترف ہیں لہٰذا اسلوب تحریر کے ذکر میں فرق واضح کرنے اور درجہ متعین کرنے کے لئے ہر پہلو کا جائزہ لینا ضروری ہے۔ اسی طرح ہم بہترین رائے قائم کر سکتے ہیں۔ بہترین اور اچھی تحریر کی خصوصیات درج ذیل ہیں۔

Funk & Wagnals New Encyclopaedia, Vol. 28, P. 19

[2] تاریخ ادب عربی' از' احمد حسن زیات مترجم عبدالرحمٰن طاہر سورتی' ناشر' شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور' حرف آغاز' از' افتخار احمد اعظمی' ص 39 [3] تاریخ ادب عربی' از' احمد حسن زیات مترجم عبدالرحمان طاہر ص 63

"Craft of writing, good writing, whether in the form of an essay, article, book review or short story, creates a unified impression, the writer's intention, his theme permeates the entire work. To achieve this, the writer has to be quite clear about what he is trying to say. Theme is the writer's attitude toward the material, the implications he sees in it, or his interpretation of it. Theme is central to any good piece of writing, because it is through the theme that a subject is made intelligible, meaningful, and significant. Through the theme a reader gets at the quality of a writer's intelligence and perceives whether he has anything important to say".[1]

"تحریر میں اگر دلکشی اور حسن ہے تو تحریر اچھی ہے۔ اگر تحریر ان سے عاری ہے تو بری ہے۔ اس دلکشی کے لئے کوئی قاعدہ ضابطہ نہیں تحریر کی دلکشی اسی طرح تحریر سے پھوٹ نکلتی ہے۔ جس طرح بخوردان سے خوشبو کا دھواں یا جیسے پہاڑ کی چوٹی سے گھٹا امڈتی ہے۔ جو یہ نہیں جانتی کہ وہ کدھر جائے گی۔ گویا بہترین اسلوب امڈتی ہوئی گھٹا اور بہتے ہوئے پانی کی طرح ہے۔[4]

"رایت فی المنام اللیلۃ العاشر من صفر سنۃ اربع واربعین والف وماتہ بمکۃ المبارکۃ کان الحسن والحسین رضی اللہ عنہما ترم فی بیتی وبید الحسن رضی اللہ عنہ اکثر لسانہ تبسط الی یدہ لیعطینی قال ھذا قلم جدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثم قال حتی یصلحہ الحسین فلیس ما اصلحہ الحسین کمالم یصلحہ فاخذہ حسین رضی اللہ عنہ فاصلحہ ثم ناولکنیہ مسرات بہ ثم جئی بردلہ مخطط فیہ خط اخضر وخط بیض فوضع بین یدیھما فرنصہ حسین رضی اللہ عنہ وقال ھذا رداء جدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثم البسنی فوضعتہ علی راسی تعظیما لحمدت اللہ تعالٰی ثم انتبہت۔ ترجمہ = میں نے ماہ صفر کی دسویں تاریخ 1144ھ ایک ہزار ایک سو چوالیس ھ میں مکہ مکرمہ میں خواب دیکھا کہ امام حسنؓ اور حسینؓ میرے گھر تشریف لائے اور حضرت حسنؓ کے ہاتھ میں ایک قلم ہے۔ جس کی نوک ٹوٹی ہوئی ہے۔ انہوں نے میری طرف ہاتھ بڑھایا تاکہ وہ قلم مجھے عنایت کریں اور فرمایا یہ ہمارے جد اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قلم مبارک ہے۔ پھر فرمایا ذرا اسے حضرت حسینؓ ٹھیک کردیں اس لئے کہ یہ ایسا نہیں ہے۔ کہ جیسا حضرت حسینؓ نے سنوارا تھا۔ چنانچہ حضرت حسینؓ نے اس

---

1. Encyclopaedia International, Lexicon Publications Inc., New York, 1982, Vol. 19, P. 502

[4] جینے کی اہمیت' از' لین۔ یو۔ تانگ' مترجم' مختار صدیقی' مکتبہ میری لائبریری لاہور' 1960 ص 665

قلم کو لے لیا اور سنوار کر پھر مجھے عنایت کر دیا میں بہت خوش ہوا اس کے بعد دھاریدار چادر لائی گئی جس میں ایک سبز اور ایک سفید دھاری تھی اور ان دونوں کے سامنے رکھ دی گئی۔ حضرت حسینؓ نے اس چادر کو اٹھایا اور فرمایا یہ میرے جد اکرم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر ہے۔ اس کے بعد وہ مجھے اوڑھا دی میں نے اس چادر کو اپنے سر پر تعظیماً" رکھا اور اللہ تعالیٰ کا شکر کیا۔ پھر میری آنکھ کھل گئی۔[1]

شاہ صاحب کے اسلوب تحریر کے متعلق رحیم بخش دھلوی رقم طراز ہیں۔ "شاہ ولی اللہ صاحب انشاپردازی کے فن میں بھی بے مثال اور یگانہ روزگار تسلیم کئے گئے ہیں۔ اور آپ کی یہ صفت خاص تمام قائلوں کو تسلیم ہے۔ کہ بڑے سے بڑے مضمون کو نہایت مختصر اور جامع الفاظ میں اس خوبصورتی سے ادا کرتے ہیں کہ مضمون کا اصلی اثر اور زور پورا قائم رہتا ہے۔ آپ نے اس فن میں اس قدر کمال بہم پہنچایا تھا۔ کہ آپ کے تمام مسودات بڑے فصیح وبلیغ انشاء پرداز نہایت وقعت وقدر کی نگاہ سے دیکھتے اور فن انشاء کے شائقین جان سے زیادہ عزیز رکھتے تھے آپ کے مکاتیب اور خاص خاص مناظروں اور علمی بحثوں میں جابجا انشاء کے نمونے لکھے ہوئے نظر آتے ہیں۔ آپ کے ہر ہر فقرے سے شستہ بیانی کی شہادت ملتی ہے۔ اور لٹریچر کا کمال بہت کچھ ثابت ہوتا ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ آپ کی علمی سوسائٹی اور مناظرو کے حالات جن سے آپ کے زور تحریر اور وسعت نظر کا حال معلوم ہو۔ بہت کم دستیاب ہیں۔"[2]

"جیسا کہ شاہ ولی اللہ کی نگارشات کی طویل فہرست سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ وہ ایک قاموس انشاء پرداز تھے۔ ان کی اہم کتب زیادہ تر عربی زبان میں ہیں۔ جن میں اہل زبان کی سی روانی وقدرت اور ادباء عرب کی سی عربیت ہے"[3] انسانی طبیعت اور اس کے سلسلہ خیالات کا آئینہ ہمیشہ اس کی تحریر و تقریر ہوا کرتی ہے۔ یعنی جو بات آدمی کے دل میں ہوتی ہے۔ وہی اس کے زبان وقلم سے نکلتی ہے۔ شاہ ولی اللہ کی زبان وقلم سے وہی نکلتا تھا جو دل میں ہوتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جو اثر اس وقت آپ کی زبان میں تھا وہی اثر آج ہم آپ کی تحریر میں پاتے ہیں۔"[4] شاہ صاحب کا عربی اسلوب تحریر اپنے اندر ایک بہترین اور منفرد دلکشی کے ساتھ ساتھ مطالب کے بیان کی عمدگی اور عبارت کی روانی اور تسلسل کا حسین امتزاج رکھتا ہے۔

---

[1] فیوض الحرمین' از' شاہ ولی اللہ' مترجم' مولانا عابد الرحمان' محمد سعید اینڈ سنز کراچی ص 65 - 66 [2] حیات ولی' از' رحیم بخش ص 501 [3] ہندی مسلم تہذیب' از' قاضی جاوید' ص 247 [4] حیات ولی' از' رحیم بخش' ص 512

مشاہدا اخری۔ آنحضرت صلعم کو تمام انبیاء کرام پر فوقیت حاصل ہے۔

على الاجمال ماتوجهت قبل قبره عليه الصلوة والسلام الا ورايته حاضرا ظاهرا امابان انفتح ببصر روحى فرايته على ماهو واما ان تاثرت نفسى منه تاثرا فكان ذلك الاثر حالها عنه فيوما توجهت اليه ونفسى ملاى من الشوق اے ظهور حقيقته ما خصصت به من معارف مراتب الجود واستنباط معارف الشرايع من قبل تفتش حال النفوس فلمقت نفسى بنفد عليه الصلوة والسلام وامتلات ابتهاجا بتلك العلوم فتلجا بها فيوما الفيض على نظر الحق فانه شئى خصص به النبى صلى الله عليه وسلم من الانبياء لما بينا من هيكل النظى واختصاصه وانتقاله بانتقاله الى الناسوت فتوجهت اليه اشد توجه فانطبع لون هذا النظر فعرفت حينئذ نفسى كانها ينظر اليها الله تبارك وتعالى وايقنت ان من خواص ان هذا الرجل لا يجلس فى مكان يذكر فيه ربه الا تبعته السموات والارضون لا سيما اجزاء الارض الى السفلى واجزاء الى السماء السابعة بل العرش فانه اذا استمكن من الرجل صار قطباء وفطنت عندالافاضة انه ليس انطباعا كهيئة الانطباعات بل دخل فى جوهر الروح وبدن النفس فيوما تبدالى النور كهيئة اهل الملاء السافل فرايته ينبع من قبره صلعم ينبوعا" شجاجا۔ ترجمہ: علے الجمال جب بھی میں روزہ اطہر علیہ الصلوۃ والسلام کی جانب متوجہ ہوا تو آپؐ کو حاضر دیکھا یا یہ کہ میری روح کی آنکھ کھل گئی تو میں نے جیسا کہ آپؐ ہیں اسی طرح دیکھا اور میرا نفس اس سے بہت زیادہ متاثر ہوا تو یہ ایک اثر آپؐ کا خاکی ہے۔ غرض یہ کہ ایک روز میں آپؐ کی طرف متوجہ ہوا

تو آپؐ کو حاضر دیکھا یا یہ کہ میری روح کی آنکھ کھل گئی تو میں نے جیسا کہ آپؐ ہیں اسی طرح دیکھا اور میرا نفس اس سے بہت زیادہ متاثر ہوا تو یہ ایک اثر آپؐ کا خاکی ہے۔ غرض یہ کہ ایک روز میں آپؐ کی طرف متوجہ ہوا اور میرا نفس اس چیز کی حقیقت ظاہر ہونے کی وجہ سے جس سے میں خاص ہو کر آپؐ کے شوق سے لبریز تھا۔ یعنی مراتب جود کے معارف اور استنباط معارف شرائع نفوس کی حالت دریافت کرنے کی وجہ سے تو میرا نفس آنحضرت صلعم کے نفس مبارک سے قریب اور ان کے علوم کی خوشی اور سرور سے لبریز ہو گیا۔ اور ایک روز مجھ پر نظر حق کا افاضہ ہوا اور وہ ایک شے ہے۔ جس کی بناء پر آنحضرت صلعم کو تمام انبیاء سے خصوصیت حاصل ہے۔ اس ھیکل تدلی کی وجہ سے جو کچھ کہ ہم بیان کر چکے ہیں۔ اور اس کا خاص ہونا اور ان کا ناسوت کی طرف اس کے انتقال سے منتقل ہونا غرض کہ میں بہت شدت کے ساتھ آنحضرت صلعم کی طرف متوجہ ہوا تو میرے نفس میں اس نظر کا لون منطبع ہوا تو میں نے پہچانا گویا کہ اس وقت میرے نفس پر اللہ تبارک وتعالیٰ نظر کر رہا ہے۔ اور میں نے یقین کیا کہ اس نظر کے خواص میں سے ہے۔ کہ ایسا شخص جس مکان میں بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے تو تمام آسمان اور

زینیں اس کی پیروی کرتی ہیں۔ خصوصاً اجزاء زمین نیچے تک اور فضاء وہوا کے اجزاء ساتویں آسمان بلکہ عرش تک اور جس وقت اس انسان کو اس پر قرار حاصل ہو۔ تو قلب ہو جاتا ہے۔ اور میں نے افاضہ کے وقت یہ بات سمجھی کہ یہ منطبع ہونا انطباعات کے طریقہ پر نہیں بلکہ یہ تو جوہر روح اور طبیعت نفس میں داخل ہے۔ اور ایک روز میری طرف ایک ایسا نور ظاہر ہوا جیسا ملاء سافل والوں کی صورت ہے۔ اور میں نے دیکھا کہ وہ روضہ اقدس صلعم سے ایک چشمہ کی طرح شدت کے ساتھ جوش مار رہا ہے۔

مشہد = یعنی روضہ اطہر اور منبر مبارک کے انوار وبرکات!

بینما انا اصلی سجئہ الضحی فی مصلی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وبین المنبر والقبر اذتجلی الی السر الذی استفدت اصلہ من حقیقتہ الکعبتہ فھو قرب الملاء الا علی ومخ العبادة ففطنت حینئذ مراد النبی صلی اللہ علیہ وسلم من قولہ اما السجود فاجتھدوا فی الدعاء وقولہ علیہ السلام لبعض اصحابہ اعنی علی نفسک بکثرة السجود فھذا القرب لا یحصل الا بالدعاء تضرعا والحاحا وطراحا بین یدی المولی وتذللا علی بابہ واعتصا ما باعتابہ ولایحصل حتی یجتھد فی الدعاء فی السجدة لان السجود شبح لھذا القرب ولکل شبح الی حقیقتہ شارع من جوھرہ والرحمتہ العامتہ اذاتوجھت الی البشر واردات الافاضتہ علیھم کان التعرض لنفحاتھا والتمکن لجلولھا والتھیئی لتحققنھا اعانتہ لھا وتتمیما لمرادھا ولما کان السجود اقرب حال الی التعرض لنفحات الرحمتہ امرالنبی صلی اللہ علیہ وسلم باکثارہ خاصتہ وفھمت حقیقتہ قولہ ھل تضارون فی القمر لیلتہ البدر قالولا قال فکذلک ترون ربکم فلا تغلبن علی صلوة قبل طلوع الشمس وصلوة قبل غروبھا فھی التجلی المتجلی یوم القیمہ ھوالذی یکون قبل وجہ المصلی اذا صلی فھوالذی یقاسم العبد فی الصلوة ویجاوب من یکن جلباب البدن یمنع الناس ان یبصروہ ببصر الروح وایجلب ھذا البصر بصرا الجسد فا اذا کان یوم القیمتہ وکشف الحجاب استقل بصرالروح واستتبع بصر الجسد فلیست نشاة الا خری الا من بقایا نشاة الدنیا فلا فرق بین الرویتہ ببصر الروح التی یرزقھا افراد فی ھذہ الدار وبین الا خرویہ التی تعم المسلمین الا بطرح الجلباب ثم کل رایت وکل حدیث بحرا مواجا بہ من الا سرار مالو کتبت شرح سر واحدہ منھا فی مجلدات لمااحاطتہ ورایت الاسرارالحقیقہ مبتذلتہ فی اشارات القرآن والسنتہ فقضیت العجب کل العجب فتجلی لی عقیب ذلک التدلی لا عظم فرایتہ غیر متناھی الا رجاء ورایت نفسی غیر متناھیہ فاذا یتنی قابلت غیرالمتاھی بغیر المتناھی فاتلمت کلہ لم اغاورمنہ مقدار ذرہ فرجعت الی نفسی

وتحیرت من عظمھا وکبرھا سریعتہ ثم سری عنی فا اذا انا ملان من النور یدر علی من فوقی ومن تحتی ومن یمینی و من شمالی بل رایتہ ینبع من قلبی وعینی ویدی وسائر جوارحی وجوالجی فکان ھذا خر ھزا المشھد۔

ترجمہ = ایک روز میں نبی اکرم صلعم کے مصلی میں جو کہ قبر مبارک اور منبر کے درمیان ہے۔ چاشت کی نماز پڑھ رہا تھا۔ یکایک اسرار نے مجھ پر تجلی کی جن کی اصلیت کو کعبہ کی حقیقت سے میں نے استفادہ کیا اور یہی ملاء اعلی کا قرب اور تمام عبادتوں کا مغز ہے۔ تو اس وقت میں رسول اللہ صلعم کے اس فرمان کا مطلب سمجھا کہ امالسجود فاجھتد فانی الدعا اور آپؐ نے جو اپنے بعض اصحابؓ سے فرمایا اعنی علی نفسک بکثرة السجود یہ قرب حاصل نہیں ہوتا مگر تضرع اور زاری اور الحاح کے ساتھ دعا کرنے اور مولیٰ کے روبرو سر جھکانے اور اس کے دروازہ پر ناک رگڑنے اور اس کا آستانہ پکڑنے سے اور یہ چیز نہیں حاصل ہوتی۔ تاوقتیکہ سجدہ میں پڑ کر کوشش کے ساتھ دعا نہ کرے اس لئے کہ سجدہ اس تقرب کے لئے ایک ذریعہ ہے اور ہر ایک ذریعہ کے لئے اس کی حقیقت کی طرف اس کے جوہر میں سے ایک شارع ہے۔ اور رحمت عامہ جس وقت بشر کی طرف متوجہ ہوتی اور ان پر افاضہ کا ارادہ کرتی ہے۔ تو اس کی خوشبوؤں کا پیش آنا اور اس کے حلول کا متمکن ہونا اور اس کی تحقیق کا آمادہ ہونا مدد ہو جاتا ہے۔ اس رحمت کا اور اس کی مراد پورا ہونے کا جب ہو جاتا ہے اور کیونکہ سجدہ نفحات رحمت کے پیش آنے کے زیادہ قریب تھا۔ اسی واسطے رسول اللہ صلعم نے کثرت سجود کا خاص طور پر حکم فرمایا ہے۔ اور اسی طرح مجھ پر آپؐ کے اس فرمان کی حقیقت ظاہر ہوئی کہ آپؐ نے فرمایا کیا تمہیں چودھویں رات کے چاند دیکھنے میں کوئی تکلف ہوتا ہے۔ حاضرین نے جواب دیا نہیں آپؐ نے فرمایا تو پھر اسی طرح تم اپنے پروردگار کو دیکھو گے۔ لہٰذا سورج نکلنے سے قبل کی نماز اور غروب ہونے سے پہلی نماز کو نہ فوت ہونے دو اور وہ حقیقت یہ ہے کہ قیامت کے دن جو تدلی جلوہ کرے گی وہ وہی ہو گی جو نمازی کے سامنے نماز پڑھنے کے وقت ہوتی ہے۔ اور یہ وہی چیز ہے جو نماز میں بندہ کی مقاسم اور مجاوب ہوتی ہے۔ لیکن پردہ بدن انسان کو روح کی آنکھ سے دیکھنے نہیں دیتا اور روح کی آنکھ بدن کی آنکھ پر غالب نہیں آتی۔ سو جب قیامت کا دن ہو گا اور پردے مرتفع ہو جائیں گے تو روح کی آنکھ مستقل ہو جائے گی اور جسم کی آنکھ پیچھے رہ جائے گی۔ اور عالم آخرت نشاۃ دنیا کا بقایا ہے۔ اور کچھ فرق نہیں روح کی آنکھ سے دیکھنے سے جو دنیا میں سب کو حاصل ہو جاتی ہے۔ اور آخرت میں یہ چیز مسلمانوں کے لئے عام ہو جائے گی۔ مگر پردہ کی آنکھ اٹھ جانے سے اس کے بعد میں نے ہر ایک آیت اور حدیث کو اسرار کا ایک دریائے مواج دیکھا۔ کہ اگر ان میں سے ایک کی بھی شرح لکھی جائے تو بہت سی جلدوں میں نہ آئے اور میں نے اسرار خفیہ کو دیکھا کہ اشارات قرآن کریم اور حدیث شریف میں محفوظ

ہیں تو میں بہت متعجب ہوا اس کے بعد مجھ پر تدلی اعظم جلوہ گر ہوئی۔ اسے میں نے دیکھا تو اس میں کوئی حد ہی نہیں ہے۔ اور میں نے اپنے نفس کو غیر متناہی دیکھا اور میں نے معلوم کیا کہ ایک غیر متناہی کے مقابل ہے۔ میں وہ سب نکل گیا اس میں سے ایک ذرہ بھی نہیں چھوڑا اس کے بعد میں نے اپنے نفس کی طرف رجوع کیا۔ اور اس کی عظمت اور بزرگی کی وسعت سے متحیر ہوا پھر وہ تدلی اعظم مجھ سے پوشیدہ ہو گئی۔ اس وقت میں نور سے بھرا ہوا تھا۔ جو میرے اوپر اور نیچے اور میرے دائیں اور بائیں سے پڑ رہا ہے۔ بلکہ میں نے اسے دیکھا کہ میرے قلب اور میری آنکھوں سے میرے ہاتھوں بلکہ میرے تمام اعضاء سے نکل رہا ہے۔ اور یہ اس مشہد کا آخری حصہ ہے۔

مشہد آخر = روح مبارک صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت! غاب عنی الهيكل المثالي وتجلى حقيقة روحه صلى الله عليه وسلم متجردة عن الا استة التى كانت لبسها حتى بعض اجزاء النسمة ووجدتها حينئذ كما كنت وجدت بعض ارواح الا ولياء المتقدمين جدا فنحت من روحى صورة متجردة على شاكلتها فشاهدت من الا نجذاب والشموخ مالا يقدر اللسان على وصف۔

ترجمہ = ہیکل مثالی مجھ سے غائب ہو گئی اور مجھ پر روح مبارک صلعم کی حقیقت ظاہر ہوئی۔ جو کہ ان ملبوسہ لباسوں سے مجرد اور پاک تھی حتی کہ بعض اجزاء نسمہ بھی اور میں نے اس وقت اس طرح پایا جیسا کہ پہلے بعض ارواح اولیاء متقدمین کو پایا تھا۔ اس کے بعد میری روح سے ایک صورت متجردہ اس کی شکل کی پیدا ہوئی اور میں نے انجذاب اور بلندی کا اس قدر مشاہدہ کیا کہ زبان اس کی توصیف پر قادر نہیں۔

مشہد آخر = شاہ ولی اللہ آخری نقاط علم ہیں! استفدت منه صلى الله عليه وسلم ان اتسعت نفسى حتى لحقت بوراثته بالبرزة المثالية للتدلى الاعظم التى انتقلت الى الناسوت مع انتقاله صلى الله عليه وسلم اليه واتصت بها وافضيت اليها وخالطتها فرايتنى شبحالها من اشبحين احدهما الاتم الاعم القريب الى حضرة الوجود الخارجى والثانى نسبته الى الاولى كنسبة مخرج المذهب الى صاحب المذهب فهو قريب الى حضرة الموجود العلمى وسميت حينئذ بالزكى باخر نقاط العم وعرفت حينئذ ان من خالطها وافضى اليها كما خالطت و افضيت اى دخلت فى جوهر روحه كمثل دخول اليادداشت فى جوهر النفس بان ينشرح النقطة التى جبل عليها الانسان به فمن شعب مقامه المجددية والوصاية والقطبية وامامة الطريق فان يكون كلمة باقية فى عقبه والسر عميق فتدبر۔

ترجمہ = میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے استفادہ کیا حتی کہ میرا نفس وسیع ہو گیا۔ یہاں تک کہ میں آپ کی اس وراثت کی بناء پر لاحق ہو گیا۔ تدلی اعظم کی برزہ مثالیہ کو جو آپ کے منتقل ہونے کے ساتھ ناسوت کی طرف منتقل ہو گیا اور میں متصل ہوا اور پہونچا اور مل گیا اس برزہ کے ساتھ

بایں طور کہ تو مجھے دو حالتوں اور شکلوں میں ایک حالت خیال کرے کہ ایک ان میں سے اتم اور اعم ہے۔ اور قریب ہے حضرت وجود خارجی سے اور دوسری حالت کی پہلی حالت سے ایسی نسبت ہے۔ جیسا کہ مذاہب تخریج کرنے والے کی صاحب مذاہب سے کہ وہ حضرت وجود علمی کے قریب ہے۔ اور اس وقت میرا نام زکی اور آخری نقاط علم رکھا گیا اور اس وقت میں نے معلوم کر لیا کہ جو اس برزہ سے مخلوط ہوا۔ اور اس تک پہونچے جیسا کہ میں مخلوط ہوا اور اس تک پہونچا یعنی اس کی جوھر روح میں داخل ہو گیا تو یہ چیز یادداشت کے داخل ہونے کے طور پر ہے۔ جو ہر نفس میں بایں طور کہ اس سے وہ نقطہ کھل جاتا ہے جہاں نفس آکر حاصل ہوا ہے۔ سو اس مقام کے شعبوں میں سے مجددیت 'وصایت' قطبیت اور امامت طریق ہے اور یہ بات اس وقت حاصل ہوتی ہے۔ جب اپنے بعد کلمہ باقیہ کا مصداق ہو۔ غرض کہ اسرار عمیق ہیں غور سے کام لینا چاہئے۔

مشہد آخر = حقیقت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم

قمت بين يديه صلعم سلمت عليه فتكنفت متضرعا لديه والصقت روحى اليه فبرق منه بارق فتلقته روحى اتم تلق فى لمحته واحدة اواقرب من ذلك فتعجبت من سرعته تلقيها والا حاطته باصلها وفرعها وجميع ارجاءها فى ان واحد بل اقل من ان فذلك البارق تجلى الحبل الممدود الذى شد به العالم باسره فرايت هذا التجلى دخل فى جوهر روحه واهل هذا الجبل الممدود التدبير الواحد الفائض من المبدء الذى تفصيلته العالم باسره وفروعه التدبيرات التفصيلته التى يقوم بها العالم فعلمت ان هذا الحبل هو حقيقته الحقيقته المحمدية فمامن قطب محدث ولا نبى مكلم الا وله نصيب منه والله اعلم۔ ترجمہ = میں رسول اللہ صلعم کے سامنے کھڑا ہوا۔ اور آپ کو سلام کیا اور کمال عاجزی سے آپ کے حضور میں ہاتھ پھیلائے اور اپنی روح کو آپ کی جانب متوجہ کیا۔ آپ کی روح مبارک سے انوار چمکے تو میری روح نے بڑے اچھے طریقے پر ایک لحہ یا اس کے قریب میں اس سے ملاقات کی میں متعجب ہوا کہ کس قدر روح نے جلد ملاقات کی اور اصل اور فرع اور تمام اطراف کو ایک آن بلکہ اس سے بھی کم میں احاطہ کر لیا اور یہ انوار اس جبل ممدود کی تجلی ہے۔ جس سے تمام عالم بندھا ہوا ہے اور میں نے دیکھا کہ یہ تجلی آپ کے جوہر روح مبارک میں داخل ہے۔ اور اصل اس جبل ممدود کی تدبیر واحد ہے جو کہ اس مبداء سے فائض ہے کہ جس کی تفصیل تمام عالم ہے اور جبل ممدود کی فروع وہ تدبیرات تفصیلیہ ہیں جن سے تمام عالم قائم ہے۔ اور میں نے یہ چیز بھی دریافت کر لی کہ یہ جبل ممدود حقیقت محمدیہ کی حقیقت ہے۔ اور اسی سے ہر ایک قطب' محدث اور نبی متکلم

کو حصہ ملا ہے"[1]

شاہ ولی اللہ کی عربی تحریر کا حسن نہ صرف ان کی نثر بلکہ نظم میں بھی پایا جاتا ہے۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں!

وفی ارسالہ للناس طرا ۔۔۔ اشارات لاصحاب الولاء

ترجمہ = اللہ تعالیٰ نے حضور نبی کریم صلعم کو تمام انسانوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس فعل میں اصحاب محبت کے لئے بہت سے اشارات ہیں۔

فلا صادے غلیل القلب الا ۔۔۔ ویصدر من نداء بار تواء

ترجمہ = کوئی ایسا پیاسا نہیں جو اپنے سینہ میں پیاس کی جلن محسوس کرتا ہے۔ مگر جب وہ حضورؐ کی عطا و بخشش کی طرف رجوع کرتا ہے تو سیراب ہو جاتا ہے۔

نفیہ رقیقتہ بازاء کل ۔۔۔ وکل رقیقتہ سر اقتداء

ترجمہ = یعنی آنحضرت صلعم کی ذات اقدس میں اپنی امت کے ہر فرد کے مقابلہ میں ایک باریک نقطہ ہے۔ اور ہر نقطہ اس شخص کی پیروی کا راز ہے۔ جس کا حضور صلعم سے تعلق ہے۔ یعنی ظاہری اور پوشیدہ لطائف اس طرح حضور صلعم کی ذات میں جامعیت سے موجود ہیں کہ ہر اعتبار سے اور ہر وجہ سے حضور صلعم اس کے شایان ہیں کہ مخلوق حضورؐ کی پیروی کرے اور اطاعت کا دامن مضبوطی سے تھامے رکھے۔

تعالی اللہ لا تحبہ فردا ۔۔۔ یفوق الناس طرا فی العلاء

ترجمہ = اللہ تعالیٰ بزرگ وبلند ہے۔ یہ گمان مت کر کہ حضور صلعم اولاد آدم میں سے ایک فرد واحد ہیں۔ بلکہ وہ دوسرے تمام فرزندان آدم سے بلندئی مرتبہ میں فائق اور اعلیٰ ہیں۔ جس طرح کہ اکثر مدح کرنے والوں نے ذکر کیا ہے۔

وفی امر الشفاعتہ حین یلحی ۔۔۔ لھا من بعد عذر الانبیاء

ترجمہ = قصہ شفاعت میں بھی اصحاب فنافی الرسول کے لئے کئی اشارے ہیں اس وقت جب حضور صلعم کو شفاعت کے لئے عرض کیا جائے گا جب کہ تمام انبیاء عذر پیش کر چکے ہوں گے۔

فیرحمھم بدعوتہ جمیعا ۔۔۔ فیکرمھم باصناف العطاء

ترجمہ = پس اللہ تعالیٰ تمام اولاد آدم پر محبوب رب العالمین صلعم کی دعا کے طفیل رحم

---

[1] فیوض الحرمین' از' شاہ ولی اللہ' مترجم' مولانا عابد الرحمٰن' ص 114 تا 125

فرمائے گا اور ان کو طرح طرح کے انعامات سے مشرف فرمائے گا۔

کانبوب لرحمتہ تعالی ۔۔۔ فما الانبوب الا قیس ماء

ترجمہ = آنحضرت صلعم بہ امر شفاعت اللہ تعالیٰ کی رحمت کے لئے فوارہ کی مانند ہیں اور فوارہ اس پانی کی مقدار کے مطابق ہوتا ہے۔

واخر مالمادحہ اذا ما ۔۔۔ احس العجز عن کنہ الثناء

ترجمہ = آنحضرت صلعم کا ثناء گو جب حقیقت ثناء گوئی سے اپنی نارسائی کا احساس کرتا ہے تو اس وقت آخر میں اس پر یہ حالت طاری ہوتی ہے۔

ینادی ضار عالخضوع قلب ۔۔۔ وذل وانتھال والتجاء

ترجمہ = دعا میں اخلاص اور زاری کی انتہا یہ ہے کہ خوار وشکستہ دل ہو کر اپنی بے مائگی کا اظہار کرے اور بڑے اخلاص کے ساتھ بارگاہ رسالت میں یوں مناجات کرے۔

رسول اللہ یا خیر البریا ۔۔۔ نوالک ابتغی یوم القضاء

ترجمہ = یارسول اللہ! اے اللہ کی ساری مخلوق سے بہتر! ہم قیامت کے دن حضورؐ کی عطا کے خواستگار ہیں۔

اذا ماحل خطب مظلم ۔۔۔ فانت الحصن من کل البلاء

ترجمہ = جب آپ کے اس غلام پر کوئی بڑی تاریک مصیبت نازل ہو جائے اے میرے حبیب! آپ ہی میرے لئے قلعہ پناہ ہیں۔ ہر مصیبت سے۔

الیک توجھی وبک استنادی ۔۔۔ وفیک مطامعی وبک ارتجائی

ترجمہ = ان مصیبت کے لمحوں میں یارسول اللہ میں اپنا رخ حضورؐ کی ذات کی طرف کرتا ہوں اور حضورؐ کی ذات سے ہی پناہ لیتا ہوں اور میری ساری امیدیں حضور کی ذات کے دامن میں ہی وابستہ ہیں۔[1]

شاہ صاحب اپنی عربی تحریروں میں آیات قرآن' احادیث نبویؐ' عربی محاورات' اشعار' ضرب الامثال اور بزرگوں کے اقوال نہایت شاندار انداز میں عبارت کے موقع محل کے مطابق بڑی خوش اسلوبی سے استعمال کرتے ہیں۔ جس سے پڑھنے والا کیف وسرور کی وادیوں میں پہنچ جاتا ہے اور تحریر کا اثر اس کی روح کی گہرائیوں تک اتر جاتا ہے۔

---

[1] قصیدہ الطیب النغم' از' شاہ ولی اللہ' مترجم' پیر محمد کرم شاہ' ضیاء القرآن پبلیکیشنز لاہور 1985ء ص 222-207

شاہ ولی اللہ کا عربی زبان و ادب پر عبور = شاہ ولی اللہ الجزاء اللطیف میں فرماتے ہیں نعمت عظمی بریں ضعیف آن است کہ اور ا خلعت فاتحیہ وادہ اندو فتح دورہ باز پسین بروست دے کردہ اندو ارشاد فرمودند کہ مرضی در فقہ چیست ؟ آنرا اجمع کردہ فقہ وحدیث از سر نو بنیاد کرد۔ واسرار حدیث و مصالح احکام وترغیبات و سائر آں چہ حضرت پیغامبر صلی اللہ علیہ وسلم از خدائے تعالیٰ آورد وہ اندو آں نحے اوست کہ پیش ازیں فقیر مضبوط تراز تخن ایں فقیر کے آں رانہ کردہ است بارجود جلالت ایں فن و علم کمالات اربعہ یعنی ابداع وخلق و تدبیر وتدلی بااین عرض وطول و علم استعداد نفوس انسانیت ہمیچ باد کمال مال ہر کسے افاضہ فرمودند۔ وایں ہر دو علم جلیل اند کہ پیش از فقیر کسے برگردآں گشتہ وحکمت عملی کہ صلاح ایں دورہ در آں است بو سنتے تمام افادہ نمودند و توفیق شیدآں بکتاب و سنت و آثار صحابہ دادہ اند۔ انتہی۔ ترجمہ = **فاتحیت کا خلعت** = اس بندہ ضعیف پر خدا تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت یہ ہے کہ مجھے فاتحیت کا خلعت پہنایا گیا ہے اور پچھلے دور کا افتتاح میرے ہاتھ سے کرایا گیا ہے۔ مجھ سے پوچھا گیا کہ فقہ میں اچھی باتیں کیا ہیں؟ چنانچہ میں نے ان کو جمع کر کے فقہ حدیث نئے سرے سے مرتب کر دی۔

امام صاحب کی خصوصیات:- میں نے فن اسرار حدیث اور مصالح احکام و ترغیبات وغیرہ جو آنحضرت صلعم خدا سے لے کر آئے ہیں اور جن کی آپؐ نے تعلیم فرمائی ہے' مدون کیا۔ یہ وہ فن ہے کہ مجھ فقیر سے پہلے اس کے بارے میں کسی شخص نے مجھ سے بہتر بات نہیں کہی' حالانکہ یہ علم نہایت عظیم الشان ہے۔ نیز مجھے کمالات اربعہ یعنی ابداع' خلق' تدبیر اور تدلی کا نہایت وسیع علم عطا کیا گیا ہے ایسے ہی نفوس انسانی کی استعدادات کا کامل علم عطا کیا گیا ہے جس سے ہر شخص کا کمال اور انجام معلوم ہو سکتا ہے۔ یہ دونوں وہ بلند مرتبہ علم ہیں کہ مجھ فقیر سے پہلے کسی نے ان کے بارے میں کچھ نہیں لکھا۔ اس کے علاوہ مجھے حکمت عملی اپنی تمام وسعت کے ساتھ دی گئی ہے جس پر زمانہ حال کی اصلاح کا مدار ہے اور مجھے اس حکمت عملی کے اصول کو خدا تعالیٰ کی کتاب (قرآن حکیم) اور اس کے نبی صلعم کی سنت اور آپؐ کے اصحاب کے آثار کے ذریعے سے پختہ کرنے کی توفیق دی گئی ہے۔

شاہ صاحب تفہیمات الٰہیہ جلد دوم ص 120 پر فرماتے ہیں

فھمنی ربی جل جلالہ انک انعکس فیک نور الاسمین الجامعین نور الاسم المصطفوی والاسم العیسوی علیھما الصلوت والتسلیمات فعسی ان تکون سادا الافق الکمال' غاشیا لا قلیم القرب فلن یوجد بعدک مقرب الا فلک دخل فی تربیتہ ظاھرا وباطنا حتی ینزل عیسی علیہ السلام۔

وعسی ان ینزل علیک الحق فا کالنظام العالم کما تنزل الصاعقۃ فتنک فتقمع کلما تماسہ ویظھر الایات من بین یدیک ومن خلفک ومن یمینک ومن یسارک ویطلع شمس الحق ساطعۃ فتنمحی کل ظلام من شرور عالم التخلیط۔ وعسی ان یتم لک ذلک ان تکون الارض نورانیۃ ویذھب عنھا الجور والجفاء حتی ترتفع الحاجۃ الی المھدی فایتا خر وجودہ الی مدۃ طویلۃ فتلک النعمۃ الکبری لا ترام فوقھا۔ فازعجنی ھذا التفھیم ازا عاجا قویا فخرجت الی الحجاز فلما بلغت الساحل عاقت امور یطول ضعھا فتقلقت قلقا شدیدا ففھمنی ربی جل جلالہ ان ھذا منصب جلیل فی غایۃ الجلالۃ لا تستطیع ان تبلغہ الا بعد ان تتم کلمت نامر ک بھما فالقول الجملی فی ذلک ان تسیر بسیرۃ الانبیاء علیھم السلام ظاھرا وباطنا' وتھدی امۃ من الناس ولا یکون' بینک وبین احد ربط المحبۃ الا ربطا منصبغا بصبغ اللہ سبحانہ فان اتممت ذلک فعسی ان یرزقک ما تر جوہ فلکل امر اجل مسمی لا یجاوزہ= ترجمہ = مجھے اللہ تعالیٰ نے بذریعہ الہام سمجھایا ہے کہ "تجھ پر دو جامع اسموں کا نور منعکس ہوا ہے (یعنی) اسم مصطفوی اور اسم عیسوی علیھما الصلوت والتسلیمات۔ تو عنقریب کمال کے افق کا سردار بن جائے گا اور قرب الٰہی کی اقلیم پر حاوی ہو جائے گا۔ تیرے بعد کوئی مقرب الٰہی ایسا نہیں ہو سکتا۔ جس کی ظاہری اور باطنی تربیت میں تیرا ہاتھ نہ ہو۔ یہاں تک کہ حضرت عیسی علیہ السلام نازل ہوں عنقریب تجھ پر حق نازل ہو گا جو نظام عالم کو توڑنے والا ہو گا۔ جیسے بجلی گرتی ہے تو اس چیز کو جس سے وہ چھوتی ہے' توڑ پھوڑ دیتی ہے۔ اور تیرے چاروں طرف تجھ سے اللہ کی نشانیاں ظاہر ہوں گی۔ اور حق کا آفتاب طلوع کرے گا۔ جس سے اس دنیا سے شر کے تمام اندھیرے دور ہو جائیں گے۔ عنقریب یہ سب باتیں پوری ہو کر رہیں گی اور زمین نورانی ہو جائے گی اور اس پر سے ظلم اور جفا دور ہو جائیں گے۔ یہاں تک کہ مہدی کے آنے کی حاجت بھی رفع ہو جائے گی۔ اور ایک طویل زمانے تک اس کا وجود پیچھے جا پڑے گا۔ یہ وہ عظیم الشان نعمت ہے جس سے بڑھ کر انسانی وہم وگمان میں بھی نہیں آسکتی۔ اس الہام نے مجھے شدید قلق میں مبتلا کر دیا چنانچہ میں حجاز کی طرف روانہ ہوا۔ جب میں ساحل پر پہنچا' تو مجھے بے شمار رکاوٹیں پیش آئیں۔ جس سے مجھے اور بھی قلق ہوا اس پر مجھے اللہ تعالیٰ نے بذریعہ الہام سمجھایا کہ تو اس نہایت بلند مرتبے پر ان باتوں کے پورا کرنے کے بعد ہی پہنچ سکتا ہے جن کا ہم تجھے حکم دیتے ہیں۔ ان کا خلاصہ یہ ہے کہ تو ظاہری اور باطنی طور پر انبیا علیہم السلام کی سیرت پر چلے اور لوگوں میں سے ایک جماعت کو ہدایت دے اور تیرے ساتھ جس کا بھی رشتہ محبت ہو' وہ اللہ کے رنگ سے رنگین ہو۔ اگر تو نے یہ بات پوری کر لی تو عنقریب وہ چیز حاصل ہو جائے گی جس کی تو تمنا کرتا ہے (بایں ہمہ یہ یاد رکھ کہ) ہر ایک امر کے لئے وقت مقرر ہے۔ وہ اس سے آگے پیچھے نہیں ہو سکتا۔"

محمودیہ وعبیدیہ' از' مولانا عبیداللہ سندھی' مترجم' شیخ بشیر احمد' لاہور' 1968ء

شاہ صاحب کو عربی زبان و ادب پر مکمل عبور حاصل تھا اس کا سب سے بڑا اور روشن ثبوت عربی زبان میں شاہ صاحب کی بے مثال اور شاہکار تصانیف ہیں جو انسانی تہذیب و تمدن کے ساتھ انسانی معاشرے کے تمام پہلوؤں کا مکمل طور پر احاطہ کرنے کے علاوہ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں انسانی زندگی کے لئے مکمل راہنمائی بہترین انداز میں پیش کرکے ایک کامیاب دنیاوی اور اخروی زندگی گزارنے کی ضمانت فراہم کرتیں ہیں نہ صرف نثر بلکہ نظم و شاعری میں بھی شاہ صاحب نے شاندار انداز میں عربی زبان و ادب کی خدمت کی ہے اورنگ زیب عالمگیر کی وفات کے بعد انتشار اور بدامنی کے رسوائے زمانہ معاشرتی' مذہبی' سیاسی اور تہذیبی دور میں جب زبان و ادب تو ایک طرف لوگ اپنے مذہب کے ساتھ ساتھ اپنی زندگی جیسی قیمتی چیز سے مایوسی کی حد تک بیزار تھے شاہ صاحب نے عربی زبان و ادب کے ذریعے اسلامی تعلیمات کو ایسے دل نشین انداز میں پیش کیا اور عربی زبان و ادب کی خدمت' تصانیف کے ذریعے' اشعار کے ذریعے' مکتوبات کے ذریعے' سب سے بڑھ کر مدرسہ رحیمیہ میں ہزاروں تشنگان علم کو تعلیم کے زیور سے آراستہ کرنے کے ذریعے کی جو انسانی تاریخ میں ایک سنہری باب بن چکا ہے اور لائق صد تحسین ہے عربی زبان و ادب سے دلچسپی رکھنے والے اہل علم شاہ صاحب کے اس وقت بھی شکر گزار تھے اور اب بھی شکر گزار ہیں "1857ء سے قبل کی علمی دنیا کا ذکر کرنا شاہ ولی اللہ کے خاندان کا ذکر کرنا ہے اس خاندان نے علوم دینی کی وہ عظیم الشان خدمت انجام دی ہے جس کی تاریخ میں نظیر نہیں ملتی مولانا نذیر احمد دھلوی نے اپنے ترجمۃ القرآن کے شروع میں نہایت صحیح لکھا ہے "انہوں نے (شاہ ولی اللہ) اور ان کے خاندان نے ہند میں اسلام کی قریب قریب ویسی ہی خدمتیں کی ہیں جیسی عرب میں قرون اولی کے مسلمانوں نے یعنی اصحابؓ نے' تابعینؒ نے اور تبع تابعینؒ نے اور آئمہ مجتہدینؒ نے کی تھیں میرا خیال تو یہ ہے کہ ہندوستان میں اسلام جتنا کچھ بھی ہے اور جیسا کچھ بھی ہے اسی خاندان عالیشان کا طفیل ہے ان بزرگوں نے اسلام کی اشاعت میں وہ کیا جو دین حق کا دلدادہ' قوم کا مصلح' ہمدرد و خیر خواہ کرسکتا ہے دین کی کتابوں کے درس دیئے' ترجمے کئے' وعظ کہے' تصنیفیں کیں۔[1] شاہ صاحب کی فہم و فراست کی بہت سی روایتیں مشہور ہیں لیکن میں اس موقع پر صرف ایک روایت نقل کرتا ہوں جس سے آپ کی معاملہ فہمی اور تصفیہ مقدمات میں مجتہدانہ کمال بہت کچھ ثابت ہوتا ہے ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ کہیں سے ایک فتویٰ جناب شیخ عبدالرحیم صاحب کی خدمت میں آیا جسے ہندوستان اور دیگر بلاد کے مشہور و نامور علماء نے واپس کردیا تھا کیونکہ زیادہ پیچیدگی کے سبب سے اس کا نفس مطلب بالکل کسی کی سمجھ میں نہیں آتا تھا شیخ عبدالرحیم صاحب کے طلبہ کے حلقے میں ایک نہایت مستعد اور ذکی طالب علم تھا جو حدیث و فقہ اور دیگر تمام علوم کی کتابیں نکال چکا تھا اور جس کی ذہانت و لیاقت تمام لوگوں میں مشہور تھی خود شیخ عبدالرحیم صاحب اس کی طبع سلیم اور ذہن رسا کی تعریف کیا کرتے اور تمام محنتی طلبہ کے حلقے میں ممتاز و مستثنیٰ

[1] تاریخی مقالات' از' پروفیسر خلیق احمد نظامی' ندوۃ المصنفین دہلی' 1966ء ص 241

جانتے تھے الغرض شیخ صاحب نے اس فتویٰ کو اس طالب علم کے سپرد کیا اور فرمایا کہ فتویٰ تمہارے سپرد کیا جاتا ہے احکام شریعت کے مطابق اس کا فیصلہ کرو اور ایسا فیصلہ لکھو کہ فریقین میں سے کسی کو شکایت کا موقع باقی نہ رہے اور باہمی رضامندی سے یہ معاملہ طے ہو جائے چنانچہ وہ طالب علم فتویٰ لے گیا اور کامل ایک مہینے تک برابر اس پر غور کرتا رہا لیکن ہنوز کوئی بات اس کی سمجھ میں نہیں آئی انجام کار بمجبوری شیخ صاحب کو اطلاع دی کہ یہ معاملہ ایسا پیچیدہ اور اہم ہے کہ مجھے امید نہیں پڑتی کہ آپ کے سوا کوئی فقیہ اسے حل کرسکے جناب شاہ ولی اللہ صاحب اس وقت سولہ سال کی عمر رکھتے تھے اور ابھی علوم و فنون کی تکمیل نہ ہوئی تھی جس وقت اس طالب علم نے فتویٰ واپس دیا تو شیخ عبدالرحیم صاحب نے اپنے فرزند رشید جناب شاہ ولی اللہ صاحب کے حوالہ کرکے فرمایا مجھے امید ہے کہ اس کا فیصلہ تمہارے ہاتھ سے ہو جائے گا جہاں تک عقل و دانش سے مدد لی جاسکتی ہے تمہیں اس مقدمہ میں لینا چاہئے شاہ صاحب نے فوراً اس فتویٰ کو اٹھالیا اور گھر جاکر اس کا جواب لکھا اور ایسا جواب شافی لکھا جسے سن کر شیخ عبدالرحیم صاحب اور تمام طلبہ نہایت خوش ہوئے اور جسے تمام علماء نے تسلیم کیا اور کہا انصاف یہ ہے کہ اگر شاہ ولی اللہ چند روز اور علمی مشق میں صرف کریں گے تو تمام آئمہ وقت اور فقہائے زمانہ میں مجتہدانہ کمال حاصل کرلیں گے[1] شاہ ولی اللہ اور ان کے معاصر علماء کے خطوط میں عربی الفاظ کی کثرت ہے یہ لوگ عربی فارسی اور علوم متداولہ کے مستند فضلاء تھے ان کی عبارت میں متانت اور سنجیدگی پائی جاتی ہے مذہبی اصطلاحوں' عملی مسائل و مباحث کی وجہ سے عبارت میں ثقل کا پیدا ہونا ناگزیر ہے مگر ان کا جوش و جذبہ بہت سی مشکلات کو آسان کردیتا ہے[2] ڈاکٹر زبید احمد برصغیر پاک و ہند میں بہترین انداز میں لکھے گئے خطبوں کا ذکر کرتے ہوئے حضرت نظام الدین اولیاء (725ھ - 1324ء) کے خطبے کا ذکر کرنے کے بعد رقم طراز ہے شاہ ولی اللہ دھلوی نے بھی چند خطبے لکھے ہیں جن میں سب سے عمدہ وہ خطبہ ہے جس کا آغاز ان الفاظ میں ہوتا ہے "الحمدللہ الذی خلق الانسان وقداتی علیہ حین من الدھر لم یکن شیاء مذکورا" اس خطبہ کی خاص خوبی یہ ہے کہ شاہ ولی اللہ نے بڑی قابلیت اور جدت طرازی کے ساتھ قرآن کریم کی سورۂ دہر (76) کی کچھ آیات کو اس خطبے میں بہت برمحل اور مناسب طور سے شامل کیا ہے مثلاً اس خطبہ کا پہلا جملہ جو اوپر درج کیا گیا ہے اس سورۂ کی پہلی آیت سے لیا گیا ہے اور اس میں صرف اتنی تبدیلی ہوئی ہے کہ متن سے مناسبت کا خیال رکھتے ہوئے ھل اتیٰ علی الانسان حین کی جگہ وقداتی علیہ حین لکھا گیا ہے اسلوب بیان کی یہ خوبی پورے خطبہ میں پائی جاتی ہے پاک و ہند میں یہ خطبہ بہت مشہور ہے[3] شاہ ولی اللہ نے سماجیات' معاشیات' انسانیات' معاشرات' سیاسیات' مذہبیات غرض کہ ہر شعبے میں عربی زبان و ادب کی ترقی و ترویج میں نمایاں خدمات سرانجام دی ہیں اپنے درس و تدریس کے ذریعے' اپنی تصنیفات کے ذریعے

[1] حیات ولی' از' رحیم بخش ص 493 - 494 [2] اردو دائرہ معارف اسلامیہ' رئیس ادارہ' ڈاکٹر سعید عبداللہ' دانش گاہ' پنجاب لاہور' 1978ء جلد 16/2' ص 477

[3] عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ' از' ڈاکٹر زبید احمد' مترجم' شاہد حسین رزاقی' ص 217

وصف خاص سے بہرہ ور کرنا' کسی خصوصیت سے ممتاز کرنا' پہلے مفہوم کی مثال جعل الظلمات والنور اور دوسرے کی مثال جعل لکم الارض فراشا وغیرہ ہے دونوں میں استعمال کا فرق یہ ہے کہ پہلا متعدی بہ یک مفعول اور موخر الذکر متعدی بہ دو مفعول ہے یہ علماء نحو کی اصطلاح ہے ایک معقول کی اصطلاح میں یہ دونوں قسمیں بالترتیب جعل بسیط اور جعل مرکب کہلاتی ہیں[1] شاہ صاحب اپنے وصیت نامہ میں فرماتے ہیں "ہم میں سے خوش قسمت وہ ہے جو عربی زبان کی صرف و نحو اور اس کی کتب ادب سے مناسبت پیدا کرے" [2] عربی ایک وسیع زبان ہونے کے ساتھ ساتھ فصاحت و بلاغت کے خزانوں سے مالا مال ہے امام بخاری" فرماتے ہیں عربی جیسی وسیع الذیل زبان کا ترجمہ اور وہ بھی افصح العرب صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات و فرمودات کا ترجمہ اس کے لئے تو انتہائی درجہ کی لیاقت علمی' زبان و محاورات پر عبور اور کئی طرح کے علوم و فنون پر مہارت تامہ رکھنے والا ہی قادر ہو سکتا ہے مترجم کو اس علم و فن سے جس کی وہ کتاب ہے حصہ وافر حاصل ہونا چاہئے اس زبان کی لغت و محاورات سے بھی بخوبی واقف ہونا ضروری ہے تمام معلومات اور علمی و مجلسی اور تاریخی حالات کا بھی اسے علم ہونا چاہئے اسیح الفہم اور قادر الکلامی کی صفت سے بھی مترجم کو متصف ہونا چاہئے۔[3] شاہ ولی اللہ صاحب میں علم و ادب کی وہ تمام خوبیاں موجود تھیں جو علم و ادب کی مہارت کاملہ کے متعلق بہترین خیال کی جاسکتی ہیں یا جن کے ذریعے کسی شخص کے علم و فضل اور اس کے دوسرے تمام علوم پر عبور کو پرکھا جاسکتا ہے شاہ عبدالعزیز فرماتے ہیں۔ "میں نے اپنے والد ماجد کے برابر حافظہ کسی کا نہیں دیکھا"[4]

"شاہ ولی اللہ کی علمی عظمت اور فکری جامعیت کو محض دین اسلام کو حکیمانہ اسلوب سے پیش کرنے یا معقول و منقول میں تطابق و آہنگ کا رنگ بھرنے کی حد تک محدود نہیں کیا جاسکتا تفسیر قرآن' علوم حدیث و فقہ' تصوف' ملی و سیاسی تاریخ اور عمرانیات آپ کے مباحث کے موضوع رہے ہیں آپ نے نہ صرف ان موضوعات کو اپنا موضوع بحث بنایا بلکہ ان علوم میں جہاں کہیں رطب و یابس' تضاد و نزاع کے باعث شریعت محمدیؐ میں خلل پڑ جانے کا اندیشہ تھا ایسے ہر پہلو پر بڑی کاوش و عمیق نگہی سے غور و فکر کیا اور ممکنہ حد تک

[1] الخیر الکثیر' از' شاہ ولی اللہ' مترجم' مولانا عبدالرحیم بمبئی 1902ء ص 23 [2] ارمغان شاہ ولی اللہ' از' محمد سرور ص 521

[3] الادب المفرد' از' امام بخاری"' مترجم' مولانا خلیل الرحمان نعمانی' دار الاشاعت کراچی جون 1961ء ص 22 [4] ملفوظات شاہ عبدالعزیز' مترجم' مفتی انتظام اللہ شہابی' ص 53

اس میں وحدت اور ہم آہنگی پیدا کرنے کی کامیاب کوششیں کیں جو آج تک ملت اسلامیہ کے لئے فکر و عمل کا ایک بیش بہا خزانہ اور ورثہ ہیں"[1] "شاہ ولی اللہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی مدح میں ایک قصیدہ عربی زبان میں لکھا ہے اور فارسی میں اس کی شرح بھی قلم بند کی ہے قصیدہ اور شرح دونوں شائع ہو چکی ہیں اور ان کی بڑی قدر کی جاتی ہے شاہ عبدالعزیز نے بھی عربی لغت لکھی ہے اور رفیع الدین نے اپنے دادا کی نظم (روح) کے ہر ایک بند میں تین تین مصرعوں کا اضافہ کیا ہے"[2] شاہ صاحب کے ساتھ ساتھ ان کا خاندان بھی عربی زبان و ادب کی خدمت میں پیش پیش تھا نواب صدیق حسن خاں لکھتے ہیں "اگر وجود او در صدر اول و در زمانہ ماضی می بود امام الائمہ و تاج المجتہدین شمردہ مے شد" یعنی آپ پہلے زمانہ میں پیدا ہوتے تو آپ کو اماموں کا امام سمجھا جاتا اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ہم اپنی کم ہمتی اور تقلید پسندی سے امام نہیں کہتے ورنہ جہاں تک علمی تبحر' دماغی قابلیت' مجتہدانہ نظر' سلیم الخیالی اور اشاعت کتاب و سنت کے سلسلے میں عظیم الشان قومی اور مذہبی خدمات کا تعلق ہے دنیائے اسلام میں بہت ہی کم شخص ہوں گے جن سے آپ پیچھے رہے ہیں آپ نے بیسیوں کتابیں لکھیں تفسیر' حدیث' تصوف' فقہ' تاریخ' علم الکلام غرضیکہ علوم اسلامی کی کوئی شاخ نہیں جسے آپ نے سیراب نہ کیا ہو اور اللہ کا فضل ایسا شامل حال تھا کہ جس چیز کو ہاتھ لگاتے کندن ہو جاتی۔[3] پروفیسر محمد حبیب صدر شعبہ سیاسیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی رائے میں "حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کو متفقہ طور پر اٹھارویں صدی کا سب سے ممتاز عالم اور صوفی تسلیم کیا جاتا ہے[4]" "جیسا کہ شاہ ولی اللہ کی نگارشات کی طویل فہرست سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ایک قاموس انشاء پرداز تھے۔ انہوں نے مذہب و الہیات کے کم و بیش سبھی اہم موضوعات پر قلم اٹھایا ہے سید ابوالحسن ندوی نے درست ہی کہا ہے کہ شاہ ولی اللہ اسلام کے ان چند مصنفین میں سے ہیں جن کی تعداد مصنفین اسلام کی بے نظیر کثرت کے باوجود بہت کم ہے انہوں نے عربی اور فارسی زبانوں کو وسیلہ اظہار بنایا ہے ان کی اہم کتب زیادہ تر عربی زبان میں ہیں جن میں اہل زبان کی سی روانی و قدرت اور ادباء عرب کی سی عربیت ہے اور وہ ان بے اعتدالیوں سے پاک ہیں جو عجمی علماء کی عربی تحریر میں پائی جاتی ہیں شاہ ولی اللہ صاحب نے اپنے فلسفیانہ افکار کے اظہار کے لئے کئی اصطلاحات خود وضع کی ہیں"[5] "شاہ ولی اللہ صاحب کی فصاحت و بلاغت کا ہر شخص کو خصوصیت کے ساتھ اعتراف ہے جب آپ کی علمی مجلس میں کوئی بحث چھیڑ دی جاتی تو ایک عجیب موثر طرز سے تقریر کرنی شروع کرتے اور تقریر کے دوران کسی موقع پر نہیں رکتے تھے سلسلہ کلام میں الفاظ

[1] فلسفے کے بنیادی مسائل' از' قاضی قیصر الاسلام' نیشنل بک فاؤنڈیشن لاہور' 1976ء ص 459 [2] برصغیر پاک و ہند کے عربی گو شاعر (مقالہ فی المعارف)' از' ڈاکٹر زبید احمد' مترجم' شاہد حسین رزاقی' ادارہ ثقافت اسلامیہ کلب روڈ لاہور' معارف ستمبر 1971ء ص 34 [3] رود کوثر' از' شیخ محمد اکرام' ص 161

[4] شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات' ص' ز

[5] ہندی مسلم تہذیب' قاضی جاوید' وین گارڈ بکس لمیٹڈ لاہور' 1983ء ص 247

کی تکرار ہوتی تھی نہ معانی کو بار بار بیان کیا جاتا تھا جس فن پر گفتگو کرتے تھے تاوقتیکہ اس کا سلسلہ پورا ختم نہ ہو جاتا تھا دوسرے کو اختیار نہ کرتے تھے اور تقریر کے دوران ادب کا پہلو کبھی نہیں چھوڑتے تھے جب ایک گفتگو کا سلسلہ ختم کرکے دوسری گفتگو شروع کرتے تو پچھلی تقریر پہلی سے زیادہ موثر اور دلکش ہوتی تھی جناب شاہ عبدالعزیز صاحب آپ کے فرزند رشید جن کی برجستہ گوئی اور شعلہ بیانی آج تک دنیا میں ضرب المثل ہے یہ آپ ہی کی فصاحت و بلاغت کا اثر ہے"[1] "آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک حدیث ہے کہ وہ جو میرے امتیوں کے لئے ان کے دین سے متعلق چالیس احادیث جمع کرے گا اس کا حشر اللہ تعالیٰ علمائے دین کے ساتھ کرے گا اور قیامت کے دن میں اس کی شفاعت کروں گا" چنانچہ اس حدیث کی تعمیل میں بیرون ہند کثیر تعداد میں اربعین مرتب کی گئی ہیں ہند میں ایسے جو مجموعے مرتب ہوئے ان میں شاہ ولی اللہ کا مرتب کیا ہوا مجموعہ قابل ذکر ہے"[2] "بامقصد زندگی گزارنے والا آدمی ایک ایسے مسافر کی طرح ہوتا ہے جو اپنا ایک ایک لمحہ اپنی منزل کی طرف بڑھنے میں لگا دیتا ہے"[3] شاہ ولی اللہ صاحب کا نصب العین صرف اور صرف اسلام کی دنیا کے ہر معاشرے میں ہر انداز سے سربلندی اور بالادستی تھا اسی مقصد کی خاطر شاہ ولی اللہ صاحب نے اپنی ساری زندگی اسلام کے مختلف پہلوؤں کی تشریح اور اسلام میں تفرقہ بازی کے خاتمے کے لئے وقف کردی شاہ ولی اللہ اپنی عربی کی شہرہ آفاق کتاب "الخیر الکثیر" میں یوں رقمطراز ہیں "یاد رکھو جہاں کہیں بھی ہم نے جنابیت کا لفظ ذکر کیا ہے اس سے ہماری مراد یہ ہے کہ "حال" پر کسی کا علم مقدم ہو "حال" کا مفہوم اس کا وجود فی نفسہ ہے جبکہ اس کے ارتقاء علمی سے قطع نظر کرلی جائے برخلاف اس کے امیت سے مراد یہ ہے کہ علم پر "حال" مقدم ہو اس کی مثال یہ ہے کہ ایک خالص عرب عربی بولتے وقت تمام قواعد صرف و نحو کا بالطبع اس میں اجراء کرتا ہے اور کبھی غلطی نہیں کرتا لیکن اگر اس سے پوچھا جائے کہ مثلاً تم نے فاعل کو مرفوع اور مفعول کو منصوب کیوں پڑھا تو وہ اس کا جواب نہیں دے سکے گا (کیونکہ وہ غالباً اس سوال کا مطلب ہی نہیں سمجھا) لیکن جس کا عربی بولنا اکتسابی ہے وہ بھی اس خالص عرب کی طرح روانی سے عربی نہیں بول سکتا جس کی مادری زبان عربی ہے اور جو بالطبع صرف و نحو کی غلطی نہیں کرتا (اور یوں صرف و نحو کے قواعد میں وہ بیسیوں موشگافیاں کرتا ہے) ہاں یہ اور بات ہے کہ اس میں زبان دانی کا ملکہ اس قدر قوی ہو جائے کہ عربی زبان اس کے لئے بمنزلہ مادری زبان کے ہو اللھم انی اسالک علمانافعاوقلباخاشعابرحمتک یاارحم الرحمین"[4]

---

[1] حیات ولی، از حافظ رحیم بخش دہلوی، ص 504

[2] عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ، از ڈاکٹر زبید احمد، مترجم، شاہد حسین، ص 741 [3] راز حیات، از مولانا وحید الدین خان، مکتبہ اشرفیہ لاہور مئی 1986ء ص 11

[4] الخیر الکثیر، شاہ ولی اللہ، مترجم، مولانا عبدالرحیم، سوانی تاجران کتب بمبئی، 1902ء 37-136

"تقدیم کلمۃ التاخیرھا من معلمھا لضرورۃ رعایۃ الفاصلۃ و کذلک التکلم بالمجاز لضرورۃ فقد کلمۃ مثلھامن الحقیقۃ فی الحذفیۃ او مثل ذلک فان اخذنا ذلک بمعنی الاضطرار و عدم القدرۃ کان نقیصۃ وان اخذنہ بمعنی نزول القرآن علی لغۃ قریش و کان من لغتھم التقدیم والتاخیر لرعایۃ الفاصلۃ والتجور لعن ابتۃ فانزل وفق لغتھم من غیر اضطرار لہ الی ذلک ولکن لطفا بھم لیقون الکتاب بلغتھم التی یعرفونھا فتدبروہ حق تدبرہ۔" ترجمہ: کسی کلمہ کی اس کے محل سے تقدیم و تاخیر کرنا، رعایت فاصلہ کی ضرورت کے لئے اور اسی طرح مجاز کے ساتھ کلام کرنا غدوبت میں اس جیسا حقیقی کلمہ کوئی بھی نہیں پایا جاتا یا اس کے مثل سو اگر ہم اسے اضطرار اور عدم قدرت پر محمول کریں تو یہ چیز نقصان کی ہے اور اگر ہم یہ بات سمجھیں کہ قرآن کریم لغت قریش میں نازل ہوا اور ان کی لغت میں فاصلہ کی رعایت کی وجہ سے تقدیم و تاخیر اور غدوبت کی وجہ سے مجاز استعمال کرلیتے ہیں تو ان کی لغت کے موافق یہ نازل کیا گیا ہے کسی قسم کے اضطرار کی وجہ سے نہیں بلکہ ان پر لطف اور مہربانی کی وجہ سے کتاب اور قرآن کریم ان کی اس لغت میں نازل کیا گیا جسے وہ پہچانتے ہیں تاکہ وہ کماحقہ تدبر کریں"[1] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحب کو عربی زبان کے تمام قواعد و ضوابط سے انتہائی گہرا شغف تھا اور آپ کو عربی صرف و نحو کے قواعد پر مکمل علمی دسترس حاصل تھی۔ الخیر الکثیر میں ہی شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں۔ "عوام کا خیال ہے کہ الولی کے تین معنی ہیں اور ان معنی ثلاثہ پر علی سبیل الاشتراک اس کا اطلاق ہوتا ہے (الف) قریب (ب) سرپرست، اس معنی کے لحاظ سے وصی اور حاکم اور بادشاہ کو ولی کہا جاتا ہے (ج) محب اور محبوب لیکن ہمارے نزدیک اس کے ایک ہی معنی ہیں وہ یہ کہ اس کو (اللہ تعالیٰ کو) اپنے بندوں سے قرب ذاتی اور ازلی حاصل ہے محبت اور سرپرستی کے معنی اس کے ضمن میں آجاتے ہیں"[2] شاہ ولی اللہ صاحب نے مکتوب مدنی میں شیخ اکبرؒ اور مجدد الف ثانیؒ کے وحدت الوجود اور وحدت الشہود کے نظریات میں تطبیق کے متعلق سوال کا جواب دیتے ہوئے عربی الفاظ کی بڑے دلنشین انداز میں تشریح کی ہے جس سے ان کی عربی زبان پر عبور کا پتہ چلتا ہے یہاں پر صرف چند سطور پیش کی جارہی ہیں۔ وحدت الوجود اور وحدت الشہود دو لفظ ہیں جن کا اطلاق دراصل مختلف معنی پر ہوتا ہے کبھی کبھی ان کا استعمال "سیرالی اللہ" کے مباحث میں ہوتا ہے چنانچہ کہا جاتا ہے کہ فلاں سالک وحدت الوجود کے مقام پر فائز ہے اور فلاں وحدت الشہود پر جاگزیں ہے اس سیاق میں وحدت الوجود کے معنی ایسے شخص کے ہوں گے جو حقیقت جامع کی تلاش و عرفان میں گم اور مستغرق ہے استغراق کا یہ وہ مقام ہے جہاں یہ عالم رنگ و بو اپنے تمام امتیازات کے

---

[1] فیوض الحرمین، از شاہ ولی اللہ، مترجم، مولانا عابد الرحمٰن صدیقی، ص 210

[2] الخیر الکثیر، شاہ ولی اللہ، مترجم، مولانا عبدالرحیم، ص 149

ساتھ فنا کے گھاٹ اتر جاتا ہے اور تفرقہ و امتیاز کے وہ سارے احکام ساقط ہو جاتے ہیں کہ جن پر خیر و شر کی معرفت کا دارومدار ہے اور شرح و عقل جس کی پوری پوری نشاندہی کرتی ہے سیر و سلوک کا یہ مقام محض عارضی ہوتا ہے سالک چندے یہاں ٹھرتا ہے اور پھر اللہ تعالٰی کی دستگیری و توفیق اس کو جلد ہی اس مقام سے نکال لے جاتی ہے۔ اسی طرح وحدت الشہود کے معنی اس سیاق میں یہ ہوں گے کہ سالک ایسے مقام پر متمکن ہے جہاں یہ احکام جمع و تفرقہ کے ڈانڈے باہم ملے ہوتے ہیں یعنی سالک اس حقیقت کو پالینے میں کامیاب ہو گیا ہے کہ اشیاء میں جو وحدت نظر آتی ہے من وجہ ہے اور کثرت جو اس کے متبائن ہوتی ہے وہ بھی من وجہ ہے۔ کبھی کبھی ان الفاظ کا اطلاق حقائق اشیاء کی نسبت سے ہوتا ہے حادث و قدیم میں ربط و تعلق کی کون سی نوعیت کار فرما ہے؟ اس کے بارے میں دو نقطہ نظر پائے جاتے ہیں کچھ لوگ تو یہ کہتے ہیں کہ یہ عالم جو اعراض مختلفہ کا ہدف و نشانہ ہے اس کی تہہ میں ایک ہی حقیقت جاری و ساری ہے مثلاً جیسے شمع یا موم سے انسان، گھوڑے اور گدھے کی صورتیں بنائی جائیں یہ سب اگرچہ رنگ و روپ میں مختلف ہوں گی مگر مزاج و اصل کے لحاظ سے انہیں مختلف نہیں سمجھا جائے گا بلکہ ایک ہی قرار دیا جائے گا یعنی کہا جائے گا کہ طبیعت شمعیہ ان سب میں مشترک اور بنیاد کے طور پر پائی جاتی ہے ان رنگارنگ صورتوں کو اختیار کر لینے کے بعد شمع کا اپنا کوئی نام نہیں رہے گا بلکہ اس کو انہی ناموں سے پکارا جائے گا بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ یہی صورتیں درحقیقت انسان، گھوڑا اور گدھا کہلانے کی مستحق ہیں ہاں یہ البتہ صحیح ہے کہ ان کا اپنا کوئی وجود نہیں کیونکہ جب تک شمع یا موم سے ضمیمہ وجود مستعار نہ لیا جائے ان کا عالم خارجی میں تحقق ہی نہیں ہو پاتا دوسرا گروہ حادث و قدیم کے مابین ربط و تعلق کو اس طرح استوار کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ یہ عالم دراصل اسماء و صفات کے ان عکوس و ظلال سے تعبیر ہے کہ اعدام متقابلہ آئینوں میں ارتسام پذیر ہوتے ہیں مثلاً قدرت کا عدم عجز ہے لہٰذا جب قدرت کی ضوفشانیاں عجز کے آئینے میں ہوں گی تو اس سے قدرت ممکنہ ظہور میں آجائے گی جب موجودات کی یہ توجیہہ فہم و فکر کی گرفت میں آگئی تو تمام صفات وجود کو اسی پر قیاس کر لینے میں کوئی مضائقہ نہیں پہلا نقطہ نظر وحدت الوجود کی ترجمانی کرتا ہے اور دوسرا وحدت الشہود کی۔ ہمارے خیال میں کشف پر مبنی یہ دونوں نتائج صحیح ہیں ممکن ہے بعض حضرات یہ کہیں کہ وحدت الشہود کی اس توجیہہ کی تائید شیخ العربیؒ کے اقوال سے نہیں ہو پاتی ہم کہیں گے یہ سراسر سہو ہے شیخ، ان کے اتباع، تلامذہ اور حکماء سب اس کے قائل ہیں اس لئے کہ اگر ان اقوال کو مجازات و استعارات سے قطع نظر کر کے کہ جن کی وجہ سے فہم و ادراک کی مشکلات ابھرتی ہیں، حقیقت نفس الامری کا براہ راست مطالعہ کیا جائے تو حاصل کلام یہی نکلے گا کہ حقائق امکانیہ چونکہ شدید ضعف و نقص لئے ہوئے ہیں اور حقیقت وجود یہ ہی ایسی چیز ہے جو اتم و اقوی ہے لہٰذا کہا جا سکتا ہے کہ یہ حقائق امکانیہ اعدام ہیں جن میں کہ موجودات کی مختلف النوع صورتیں ارتسام پذیر ہوتی ہیں ظاہر ہے کہ وجود کی یہ تعبیر متفق علیہ ہے [1] "توجیہہ کے معنی ہیں

---

[1] مکتوب مدنی، از، شاہ ولی اللہ، مترجم، محمد حنیف ندوی، لاہور، 1966ء ص 8-6

صورت کلام کا بیان اور اس کلمہ توجیہہ کا حاصل یہ ہے کہ کبھی کسی آیت میں کوئی شبہ پیدا ہوتا ہے یا تو اس صورت کے استبعاد کی وجہ سے جو مدلول آیت ہے یا دو آیتوں کے باہمی تناقض سے یا اس وجہ سے کہ مبتدی کے ذہن پر مصداق آیت کا تصور دشوار ہوتا ہے یا کسی قید کا فائدہ اس کے ذہن نشین نہیں ہوتا ان صورتوں کے پیدا ہونے پر جب مفسران اشکالات کو حل کرتا ہے تو اس کا نام توجیہہ رکھا جاتا ہے مثلاً آیت "یا اخت ہارون" میں سوال کیا گیا کہ حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کے درمیان ایک طویل مدت کا فاصلہ ہے تو کیونکر ہو سکتا ہے کہ ہارون مریم علیہ السلام کے بھائی ہوں گویا کہ سائل نے اپنے ذہن میں یہ ٹھہرا لیا تھا کہ یہ ہارون وہی حضرت موسیٰ کے بھائی ہیں اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے جواب دیا کہ بنی اسرائیل اپنی اولاد کے نام ایسے صلحا کے نام پر رکھا کرتے تھے جو ان سے پہلے گزر چکے تھے" [1] اس سے شاہ ولی اللہ کے عربی زبان و ادب پر عبور اور مکمل علمی دسترس کا پتہ چلتا ہے "علم لغت عربی سے اس قدر جاننا ضروری ہے کہ جو قرآن و حدیث کے احکامی امور میں واقع ہوئے ہیں تمام لغات عرب کا احاطہ شرط نہیں اور بہتر یہ ہے کہ علم لغت میں اتنی محنت کرلے کہ عرب کے کلام کے مقصود سے واقف ہو جائے اس طرح کہ اختلاف مواقع اور حالات کی وجہ سے کلام مذکور سے یہ مراد ہے کیونکہ شریعت کا تخاطب عربی زبان میں ہے جو شخص عربی سے واقف نہ ہو گا وہ شارع کا مقصود نہ پہچانے گا" [2] "کمال زبان دانی یہ ہے کہ تم کو اہل زبان کی سی قدرت حاصل ہو عربی ہمارا اشعار قومی ہے زباندانی کی استعداد بے شک کتابوں کے ذریعے سے حاصل ہوتی ہے مگر اہل زبان سے گفتگو کرنا بھی ایک عمدہ ذریعہ ہے" [3] شاہ ولی اللہ نے چونکہ عرب کی مقدس سرزمین میں بھی تحصیل علم کے لئے وقت گزارا تھا جس کی وجہ سے ان کی عربی زبان پر گرفت مضبوط ہو گئی تھی۔

شاہ ولی اللہ عربی زبان کی اہمیت کے متعلق رقمطراز ہیں "طریقہ تعلیم تجربہ سے جو تحقیق ہوا ہے کہ پہلے صرف و نحو کے چھوٹے چھوٹے تین یا چار رسالے طالب علم کے ذہن کے مطابق پڑھائے جائیں اس کے بعد تاریخ یا حکمت عملی کی کوئی کتاب پڑھائیں جو عربی زبان میں ہو اور اسی درمیان میں کتب لغت کی ورق گردانی کرنا اور اس کے ذریعہ سے مشکل مقامات کو حل کرنا بھی بتا دیا جائے جب عربی زبان پر قدرت حاصل ہو جائے تو موطا بروایت یحییٰ بن یحییٰ معمودی پڑھائی جائے اور ہرگز اس کو نہ چھوڑیں کہ علم حدیث کی اصل ہے اور اس کے پڑھنے میں بہت سے فیوض ہیں اور ہمیں اس کا مسلسل سماع حاصل ہے" [4] اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحب عربی زبان پر عبور رکھنے کے ساتھ ساتھ عربی زبان کی بہترین انداز میں تعلیم

---

[1] ارمغان شاہ ولی اللہ، محمد سرور، ص 68 [2] عقد الجید، از، شاہ ولی اللہ، مترجم، ساجد الرحمٰن، کراچی ص 12 [3] موعظہ حسنہ، از، ڈپٹی نذیر احمد، مجلس ترقی ادب لاہور، مارچ 1963ء ص 6

[4] وصیت نامہ، از، شاہ ولی اللہ، مترجم، محمد ایوب قادری، شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدر آباد پاکستان، 1964ء ص

دینے پر بھی مکمل دسترس رکھتے تھے عربی زبان سے شاہ ولی اللہ کی محبت ان کے وصیت نامہ کی مندرجہ ذیل عبارت سے ظاہر ہوتی ہے

"ما مردم غریبیم کہ در دیار ہندوستان آبائے ما بغربت افتادہ اند و عربیت نسب و عربیت لسان ہر دو فخر ما است کہ مارا بسید اولین و آخرین و افضل انبیاء و مرسلین و فخر موجودات علیہ و آلہ صلوات والتسلیمات نزدیک می گرداند، شکر ایں نعمت عظمٰے آں است کہ بقدر امکان عادات و رسوم عرب اول کہ منشاء آں حضرت است صلی اللہ علیہ وسلم از دست ندہیم" [1] ترجمہ = ہم لوگ مسافر ہیں کہ ہمارے بزرگ ہند میں مسافرانہ آئے ہیں عربی نسب اور عربی زبان دونوں پر ہمیں فخر ہے کیونکہ یہ دونوں چیزیں ہمیں سید اولین و آخرین افضل انبیاء و مرسلین فخر موجودات علیہ و آلہ الصلوات والتسلیمات سے قریب کرتی ہیں اور اس نعمت عظمٰی کا شکریہ ہے کہ جہاں تک ہو سکے عرب اول کے عادات و رسوم کو نہ چھوڑیں کہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی اصل ہیں" [2] شاہ ولی اللہ چند علوم کے موجد ہیں آپ سے پیشتر ان کو کسی نے تدوین نہ کیا تھا ایک علم اسرار حدیث و قرآن و سائر احکام، دوم علم کمالات اربعہ یعنی ابداع، خلق، تدبیر اور تدلی، سوم علم استعدادات نفوس انسانیہ و کمال" [3] "قصیدہ اطیب النغم دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب شاہ ولی اللہ صاحب کو علم ادب اور شاعری میں جو علوم عربیہ کے عنصر ہیں کس درجہ لیاقت تھی اور آپ نے ان علوم کو کس عروج پر پہنچایا تھا" [4] شاہ ولی اللہ کے عربی زبان پر عبور کے بارے میں مولانا عبید اللہ سندھی رقم طراز ہیں۔ "قرآن عظیم کے مطالعہ اور اس کے عملی حقائق کے تعین میں فکری انتشار کا ایک باعث "ناسخ و منسوخ" کا مسئلہ بھی ہے ناسخ و منسوخ سے مراد یہ ہے کہ علماء کے نزدیک بعض آیتیں قرآن کی ایسی ہیں جو دوسری آیات کو منسوخ کرتی ہیں اس بات میں مزید الجھن اس بات سے بھی ہوئی کہ اہل قلم متفقہ طور پر یہ فیصلہ بھی نہیں کر سکے کہ قرآن مجید کی فلاں فلاں آیت منسوخ ہے چنانچہ اس معاملہ میں خود ان میں اختلاف موجود ہے مثلاً ایک عالم ایک آیت کو منسوخ قرار دیتا ہے اور دوسرا ہے کہ اس کی تنسیخ کا قائل نہیں لازمی طور پر اہل علم کے اس اختلاف کا اثر قرآن شریف پڑھنے والے اور اس سے احکام اور عملی نتائج اخذ کرنے والے پر پڑتا ہے مثال کے طور پر وہ ایک آیت سے ایک حکم نکالتا ہے لیکن اس کے دل میں یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ شاید یہ آیت کسی دوسری آیت سے منسوخ ہو چکی ہو اس طرح سے اس حکم پر عمل نہ کرنے کا عذر مل جاتا ہے اور وہ اس شبہ کی بناء پر اپنے آپ کو فارغ الذمہ سمجھ لیتا ہے شاہ ولی اللہ صاحب کے "رسوخ فی العلم" کے کمالات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپ نے ناسخ و منسوخ کے اس مسئلہ کو اطمینان بخش طریقے

---

[1] وصیت نامہ، از، شاہ ولی اللہ، دہلی، 1905ء ص 36 [2] وصیت نامہ، از، شاہ ولی اللہ، مترجم، محمد ایوب قادری، ص 81 [3] حجۃ اللہ البالغہ، از، شاہ ولی اللہ، مترجم، محمد عبد الحق حقانی، مقدمہ، از، مترجم، جلد اول، ص ج [4] حیات ولی، از، رحیم بخش ص 579

سے حل کر دیا ہے [1] شاہ ولی اللہ صاحب الفوز الکبیر میں فرماتے ہیں

لیعلم ان القرآن قد نزل بلغۃ العرب سویا بغیر تفاوت

وھم فھموا معنی منطوقہ بقریحتہ جلوا علیھا کما قال: (والکتاب المبین)

وقال: (قرآنا عربیا لعلکم تعقلون) لقال: (احکمت آیاتہ ثم فصلت) وکان من مرضی الشارع عدم الخوض فی تاویل متشابہ القرآن، و تصویر حقائق الصفات الالھیتہ لتسمیتہ المبھم، واستقصاء القصص، فما اشبہ ذلک ولھذا ما کانو یسئلونہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم من شئی من ذلک والذی وقع فی ھذا الباب شئی قلیل، ولکن لما مضت تلک الطبقتہ وداخلھم العجم وترکت اللغتہ استصعب فھم المراد فی بعض المواضع، واحتیج الی تفتیش اللغتہ والنحو، وجاء السوال والجواب بین ذلک، وصنفت کتب التفسیر، فلزم ان نذکر مواضع الصعوبتہ اجمالا ونورد امثلتہ فیھا، لئلا یحتاج عند الخوض الی زیادۃ بیان، ویقع الاضطرار الی المبالغتہ فی الکشف من تلک المواضع فنقولہ بسبب استعمال لفظ غریب، وعلاجہ نقل معنی اللفظ عن الصحابتہؓ والتابعینؒ وسائر اھل المعانی و تارۃ یکون ذلک لعدم تمییز المنسوخ من الناسخ فتارۃ یکون لغفلتہ عن سبب النزول و تارۃ یکون بسبب حذف المضاف او الموصوف الغیرھما فتارۃ لابدال شئی مکان شئی او ابدال حرف بحرف او اسم باسم الفعل بفعل اوالذکر الجمع موضع المفرد فبالعکس او لاستعمال الغیبہ مکان الخطاب فتارۃ بتقدیم ماحقہ التاخیر فبالعکس فتارۃ بسبب انتشار الضمائر و تعدد المراد من لفظ واحد فتارۃ بسبب التکرار والاطناب فتارۃ بسبب الاختصار والایجاز ومرۃ بسبب استعمال الکنایتہ والتعریض والمتشابہ والمجاز العقلی، فینبغی لاھل السعادۃ من الاحباب ان یطلعوا فی مبدا الکلام علی حقیقتہ ھذا الامور وشئی من امثلھا ویکتفوا فی موضع التنبیر باشارۃ ورمز"

ترجمہ: جاننا چاہئے کہ قرآن مجید ٹھیک ٹھیک بلا تفاوت محاورہ عرب کے موافق نازل ہوا اور اہل عرب اپنی زبان کے سمجھنے میں جو سلیقہ رکھتے تھے اس سے قرآن مجید کے معنی منطوق کو سمجھ لیتے تھے چنانچہ خدا تعالی نے فرمایا ہے والکتاب المبین او قرآنا عربیا لعلکم تعقلون او احکمت آیاتہ ثم فصلت شارع کی یہ مرضی ہے کہ متشابہات قرآنی کی تاویل، صفات خداوندی کے حقائق کی صورت آفرینی، مبہمات کا تعین اور قصوں کی تفصیل میں غور و خوض نہ کیا جائے یہی وجہ ہے کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم، رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی جناب میں سوالات کم کرتے تھے اور یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے

---

[1] شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ، از، عبید اللہ سندھی، سندھ ساگر اکیڈمی لاہور، جنوری 1949ء ص 84

سلسلہ سوالات کچھ کم ہی منقول ہوا ہے لیکن جب کہ اس طبقہ کا دور گزر چکا اور علوم تفسیر میں عجمی طبقہ نے دخل دینا شروع کیا اور نیز وہ پہلی زبان بھی متروک ہو گئی تو اس وقت بعض مقامات پر شارعؑ کی مراد سمجھنے میں دشواری پیدا ہوئی اور ضرورت پڑی کہ علم لغت اور علم نحو کی چھان بین کی جائے سوال و جواب کا سلسلہ شروع ہوا اور تفسیر کی کتابیں شروع ہوئیں ہمارے ذمہ لازم ہے کہ مشکل مقامات اور ان کے امثلہ بیان کر دیں تاکہ معنی قرآن میں غور و خوض کے وقت طویل بیان کی حاجت نہ پڑے اور ان مقامات کو مبالغہ کے ساتھ حل کرنے کے لئے مجبور ہوں کسی لفظ کے معنی نہ معلوم ہونے کا سبب کبھی لفظ بطور کا استعمال ہوتا ہے اس کا علاج یہ ہے کہ لفظ کے معنی صحابہؓ اور تابعینؒ اور باقی واقف کاران معنی سے نقل کئے جائیں اور کبھی اس کا سبب ناسخ منسوخ میں شناخت نہ کر سکنا اور اسباب نزول کا یاد نہ رہنا اور کبھی مضاف و موصوف وغیرہ کا محذوف ہونا اور کبھی کسی شے کو کسی شے سے یا کسی حرف کو کسی حرف سے اور یا اسم کو کسی اسم سے یا فعل کو کسی فعل سے یا جمع کو مفرد سے یا مفرد کو جمع سے یا غائب کے اسلوب کو مخاطب سے بدل دینا اس کا باعث ہوتا ہے اور کبھی مستحق تاخیر کی تقدیم یا اس کا عکس اور کبھی اس کا سبب 'ضمائر کا انتشار' ایک لفظ کے متعدد معنی اور کبھی تکرار اور مفید و ضروری طوالت ہوتا ہے اور بعض اوقات اس کا سبب اختصار اور کسی وقت کنایہ اور تعریض یا متشابہہ یا مجاز عقلی کا استعمال ہوتا ہے سعادت مند دوستوں کو چاہئے کہ وہ علم تفسیر میں گفتگو کرنے سے پہلے ان امور کی حقیقت اور ان کی بعض مثالوں سے آگاہی حاصل کریں اور مقام تفصیل میں رمز و اشارہ پر اکتفا کریں"[1] اس کے ساتھ ساتھ قرآن مجید کا فارسی ترجمہ بھی شاہ ولی اللہ کے عربی زبان و ادب پر کامل نگاہ اور مکمل دسترس رکھنے کا بڑا ثبوت ہے کیونکہ ایک زبان کی دوسری زبان میں تشریح کرنے اور مطالب بیان کرنے کے لئے ان زبانوں پر مکمل کنٹرول اور آگاہی ہونا لازمی امر ہے عربی زبان و ادب پر مکمل عبور کا ہی نتیجہ ہے کہ شاہ ولی اللہ نے قرآن مجید کا فارسی ترجمہ کیا اور عربی زبان و ادب کے بہترین مطالب و انداز جو قرآن مجید میں استعمال ہوئے ہیں ان کو ایک دوسری زبان میں واضح لکھا "استخلاف کا لفظ جس کا مشتق یستخلفن اس آیت میں ہے اس کے معنی عرف' قدیم و جدید میں یہی ہیں خلیفہ بنانا اور بادشاہ بنانا" فرمایا اللہ تعالیٰ نے (ترجمہ) اے داؤد بے شک بنایا ہم نے تم کو خلیفہ زمین میں اور فرمایا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے کہ ہر نبی و خلیفہ الخ اور فرمایا عنقریب آخر زمانہ میں ایک خلیفہ ایسا ہو گا جو مال کو دونوں ہاتھوں سے سمیٹے گا یستخلفنھم سے مراد یہ ہے کہ ان میں سے کچھ لوگوں کو خلیفہ بنائے گا جس طرح (اہل عرب) کہتے ہیں استخلف بنو العباس یعنی خلیفہ بنائے گئے بنی عباس یا اثری بنو التمیم یعنی صاحب ثروت ہو گئے بنی تمیم حالانکہ خلیفہ اور صاحب ثروت ان میں سے ہر زمانہ میں ایک ہی شخص ہوتا ہے (لیکن) محض اس وجہ سے کہ فائدہ خلافت اور ثروت کا تمام قوم کو پہنچتا ہے (خلافت اور ثروت کی نسبت تمام قوم کی طرف کی جاتی

---

[1] الفوز الکبیر' از' شاہ ولی اللہ' مترجم' محمد تقی عثمانی' ادارہ اسلامیات انارکلی لاہور' فروری 1982ء ص 30-

ہے) یہ دونوں باتیں جو ہم نے بیان کیں تاویل نہیں ہیں بلکہ غالب استعمال یہی ہے اس قسم کے الفاظ کو اگر تم (کلام عرب میں) تلاش کرو تو سو جگہ موافق اسی روزمرہ کے پاؤ گے۔ (جو ہم نے بیان کیا) اور دس جگہ (بمشکل) دوسرے معنی میں پاؤ گے یہی طریقہ ہے تاویل اور معنی ظاہر کے پہچاننے کا کہ جو زیادہ مراد لئے جاتے ہیں وہ معنی ظاہر ہیں اور جو کم مراد لئے جاتے ہیں وہ تاویل ہیں پھر (یہ بھی سمجھ لو) یستخلفنھم سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قوم پر (موعودہ خلفاء کی) اطاعت واجب کر دی ان امور میں جن میں خلیفہ کی اطاعت کرنی چاہئے مثلاً اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کسی کے حق میں فرمائیں کہ میں نے اس کو تم پر افسر بنایا یا (مثلاً) خلیفہ کہے کہ میں نے فلاں شخص کو تم پر قاضی بنایا یا (یوں کہے کہ) تمہارے مقدمات کے فیصلہ کرنے کا میں نے فلاں شخص کو اختیار دیا ہے تو ایسا کہنا اس شخص کے وہ تمام حقوق ظاہر کر رہا ہے جو سردار لشکر کو لشکر پر یا قاضی کو رعیت پر (حاصل) ہوئے ہیں گویا یہ لفظ خلافت کے تمام تفصیلی حقوق کے وجود کو بالا جماع ادا کر رہا ہے اور (بعائر نظر دیکھنے سے) ایسا کہنے میں کہ میں نے فلاں کو تم پر خلیفہ بنایا اور ایسا کہنے میں کہ میں نے فلاں شخص سے وعدہ کر لیا ہے کہ کل اس کو خلیفہ بناؤں گا کوئی فرق نہیں ہے بعد اس کے کہ کل کا دن آجائے اور وہ وعدہ پورا ہو جائے پھر (یہ بھی واضح رہے کہ) یستخلفنھم کا مفہوم یہ ہے کہ خدا تعالیٰ ان لوگوں کو خلیفہ بنانے والا ہے اور ان کا خلیفہ بنانا اسی کی طرف منسوب ہے (اس سے یہ نہ سمجھنا کہ بغیر اسباب ظاہری کے یہ لوگ خلیفہ بنائے جائیں گے بلکہ) اس کی حقیقت یہ ہے کہ خدا تعالیٰ (چونکہ) مدبر السمٰوات والارض اور لطیف لمایشاء ہے لہٰذا جس وقت عالم کی بہتری خلیفہ (خاص) کے مقرر ہونے میں ہوتی ہے تو وہ امت کے دلوں میں ڈال دیتا ہے کہ جس شخص کو حکمت الٰہی بنانا چاہتی ہے اس کو خلیفہ بنالیں (خدا کے کام کرنے کا طریقہ عالم اسباب میں یہی ہے کہ بندوں کے دلوں میں اس کام کا شوق پیدا کر کے ان کے ہاتھ سے اس کام کو کرا لے) در حقیقت تمام عدم سے وجود میں آنے والی چیزیں حق تعالیٰ کی طرف منسوب ہیں مگر ہر چیز کو اس کی طرف منسوب نہیں کرتے بلکہ) جب کسی واقعہ میں الہام الٰہی خیر قائم رکھنے کے لئے ہوتا ہے یا اس کی تائید بطور خرق عادت کے (اس میں) شامل ہو جاتی ہے۔ یا کوئی بات اسی قسم کی (اس کی طرف سے ہو جاتی ہے) جو اس واقعہ کو حق تعالیٰ کے ساتھ مزید خصوصیت دے دے وہاں اس قسم کا استعمال کرتے ہیں (اور اس واقعہ کو اس کی طرف منسوب کرتے ہیں) جیسا کہ (ایک دوسرے موقع پر) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے مسلمانو تم نے کافروں کو قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے ان کو قتل کیا ہے اور (اے نبیؐ) تم نے نہیں (خاک) پھینکی جب پھینکی تھی بلکہ اللہ نے پھینکی پس ایسے ہی مواقع میں کسی کام کی نسبت خدا کی طرف کی جاتی ہے (اگر اس نسبت کا فائدہ ہر جگہ جداگانہ ہوتا ہے چنانچہ) خلیفہ بنانے کی نسبت اپنی طرف خلفاء کی کمال بزرگی ظاہر کرنے کے لئے ہے اور اس امر کے ظاہر کرنے کے لئے کہ یہ استخلاف ایک بڑی نعمت اور در حقیقت ایک بڑی مضبوط چیز ہے جیسے عبادی اور بیت اللہ اور نفخت فیہ من روحی (میں بندوں کی اور گھر کی اور

روح کی نسبت خدا کی طرف ان چیزوں کی) کمال بزرگی اور پسندیدگی کی دلیل ہے لفظ منکم دو معنی کا احتمال رکھتا ہے یعنی کم کا خطاب تمام امت محمدیہ سے (ہو) یا (صرف) وقت نزول آیت کے مسلمانوں سے مگر عند التحقیق دوسرے ہی معنی (مراد) ہیں پہلے معنی میں بے فائدہ تکرار لازم آتی ہے لفظ الذین امنوا لفظ منکم بے معنی اول کی ضرورت باقی نہیں رکھتا"[1]

باب کیفیۃ فہم المراد من الکلام: اعلم ان تعبیر المتکلم عما فی ضمیرہ و فہم السامع ایاہ یکون علی درجات مترتبۃ فی الوضوح والخفاء فاعلاھا ما صرح فیہ بثبوت الحکم للموضوع لہ عینا و سیق الکلام لاجل تلک الافادۃ فلم یحتمل معنی اخر ویتلو ماعدم فیہ احد القیود الثلاثۃ اما اثبت الحکم لعنوان عام یتناول جمعا من المسمیات شمولا او بدلا مثل الناس والمسلمون والقوم والرجال واسماء الاشارۃ اذا عمت صلتھا یلحقہ التخصیص کثیر العالم لیق الکلام تبلک الافادۃ وان نزمت سما ھنالک مثل جاء نی زید الفاضل بالنسبۃ الی الفضل فیا زید الفقیر بالنسبۃ الی ثبوت الفقر لہ واما احتمل معنی اخر ایضا کاللفظ المشترک والذی لہ حقیقۃ مستعملۃ ومجاز متعارف والذی یکون معرفۃ بالمثال والقسمۃ غیر معروف بالحد الجامع المانع کالسفر معلوم ان من امثلۃ الخروج من المدینۃ قاصد المکۃ و معلوم ان من الحرکۃ تفرج لعنہا تردد فی الحاجۃ بحیث یاتی الی القریۃ فی یومہ لعنہا سفر فلا یعرف الحد الفاصل بین شخصین کاسم الاشارۃ والضمیر عند تعارض القرائن او صدق الصلۃ علیھما ثم یتلوہ ما افھمہ الکلام من غیر توسط استعمال اللفظ فیہ لمعظمہ ثلاثۃ الفحوی وھو ان یفھم الکلام حال المسکوت عنہ بواسطۃ المعنی العامل علی الحکم مثل لاتقل لھما اف یفھم منہ حرمۃ الضرب بطریق الاولی و مثل من اکل فی نہار رمضان وجب علیہ القضاء یفھم منہ ان المراد نقض العموم وانما خص الاکل لانہ صورۃ تتبادر الی الذھن والاقتضاء وھو ان یفھما بواسطۃ لزومہ للمستعمل فیہ عادۃ او عقلا او شرعا اعتقت ابیعت یقتضیان سبق ملک مشی یقتضی سلامۃ الرجل صلی یقتضی انہ علی الطہارۃ والایماء وھو ان اداء المقصود یکون بعبارات بازاء الاعتبارات المناسبۃ فیقصد البلغاء مطابقۃ العبارۃ للاعتبار المناسب الزائد علی اصل المقصود فیفھم الکلام الاعتبار المناسب لہ کالتقیید بالوصف والشرط یدلان علی عدم الحکم عند عدمھما حیث لم یقصد مشاکلۃ السوال ولا بیان فائدۃ الحکم والمفھوم الاستثناء والغایۃ والعدد وشرط اعتبار الایماء ان یجری التناقض بہ فی عرف اھل اللسان مثل علی عشرۃ الاشئی الاعلی واحد یحکم علیہ الجمھور بالتناقض واما مالا یدرکہ الا المتعمقون فی علم المعانی فلا عبرۃ بہ ثم یتلو ما استدل علیہ بمضمون الکلام لمعظمۃ ثلاثۃ الدرج فی العموم مثل الذئب ذئاب و کل ذی ناب حرام وبیانہ بالاقتران وھو قولہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم ما انزل علی فی الحمر شئی الاھذہ الایۃ الفاذۃ

---

[1] ازالۃ الخفاء' از شاہ ولی اللہ' مترجم' محمد عبدالحق حقانی' جلد اول' فصل سوم 78-76

الجامعۃ فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ ومنہ استدلال ابن عباس بقولہ تعالی فیھداھم اقتدہ لقولہ تعالی وظن داود انما فتنہ فاستغفر ربہ وخر راکعا واناب حیث قال نبیکم امر بان یقتدی بہ والاستدلال بالملازمۃ او المنافاۃ مثل لو کان الوتر واجبا لم یود علی الراحلۃ لکنہ یودی کذلک فیبانہ بالشرطی ومنہ قولہ تعالی لو کان فیھما الھۃ الا اللہ لفسدتا والقیاس وھو تمثیل صورۃ بصورۃ فی علۃ جامعۃ بینھما مثل الحمص ربوی کالحنطۃ ومنہ قولہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم ارایت لو کان علی ابیک دین فقضیتہ عنہ اکان یجزی عنہ قال نعم قال فاحجج عنہ واللہ اعلم:

ترجمہ: اس بیان میں کہ کلام سے مراد کیسے سمجھ میں آتی ہے = واضح ہو کہ متکلم کا دلی مقصود بیان کرنے اور سامع کا اس سے مطلب سمجھنے کے لئے بلحاظ ظہور و خفا کے بالترتیب کئی درجات ہیں سب سے اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ ایک شئے خاص کے لئے صریح طور پر حکم ثابت کیا گیا ہو اور اسی کے بتانے اور سمجھانے کو وہ کلام بولا گیا ہو اور اس میں کسی دوسرے معنی کا احتمال نہ ہو اور اس کے بعد اس کا درجہ ہے جس میں ان تین قیدوں میں سے کوئی قید نہ پائی جائے بلکہ یا اس میں حکم کا ثبوت کسی عنوان کے لئے ہو جو چند افراد کو خواہ بطریق شمول خواہ بطریق بدلیت شامل ہو جیسے الناس اور مسلمون اور قوم و رجال ہے اور اسماء اشارہ جب اس کا صلہ عام ہو اور موصوف جس کی صفت عام ہو اور حتی بلام الجنس ہے اس واسطے کہ اکثر عام معنی کو خصوصیت لاحق ہو جاتی ہے اور یا یہ ہو کہ کلام خاص اس مقصد کے لئے نہ بولا جائے بلکہ اس موقع سے وہ مطلب لازمی طور پر حاصل ہوتا ہو جیسے اس کلام "میرے پاس زید فاضل آیا" میں زید کی فضیلت اور "اے فقیر زید" میں زید کا الفقر معلوم ہوتا ہے یا اس لفظ میں کسی دوسرے معنی کا بھی احتمال ہو جیسے لفظ "مشترک" اور وہ لفظ جس کے حقیقی معنی استعمال میں آتے ہوں لیکن معنی مجازی زیادہ مشہور ہوں اور وہ لفظ جس کا علم مثال اور تقسیم سے ہوتا ہو اور کسی جامع مانع تعریف سے معلوم نہیں ہوتا ہے جیسا کہ سفر' معلوم ہے کہ من جملہ اس کی امثلہ کے مدینہ سے مکہ تک کا قصد کر کے نکلنا ہے اور معلوم ہے کہ بعض حرکات بطور تفریح کے ہوتی ہیں اور بعض حرکات ضرورت کی بناء پر ہوتی ہیں کہ اسی روز وہ اپنے گاؤں کی طرف لوٹ آتا ہے اور بعض حرکات سفر ہوتی ہیں اور ان کی حد معلوم نہیں ہوتی اور جیسا کہ وہ لفظ جو دو شخصوں میں دائر ہو جیسے اسم اشارہ اور ضمیر' جبکہ قرائن میں تعارض ہو یا وہ دونوں ایک صلہ کے مصداق ہو رہے ہوں پھر اس کلام کے بعد اس کلام کا درجہ ہے جس کے بغیر توسط استعمال لفظ کے مطلب مفہوم ہو جائے ایسے طریقے بڑے بڑے تین ہیں ایک نحوی کلام ہے اور وہ یہ ہے کہ کلام کسی ایسے امر کا حال بتلائے جس کا عبارت میں ذکر نہیں ایسے معنی کے توسط سے جس کی وجہ سے وہ حکم ذکر کیا گیا ہے "ماں باپ کو اف بھی نہ کرو" اس سے ماں باپ کو مارنے کی حرمت بطریق اولیٰ سمجھی جاتی ہے اور جیسے کہا جائے کہ جو شخص رمضان میں دن میں کھائے گا تو اس پر قضاء واجب ہو جائے گی اس سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ جو روزہ توڑے گا اس پر قضاء لازم ہوگی اور صرف کھانے کی صورت اس واسطے ذکر کی گئی کہ یہ صورت ذہن میں جلد آجایا کرتی ہے دوسرا اقتضاء ہے اس سے مطلب اس طرح سمجھ میں آتا ہے کہ وہ معنی مستعمل فیہ کو عادتاً" یا

عقلاً" یا شرعاً" لازم ہوتا ہے مثلاً یہ کلام "میں نے آزاد کیا یا فروخت کیا" اس امر کا اقتضاء کرتا ہے کہ پہلے سے وہ شئے اس کی ملک ہو اور "وہ چلا" تقاضا کرتا ہے کہ اس کے پاؤں سالم تھے اور اس نے نماز پڑھی کا مقتضاء یہ ہے کہ وہ طہارت سے تھا تیسرا ایماء ہے اور وہ ایک مقصود کو عبارات میں مناسب عبارات سے ادا کرنا ہے پس بلیغ لوگ اس بات کا قصد کرتے ہیں کہ عبارت اس اعتبار مناسب کے مطابق ہو جو اصل مقصود پر زائد ہے اس واسطے کلام سے اس کے مناسب اعتبار کو سمجھ لیا جاتا ہے مثلاً کسی شئے کو وصف یا شرط سے مقید کرنا اس وصف اور شرط سے یہ بات سمجھی جاتی ہے کہ اگر یہ وصف اور شرط نہ پائے جائیں گے تو یہ حکم بھی نہ ہو گا لیکن یہ اس وقت ہے کہ جب اس کلام سے جس میں وصف یا شرط ہے سوال و جواب کی مشابہت مقصود نہ ہو اور نہ اس صورت کا بیان کرنا مقصود ہو جو اذہان کی طرف متبادر ہوتی ہے اور نہ حکم کا فائدہ بیان کرنا مقصود ہو اور ایسے ہی مفہوم استثناء غایت اور عدد کا حال ہے اور ایماء کے اعتبار کرنے میں یہ شرط ہے کہ اس ایماء کی وجہ سے اہل زبان کی طرف میں کلام میں تناقض سمجھا جائے مثلاً کوئی شخص اس طرح کہے کہ مجھ کو دس دینے ہیں سوائے ایک شئے کے اور پھر یہ ہے کہ مجھ کو ایک دینا ہے پس جمہور اس کے کلام میں تناقض کریں گے لیکن وہ امور جن کو سوائے علم معنی میں غور و خوض کرنے والوں کے کوئی نہیں سمجھتا ان کا کچھ لحاظ نہیں ہے اس کے بعد ان مطالب کا درجہ ہے جن کی رہبری مضمون کلام سے ہوتی ہے اس کی بھی تین بڑی قسمیں ہیں اول عموم میں کسی شئے کو مندرج کرنا ہے مثلاً بھیڑیا کچلیوں والا ہوتا ہے اور ہر کچلی والا جانور حرام ہوتا ہے اور اس کا بیان قیاس اقترانی سے ہوتا ہے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اس قول میں اسی طرف اشارہ ہے کہ "گدھوں کے بارے میں سوائے اس تنہا جامع آیت کے مجھ پر اور کچھ نازل نہیں ہوا اور وہ آیت یہ ہے کہ "جو شخص ذرہ برابر بھی نیکی کرلے گا وہ اس کی جزاء دیکھے گا اور جو شخص ذرہ برابر برائی کرے گا وہ اس کی جزاء دیکھے گا اور اسی قسم سے ہے عبداللہ بن عباسؓ کا استدلال اس آیت سے فبھداھم اقتدہ اور اس آیت سے وظن داؤد انما فتناہ فاستغفر ربہ وخر راکعا وانابؓ" پھر عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ تمہارے پیغمبر کو ان کی پیروی کا حکم ہوا تھا اور ایک استدلال ملازمت یا منافات کے ساتھ بھی ہوتا ہے اس کی مثال یہ ہے کہ وتر اگر واجب ہوتے تو آپؐ ان کو سواری پر ادا نہ کرتے لیکن آپؐ ان کو سواری پر ادا کیا کرتے تھے اور اس استدلال کا بیان قیاس شرطی کی صورت میں ہے اور اسی قبیل سے اللہ تعالیٰ کی یہ آیت ہے

"لو کان فیھما الھۃ الا اللہ لفسدتا" اور ایک قیاس ہوتا ہے اور وہ کسی علت مشترکہ کی وجہ سے

ایک صورت کو دوسری صورت سے تمثیل دینا ہے جیسے یہ قول "گیہوں کی طرح چنا بھی ربو ہے" (یعنی اس میں بھی ربو ہوتا ہے) ایسا ہی قیاس آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اس قول میں ہے "اگر تیرے باپ پر قرضہ ہوتا اور تو اس کو ادا کرتا تو کیا اس کی طرف سے کافی ہو جاتا؟ اس شخص نے کہا ہاں ہو جاتا تب آپؐ

نے فرمایا "پس تو باپ کی طرف سے حج کر" واللہ اعلم "[1] شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں "میں کہتا ہوں یقین کے معنی یہ ہیں کہ ہر ہر مسئلہ پر جو کہ شرع سے ثابت ہے مومن ایمان لائے جیسی مسئلہ قدر و مسئلہ معاد' اور اس کی عقل پر ایمان یہاں تک غالب ہو جائے کہ اس کی عقل ایمان سے پر ہو جائے اور پھر اس کی عقل سے اس کے قلب اور نفس پر اس یقین کا ترشح ہو حتیٰ کہ وہ یقینی چیز بمنزلہ محسوس اور معائن کے ہو جائے اور یقین کے ایمان ہونے کی وجہ یہ ہے کہ عقل کے مہذب کرنے میں یقین کو پورا پورا دخل ہے اور تہذیب عقل' قلب اور نفس کی تہذیب کا سبب ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب قلب پر یقین کا غلبہ ہوتا ہے تو اس سے بہت سی شاخیں پیدا ہوتی ہیں اور وہ شخص ان چیزوں سے خوف نہیں کرتا جن چیزوں سے لوگ عادت کے طور پر ڈرتے ہیں کیونکہ یہ شخص یہ سمجھ لیتا ہے کہ اس کو جو پیش آنے والا ہے وہ اس سے ٹلتا نہیں اور جو پیش آنے والا نہیں ہے وہ ہرگز پیش نہیں آئے گا اور اس شخص پر دنیا کے مصائب سہل ہو جاتے ہیں کیونکہ جنکا آخرت میں وعدہ کیا گیا ہے اس کو ان چیزوں کے ملنے پر پورا اطمینان ہوتا ہے اور اس کا نفس بہت سے اسباب کو حقیر سمجھتا ہے یہ سمجھ کر کہ عالم میں جو کچھ موثر ہے وہ اس کی قدرت وجو یہ ہے جو اختیار اور ارادہ سے اثر کرتی ہے اور اس کو اس بات کا یقین ہوتا ہے کہ یہ اسباب عادیہ ہیں اس واسطے اس کی کوشش ان امور کے حاصل کرنے میں سست ہو جاتی ہے جن کے حاصل کرنے میں لوگ بے حد کوشش کرتے ہیں اور جان لڑا دیتے ہیں پس اس کے نزدیک دنیا کا سونا اور پتھر یکساں معلوم ہوتا ہے حاصل کلام یہ ہے کہ جب یقین کامل اور پائیدار ہو جاتا ہے اور ہمیشہ رہتا ہے حتیٰ کہ کوئی چیز اس کو نہیں بدل سکتی نہ فقر نہ دولت اور نہ عزت اور نہ ذلت تو اس سے بہت سے شعبے پیدا ہو جاتے ہیں جن میں سے ایک شکر ہے اور شکر کے معنی یہ ہیں کہ اس کے اوپر جس قدر نعمتیں ہیں خواہ ظاہری ہوں یا باطنی ہوں ان سب کو اپنے اللہ کی طرف سے سمجھے اور ہر نعمت کے مقابل میں ایک محبت اپنے بارے کے لئے پیدا کرے اور اس کا شکر ادا کرنے سے اپنے آپ کو قاصر سمجھے پس وہ اس میں منہمک اور بھٹکتا پھرے نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا "سب سے پہلے جنت میں حمد کرنے والے بلائے جائیں گے جو نرمی اور سختی میں خدا تعالیٰ کی حمد کرتے ہیں" میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی حمد کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس کی عقل اور اس کا قلب اس یقین کے تابع ہے جو اس کو خداوند تعالیٰ کے ساتھ ہے اور اس لئے کہ نعمتوں کی معرفت اور منعم حقیقی کی طرف سے ان کا فیضان سمجھنا ان میں ایسی قوت پیدا کرتا ہے جو عالم مثال میں موثر ہوتی ہے جس سے قوائے مثالیہ اور اشکال اخرویہ اثر قبول کرتے ہیں پس نعمتوں کی تفاصیل کو جاننا اور ان کے فیضان کو منعم حقیقی جل مجدہ کی طرف سے سمجھنا جود الٰہی کے دروازہ کو کھٹکھٹانے میں دعائے مستجاب سے کم درجہ نہیں رکھتا اور شکر کامل اس وقت ہوتا ہے جب آدمی خدا تعالیٰ کے اس عجیب برتاؤ پر متنبہ ہوتا ہے جو اس

[1] حجۃ اللہ البالغہ' از' شاہ ولی اللہ' مترجم' محمد عبدالحق حقانی' جلد اول ص 304-302

کے ساتھ گزشتہ عمر میں کیا گیا ہے جیسا کہ حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ وہ اپنے آخری حج سے واپس ہوئے تو انہوں نے یہ پڑھا "سب تعریف خدا کے لئے ہے اور خدا تعالیٰ کے سوا کوئی اور معبود نہیں جس کو جو چاہتا ہے عنایت کرتا ہے اس سے پیشتر میں اسی جنگل ضجنان میں اپنے باپ خطاب کے اونٹ چرایا کرتا تھا اور وہ بڑا سنگدل اور سخت آدمی تھا جب میں کام کرتا تھا تو مجھ کو تھکا دیتا تھا اور جب میں کام میں کوتاہی کرتا تھا تو مجھ کو مارتا تھا اور میں اب صبح و شام ایسی حالت میں کرتا ہوں کہ میرے اور خدا تعالیٰ کے درمیان کوئی ایسا شخص نہیں جس سے میں ڈرتا ہوں" اور ازاں جملہ توکل ہے اور اس کے معنی یہ ہیں کہ اس پر یقین کا غلبہ اسقدر ہو کہ اسباب کی طرف سے منافع کے حاصل کرنے اور نقصانات کے دور کرنے میں اس کی کوشش کم ہو لیکن وہ شخص کسب کے ان طریقوں پر چلتا رہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے مقرر کئے ہیں اور ان اسباب پر اعتماد نہ کرے۔ نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا "میری امت میں سے ستر ہزار آدمی بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے یہ وہ لوگ ہوں گے جو نہ منتر کو مانتے ہیں اور نہ فال کو مانتے ہیں اور نہ داغ لگواتے ہیں اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں" میں کہتا ہوں نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ان لوگوں کے یہ اوصاف اس لئے بیان فرمائے ہیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ توکل کا اثر ان اسباب کو ترک کرنا ہے جن سے شارع نے ممانعت کی ہے نہ کہ ان اسباب کا ترک کرنا جن کو خدا تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے مقرر فرمایا ہے اور وہ لوگ جنت میں بغیر حساب اس لئے داخل ہوں گے کہ جب ان کے دلوں میں توکل کے معنی ثابت ہو گئے تو اس کے سبب سے ان کے دلوں میں ایسے معنی پیدا ہوئے جس سے ان اعمال کی سبعیت جو ان کے نفوس کو ایذا پہنچاتی ہیں ان سے دور ہو جاتی ہے اس وجہ سے کہ انہوں نے یقین کر لیا کہ سوائے قدرت وجوبیہ کے عالم میں کوئی موثر نہیں اور ازاں جملہ ہیبت ہے اور اس کے یہ معنی ہیں کہ خدا تعالیٰ کی عظمت جلال کا یقین کرے یہاں تک کہ اس کے سامنے گھبراتا رہے جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے کہا تھا جبکہ ایک پرند درخت پر بیٹھا دیکھا تو فرمانے لگے "خوشنودی ہو تیرے لئے اے پرند؟ خدا کی قسم میں پسند کرتا ہوں کہ میں تجھ جیسا ہوتا تو کسی درخت پر بیٹھتا اور اس کے پھل کھاتا اور وہاں سے اڑ جاتا ہے نہ تجھ پر حساب ہے اور نہ عذاب ہے خدا کی قسم میں پسند کرتا ہوں کہ کسی راستہ پر ایک درخت ہوتا اور کسی اونٹ کا مجھ پر گزر ہوتا اور وہ مجھ کو اپنے منہ میں رکھ لیتا اور چبا کر نگل جاتا پھر مینگنی کر کے پیٹ کے راستہ سے نکال دیتا اور میں بشر نہ ہوتا" اور ازاں جملہ حسن ظن ہے اور اس کو صوفیاء کی اصطلاح میں انس کہتے ہیں اور یہ انس خدا تعالیٰ کے انعامات اور الطاف میں غور کرنے سے پیدا ہوتا ہے جس طرح ہیبت عذاب الٰہی اور اس کی حکومت میں غور کرنے سے پیدا ہوتی ہے اور مومن اگرچہ اپنی نظر اعتقادی کی وجہ سے خوف اور امید دونوں کو دل میں رکھتا ہے لیکن اس کے حال اور مقام کے سبب سے کبھی اس پر ہیبت غالب ہو جاتی ہے اور کبھی حسن ظن غالب ہو جاتا ہے جیسے کوئی شخص بڑے گہرے کنوئیں کے کنارے کھڑا ہو تو اس کے ہاتھ پاؤں کانپنے لگتے ہیں اگرچہ اس کی عقل خوف کی مقتضی نہیں ہے اور جیسے خوشگوار نعمتوں کو نفس کا یاد کرنا انسان کو خوش کرتا ہے اگرچہ اس کی عقل اس کی مقتضی نہیں ہے لیکن ان دونوں حالتوں میں وہم، خوف اور

فرحت پیدا کرتا ہے نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا ہے "خدا تعالیٰ کے ساتھ نیک گمان رکھنا حسن عبادت سے ہے" اور نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے نقل کرتے ہوئے فرمایا "میں اپنے بندہ کے گمان کے موافق پیش آتا ہوں جو اس کو میرے ساتھ ہے" میں کہتا ہوں اس کی وجہ حسن ظن اس کے نفس کو اس قابل بنا دیتا ہے کہ اس کے پیدا کرنے والے کی طرف سے الطاف کا فیضان ہو اور ازاں جملہ تفرید ہے تفرید کے معنی یہ ہیں کہ اس کے قوائے ادراکیہ پر ذکر کا غلبہ ہو جائے یہاں تک کہ ایسا ہو جائے کہ گویا خدا تعالیٰ کو ظاہر میں دیکھ رہا ہے پس اس کے دل کی باتیں مٹ جائیں اور ان کا اثر جوش بجھ جائے نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا "چلو مفردوں سبقت کر گئے یہ وہ لوگ ہیں جن کے بوجھ کو ذکر نے دور کر دیا" میں کہتا ہوں جبکہ ذکر کا نور عقلوں کی طرف خالص ہو جاتا ہے اور ان کے نفوس میں جبروت کی طرف مطلع ہونے کا نقش لگ جاتا ہے تو قوت بہیمی، دب جاتی ہے اور اس کا شعلہ بجھ جاتا ہے اور اس کا بوجھ دور ہو جاتا ہے اور ازاں جملہ اخلاص ہے اور اس کے یہ معنی ہیں کہ بسبب قریب ہونے کے اس کے نفس کے حق تعالیٰ کے ساتھ اس کی عقل میں عبادت الٰہی کا نفع متمثل ہو جائے جیسا کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے "بلاشک خدا تعالیٰ کی رحمت محسنین کے قریب ہے" یا بسبب تصدیق کے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کی زبان پر آخرت کے ثواب کا وعدہ فرمایا ہے پس ایک نہایت داعیہ کے ساتھ اس کے ایسے اعمال صادر ہوتے ہیں جن میں نہ ریا و سمعہ کو دخل ہے اور نہ موافقت عادت کو اور یہ حال اس کے جمیع اعمال میں سرایت کر جاتا ہے حتیٰ کہ اعمال مباح عادیہ میں بھی سرایت کر جاتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "اور ان کو اسی کا حکم دیا گیا تھا کہ اس کے لئے دین کو خالص کر کے اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں" اور نبیؐ نے فرمایا اعمال نیت سے ہیں"[1]

"اعلم ان ما کلف بہ شارع تکلیفا اولیا ایجابا او تحریما ھو الاعمال من جھۃ انھا تنبعث من الھیات النفسانیۃ التی ھی فی المعاد للنفوس او علیھا لانھا تمد فیھا او تشرحھا وھی اشباحھا وتما ثیلھا فالبحث عن تلک الاعمال من جھتین احداھما جھۃ الزامھا جمھور الناس والعمدۃ فی ذلک اختیار فطان تلک الھیات من الاعمال والطریقۃ الظاھرۃ التی لیلھا نہارھا یو اخذون بھا علی اعین الناس فلایتمکنون من التسلل والا عتذار ولا بدان یکون بنائوھا علی الاقتصاد والامور المضبوطۃ والثانیۃ جھۃ تھذیب نفوسھم بھا وایصالھا الی الھیات المطلوبۃ منھا والعمدۃ فی ذلک معرفۃ تلک الھیات ومعرفۃ الاعمال من جھۃ ایصالھا الیھا ابنائو ھا علی الوجدان وتفویض الامر الی صاحب الامر فالباحث عنھا من الجھۃ الاولی ھو علم الشرائع وعن الثانیۃ ھو علم الاحسان" ترجمہ: "واضح ہو کہ ایجاب یا تحریم کی وجہ سے شارع نے بندوں کو بالذات جن امور کی تکلیف دی ہے وہ اعمال ہیں اس اعتبار سے کہ وہ اعمال ان ہیئات نفسانیہ سے پیدا ہوتے ہیں جو آخرت میں نفوس کو نفع یا نقصان پہنچائیں گے حیہ اعمال ان ہیئات نفسانیہ کو بڑھاتے ہیں اور یہ ان ہیئات کا بیان ہیں اور یہ اعمال ان کی اشباح اور

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ، از شاہ ولی اللہ، مترجم، محمد عبدالحق حقانی، جلد دوم، ص 83-279

صور ہوتے ہیں اور ان اعمال سے دو طرح پر بحث کی جاتی ہے ایک یہ ہے کہ تمام لوگوں کو اس کی پابندی پر مجبور کیا جائے اور اس امر میں عمدہ یہ ہے کہ ان ہیئات کے مظان یعنی اعمال کو اختیار کیا جائے اور اس طریق ظاہر کو اختیار کیا جائے جو ہر شخص پر ظاہر ہو اور جو سب لوگوں کے سامنے ہوں پس وہ لوگ حیلہ و بہانہ نہ کر سکیں اور یہ بھی ضروری ہے کہ اس کی بنیاد میانہ روی پر ہو اور امور منضبطہ پر ہو اور دوسری قسم یہ ہے کہ ان اعمال سے نفوس کی تہذیب اور ان ہیئات کی طرف پہنچانا مقصود ہو جو ان اعمال سے مطلوب ہے اور اس امر میں عمدہ ان ہیئات کی معرفت ہے اور اعمال کی معرفت ہے اس جہت سے کہ وہ اعمال ان ہیئات کی طرف پہنچا دیں اور ان کا جی وجدان نور مکلف کے اختیار میں دے دینے پر ہے پس جس علم میں ان اعمال سے پہلے جہت سے بحث ہوتی ہے وہ علم الشرائع ہے اور جس علم میں دوسری جہت سے بحث ہوتی ہے وہ علم علم الاحسان ہے"[1] شاہ ولی اللہ کے عربی زبان و ادب پر مکمل عبور رکھنے کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ آپ نے عربی کتب کے ساتھ ساتھ اپنی فارسی کتب ازالتہ الخفاء' قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین' الفوز الکبیر' سرور المحزون' ہمعات' لمعات' سطعات' الطاف القدس' انفاس العارفین' انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ اور دوسری کتب فارسی میں بھی آیات قرآن' احادیث نبویؐ کی تشریح' عربی اقوال' محاورات' ضرب الشال اور عربی اشعار کا استعمال کیا ہے یہاں پر صرف بطور نمونہ چند مثالیں پیش کی گئی ہیں ورنہ شاہ صاحب کے عربی زبان و ادب پر عبور کے بارے میں بیان کرنے کے لئے کئی دفتر درکار ہیں۔ شاہ ولی اللہ البدور البازغہ میں رقمطراز ہیں "اعلم ان تعریف لیس ھو اعتیاض لفظ مکان لفظ بل شان التعریف اھول من ذالک فاکثر انواعہ وجود ان یقلب اللفظ من ظاہر مرادہ الی ھواہ ھواجس نفسہ" ترجمہ: "فقط ایک لفظ کی جگہ دوسرے لفظ کو رکھنے کا نام تحریف نہیں ہے بلکہ تحریف اس سے زیادہ خطرناک چیز ہے اور اس کی صورت یہ ہے کہ اصل کلام کو اس کے ظاہری معنی اور مراد سے موڑ کر اپنی خواہش کے مطابق اس کا مطلب بیان کیا جائے"[2] حیات ولی کے مصنف شاہ صاحب کے متعلق ایک مورخ کی رائے بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔ "جناب شاہ ولی اللہ صاحب کی شہرت اگرچہ زیادہ تر تفسیر و ادب میں ہے لیکن آپ حدیث و فقہ میں بھی درجہ اجتہاد رکھتے اور مجتہدین"فن میں شمار کئے جاتے تھے"[3] "علماء و مورخین نے جناب شاہ ولی اللہ صاحب کو علم حدیث و فقہ کے اعتبار سے مجتہدین"فن کے بعد دوسرے درجہ میں جگہ دی ہے ورنہ وہ کون سا علم تھا جس میں شاہ صاحب کو تبحر نہ تھا کلام و ادب جو عربیت کا بہت بڑا جوہر ہے اس میں آپ کو وہ کمال حاصل تھا جو آج تک ماہرین فن کو تسلیم ہے آپ کے علمی مناظروں کے دیکھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حقدمین شعراء کے اشعار بکثرت یاد تھے جو سند کے ہر ہر موقع پر برجستہ پیش کرتے

[1] حجتہ اللہ البالغہ' از' شاہ ولی اللہ' مترجم' محمد عبدالحق حقانی' جلد دوم' ص 212
[2] البدور البازغہ' از' شاہ ولی اللہ' دہلی' 1914ء ص 135 [3] حیات ولی' از' رحیم بخش' ص 486

تھے مذہبی اور متداولہ علوم کے انتساب کو اگر الگ کر دیا جائے تو بھی ادیبوں اور متکلمین کی فہرست میں آپ کا نام نہایت روشن اور جلی حرفوں میں نظر آتا ہے غرضیکہ شاہ ولی اللہ صاحب کی ہمہ دانی نہایت حیرت انگیز ہے تفسیر' حدیث' فقہ' ادب' کلام' سیر' مغازی' معانی وغیرہ میں آپ کا شمار مجتہدین"فن میں ہوتا تھا ان کے سوا اور بھی بہت سے علوم تھے جن میں آپ کی نظر نہایت وسیع اور غائر تھی علم لغت میں آپ سے زیادہ کوئی عالم نہ تھا اور اس فن خاص میں جو درجہ حقدمین میں صاحب قاموس کو تھا وہی رتبہ متاخرین میں شاہ صاحب کو تھا[1] ایک تذکرہ نویس شاہ ولی اللہ کے فضل و کمال اور علمی تبحر پر بقول مصنف حیات ولی رقم طراز ہے "علوم خمسہ قرآنیہ اور تاویل قطعات اور رموز قصص انبیاء میں الفوز الکبیر شرقاً" غرباً" فتح الخبیر اور تاویل الاحادیث ایسے عمدہ اور مختصر رسالے ہیں جنہوں نے بڑی بڑی تفاسیر کے مطالعہ سے شائقین کو مستغنی کر دیا اور مسائل فقیہہ مذاہب اربعہ یعنی حنفی' شافعی' مالکی اور حنبلی کی تحقیقات مذاہب' صحابہؓ و تابعین" اور اقوال اجماع فقہا محدثین سے کر کے فقہ حدیث کی از سرنو بنیاد قائم کی اور اسرار حدیث و مصالح احکام کو ایسی عمدگی اور خوش اسلوبی سے بیان کیا کہ ان سے پیشتر کے مصنفین کو یہ بات بہت کم نصیب ہوئی ہے"[2] یہاں پر بطور نمونہ چند مثالیں پیش کی گئی ہیں ورنہ شاہ ولی اللہ صاحب کو عربی زبان و ادب پر اس قدر عبور اور مکمل علمی دسترس حاصل تھی کہ اس کو بیان کرنے کے لئے کئی ضخیم جلدوں کی ضرورت ہے۔

[1] حیات ولی' از' محمد رحیم بخش دہلوی' ص 487 [2] ایضاً ص 489

کتاب و سنت سے شرعی معانی سمجھنے کی کیفیت: جب ہم دیکھتے ہیں کہ شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب بھی نماز پڑھی' آپؐ نے رکوع کیا' سجدہ کیا' اپنے بدن سے گندگی دور کی اور نماز ادا کی۔ ادائیگی کے سلسلے میں یہ عمل بار بار کیا تو اس سے ہم نے یقین کر لیا کہ نماز سے اصل مقصود یہی ہے۔ اگر تم اس معاملے میں حقیقت واقعی معلوم کرنا چاہتے ہو تو اوصاف ذاتی کی معرفت کا معتمد علیہ طریقہ بھی یہی ہے۔ مثال کے طور پر جب ہم لوگوں کو دیکھیں کہ وہ لکڑیاں جمع کرتے ہیں۔ ان سے وہ ایک چیز بناتے ہیں' جس پر وہ بیٹھتے ہیں اور اسے وہ تخت کہتے ہیں' تو یہ ہوں گے تخت کے اوصاف ذاتی' جنہیں ہم ان امور سے اخذ کرتے ہیں۔ باقی رہا قوانین تشریع (شریعت میں قوانین سازی) تیسیر (قوانین میں سہولت و آسانی پیدا کرنے) اور احکام دین کا مسئلہ تو صحابہؓ نے امر و نہی کے مواقع کا مشاہدہ کر کے ان سے یہ چیزیں حاصل کیں۔ اس کی مثال یہ ہے کہ جیسے طبیب کے پاس بیٹھنے والے ان دواؤں کی افادیت کو جنہیں وہ تجویز کرتا ہے' اس کے ساتھ زیادہ عرصہ خلا ملا رکھنے اور مشق و ممارست ہی سے جان سکتے ہیں۔ چنانچہ اسی وجہ سے صحابہؓ کو قوانین تشریع اور احکام دین کی بدرجہ اولیٰ معرفت حاصل تھی۔ معانی شرعیہ معلوم کرنے کا واضح ترین طریقہ یہ ہے کہ ان کے بارے میں کتاب اللہ اور سنت میں نص اور تصریح موجود ہو۔ مثلاً قرآن مجید میں ہے: ولکم فی القصاص حیوۃ یاولی الالباب (البقرہ: 179) (اے عقل مندو قصاص میں تمہارے لئے زندگی ہے) اللہ تعالیٰ کا قول ہے:۔ علم اللہ انکم کنتم تختانون انفسکم فتاب علیکم وعفاعنکم (البقرہ: 187) "اللہ کو معلوم ہے کہ تم اپنے نفسوں کے ساتھ خیانت کر رہے ہو' اس لئے اس نے تمہاری توبہ قبول کی اور تم کو معاف کیا" اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔ الئن خفف اللہ عنکم و علم ان فیکم ضعفا ○ (الانفال: 66) (اب اللہ نے تم پر آسانی کر دی اور معلوم کر لیا کہ تمہارے اندر کمزوری ہے) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔ الا تفعلوہ تکن فتنۃ فی الارض وفساد کبیر (الانفال: 73) اگر تم نے ایسا نہ کیا تو زمین کے اندر فتنہ اور بہت بڑا فساد پیدا ہو جائے گا) اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔ ان تضل احدھما فتذکر احدھما الاخری (البقرہ: 282) (اگر ان دونوں میں سے کوئی ایک بھٹک جائے تو دوسری اس کو یاد دلا دے) آنحضرت صلعم کا ارشاد ہے:۔ لایدری این باتت یدہ (وہ نہیں جانتا کہ اس کے ہاتھ نے کہاں رات گزاری) آپؐ نے فرمایا: ان الشیطان یبیت علی خشومہ (جو صبح دیر تک سوتا ہے اس کی ناک کے نتھنوں میں شیطان نے رات گزاری) غرض معانی شرعیہ معلوم کرنے کا واضح ترین طریقہ تو یہ ہے کہ ان کے بارے میں کتاب و سنت کی نص اور تصریح موجود ہو۔ اس کے بعد ان معانی شرعیہ کا درجہ ہے جو ایما اور اشارہ سے معلوم ہوتا ہے۔ جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد:۔ اتقو اللاعنین (لعنت کے دونوں سببوں سے بچو)

لعنت کے دو سبب ہیں:۔ اول' سایہ دار درخت کے نیچے پاخانہ کرنا۔ دوسرے' عام شاہراہ پر پاخانہ کرنا۔) **آپؐ کا فرمان:۔** وکاء السنتہ العینان (حدیث کا بندھن دونوں آنکھیں ہیں) جب آدمی سوتا ہے تو اس کے اعضاء ڈھیلے ہو جاتے ہیں' اس لئے سونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ اس کے بعد

معانی شرعیہ معلوم کرنے کے طریقے کا درجہ یہ ہے کہ انھیں کوئی فقیہ صحابی بیان کرے۔ پھر درجہ ہے حکم کی علت اور اس کے مدار علیہ کی تخریج اور اخذ کرنے کا اس طرح کہ اس کی انتہا ایسے مقصود پر ہوتی ہے کہ مسئلہ شرعیہ میں اس کا یا اس کی نظیر اور مثال کا اعتبار اور لحاظ واضح ہو۔ چونکہ امور دینی میں کسی قسم کی بے کار بات نہیں ہے اس لئے ضروری ہے کہ بعض امور دینی میں جو مقداریں معین ہیں ان سے بحث کی جائے کیوں کہ بعض امور میں مقداریں معین کی گئیں اور ان سے ملتے جلتے امور (نظائر) میں یہ معین نہیں کی گئیں۔ اس طرح اس سے بحث کی جائے کہ بعض عمومی امور کو کیوں مخصوص کیا گیا اور بعض کو اس تخصیص سے کیوں مستثنیٰ رکھا گیا آیا ان کے اندر اصل مقصد مفقود ہے یا کوئی مانع موجود ہے جسے تعارض کے وقت ترجیح دی گئی۔ واللہ اعلم۔[1]

شرک: شرک کے معنی ہیں کہ ایسی صفات جو صرف اللہ تعالیٰ کی ذات سے مخصوص ہیں انہیں کسی دوسرے کی طرف منسوب کیا جائے' مثلاً اپنے ارادہ اور اختیار سے عالم میں تصرف کرنا' جسے کن فیکون سے تعبیر کیا جاتا' یا اس طرح کا علم ذاتی جو حواس' دلیل' عقل' یا خواب یا الہام وغیرہ کے ذریعہ نہ حاصل کیا گیا ہو مریضوں کو شفاء بخشنا یا کسی پر اس طرح لعنت کرنا' یا اس سے اس طرح ناراض ہونا' جس سے وہ بیمار' مفلس یا بدبخت بن جائے' یا کسی پر اس طرح رحمت نازل کرنا جس سے وہ خوشحال' تندرست' اور نیک انجام ہو جائے' یہ تمام صفات صرف اللہ کے لئے مخصوص ہیں ان صفات کو کسی دوسرے کی طرف منسوب کرنا شرک ہے۔ یہ مشرکین بھی کار تخلیق میں یا عظیم امور کی تدبیر اور تصرف میں کسی کو بھی خدا کا شریک نہیں مانتے تھے وہ یہ بھی عقیدہ رکھتے تھے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی امر کا ارادہ کرتا ہے تو اس کی راہ میں حائل ہونے والا کوئی نہیں بلکہ ان کا شرک صرف ان امور کے متعلق تھا جو بعض بندوں کے ساتھ مخصوص تھے وہ یہ سمجھتے تھے کہ جس طرح کوئی بادشاہ اپنے کسی مقرب یا کسی درباری امیر کو ملک کے کسی علاقہ میں بھیجتا ہے تو انہیں چھوٹے چھوٹے امور میں خود مختار بنا کے بھیجتا ہے تاکہ وہ ان امور میں بادشاہ کے صریحی احکام کی عدم موجودگی کی صورت میں اپنی رائے اور فیصلہ سے کام کر سکیں۔ ظاہر ہے کہ بادشاہ جزوی معاملات کی طرف توجہ نہیں دے سکتا لہٰذا وہ ایسے معاملات میں اپنے فرستادہ لوگوں کو یا اپنے امراء اور حکام کو خود مختار قرار دے دیتا ہے کہ وہ جس طرح مناسب سمجھیں عمل کریں چنانچہ اس طرح وہ اپنی تمام رعایا کو ان حکام کے حوالے کر دیتا ہے اور ان حاکموں کی ان کے ملازمین اور متوسلین کے بارے میں سفارشیں بھی قبول کرتا ہے بالکل اسی طرح خدائے پاک و برتر نے بھی اپنے بعض بندوں کو الوہیت کا خلعت مرحمت فرمایا ہے چنانچہ ان بندوں کی رضا اور خفگی دونوں کا دوسرے تمام لوگوں پر اثر پڑتا ہے اس عقیدہ کی بنا پر وہ ان بندوں کا تقرب اور ان کی خوشنودی حاصل کرنا ضروری سمجھتے تھے تاکہ وہ بادشاہ حقیقی کی بارگاہ میں بھی مقبولیت کے مستحق قرار پا سکیں اور حاجت براری کے موقع پر ان بندگان

---

[1] ارمغان' ص 114

خاص کی سفارش ان کے بارے میں قابل قبول ہو سکے۔

انھی اسباب کے پیش نظر وہ ان بندگان خاص کے حضور میں سجدہ روا سمجھتے تھے ان کے نام پر قربانی دینا' ان کے نام کی قسمیں کھانا اور ضروری امور میں اعانت طلب کرنا' ان کے خدائی اختیارات کے لئے تجویز کیا کرتے تھے انہوں نے ان خاص بندوں کے پتھر' لوہے اور مختلف دھاتوں کے بت بھی بنا لئے تھے جاہلوں نے رفتہ رفتہ ان پتھر کی مورتوں کو سچ مچ کا خدا سمجھ لیا اور ایک عظیم گمراہی کا سلسلہ شروع ہو گیا۔[1]

شاہ ولی اللہ کی دعا: اللهم! رب كل شئی فعليک اسالک بعلومک التی انزلتها علی عبدک و رسولک و صفوة خلقک و حرفس مملکتک سیدنا محمد لازالت صلواتک و تسلیماتک نازلته علیه الی یوم التنادیل الی ابدالاباد فاسالک بعلومک التی انزلتها علی اخوانه من الانبیاء والمرسلین والهمتها اهل بیته اطیبین الطاهرین واصحابه الهادین المهتدین وسائر الفقهاء المجتهدین والثقات المحدثین والصوفیه الصافین علی اختلاف طبقاتهم و تباٸن مقاماتهم کما انت اعلم بهم اللهم! فاسالک بمکوس تجلیک الاعظم المنطبقته فی صدور الانبیا والمرسلین والذین هم لانوار الانبیاء خیر الوارثین فباشعته تلک المکوس المنشعته فی صدور اصحابهم واحبالهم الی یوم الدین۔ اللهم انت قلت وقولک الحق الله نور السموت والارض مثل نوره کمشکاة فیها مصباح المصباح فی زجاجته الزجاجته کانها کوکب دری یوقد من شجرة مبارکته زیتونته لاشرقیته ولاغربیته یکادزیتها یضی ولولم تمسسه نار نور علی نور یهدی الله لنوره من یشاء ویضرب الله الامثال للناس والله بکل شئی علیم فضربت الزیت مثلا للداعیته النازلته من صرافته قدسک و ضربت المصباح الذی هوهنا بمعنی الفتیلته مثلا للجوهر الشفافته وضربت الزجاجته مثلا للروح والسر و ضربت الشکوة مثلا للقلب والعقل اللهم! اسالک بکل ماذکرته اصقا بتلک النور بل فانیا فیه قالما به حتی سبهرنی ضوء من اضوائک فی ضمن حکایته لاضوائک القدسته المجرده بجوهرته الشفافته ویحیط بی شانک التی تطورت به فی هذا الزمان اللهم و اسالک ان تخلطنی بتلک الجوهرة الشفافته حتے اصیر دالعابه واصه شانا من شیونک وضوء من اضوائک فی ضمن کونه ذلک منک اللهم! اسالک والح علیک ان تنجزلی جمیع ماوعدتنی علی لسانه من مقامات السر والروح والفناء فتتم علی یدی نورا من انوارک التی ابرزتها علی لسانه فتجعلنی حافظا بعلومک ومعارفک النازلته علیه البارزة به الموافقته لشانک التی تطورت به فی هذالزمان اللهم! منی السوال وعلیک الاجابته منی الابتهال وعلیک الانجاح' انک رحیم کریم رؤف قریب مجیب سمیع بصیر لااله الا انت ولارب الا انت مولائی وانت علی کل شئی قدیر۔

ترجمہ: اے اللہ جو ہر شے کا کفیل اور مالک ہے میں تجھے تیرے ان علموں کے طفیل سوال کرتا ہوں جو

1. الفوز الکبیر ص 16

تو نے اپنے پیارے بندے اور رسول اور اپنی ساری مخلوق میں سے سب سے چیدہ اور اپنی مملکت میں سے سب سے زیادہ دل نواز یعنی حضرت محمدؐ پر نازل کئے (تیری رحمتیں اور سلامتیاں ان پر قیامت تک نہیں بلکہ ہمیشہ ہمیشہ نازل ہوتی رہیں۔ علی ہذا میں تجھ سے مانگتا ہوں ان علوم کے طفیل جو تو نے ان کے ہم جنس نبیوں اور رسولوں کو دیئے اور جو تو نے ان کے پاک اور پاکیزہ اخلاق اہل بیت کو عطا فرمائے۔ اور جو تو نے ان کے ہدایت یافتہ ہدایت بخش اصحابؓ کو الہام کئے اور تمام مجتہد فقہاء اور قابل اعتماد محدثین اور صاف نفس و پاک باطن صوفیوں کو دیئے خواہ وہ کسی طبقے یا مقام کے ہوں جیسا کہ تو انہیں خوب جانتا ہے۔ اے میرے پروردگار! میں تیری اس تجلی کے عکسوں کا واسطہ دیتا ہوں جو انبیاء و مرسلین کے سینوں پر منعکس ہوئیں اور ان انبیاء اور مرسلین کے انوار کے بہترین وارثوں کے سینوں میں چمکیں اور میں ان عکوس کی ان چمکیلی شعاعوں کا واسطہ دیتا ہوں جو ان انبیاء اور مرسلین کے ساتھیوں اور دوستوں کے سینوں میں قیامت تک چمکتی رہیں گی۔ علی ہذا اے میرے پروردگار! تو فرماتا ہے اور لاریب سچ فرماتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نور ہے آسمانوں کا اور زمین کا۔ اس کے نور کی حالت عجیبہ ایسی ہے جیسے ایک طاق اس میں ایک چراغ ہے وہ چراغ ایک قندیل میں ہے جیسے ایک چمک دار ستارہ ہو۔ وہ چراغ ایک نہایت مفید درخت سے روشن کیا جاتا ہے کہ وہ زیتون ہے۔ جو نہ پورب رخ ہے اور نہ پچھم رخ ہے۔ اس کا تیل اگر اس کو آگ بھی نہ چھوئے' ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خود بخود جل اٹھے گا۔ نور علی نور ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے نور تک جس کو چاہتا ہے راہ دے دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ لوگوں کے لئے مثالیں بیان فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔ تو نے اس داعیے کی مثال' جو تیرے خالص قدس سے نازل ہوتا ہے زیتون کے تیل سے دی ہے اور شفاف جوہر کی مثال اس مصباح یا بتی سے دی ہے جو تیرے قدس خالص میں موجود ہے اور روح اور اس کے اندر کے سر کی مثال شیشے سے دی ہے اور قلب اور عقل کی مثال مشکوٰۃ (دیئے کے طاقچے) سے دی ہے۔ علی ہذا اے پروردگار! تو نے اس نور کے ساتھ ملی ہوئی جس چیز کا ذکر کیا ہے بلکہ وہ ہر چیز جو اس نور میں فنا ہو کر اسی کے ذریعے قائم ہے میں تجھے اس کا واسطہ دیتا ہوں۔ یہاں تک کہ تیری روشنیوں میں سے کوئی روشنی مجھے ڈھانپ لے جو تیری اضواء مقدسہ مجردہ کی جوہرۃ الشفافہ کے ساتھ حکایت کرتی ہو۔ اور تیری شان جو اس زمانہ میں مختلف رنگوں میں ظاہر ہو رہی ہے مجھے چاروں طرف سے گھیر لے اے اللہ! میں تجھ سے درخواست کرتا ہوں کہ تو مجھے اس جوہر شفاف کے ساتھ مخلوط کر دے یہاں تک کہ میں اس جوہر شفاف کے دوام کے ساتھ دائم بن جاؤں اور تیری شانوں میں سے ایک شان ہو جاؤں اور تیری روشنیوں میں سے ایک روشنی بن جاؤں جو تیری ہی روشنی ہو۔ اے اللہ! میں تجھ سے نہایت عاجزی سے درخواست کرتا ہوں کہ تو مجھے وہ سب کچھ عطا کر دے جس کا تو نے اپنے پیارے نبیؐ کی زبان سے سر' روح اور فنا کے مقامات کے بارے میں وعدہ فرمایا ہے اور تو نے اس کی زبان سے جو نور ظاہر کیا ہے وہ میرے ہاتھوں پورا کرا دے اور جو علوم و معارف تو نے اس پر نازل فرمائے اور اس کے ذریعے ظاہر فرمائے ہیں اور جو تیری اس شان کے موافق ہیں جس سے اس زمانے نے یہ نیا طور اختیار کیا

ہے ان کا مجھے حفاظت کرنے والا بنا اے میرے پروردگار مانگنا میرا فرض ہے اور یہ استدعا قبول فرمانا تیرا کام ہے میں تو عاجزی ہی کر سکتا ہوں میری ضرورت تو ہی پوری کر سکتا ہے تو رحم کرنے والا' بخشش کرنے والا'

نرمی کرنے والا' میرے قریب رہنے والا' میری دعاؤں کو قبول فرمانے والا' میری درخواستیں سننے والا' میری ضرورتوں کو دیکھنے والا ہے تیرے سوا کوئی الٰہ نہیں تیرے سوا کوئی پروردگار نہیں۔ تو ہی میرا مالک ہے اور تو ہی ہر بات پر قدرت رکھتا ہے۔[1] شاہ صاحب کے تایا شیخ ابوالرضا محمد کے صاحبزادے شیخ فخرالسلام کے فرزند شیخ صدر العالم نے "معارج العلی فی مناقب المرتضیٰ" کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ شاہ صاحب خلفائے راشدین کی افضلیت کے بارے میں رقم طراز ہیں۔ شیخ صدر العالم نے ایک رسالہ تالیف کیا ہے جس میں اس نے چند واقعات کا ذکر کیا ہے۔ ان میں سے ایک واقعہ یہ ہے کہ اسے حضرت علی کرم اللہ وجہہ' کی رویت ہوئی اور آپؓ نے اسے چند علوم کی تعلیم دی۔ اس ضمن میں ایک واقعہ یہ ہے کہ اسے شق القمر کی رویت ہوئی۔ یعنی اس نے چاند کو دو ٹکڑے ہوتے دیکھا۔ ان میں سے ایک ٹکڑا حضرت علیؓ کے قریب پہنچا اور وہ بدر کامل بن گیا پھر وہ دو ٹکڑے ہو گیا اور ان میں سے ایک ٹکڑا خواب دیکھنے والے (صدر العالم) کے نزدیک آ گیا۔ انہی واقعات میں سے ایک واقعہ یہ ہے کہ اس میں اسے حقیقت لوائے محمدیؐ سے مطلع کیا گیا۔ صدر العالم کے اس تصنیف شدہ رسالے کی بنیاد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مناقب پر ہے۔ اس میں وہ باقی تمام صحابہؓ پر آپؓ کی فضیلت کلی کا قائل ہے۔ یہ رسالہ تالیف کر کے اس نے اس فقیر کو بھیجا۔ اس کے مطالعہ کے بعد یہ ابیات شعر منظوم ہوئے۔

یرحمک اللہ یا صدرالموالی	فطول الدھر کان لک البقاء
لقد انتہت فی الاباء فخرا	رباالاباء برتفع العلاء
فجدک ایتہ لا ریب فیہا	فبحرلا تکدرہ الدلاء
ففی کشف المعارف کان فردا	فمانی القوم کان لہ کفاء
لقد کو شفت ماکر شفت حقا	ففضل اللہ لیس لہ انتہاء
اتاک الثلج فالایقان لما	رایت الشق فانکشف اللواء
فاذاذناک سیدناعلی	باکرام وعلم مایشاء
تئولف فی مناقبہ کتابا	وعند اللہ فی ذلک الجزاء
فمکثر مدح مولانا علی	مقل لایکون لہ وفاء
فمامن مشھد الاوفیہ	لہ فخر کبیر وازدھاء
وما من منھل الاوفیہ	لہ شرب عظیم وارتواء
وللقرآن تنزیل وظھر	یقاتلھم علیہ الانبیاء

[1] (i) تفہیمات الٰہیہ' جلد اول' ص 225 (ii) محمودیہ' ص 44

وللقرآن تاویل و بطن	یخاصمھم علیہ الاوصیاء
قبول الناس للتنزیل فیہ	سیاسات لہ منھا نماء
فمنھارد تحریف وسد	لاسباب لہ منھا انتشاء
وصلح واختصام واتلاف	باقوام قلوبھم ھواء
لھذ القسم اسرار عظام	فللشیخین فیہ اعتلاء
ففی علم النبوۃ ان ھذا	ملاک الامرلیس بہ خفاء
ومازال الصحابتہ عارفیہ	یقینا مثل ماطلعت ذکاء
فاثبت ذلک للشیخین واختر	من الاوصاف مدحامانشاء

اے **صدر الموالی**! اللہ تمہیں اپنی نگہداشت میں رکھے اور تجھے طول الدہر بقا نصیب ہو۔ تجھے اپنے آباؤ اجداد سے فخر و عزت ملی ہے اور آباؤ اجداد ہی سے مرتبہ بلند ہوتا ہے تمہارے جد امجد ایک نشانی تھے اور اس میں کوئی شک و شبہ نہیں۔ وہ ایک سمندر تھے جس کا پانی ڈولوں سے میلا نہیں ہوتا معارف لدنی کا انکشاف کرنے میں وہ فرد واحد تھے' جس کا کوئی ہمسر نہ ہو اور قوام میں ان کا کوئی نظیر نہ تھا۔ بے شک تجھ پر جو کچھ منکشف ہوا' وہ حق تھا اور واقعہ یہ ہے کہ اللہ کے فضل کی کوئی انتہا نہیں۔ یقیناً تجھے ٹھنڈک اور ایقان حاصل ہوا جب تم نے چاند کو دو ٹکڑے ہوتے دیکھا اور تجھ پر لوائے محمدیؐ کی حقیقت منکشف ہوئی۔ اور جب تجھے سیدنا علیؓ نے عزت و اکرام کے ساتھ اپنے قریب کیا جو تمہیں تعلیم دینا چاہتے تھے وہ تعلیم دی تم نے حضرت علیؓ کے مناقب پر ایک کتاب تالیف کی اور اس کی جزائے خیر تمہیں اللہ دے گا مولانا علیؓ کی بہت زیادہ تعریف کرنے والا بھی ان کی کم تعریف کرنے والا ہے کیونکہ ان کی تعریف کا حق ادا نہیں ہو سکتا۔ کوئی ایسا اجتماع اور معرکہ نہیں جس میں انہیں عظیم الشان فخر اور شان و شوکت نہ ملی ہو اور کوئی ایسا چشمہ (علم و معرفت) نہیں جس سے وہ بھرپور سیراب نہ ہوئے ہوں۔ قرآن کی ایک تاویل ظاہر ہے اسی لئے انبیاء لوگوں سے معروف جہاد رہے اور قرآن کی ایک تاویل باطن ہے اور اوصیا (وصی کی جمع) اسی کے لئے لوگوں سے مخاصمت آراء ہے۔ لوگوں نے قرآن کو از روئے تنزیل قبول کیا۔ اس میں ان کے لئے سیاسیات ہیں جن سے کہ ترقی و نمو ہوتی ہے۔ قرآن کو اس طرح قبول کرنے سے تحریف اور توڑ مروڑ کرنے کا رد ہوتا ہے اور ان اسباب کا انسداد کیا جاتا ہے جن سے فساد پھیلتا ہے اور قوموں کے ساتھ جن کے دل سراپا ہوا و ہوس ہیں' صلح لڑائی اور موافقت ہوتی ہے۔ قرآن کی اس قسم میں عظیم اسرار ہیں اسی میں شیخینؓ کو سربلندی اور علو مرتبہ حاصل ہے۔ علم نبوت کا اصل مقصود بھی یہی ہے اور اس میں کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے۔ صحابہؓ یقینی طور پر اسی کی معرفت رکھتے تھے اور اس کی مثال ایسے ہے جیسے کہ سورج طلوع ہو۔ پس تم شیخینؓ کے لئے اس سربلندی اور علو مرتبہ کو تسلیم کرو۔ اس کے بعد حضرت علیؓ کی مدح میں جو اوصاف چاہو' اختیار کرو۔[1]

[1] تفہیمات' جلد اول' تفہیم '21' ارمغان' ص 444

سورہ ق (المجید الکریم (مریج) مختلف ملتبس فقیل باطل (باسقات) طوال (لبس) شک (حبل الورید) عرق العنق (ذلک رجع بعید) رد بعید (فروج) فتوق (ماتنقص الارض منهم) من عظامهم (حب الحصید) الحنطۃ (قرینہ) الشیطان الذی قیض لہ (تبصرۃ) تبصیرا (فنقبوا) هربوا فقیل ضربوا (القی السمع) لا یحدث نفسہ بغیرہ (لغوب) نصب (نضید) الکفری مادام فی اکمامہ فمعناہ منضود بعضہ علی بعض۔

سورہ الذاریات (والذاریات) الریاح تذروہ تفرقہ (فالحاملات وقرا) السحاب (ذات الحبک) ذات الطرائق والخلق الحسن فقیل استوائها وحسنها (قتل الخراصون) لعن المرتابون (فی غمرۃ ساهون) فی ضلالۃ یتمادون (یفتنون) یعذبون (یهجعون) ینامون (وفی انفسکم افلاتبصرون) تاکلون وتشربون فی مدخل واحد ویخرج من موضعین (فراغ الی اهلہ) فرجع (صرۃ) صیحۃ (فصکت) لطمت (برکنہ) بقوتہ (کالرمیم) نبات الارض اذا یبس ودیس (بایید) بقوۃ (انا لموسعون) للاوسعۃ (خلقنا زوجین) صنفین کالذکر والانثی واختلاف الالوان الی حلو وحامض مثلا فهمازوجان (ففروا الی اللہ) معناہ من اللہ (وما خلقت الجن و الانس الا لیعبدون) (اهل السعادۃ من الفریقین الا لیوحدون (اتواصوا) تواطؤا (المتین) شدید (ذنوبا) دلوا۔

ترجمہ = سورہ ق: المجید معزز مریج مختلف ملتبس اور کہا ہے کہ باطل باسقات بلند لبس شک حبل الورید گردن کی رگ' ذلک رجع بعید دور کا رد فروج پھٹن ماتنقص۔ الارض منھم ان کی ہڈیوں سے حب الحصید گندم قرینہ وہ شیطان ہے جو اس کے ساتھ لگا ہے تبصرہ دیکھنا فنقبوا بھاگے اور کہا گیا ہے کہ مارے گئے' القی السمع کہ اس کے دل میں بات نہ کرتا ہو' لغوب تھکاوٹ نضید کلی جو ٹہنیوں میں چھپی ہو' جو بعض سے ملی ہو۔

سورۃ الذاریات والذاریات ہوائیں جو اسے اڑا دیں یا متفرق کر دیں فالحاملات وقرا بادل ذات الحبک طریقوں اور اچھی بناوٹ والا یا برابر ہونا' حسین ہونا قتل الخراصون سرکشی کرنے والے ملعون ہیں فی غمرۃ ساھون گمراہی میں بڑھتے جاتے ہیں یفتنون عذاب دیئے جاتے ہیں یھجعون سوتے ہیں وفی انفسکم افلا تبصرون ایک جگہ سے کھاتے پیتے ہو اور نکلنا دو جگہ سے ہے فراغ الی اهلہ پس لوٹا صرۃ چیخ فصکت ماتھے پر ہاتھ مارا برکنہ اپنی قوت کے ساتھ کالرمیم زمین کا سوکھا ہوا اور پامال شدہ گھاس فبید قوت کے ساتھ انالموسعون وسعت والے ہیں خلقنا زوجین دو صنف' جیسے مرد اور عورت رنگوں کا اختلاف اور میٹھا اور کڑوا تو یہ باہم زوج ہیں ففروا الی اللہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس کی طرف وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون ہر دو فریق میں سے اہل سعادت کو مگر یہ کہ وہ خدا کو واحد سمجھیں اتواصو موافق ہو گئے المتین سخت ذنوبا ڈول[1]

[1] الفوز الکبیر فی اصول التفسیر مع) فتح الخبیر' از' شاہ ولی اللہ' مترجمین' مولانا سید محمد صدی الحسنی' مولانا حبیب الرحمان صدیقی کاندھلوی' کراچی' 1383ھ ص 230

آیات مقطعات کا حل اور ان کے معنی: اللہ تعالیٰ کی جانب سے جو علوم میرے ذہن ناقص پر نازل کئے گئے ہیں ان میں سے ایک مقطعات کے حل اور معنی کا علم بھی ہے

تمہید: لیکن موضوع پر گفتگو شروع کرنے سے پہلے یہ ضروری ہے کہ کچھ باتیں تمہیدیہ مقدمہ کے طور پر بیان کر دی جائیں وہ حروف تہجی جن پر عربی کلمات اور الفاظ کی بنیاد ہے ان میں سے ہر حرف کے بڑے بعید اور وسیع معانی ہیں اور ان معنوں میں اتنی ندرت اور تازگی ہے کہ انھیں لفظ دو لفظ میں بیان کرنا ناممکن ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ اجمالی طور پر ہی سہی لیکن کچھ نہ کچھ تفصیل ضرور بیان کی جائے

اجتماع حروف: حروف تہجی کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت یہ ہے کہ ایسے تمام حروف جن کے مادے ایک دوسرے سے قریب اور مشابہ ہوتے ہیں ان کے معنی بھی ایک ہوتے ہیں اگر بالکل ہی ایک نہ بھی ہوں تو ایک دوسرے کے قریب ضرور ہوتے ہیں جیسا کہ ذہین اور تیز فہم ادیبوں اور علماء ادب نے اس نکتہ پر پوری تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی ہے چنانچہ ان کی تصریح کے مطابق جب کبھی کسی لفظ میں نون اور ف اکٹھا ہو جاتے ہیں تو کسی نہ کسی حیثیت سے خروج یا باہر نکلنے کے معنے دیتے ہیں۔ مثلاً نفر' نفث' نفخ' نفح' نفد اور نفذ یہ تمام لفظ کسی نہ کسی چیز کے اندر سے باہر آنے کے ہوتے ہیں خواہ کسی چیز کا مجمع سے نکلنا ہو یا کسی چیز کا سینہ سے نکلنا ہو یا کسی چیز کا ہاتھ سے نکلنا ہو' بہرحال نکلنا تمام الفاظ کے معنی کی بنیاد ہے اسی طرح جب ف اور ل کسی لفظ میں اکٹھا ہوتے ہیں تو پھوٹنے اور شگافتہ ہونے کے معنی دیتے ہیں مثلاً فلق' فلح' فلج' فلد اور فلذ' ان میں سے ہر ایک لفظ کسی نہ کسی چیز کے پھٹنے اور پھوٹنے ہی کے معنی دیتا ہے خواہ پو پھوٹنا ہو یا تاریکی کا چاک ہونا ہو یا بیج کا شگافتہ ہونا ہو۔

حروف کی تبدیلی: حروف تہجی کے بارے میں ذہین علماء ادب جن نتائج تک پہنچے ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ کسی لفظ کے تمام حروف کو اگر باری باری سے ان حروف کے ساتھ بدلا جائے جن کا مادہ یا مخرج اس حرف کے مخرج سے قریب ہو تو ایک ہی لفظ بے شمار معنوں میں استعمال کیا جا سکتا ہے چنانچہ عربوں نے اس طرح کے استعمالات بڑی کثرت سے کئے ہیں اور لفظ کے ایک ایک حرف کو باری باری تبدیل کر کے اسے متعدد اور مختلف معنوں میں استعمال کیا ہے مثلاً دق کے ق کو ک سے بدل کے دک اور لج کے جیم کو ز سے بدل کر لز استعمال کرنا اس طرح کی مثالیں عرب کے کلام میں عام ہیں چنانچہ اس طرح کی اور بھی بہت سی مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں لیکن چونکہ ہمارا مقصد صرف حروف کی اس خصوصیت کی طرف توجہ دلانا ہے اور وہ اتنے سے پورا ہو سکتا ہے اس لئے مزید مثالوں کی ضرورت نہیں ہے

اگرچہ حروف تہجی کی ان خصوصیات کا تعلق عربی زبان اور لغت ہی سے ہے لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ قدماء عرب اس سے واقف نہیں تھے کم از کم تجزیاتی طور پر اس سے باخبر نہیں تھے عام عربوں کا ذکر نہیں' بڑے بڑے علماء نحو بھی اسے سمجھنے سے قاصر رہے ہیں چنانچہ جنس کی تعریف اور اس کا مفہوم پوچھا جائے یا مختلف تراکیب کے خواص کے بارے میں سوال کیا جائے تو اس پر روشنی ڈالنے میں

ناکام رہیں گے اور اس کی حقیقت بیان کرنا ان کے لئے مشکل ہو گا حالانکہ فطری مناسبت کی وجہ سے وہ استعمال کرتے رہتے ہیں لیکن حقیقت کی طرف توجہ دینے کی انہیں کبھی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوئی۔ اس کے علاوہ کلام عرب کی موشگافیاں کرنے اور اس کی باریکیاں تلاش کرنے والوں کا ذہنی معیار بھی ایک انداز کا نہیں ہوتا کچھ لوگ نسبتاً زیادہ ذہین اور زیادہ نکتہ رس ہوتے ہیں چنانچہ بہت سے مفاہیم ایسے بھی ہوتے ہیں کہ جنہیں کچھ لوگ تو سمجھ لیتے ہیں اور دوسرے اس سے بے خبر رہتے ہیں چنانچہ یہ علم بھی اگرچہ عربی لغت ہی سے تعلق رکھتا ہے لیکن بہت سے ارباب تحقیق یہاں تک پہنچنے سے قاصر رہے ہیں۔

اصل بحث: اتنی تمہیدی گفتگو کے بعد اب وہ مقام آگیا ہے جہاں حروف مقطعات سے گفتگو شروع کی جا سکتی ہے چنانچہ حروف مقطعات کے سلسلہ میں سب سے پہلے یہ حقیقت ذہن میں رکھنی چاہئے کہ ان کی حیثیت ان سورتوں کے نام یا عنوان سے ہے جس سورۃ سے اس کا تعلق ہوتا ہے چنانچہ جو باتیں سورۃ میں تفصیلی طور پر مذکور ہوتی ہیں وہ اجمالی طور پر حروف مقطعات میں بھی مضمر ہوتی ہیں مثلاً کوئی کتاب لکھی جاتی ہے اور اس کا ایک نام رکھا جاتا ہے لیکن نام رکھنے میں ہمیشہ کتاب کے مضمون کی مناسبت کا خیال رکھا جاتا ہے اور ایک ایسا نام تجویز کیا جاتا ہے جس کے سنتے ہی کتاب کی حقیقت اور اس کا مفہوم سننے والے کے ذہن میں آجائے مثلاً علامہ بخاریؒ نے اپنی حدیث کی کتاب کا نام "الجامع الصحیح المسند فی احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" رکھا ہے اس نام کے سنتے ہی یہ علم ہو جاتا ہے کہ اس کتاب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث صحیحہ کو جمع کیا گیا ہے۔

الٓمٓ: چنانچہ الٓمٓ بھی پہلی سورۃ کا عنوان ہے اس کے معنے یہ ہیں کہ عالم غیب کی وہ چھپی ہوئی حقیقتیں جو اپنی جگہ متعین ہونے کے باوجود عالم ظاہر یعنی دنیا کے اعتبار سے غیر متعین تھیں اب اس اعتبار سے بھی متعین ہو گئیں الٓمٓ کے یہ معنی جو بیان کئے گئے ہیں ان کی بنیاد یہ ہے کہ ہمزہ اور ہ یہ دونوں حروف غیب کے معنی دیتے ہیں البتہ دونوں میں اتنا فرق ہے کہ ہ کا تعلق اس دنیا کے غیب سے ہے اور ہمزہ کا تعلق اس عالم یعنی عالم مجرد کے غیب اور اس کے پوشیدہ امور سے ہے۔

همزہ: دوسرے لفظوں میں ہمزہ کا تعلق ایسے غیب سے ہے جو غیر متعین ہو' اس کا ثبوت یہ ہے کہ عام بول چال میں جب کسی ایسے امر کے بارے میں سوال کیا جاتا ہے جو ابھی تک غیر متعین ہو تو ام استعمال کیا جاتا ہے یعنی حرف استفہام میں ہمزہ کو جزو اول کی حیثیت حاصل ہے اور جب اس طرح کے جملہ استفہامیہ پر کسی دوسرے جملہ کو عطف کیا جاتا ہے تو حرف او استعمال کیا جاتا ہے اور اس کا جزو اول بھی ہمزہ ہی ہے اور یہ عطف اس پر دلالت کرتا ہے کہ وہ امر غیب جس کے بارے میں سوال کیا جارہا ہے ابھی تک منتشر اور غیر متعین ہے ورنہ او کے ذریعہ سوال ہی نہیں کیا جا سکتا چنانچہ یہ استفہام اور یہ عطف دونوں اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ جن چیزوں کے بارے میں سوال کیا جارہا ہے وہ ابھی تک غیر متعین ہیں اور ہماری معلومات کے لحاظ سے اس کی حیثیت غیب کی سی ہے اور یہی غیب اور اس کا عدم تعین اس

کے بارے میں تردد کا بھی سبب ہے اس طرح کے جملوں کی ابتدا میں ءَ بھی استعمال ہوتا ہے یہ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ جس امر غائب کے بارے میں سوال کیا جارہا ہے اس کی ایک مبہم اور اجمالی شکل سوال کرنے والے کے ذہن میں موجود ہے اور وہ فلاں مادہ سے تعلق رکھتی ہے۔

ہ: استفہام کی طرح ضمیر بھی ہے دونوں کا تعلق غیب یا آنکھوں سے غائب چیزوں سے ہے چنانچہ استفہام بھی غیر معلوم چیزوں کے لئے ہوتا ہے اور ضمیر بھی کسی ایسی چیز یا کسی ایسے کلمہ کی قائم مقامی کرتی ہے جو غائب ہو یعنی جملہ میں موجود نہ ہو چنانچہ ضمیر کا تعلق بھی غیب سے ہے اور ضمیر کے لئے ہ استعمال کیا جاتا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ اس کا تعلق بھی غیب سے ہے یعنی ہ بھی غیب ہی پر دلالت کرتا ہے البتہ استفہام کا تعلق ایسے غیب سے ہوتا ہے جو ابھی غیر متعین ہوتے ہیں اور ضمیر یعنی ہ کا تعلق ایسے غیب سے ہوتا ہے جو اس سے پہلے ہی متعین ہو چکا ہے ضمیر بہرحال متعین ہی ہوتی ہے واضح طور پر نہ ہو تو اجمالی طور پر بہرحال متعین ہوتی ہے اس کے معنی یہ ہوئے کہ ہمزہ اور ہ دونوں کا تعلق غیب ہی سے ہے ہمزہ کا تعلق غیب غیر متعین سے ہے اور یہ عالم مجرد کی خصوصیت ہے اور ہ کا تعلق متعین غیب سے ہے اور یہ اس عالم ظاہر کی خصوصیت ہے۔

ل: جس طرح ہمزہ اور ہ غیب پر دلالت کرتے ہیں اسی طرح ل تعین پر دلالت کرتا ہے یعنی جس چیز کے ساتھ ل آتا ہے اسے متعین کر دیتا ہے یہی وجہ ہے جب کسی غیر متعین کو متعین کرنا ہوتا ہے یعنی نکرہ کو معرفہ بنانے کے لئے لفظ کے ساتھ ل کا اضافہ کر دیا جاتا ہے۔

م: میم کی حیثیت یہ ہے کہ جب ہمزہ اور ل دونوں اس کے ساتھ جمع ہو جاتے ہیں تو وہ ایک ایسے مجسم ہیولیٰ پر دلالت کرتا ہے جس میں مختلف قسم کے حقائق مجتمع اور مقید ہو چکے ہوں اور اس اجتماع کے بعد عالم تجرد سے نکل کر اس عالم قید و اختیار یعنی عالم ظاہر میں آچکے ہوں

حاصل: تینوں حروف کی مذکورہ بالا خصوصیات کے پیش نظر مجموعی حیثیت سے الم کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ وہ فیض مطلق جو عالم مجرد سے مخصوص تھا اب اس عالم سے نکل کر اس عالم اختیار میں آچکا ہے اور اس عالم کی عادت و فطرت اور انسانی علوم کے مطابق متعین ہو چکا ہے اور قلب انسانی کی سختی اور قساوت کو اللہ تعالیٰ کی یاد سے دور کرنے کی کوشش میں مصروف ہے اور ان کے باطل اقوال اور فاسد اعمال کو گناہ و نافرمانی پر سزا اور عذاب کی تہدید سے دور کرنا چاہتا ہے الم کے یہ معنی جو بیان کئے گئے ہیں اگر دیکھا جائے تو پوری سورۃ میں اس کی تشریح اور تفصیل نظر آئے گی۔

الٓرٰ: الٓرٰ اور الٓمٓ دونوں آیات میں صرف ایک حرف یعنی ر اور میم کا فرق ہے بقیہ حروف دونوں میں مشترک ہیں لہٰذا الٓرٰ بھی اس معنے پر دلالت کرتا ہے جس کی تصریح الم کے سلسلہ میں کی جا چکی ہے فرق صرف یہ ہے کہ الر تردد اور تکرار پر بھی دلالت کرتا ہے اس لحاظ سے اس آیت کے معنی یہ ہوں گے کہ وہ ذات جو ایک بار اس عالم ظاہر میں متعین ہو چکی تھی وہ ایک دوسرے گروہ میں مل کر دوبارہ عالم ظاہر ہیں ؟

کردوبارہ نئی حیثیت سے متعین ہو چکی ہے۔ قرآن مجید میں الٓرٰ سے وہ علوم مراد ہیں جو بنی آدم کی برائیوں اور بداعمالیوں کو دور کرنے کے لئے ہوتے ہیں اور وہ تدبیریں جو اس سلسلہ میں یکے بعد دیگرے اختیار کی جاتی ہیں اور ان علوم اور تدابیر سے مراد انبیاء علیہم السلام کے وہ قصص اور واقعات ہیں جو لوگوں کی اصلاح اور ہدایت کے لئے بیان کئے گئے ہیں اس کے علاوہ ان کے اقوال اور ان کی جانب سے دیئے جانے والے سوالوں کے جوابات تمام چیزیں اسی ذیل میں آجاتی ہیں۔

طا اور صاد: طا اور صاد یہ دونوں حروف قریب المعنی ہیں اور دونوں کے معنی ہیں 'بلندی کی طرف حرکت کرنا یعنی اس عالم مادی سے عالم علوی کی طرف صعود کرنا فرق صرف یہ ہے کہ طا کے مفہوم میں ایسی بلندی شامل ہے جس کا تعلق عظمت اور شوکت سے ہے ایسی عظمت و شوکت جو اس عالم ظاہری میں وجود سے متعلق ہو اس کے برخلاف صاد کے مفہوم میں وہ بلندی شامل ہے جس کا تعلق صفائی' لطافت اور پاکیزگی سے ہو۔

سین: عالم مجرد کے عین متعینہ کے ایک دوسرے پہلو کی طرف اشارہ کرتا ہے یعنی عالم مجرد کا وہ غیب جو عالم ظاہر میں منتقل اور متعین ہوا تھا وہ اب سارے عالم میں پھیل چکا ہے۔

طٰہٰ: طٰہٰ بھی آیات مقطعات میں سے ایک ہے مندرجہ بالا سطور میں جن حروف کے خواص سے بحث کی جا چکی ہے ان میں سے دو حرف طا اور ہ اس آیت میں جمع ہوئے ہیں ہ جو عالم ظاہر کے غیب پر دلالت کرتا ہے اور طا جو عظمت' بلندی اور شوکت پر دلالت کرتا ہے ان دونوں حروف کے اجتماع کی وجہ سے طٰہٰ ایک ایسے مقام کی طرف اشارہ کرتا ہے جو انبیاء علیہم السلام کے لئے مخصوص ہے یعنی انبیاء علیہم السلام کا عالم علوی کی طرف متوجہ ہونا اور عالم مجرد سے تعلق پیدا کرنا جس کی وجہ سے ایک ایسی غیبی صورت پیدا ہو۔ جس میں تمام حقائق کا علم اجمالی طور پر موجود ہو دوسرے لفظوں میں طٰہٰ سے مراد انبیاء کرام علیہم السلام کا وہ مرتبہ ہے جس کی وجہ سے وہ عالم غیب سے تعلق پیدا کر سکتے ہیں اور بہت سی غیب کی باتوں سے مطلع ہو سکتے ہیں اور وہ علوم ان کتابوں میں درج ہو جاتے ہیں جو انہیں اللہ تعالیٰ کی جانب سے عطا ہوتی ہیں۔

طٰسٓمٓ: طٰسٓمٓ میں تین حروف ہیں طاء جس کے معنی عظمت اور بلندی کے ہیں س جس کے معنی عالم میں پھیلنے کے ہیں اور م جس کے معنی تعین کے ہیں چنانچہ اس کا تعلق بھی انبیاء علیہم السلام کے ایک مخصوص مقام سے ہے یعنی ان کی عالم علوی کی طرف حرکت کے نتیجہ میں جو حقائق حاصل ہوتے ہیں اس سے مراد ان علوم اور حقائق کا عالم ظاہر میں جاری ہونا اور ساری کائنات میں پھیل جانا ہے گویا طٰسٓمٓ کا مطلب یہ ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کو جو علوم عطا کئے گئے وہ عالم ظاہر میں جاری ہوئے اور سارے عالم میں پھیل گئے۔

حاء: ح کے معنی بھی ہ کی طرح غیب ہی کے ہیں فرق صرف یہ ہے کہ ہ جس غیب کی طرف اشارہ کرتا

ہے وہ محض غیب ہی ہے لیکن ح جس غیب کی طرف اشارہ کرتا ہے اس میں روشنی کی تڑپ ظہور کی سی ایک کیفیت اور ایک امتیاز بھی شامل ہے لہٰذا ح جہاں بھی آئے گا ظہور اور امتیاز کی طرف ضرور اشارہ کرے گا۔

حٰمٓ: اس آیت کے دونوں حروف تقریباً قریب المعنی ہیں م تو تخصیص اور تحقیق پر دلالت کرتا ہے اور ح اگرچہ غیب پر دلالت کرتا ہے چنانچہ حٰمٓ سے غیب کی ایک ایسی اجمالی حقیقت کی طرف اشارہ ہوتا ہے جس میں روشنی کی ایک تڑپ اور ظہور کی ایک کیفیت بھی ہے اس نے عالم ظاہر کی خصوصیات اس لئے اختیار کی ہیں تاکہ لوگوں کے باطل عقائد کو دور کر کے ان کے فاسد اعمال کی اصلاح کر دے اور اس سے مراد قرآن مجید کے وہ حقائق ہیں جنہیں گمراہوں کے اقوال کی تردید میں پیش کیا گیا ہے اور ان کے عادات کو خصائل اور ان کے شبہات پر تنقید کر کے حق کا اظہار کیا گیا ہے۔

عین: حرف عین ایک روشن اور نورانی ظہور اور اس کے متعین ہو جانے پر دلالت کرتا ہے۔

ق: ق اپنے مفہوم کے لحاظ سے میم سے مشابہ ہے یعنی وہ بھی تخصیص اور تعین کے مفہوم پر دلالت کرتا ہے فرق صرف یہ ہے کہ ق کے مفہوم میں تعین اور تخصیص کی قوت اور شدت کا مفہوم شامل ہے کہ تمام اشکال اس میں مجتمع ہو گئی ہیں اس اعتبار سے ق کا مکمل مفہوم یہ ہو گا کہ خدا کا عشق جو ذرہ ذرہ سے پھوٹ رہا ہے وہ پورے عالم ظاہر میں پھیل گیا ہے۔

نون: حرف نون سے مراد وہ روشنی ہے جو تاریکی کے درمیان پھوٹتی اور پھیلتی ہے یعنی نون اجالے اور اندھیرے کی اس ملی جلی کیفیت کا شعور پیدا کرتا ہے جو صبح صادق یا غروب آفتاب کے وقت فضا میں نظر آتی ہے اگر بالکل وہی کیفیت نہیں تو تقریباً اسی سے ملتی جلتی کیفیت۔

یاء: ی کے بھی وہی معنے ہیں جو ن کے فرق صرف یہ ہے کہ یہاں نور کی وہ شدت نہیں ہے جو ن کے مفہوم میں ہے ساتھ ہی اسے ہ کے مفہوم سے بھی مناسبت ہے لیکن یہاں یہ فرق ہے کہ ہ کے مفہوم میں تعین زیادہ ہے اور اس کے مفہوم میں کم گویا ی مجموعی طور پر کمتر نور اور کمتر تعین پر دلالت کرتی ہے۔

یٰسٓ: چنانچہ یٰسٓ میں ی اور س مل کر پھیلنے اور ایک حد تک نور اور تعین کے معنی دیتے ہیں اس اعتبار سے یٰسٓ سے وہ حقائق اور معانی مراد ہیں جو سارے عالم میں پھیلے ہوئے ہیں۔

ص: حرف صاد سے وہ مخصوص حالت اور کیفیت مراد ہے جو اس وقت پیدا ہوتی ہے جب انبیاء علیہم السلام پروردگار عالم کی طرف متوجہ ہوتے ہیں خواہ یہ توجہ فطری استعداد کی بناء پر ہو یا مشق اور ریاضت کے ذریعہ حاصل کی گئی ہو۔

ق: حرف ق کا مفہوم پہلے بھی بیان کیا جا چکا ہے یعنی یہ قوت' شدت' جبر کے معنی پر دلالت کرتا ہے گویا مجموعی طور پر ق سے مراد ایسی قوت اور ایسی شدت ہے جو اس عالم مادی میں متعین ہو چکی ہے مثلاً اگر

کوئی شخص یہ کہے کہ میرا مقصد اس ہیئت سے ہے جو مختلف چیزوں کے آپس میں تصادم اور شکست سے پیدا ہوتی ہے تو وہ اپنے اس قول سے جو کیفیت مراد لیتا ہے وہی حرف ق کا حقیقی مفہوم ہے۔

ک: ک اور ق کی آواز میں جو مناسبت اور جو فرق ہے' وہی مناسبت اور وہی فرق دونوں کے مفہوم میں بھی ہے ک کی آواز نسبتاً ہلکی اور نرم ہے لہٰذا تھوڑی سی کمی اور کمزوری کے ساتھ اس کا بھی وہی مفہوم ہے جو ق کا یعنی کم قوت اور کم شدت۔

کٓھٰیٰعٓصٓ: یہ آیت پانچ ایسے حروف کا مجموعہ ہے جس کے مفہوم میں معمولی سی قوت و شدت' ایک ایسا غیب جو متعین ہو چکا ہے نور' روشنی' ظہور اور لطافت و پاکیزگی سب ہی کچھ شامل ہے لہٰذا اس آیت سے ایک ایسا مادی اور ظلماتی عالم مراد ہے جس میں کچھ ایسے علوم جمع اور متعین ہو گئے ہیں جن کا تعلق پروردگار عالم سے ہے ان میں کچھ علوم واضح اور روشن ہیں اور کچھ علوم غیر واضح اور غیر روشن ہیں۔

مختصر یہ کہ آیات مقطعات میں علوم و حقائق کا ایک وسیع عالم سمٹا ہوا ہے جس کا اندازہ محض ذوق اور وجدان کی قوت سے تائید الٰہی کے ساتھ کیا جا سکتا ہے اور ان اجمالی معانی کو تحریر یا تقریر کے ذریعے ظاہر اور بیان کرنے کی اگر کوئی صورت ہو سکتی ہے تو یہی جو اس رسالہ میں اختیار کی گئی ہے اس سے زیادہ کچھ کہنا یا بیان کرنا کم از کم انسان کے بس کی بات نہیں ہے اگرچہ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جو کچھ کہا گیا ہے وہ ان کلمات اور آیات کے مفہوم اور معانی سے پوری طرح مطابقت نہیں رکھتا اور ان کی صحیح ترجمانی نہیں کرتا بلکہ بعض اعتبارات سے تو یہ تشریح ان آیات کے حقیقی مفہوم کی مخالف ہے لیکن جیسا کہ پہلے ہی اعتراف کیا جا چکا ہے کہ اس سے زیادہ بیان کرنا انسانی مقدور سے باہر ہے لہٰذا اس اختلاف اور عدم مطابقت کے شائبہ کے باوجود جو کچھ بیان کیا جا سکتا تھا بیان کر دیا گیا ہے۔[1]

شاہ صاحب موطا امام مالکؒ کی شرح المسوی میں اس طرح مطالب کو واضح کرتے ہیں۔

(i) **قلت:** علی اثر سماء ای مطر فالعرب تسمی المطر سماء لانہ ینزل من السماء والانواء الکواکب الثمانیۃ والعشرون التی ھی منازل القمر یسقط منھا فی کل ثلث عشر لیلۃ نجم فی المغرب مع طلوع الفجر ویطلع اخر یقابلہ من المشرق فی تلک الساعۃ فیکون انقضاء ھذہ الثمانیۃ والعشرین مع انقضاء السنۃ واصل النوء سمی اذ لانہ اذا سقط الساقط منھا بالمغرب ناء الطالع بالمشرق فمن اعتقد ان الانواء ھی المؤثرۃ فی وجود المطر فذلک الضال فاما من قال مطرنا بنوء کذا واراد ان اللہ سقی المطر بفضلہ فی ھذہ الوقت بحکم جری العادۃ فذلک جائز ولکن یکرہ لاشتباہ المعانی

(ii) **قلت:** المطعون ھو الذی یموت فی الطاعون والغریق ھو الذی یموت غرقا فی الماء

[1] الفوز الکبیر ص 74-166

ذات الجنب مرض معروف المبطون صاحب الاسھال وقیل ھو الذی یموت بمرض بطنہ فیشمل الاستسقاء والقولنج الحرق ھو الذی یحترق فی النار فیموت بجمع بضم الجیم وکسرھا قیل ھی التی تموت فی النفاس وولدھا فی بطنھا لم تلدہ وقیل ھی التی تموت عذراء لم تفتض والجمع الشی المجموع والمعنی انھا ماتت مع شی مجموع فیھا غیر منفصل عنھا فیحتمل الحمل والبکارۃ فالشھید حقیقۃ من قتل مجاھدا فی سبیل اللہ ثم اتسع فقیل لمن مات بشدۃ والمتہ فان اللہ تعالی تفضل علی امتہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

(iii) **قلت:** معنی قولہ ان تعتصموا بحبل اللہ جمیعا ان تتبعوا کتاب اللہ وسنتہ نبیہ ولا تختلفوا فی العقائد الاسلامیۃ وفیما وضح امرہ من الشرع فی حدیث مستفیض او امر مجمع علیہ او قیاس جلی واما ما کان من محتمل لفظ الحدیث او من وجوہ التطبیق بین الحدیثین او قیاسین محتملین علی المنصوص علیہ او حدیث اختلف فی اسنادہ فذلک من باب قولہ صلی اللہ علیہ وسلم اختلاف امتی رحمۃ قول قیل وقال فعلان ماضیان بھما حکایۃ ما یقول المکثر من الکلام المخالف فیما لا ینبغی واضاعۃ المال قیل المراد عدم حفظہ وقیل لا نفاق فی المعاصی وکثرۃ السوال قیل ھو الاکثار من سوال الاغلوطات[1]

[1] ایضاً ص 243 [2] ایضاً ص 256 [3] ایضاً ص 264

غریب قرآن کی تشریح: وازاں جملہ شرح غریب است و بنائے آن بر تتبع لغت عرب ست یا تفطن بسیاق و سباق آیت و دانستن مناسبت لفظ باجزاے جملہ کہ دراں واقع شدہ است پس در اینجا نیز عقل را مدخل است و اختلاف را گنجائش۔ زیراکہ ہریک کلمہ در لغت عرب برائے معانی شتے آید احتمال در تتبع استعمالات عرب و تفطن مناسبت بسابق ولاحق مختلف باشد و لہذا اقوال صحابہؓ و تابعینؒ دریں باب مختلف شدہ و ہریکے رائے سلوک کرد مفسر منصف رادرہار شرح غریب میباید سنجیدنی در استعمالات عرب کہ کدام وجہ اقوے وارجح است و دیگر در مناسبت سابق ولاحق کہ کدام وجہ اولی واقعہ است بعد احکام مقدمات و تتبع موارد استعمال و تفحص آثار فقیر دریں باب استنباط ہائے تازہ کردہ است کہ لطف آن پوشیدہ نہ خواہد بود لاہربے انصافے لغایۃ الطبع مثلا کتب علیکم القصاص فی القتلی بر معنے تکافؤا القتلی و یکے با دیگرے دریک حکم شریک بودن حمل نمود، ناور قسم الانثی بالانثی موئنث قح نہ کشد، و مرتکب توجیہاے کہ بانی التفات از ہم ے باشد نہ گردد یسئلونک عن الاھلۃ رابر معنے یسئلونک عن الاشھر یعنی اشھر الحج قال ھی مواقیت للناس والحج و مثلا ھو الذی اخرج الذین کفروا من اھل الکتاب من دیارھم لاول الحشر لاول جمع الجنود لقولہ تعالی وابعث فی المدائن حاشرین و قولہ تعالی و حشر لسلیمان جنودہ و ایں باقصہ بنی نضیر واقعہ است و دریان منت اقوی و آزاں جملہ بیان ناسخ و منسوخ است و دریں جا دو نکتہ باید دانست، یکے آنکہ صحابہؓ و تابعینؒ نسخ را استعمال ے کردند، بر غیر معنے کہ مصطلح اصولیاں ست و آں قریب است بہ معنی لغوی کہ ازالہ است پس معنی نسخ نزدیک ایشاں ازالہ بعض اوصاف آیت حقدمہ بآیت متاخرہ خواہ انتہائے مدت عمل باشد یا صرف کلام از معنے متبادر یا غیر معنے متبادر یا بیان مفخم بودن قیدی یا تخصیص عامے، یا بیان فارق درمیان منصوص و آنچہ مقیس بر آن ست ظاہراً مانند آں وایں باب واسع است و عقل رادراں جاجولانے ست و اختلاف را گنجائش و لہذا عدد آیات منسوخہ رابپا

نصد رسانیدہ، دیگر آنکہ نسخ بمعنے اصطلاحی اصل دریان آں معرفت تاریخ است گاہے اجماع سلف صالح یا اتفاق علماء را علامت نسخ گردانند منسح قائل شوند بسیارے از فقہای مرتکب ایں امر شدہ اند و ممکن کہ ما صدق آیت غیر ما صدق اجماع باشد بالجملہ در آثارے کہ نہی از نسخ اند عمر بسیار است و بغور رسیدن وشوارست و محدثان راہیوں ازیں اقسام چیزہائے دیگر ست کہ آں راتیز ابراولی نماید حمل مناظرہ صحابہؓ در مسئلہ واستشہاد ہایں آیت یا تمثیل ایشاں بذکر ایں آیت یا تلاوت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایں آیت رابطریق استشہاد وروایت حدیثے کہ موافق ایں آیت باشد دراصل ببنے و طریق تلفظ بآنکہ منقولے باشد از آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہؓ۔

فصل۔ درباقی لطائف ایں باب = آزاں جملہ استنباط احکام ست وایں باب بغایت منسح است و عقل را اطلاع بر فحوی و ایماآت و اقتضاأت میدان واسع است و اختلاف کلی حاصل ست وایں فقیر راحسب استنباطات وردہ قسم و ترتیب آں اقسام بخاطر ریختہ اند، وآن مقالہ میزانے ست عظیم برائے مجیدان بسیارے از احکام مستنبط و آزا نمط توجیہ ہے ست کثیر الشعب کہ شرح در شرح متون بکار بردند امتحان ذکائے ایشاں باشد و تباین مراتب بسبب آں بظہور آید صحابہؓ باوجود عدم تنقیح قوانین توجیہ دراں عصر در توجیہ قرآن سخن گفتہ اند و اکثار آں کردہ و حقیقت توجیہ آن ست کہ در کلام مصنف صعوبت فہم حاصل شود شارح توقف کند و آں صعوبت راحل نماید و چون اذہان خوانندگان کتب دریک مرتبہ نباشد توجیہ بہ نسبت بندیاں دیگر ست و بہ نسبت منتہیاں دیگر، بسا صعوبت فہم کہ منتہے را آنجا طرسد، و محتاج حل آں گرود بلندی غافل ازاں باشد بلکہ احاطہ آں فوائد و بساط کلام کہ بذہن مبتدی صعب باشد، نہ بذہن منتہی اما آنکہ احاطہ جوانب اذہان کردہ است بحال جمہور خوانندگان فرودی آید فبحسب اذہان ایشاں سخن ے گویند، پس در آیات مخاصمہ عمدہ توجیہ تحریر مذاہب آں فرق است و تنقیح وجہ الزام و در آیات احکام تصویر صور تمائے مسئلہ و ذکر فوائد قیود از احتراز و غیر آں و در آیات تذکیر بالاء اللہ تصویر آن نعم و بیان مواضع جزئیہ آں و در آیات تذکیر بایام اللہ بیان ترتیب بعض قصہ بر بعض و ایفائے حق تعریضے کہ در سرد قصہ ے باشد و در تذکیر بالموت و ما بعد تصویر آں صور تماو تقریر آن حالتہا از فنون توجیہ است تقریب آنچہ بعید از فہم باشد بسبب عدم الفت بآں و قطع معارضہ است درمیان دو دلیل یا درمیان دو تعریض یا درمیان معقول و معقول و تفریق درمیان دو ملتبس و تطبیق درمیان دو مختلف۔

وبیان صدق وعدہ کہ اشارت بآں رفتہ است، وبیان کیفیت عمل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بآنچہ در قرآن عظیم مامور شدند، بالجملہ توجیہ در تفسیر صحابہؓ بسیار ست و حق آن مقام ادا کردہ نمی شود تا آنکہ وجہ صعوبت مفصلا بیان کردہ شود، بعد ازاں در حل صعوبت تفصیل سخن گفتہ آید وبعد آزاں آں اقوال را سنجیدہ شود، و آنچہ متکلمان غلوی کنند از تاویل متشابہات بیان حقیقت صفات مذہب من نیست، مذہب من مالک و ثوری و ابن مبارک و سائر قدماء است و آں امراز متشابہات ست بر ظواہر آں و ترک خوض در تاویل آں و در احکام مستنبط نزع کردن و احکام مذہب خود نمودن و وضع دیگر را ابرانداختن و احتیال کردن برائے دفع دلائل قرآنیہ

نزدیک من صحیح نیست می ترسم کہ از قبیل تدار یا لقرآن باشد۔ طالب مدلول آیات باید بود، و مذہب خود مدلول آیت را باید گرفت گو ہر جا رفتہ باشد موافق یا مخالف و اما لغت قرآن را از استعمالات عرب اول اخذ باید کرد، احتلو کلی بر آثار صحابہؓ و تابعینؒ باید نمود و در نحو قرآن خللے عجیب راہ یافتہ است و آں آنست کہ جماعت مذہب سیبویہ را اختیار کردہ اند، و ہرچہ موافق آں نیست آں را تاویل ے کنند اگرچہ تاویل بعید باشد و ایں نزدیک من صحیح نیست اتباع اقوی و اوفق بسیاق و سباق باید کرد مذہب سیبویہ باشد یا مذہب فراء در حل **والمقیمین الصلوٰۃ والموتون الزکوٰۃ** حضرت عثمانؓ گفتہ اند **ستقیمھا العرب بالسنتھا** و تحقیق ایں کہ نزدیک فقیر آن ست کہ مخالف روز مرہ مشہور نیز روز مرہ است و عرب اول را در اثنائے خطب و محاورات بسیار واقع می شد کہ خلاف قاعدہ مشہورہ بر زبان گذشتی و قرآن بلغت عرب اول نازل شد اگر احیانا بجائے واو یا آمدہ باشد، یا بجائے تثنیہ مفرد، یا بجائے مذکر مونث چہ عجب پس آنچہ محقق است آن ست کہ ترجمہ **والمقیمین الصلوٰۃ** بمعنی مرفوع باید گفت واللہ اعلم و اما معانی و بیان علمے است حادث بعد انقراض صحابہؓ و تابعینؒ پس آنچہ در عرف جمہور عرب مفہوم ے شود علے الراس والعین و آنچہ امر خفی ست کہ بجز مستعمقان آں فن ادراک نہ کنند لا نسلم کہ در قرآن مطلوب باشد و اما اشارت صوفیہ و اعتبارات ایشاں بحقیقت از فن تفسیر نیست بلکہ نزدیک استماع قرآن چیزہا بدل سالک ظاہری گردد و در میان نظم قرآن و حالتے کہ آں سالک وار دیا معرفتے کہ او را حاصل ست متولد ے شود چنانکہ کسے قصہ مجنوں ولیلیٰ شنود، و معشوقہ خود را یاد کند معاملہ کہ در میان وے می گذرد مستحضر سازد، دریں جا فائدہ ایست اہم آن را باید دانست کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فن اعتبار را معتبر داشتہ اند و راہ سلوک فرمودہ اند تا سنت باشد علمائے امت را و فتح طریقے باشد علوم موہوبہ ایشاں را مانند آنکہ آیت **فاما من اعطیٰ واتقی** در مسئلہ قدر تمثیل خواندند، اگرچہ معنے منطوق آیت آن ست کہ ہر کہ ایں کارہا کردہ است او را جنت و نعیم بنمایم و ہر کہ اضداد آں عمل آوردہ است او را راہ دوزخ و تعذیب بکشایم لیکن بطریق اعتبار تواں دانست کہ ہر کسے را برائے حالتے آفریدہ اند و آں حالت بروے جاری می کند من حیث یدری او لا یدری، پس باین اعتبار آیہ را بہ مسئلہ قدر ربطے واقع شد، و ہم چنیں آیت و نفس و ما سواھا معنی منطوقش آنست کہ بیرون داشتم مطلع ساخت

عربی ترجمہ: ومن جملتہ ذلک شرح الغریب وھذا ھو علی تتبع لغتہ العرب والتفطن لسیاق الآیتہ وسباقھا والعلم بمنا سبتہ اللفظ با جزاء الجملتہ التی وقع ھو فیھا فھھنا ایضا مدخل للعقل وسعتہ للاختلاف لان الکلمتہ الواحدۃ فی لغتہ العرب لمعان شتی والعقول مختلفتہ فی تتبع استعمال العرب والتفطن لمنا سبتہ السابق واللاحق فلھذا اختلف اقوال الصحابتہ والتابعین فی ھذا الباب وکل سلک مسلکا فینبغی للمفسر المنصف ان یزن شرح الغریب مرتین فی استعمال العرب مرۃ وفی معرفتہ اقوی الوجوہ وارجحھا ومنا سبتہ السابق واللاحق اخری فیعلم ای الوجھین اولی وا قعدبعدا حکام مقدمات وتتبع موارد الاستعمال وتفحص الاثار وقد استنبط الفقیر فی ھذا الباب مما لا یخفی لطفہ الا علی المتعسف غلیظ

الطبع مثلا کتب علیکم القصاص فی القتلی حملتہ علی معنی تکافوا القتلی والاشتراک الاثنین فی حکم واحد لئلا یحتاج مفہوم الانثی بالانثی مونتہ النسخ ولا یرتکب توجہات تضمحل بادنی التفات ومثلا یسئلونک عن الاھلتہ حملتہ علی معنی یسئلونک عن الاشھر یعنی اشھر الحج فقال ھی مواقیت للناس والحج ومثلا ھو الذی اخرج الذین کفروا من اھل الکتاب من دیارھم لاول الحشر ای لاول جمع الجنود لقولہ تعالی وابعث فی المدائن حاشرین وقولہ تعالی وحشر لسلیمان جنودہ وھو انسب بقصتہ بنی النضیر واقوی فی بیان لمنتہ ومنھا بیان الناسخ والمنسوخ وینبغی ان یعلم فی ھذا المقام نکتتان الاولی ان الصحابتہ والتابعین کانو یستعملون النسخ علی غیر ما اصطلح علیہ الاصولیون وھو قریب من المعنی اللغوی الذی ھو الازالتہ فمعنی النسخ عندھم ازالتہ بعض الاوصاف من الایتہ المتقدمتہ بایتہ متاخرہ اما لانتھاء مدۃ العمل واما صرف الکلام عن المعنی المتبادر الی غیر المتبادر واما بیان من القیود وکذلک تخصیص عام والبیان فارق بین المنصوص والذی یقاس علیہ ظاہرا فما اشبہ ذلک وھذا الباب واسع فللعقل ھنالک جولان وللاختلاف مجال فلھذا اوصلوا عدد الآیات المنسوختہ الی خمسمائتہ والثانیتہ ان النسخ بالمعنی الاصطلاحی الاصل فی بیانہ معرفتہ التاریخ فللنھم ربما یجعلون اجماع السلف الصالح والاتفاق جمہور العلماء علامتہ للنسخ فیقولون بہ فارتکب ذلک کثیر من الفقہاء ویمکن ان یکون ما صدقت علیہ الایتہ غیر ما صدق علیہ الاجماع وبالجملتہ فان تتبع الاثار لمنبئتہ عن النسخ یفنی عمرا کثیرا وفی الوصول الی عمق الکلام صعوبتہ فللمحدثین اشیاء خارجتہ عن ھذہ الاقسام یوردونھا ایضا لمناظرۃ الصحابتہ فی مسئلتہ والاستشھاد بھذہ الآیتہ او تمثیلھم بذکر ھذہ الایتہ اوتلاوتہ حضرتہ صلی اللہ علیہ وسلم لھذہ الایتہ بطریق الاستشھاد وروایتہ حدیث یوافق الایتہ فی اصل المعنی وطریق التلفظ بالنقل عنہ صلی اللہ علیہ وسلم او الصحابتہ

فصل = فی ما بقی من لطائف ھذا الباب = من جملتہ ذلک استنباط الاحکام وھذا الباب متسع جدا للعقل فی الاطلاع علی الفحاوی والایماءات والاقتضاءات میدان واسع والاختلاف کلی وقد الھم الفقیر حصر الاستنباط فی عشرۃ اقسام وترتیب تلک الاقسام وتلک المقالتہ میزان عظیم لوزن کثیر من الاحکام المستنبطتہ ومنھا التوجیہ وھو فن کثیر الشعب یستعملہ الشراح فی شرح المتون ویحصل بہ امتحان ذکائھم ویظھر بہ تباین مراتبھم۔ وقد تکلم الصحابتہ رضی اللہ عنھم فی توجیہ القرآن مع عدم تنقیح قوانین التوجیہ فی ذلک العصر واکثروا الکلام فیہ، وحقیقتہ التوجیہ انہ ان وقع فی کلام المصنف صعوبتہ فھم توقف الشارح حتی یحل تلک الصعوبتہ فھم توقف الشارح حتی یحل تلک

الصعوبة فلما كانت اذهان قراء الكتاب ليست فی مرتبة واحدة لم يكن التوجيه ايضا فی مرتبة واحدة فالتوجيه بالنسبة الی المبتدئين غير التوجيه بالنسبة الی المنتهين فان المنتهی ربما يخطر بها لصعوبة فهم فيحتاج الی حلها والمبتدئ غافل عنها ما اذلا يقدر ان يحيط بتلک و كثير من الكلام يستصعبه المبتدئ ولا يحصل فی ذهن المنتهی شئ من الصعوبة هنالک واما من احاط بجوانب الاذهان فينزل الی حال الجمهور و يتكلم بحسب اذهانهم فعمدة التوجيه فی آيات المخاصمة تحرير مذاهب الفرق من الخصوم و تنقيح وجه الالزام والعمدة فی آيات الاحكام تصوير صور المسئلة وذكر فوائد القيود من الاحتراز وغيره والعمدة فی آيات التذكير بالاء الله تصوير تلک النعم وبيان مواضعها الجزئية والعمدة فی آيات التذكير بايام الله بيان ترتيب بعض القصص علی بعض وايفاء حق تعريض يوجد فی سرد القصة والعمدة فی التذكير بالموت وما بعده تصوير تلک الصور وتقرير تلک الحالات ومن فنون التوجيه تقريب ما كان بعيدا عن الفهم بعدم الالفة وقطع المعارضة فيما بين الدليلين او فيما بين التعريفين او فيما بين المعقول والمنقول والتفريق بين الملتبسين و التطبيق بين المختلفين وبيان صدق وعد اشير اليه وبيان كيفية عمله صلی الله عليه وسلم بما امر به فی القرآن العظيم وبالجملة فالتوجيه فی تفسير الصحابة كثير ولا يقضی حق المقام حتی يبين وجه الصعوبة مفصلا ثم يتكلم فی حل الصعوبة بالتفصيل ثم يزن الاقوال و ما يفعله المتكلمون من الغلو فی تاويل المتشابهات وبيان حقيقة الصفات فهو بعيد عن مذهبی فان مذهبی مذهب مالک والثوریؒ وابن المبارکؒ وسائر القدماء وذلک هو الامرار من المتشابهات علی الظواهر و ترک الخوض فی التاويل والنزاع فی الاحكام المستنبطة واحكام مذهب مخصوص و طرح غير ذلک من الافضاح والاحتيال لدفع الدلائل القرآنية غير صحيح عندی واخاف ان يكون ذلک من قبيل التدارء بالقرآن وانما اللازم ان يطلب مدلول الآيات و يتخذ مدلول الآية مذهبا ای ذاهب اليه موافقا كان او مخالفا واما لغة العرب فينبغی اخذها من استعمال العرب الاول وليكن الاعتماد الكلی علی آثار الصحابة والتابعين وقد وقع فی نحو القرآن خلل عجيب وذلک ان جماعة منهم اختاروا مذهب سيبويه وما لم يوافقه فهم يئولونه وان كان تاويلا بعيدا او هذا عندی غير صحيح فينبغی اتباع الاقوی لما كان اوفق للسياق والسباق سواء كان مذهب سيبويه او مذهب الفراء وقد قال عثمان رضی الله عنه فی مثل **والمقيمين الصلوة والموتون الزكوة** ستقيمها العرب بالسنتها و تحقيق هذه الكلمة عند الفقير ان مخالفة المحاورة المشهورة وكثيرا ما يتفق للعرب الاول ان يجری علی السنتهم فی اثناء الخطب والمحاورات ما يخالف القاعدة المشهورة وحيث نزل القرآن بلغة العرب الاول فلا عجب ان تقع الياء احيانا فی موضع

الواو ويرد المفرد فی مقام التثنية والمؤنث فی مقام المذكر والمحقق ان يفسر والمقيمين الصلوة بمعنی المرفوع والله اعلم واما المعانی والبيان فهو علم حادث بعد انقراض الصحابة والتابعين فما يفهم منه فی عرف جمهور العرب فهو علی الراس والعين و ما كان من امر خفی لا يدركه الا المتعمقون من اهل الفن فلا نسلم ان يكون مطلوبا فی القرآن واما اشارات الصوفية واعتباراتهم فليست فی الحقيقة من فن التفسير وانما يظهر علی قلب السالک عند استماع القرآن اشياء وتتولد له فی نظم القرآن ومثل ما يتصف به السالک من حالة او معرفة حصلت له كمثل من سمع من العشاق قصة ليلی والمجنون فتذكر معشوقته له فيستحضر ما كان من المعاملة بينه وبين محبوبته وههنا فائدة مهمة ينبغی الاطلاع عليها وهی ان حضرته صلی الله عليه وسلم جعل فن الاعتبار معتبرا و سلک ذلک الطريق لتكون سنة لعلماء الامة ويكون ذلک فتحا لباب ما وهب لهم من العلوم كاية فاما من اعطی واتقی تراها فی مسئلة القدر بالتمثيل وان كان منطوق الآية ان من عمل هذه الاعمال نهديه الی طريق الجنة والنعيم ومن عمل بضدها نفتح له طريق النار والتعذيب فلكن يمكن ان يعلم بطريق الاعتبار ان كل واحد خلق لحالة تجری عليه تلک الحالة من حيث يدری او لا يدری فبهذا الاعتبار وقع لهذه الاية ارتباط بمسئلة القدر وكذلک اية ونفس وما سواها فالهمها فجورها وتقوٰها اندا طلع علی البر والاثم۔

اردو ترجمہ = شرح غریب قرآن:= غریب قرآن سے مراد ایسے الفاظ ہیں جو نسبتاً اجنبی اور غیرمانوس ہوتے ہیں چنانچہ یہ مقام بھی تفسیر قرآن کے اہم اور قابل توجہ مقامات میں سے ہے کیونکہ اس کی بنیاد دو چیزوں پر ہے ایک تو لغت عرب سے اس لفظ کے معنی تلاش کئے جاتے ہیں دوسرے جملہ کے سیاق و سباق اور دوسرے الفاظ کی مناسبت سے اس کے معنی متعین کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اور یہ دونوں چیزیں ایسی ہیں جس کا بہت کچھ انحصار اپنی ذاتی رائے اور قوت فیصلہ پر ہوتا ہے لہٰذا یہاں بھی عقل کے قدم درمیان میں آجاتے ہیں اور یہیں سے اختلافات کی گنجائشیں بھی نکل آتی ہیں اس سلسلہ میں دو حقیقتیں ذہن میں رکھنے کی ضرورت ہے ایک تو یہ کہ عربی کا ایک ہی لفظ متعدد اور مختلف معنوں میں استعمال ہوتا ہے دوسرے یہ کہ لوگوں کی عقلوں کا معیار بھی الگ الگ اور مختلف ہوتا ہے لہٰذا جب مختلف لوگ جملہ کے سیاق و سباق اور دوسرے الفاظ کی مناسبت سے کسی خاص لفظ کے متعدد اور مختلف معنوں سے کسی ایک معنی کا تعین کرنا چاہتے ہیں تو وہ اپنی اپنی عقل کے اعتبار سے مختلف نتیجوں تک پہنچتے ہیں لہٰذا ان کے اقوال میں اختلاف ہو جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ اس مقام پر بھی صحابہؓ اور تابعینؒ کے اقوال کے درمیان بڑے اختلافات ہیں ہر شخص نے ایک نئی راہ قائم کی ہے لہٰذا ایک غیر جانبدار اور انصاف پسند مفسر کو قرآن مجید کے غریب الفاظ کی شرح کو دوبار اور دو حیثیتوں سے جانچنا چاہئے ایک تو اہل عرب نے اس لفظ کو جتنے معنوں میں استعمال کیا ہے سب کو دیکھنا چاہئے اور یہ سمجھنے کی کوشش کرلینی چاہئے کہ ان میں سے کون سا معنی زیادہ

قابل ترجیح ہے دوسری بار سیاق و سباق کے اعتبار سے دیکھنا چاہئے کہ جملہ میں کون سا معنی زیادہ مناسب نظر آتا ہے اس کے بعد فیصلہ کرنا چاہئے اور صحیح اور مناسب ترین معنی کو منتخب کرنا چاہئے۔

میرے نتائج: خود میں نے اس باب میں بڑی کاوش سے کام لیا ہے تمام مقدمات پر گہری نگاہ' مواقع استعمال کی پوری چھان بین اور دوسرے متعلقات پر پوری تحقیق کے بعد بعض بالکل نئے نتائج حاصل کئے ہیں جن کی ندرت اور لطافت اس حد تک ناقابل معارضہ ہے کہ سوائے جانبداروں اور تنگ نظروں کے کوئی شخص ان سے انکار کی جراءت ہی نہیں کر سکتا' ذیل میں بطور مثال چند آیات پیش کی جارہی ہیں ان سے اس حقیقت کو سمجھنے میں مدد ملے گی۔ "**کتب علیکم القصاص فی القتلی**" "مقتولین کے خون کا بدلہ لینا تمہارے اوپر فرض کیا گیا ہے" اس آیت میں قصاص کا جو حکم ہے اس کا بنیادی نکتہ یہ ہے کہ مقتول اور قصاص میں مناسبت کا لحاظ رکھنا ضروری ہے آیت میں نقصان اور قصاص میں جس شرط کی وضاحت کی گئی ہے اسے حکم قصاص میں شامل سمجھنا چاہئے تاکہ "الانثی بالانثی" میں جنس کی جو تصریح ہے وہ منسوخ قرار نہ پائے اور اس تنسیخ کو ثابت کرنے کے لئے اور الفاظ کے ظاہری مفہوم کو غیر ضروری قرار دینے کے لئے اس طرح کی تاویلات کی ضرورت پیش نہ آئے کہ ایک معمولی سی توجہ کے بعد بے معنی قرار پائے۔ " **یسئلونک عن الاھلہ**" "لوگ آپؐ سے چاند کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔" میری تحقیق کے اعتبار سے یہاں اہلہ (چاند) سے اشھر (مہینے) مراد ہیں یعنی حج کے مہینے کیونکہ اس کے بعد اس سوال کے جواب میں کہا گیا ہے کہ: "**ھی مواقیت للناس والحج**" "یہ لوگوں کے وقت معلوم کرنے اور حج کا ذریعہ ہے" یہاں حج کی تخصیص ہمارے اختیار کردہ معنی کی طرف راہ نمائی کرتی ہے ورنہ صرف اتنا کہنا ہی کافی تھا کہ یہ وقت معلوم کرنے کا ذریعہ ہے "**ھو الذی اخرج الذین کفروا من اھل الکتب من دیارھم لاول الحشر**" "وہ وہی ہے جس نے اہل کتاب میں سے ان لوگوں کو جو کافر ہو گئے تھے ان کے وطن سے نکالا پہلے حشر کے لئے۔" میرے نزدیک اس آیت میں "**اول حشر**" سے "**اول جمع الجنود**" (لشکر کی پہلی فراہمی) مراد ہے پہلی نگاہ میں اگرچہ دونوں میں کوئی خاص مناسبت نظر نہیں آتی لیکن تلاش و جستجو سے پتہ چلتا ہے کہ قرآن مجید ہی میں بعض مقامات پر لفظ "حشر" کو لشکر کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے' مثلاً: "**وابعث فی المدآئن حاشرین**" "اور مدائن میں لشکریوں کو بھیجو۔" ایک دوسرے مقام پر حضرت سلیمان علیہ السلام کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا ہے: "**وحشر لسلیمان جنودہ**" اور جناب سلیمانؑ نے اپنے لشکر کو جمع کیا" اس آیت میں لفظ حشر واضح طور پر لشکر کی فراہمی کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔ زیر بحث آیت یعنی جس میں کافرین اہل کتاب کا ذکر ہے اصل میں بنی نضیر کے واقعہ سے تعلق رکھتی ہے اور میرے نزدیک اس کے وہی معنی قابل ترجیح ہیں جو میں نے بیان کئے ہیں۔

ناسخ و منسوخ: ناسخ اور منسوخ آیات کا مبحث بھی تفسیر قرآن کے دشوار ترین مقامات میں سے ایک ہے کیونکہ اگر ان کا صحیح طریقہ سے علم نہ ہو تو آیات کا مفہوم سمجھنے میں دشواری پیش آنا یقینی ہے لہٰذا اس باب میں جو پیچیدگیاں ہیں ان کا سمجھ لینا ضروری ہے یہاں جو حقیقت سب سے پہلے ذہن میں رکھنی چاہئے وہ

یہ ہے کہ نسخ کی اصطلاح کو مختلف گروہ کے لوگوں نے مختلف معنوں میں استعمال کیا ہے صحابہؓ اور تابعینؒ نے کسی اور معنی میں' محدثین نے کسی اور معنی میں اور علماء اصول نے کسی اور معنی میں۔ چنانچہ ایک ہی اصطلاح کے تین مختلف معنوں میں استعمال کی وجہ سے پیچیدگی پیدا ہونا ہی تھی اور وہ ہوئی۔

صحابہؓ کی اصطلاح: صحابہؓ اور تابعینؒ کا گروہ لفظ نسخ کو تقریباً اس کے لغوی معنے یعنی کسی چیز کو زائل کرنے اور مٹانے کے معنی میں استعمال کرتا ہے چنانچہ ان کی اصطلاح کے اعتبار سے نسخ کے معنی یہ ہیں "پہلی آیت کے کسی حکم کو دوسری آیت کے ذریعہ ختم کر دینا۔ اور اس کی مختلف صورتیں ہیں کبھی تو دوسری آیت کے ذریعہ یہ وضاحت کر دی جاتی ہے کہ پہلی آیت کے ذریعہ جو حکم دیا گیا تھا اس پر عمل کی مدت تمام ہو گئی کبھی دوسری آیت میں کچھ ایسی باتیں بیان کی جاتی ہیں جن سے پہلی آیت کے ظاہری حکم کے بجائے ذہن کسی دوسرے حکم کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے اس طرح پہلا حکم آپ ہی آپ ختم ہو جاتا ہے کبھی تنسیخ کا یہ انداز اختیار کیا جاتا ہے کہ دوسری آیت میں کسی ایسی شرط پر بطور خاص زور دیا جاتا ہے جس کی وجہ سے پہلی آیت کا حکم عام' خاص ہو جاتا ہے اس طرح وہ حکم عام منسوخ سمجھا جانے لگتا ہے اور کبھی دوسری آیت میں کوئی ایسا نکتہ پیش کیا جاتا ہے جس سے پہلی آیت کا حقیقی مفہوم متعین ہو جاتا ہے اور اب تک اس کا جو مطلب سمجھا جاتا رہا ہے وہ منسوخ ہو جاتا ہے یہ صورت حال ایسی ہے کہ جس کی وجہ سے اس مبحث کو بڑی وسعت حاصل ہو گئی ہے اور عقل انسانی کی دراندازی کی بڑی گنجائشیں نکل آئی ہیں جس کا لازمی نتیجہ اختلافات کی کثرت کی صورت میں ظاہر ہوا اور منسوخ آیات کی تعداد رفتہ رفتہ پانچ سو تک پہنچ گئی۔

دوسرا نکتہ: منسوخ آیات کے سلسلہ میں دوسرا نکتہ جو ذہن میں رکھنا چاہئے وہ یہ ہے کہ اس کا تمام تر دارومدار تاریخ دانی پر ہے کیونکہ صحابہؓ کی اصطلاح میں لفظ نسخ کو جتنے مختلف انداز سے استعمال کیا گیا ہے اس سے یہ پتہ لگانا کہ کون سی آیت واقعی منسوخ ہے اور کون سی نہیں واقعی مشکل ہے لہٰذا منسوخ آیات کی تعین کے لئے گذشتہ تاریخ کا سہارا لیا جاتا ہے کبھی سلف صالحین کے اجماع کو نسخ کی دلیل سمجھا جاتا ہے کبھی علماء کے اتفاق کو ان دونوں گروہوں میں سے کوئی گروہ متفقہ طور پر جس آیت کو منسوخ قرار دے دیتا ہے اسے منسوخ سمجھ لیا جاتا ہے عام لوگوں کا ذکر نہیں بعض بڑے بڑے فقہاء نے بھی اس قسم کی حرکت کا ارتکاب کیا ہے حالانکہ اس اجماع اور اتفاق پر بھروسہ کرنا غلط ہے کیونکہ اس کا امکان ہر قدم پر موجود ہے کہ اجماعی طور پر آیت کا جو مطلب سمجھا گیا ہے وہ حقیقی مفہوم کے خلاف ہو ایسی صورت میں دعوی نسخ کی کیا قیمت ہو سکتی ہے مختصر یہ کہ منسوخ آیات کی بحث میں بڑی پیچیدگیاں ہیں اور ان کی تہ تک پہنچنا بہت مشکل ہے

محدثین کی راہ: محدثین نے اپنی ایک الگ راہ نکالی ہے وہ اس باب میں صرف مندرجہ بالا اقسام ہی پر اکتفاء نہیں کرتے اس کے علاوہ بعض دوسری چیزوں کو بھی پیش کرتے ہیں مثلاً صحابہؓ کے درمیان اگر کسی مسئلہ میں مناظرہ ہوا اور اس سلسلہ میں کسی نے اس آیت کو بطور شہادت پیش کیا یا انہوں نے اس آیت کو

کبھی تمثیل کے طور پر پیش کیا یا خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بذات خود اس آیت کی کسی حکم کے سلسلہ میں تلاوت فرمائی محدثین اس طرح کے تمام مقامات کو بھی نقل کرتے ہیں اس کے علاوہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی ایسی حدیث روایت کی گئی ہو جو آیت کے مفہوم پر روشنی ڈالتی ہو یا آپ صلعم سے یا صحابہؓ سے آیت کا کوئی مخصوص تلفظ یا کوئی خاص معنے نقل کئے گئے ہوں تو وہ انہیں بھی اس سلسلہ میں بیان کر دیتے ہیں۔

فصل سوم = استنباط توجیہ، تاویل = استنباط: اس باب میں جن امور سے بحث کرنی تھی ان میں سے ایک اہم مسئلہ قرآن کی آیات سے احکام کے استنباط کا مسئلہ ہے یہ موضوع اپنی تفصیلات کے اعتبار سے بڑا وسیع ہے کیونکہ کسی آیت سے کوئی مخصوص اور معین حکم معلوم کرنے کے لئے آیت کے مفہوم اشارات اور اس کے تقاضوں کو بھی دیکھنا اور سمجھنا پڑتا ہے جس کی وجہ سے عقل کو اپنی جولانی کے لئے ایک وسیع میدان ہاتھ آ جاتا ہے اور اختلافات کی بھرمار ہو جاتی ہے اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ صحیح نتیجہ تک پہنچنا اور کوئی قطعی حکم معلوم کر لینا دشوار ثابت ہوتا ہے استنباط احکام کے لئے جتنے طریقے اختیار کئے گئے ہیں میں نے انہیں دس اقسام پر تقسیم کیا ہے ان کو ایک خاص انداز سے ترتیب دے کر ایک مقالہ تیار کیا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ استنباط کئے جانے والے احکام کو جانچنے کے لئے میرا مقالہ ایک انتہائی اہم کسوٹی ہے۔

توجیہ: تفسیر قرآن کے اہم مقامات میں سے ایک مقام توجیہ بھی ہے توجیہ بجائے خود ایک مستقل فن ہے جس کے بہت سے شعبے اور بہت سی قسمیں ہیں کتابوں کی شرحیں لکھنے والے جب کسی کتاب کی شرح لکھنے بیٹھتے ہیں تو ان تمام اقسام سے اپنے اپنے مقام پر کام لیتے رہتے ہیں یہ لوگ جس انداز سے توجیہ کرتے ہیں وہ ان کی ذہانت اور جودت طبع کی کسوٹی بھی ثابت ہوتا ہے اور بحیثیت شارح کے ان کا درجہ بھی متعین کرتا ہے اس سے یہ پتہ بھی چل سکتا ہے کہ ہر شخص نہ ایک انداز سے توجیہ کرتا ہے نہ ایک جیسے نتائج نکالتا ہے لہذا تعین مفہوم اور استنباط احکام میں اختلافات ہو جاتے ہیں اصحابہؓ کے زمانہ میں نہ تو توجیہ نے باقاعدہ فن کی صورت اختیار کی تھی نہ ہی اس کے اصول و قواعد متعین ہوئے تھے اس کے باوجود ان بزرگوں نے بھی آیات قرآن کی توجیہ کی ہے اور بڑی کثرت سے کی ہے

حقیقت توجیہ: توجیہ کو اصل میں دشواریوں کے حل کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے مثلاً کسی مصنف کی تحریر میں جب کوئی ایسا مقام آتا ہے جس کا مفہوم سمجھنے میں دشواری ہوتی ہے تو شارح اس مقام پر رک جاتا ہے اور پیش آمدہ دشواری کو اس انداز سے حل کرتا ہے کہ اس کا سمجھنا آسان ہو جاتا ہے اسی کو اصطلاح میں توجیہ کہتے ہیں۔

توجیہ کی قسمیں: لیکن چونکہ تمام کے تمام پڑھنے والے ایک معیار کے لوگ نہیں ہوتے اور سب کی ذہنی سطح ایک سی نہیں ہوتی لہذا ایک ہی توجیہ سب کے لئے کافی نہیں ہوتی چنانچہ مبتدیوں کے لئے توجیہ کا

دوسرا انداز ہوتا ہے اور منتہی اور متبحر علماء کے لئے دوسرا کیونکہ اکثر و بیشتر ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک منتہی اور ذی استعداد عالم بعض ایسی دشواریوں سے دوچار ہو جاتا ہے اور ان کے حل کا طلب گار ہوتا ہے لیکن ایک مبتدی اور طالب علم کے لئے ان دشواریوں کی طرف توجہ کرنا تو بڑی بات ہے وہ اس کا تصور بھی کرنے کے قابل نہیں ہوتا اور یہ تو ایک کھلی ہوئی بات ہے کہ جو چیزیں مبتدی کے لئے دشوار اور ناقابل فہم ہوتی ہیں وہ ایک منتہی کے لئے نہیں ہو سکتیں کیونکہ منتہی کو تمام جزئیات کا علم ہوتا ہے جب کہ مبتدی ان میں سے بہت سی چیزوں سے ناواقف اور ناآشنا ہوتا ہے۔

توجیہ کے طریقے: چنانچہ وہ لوگ جو ہر قسم کی ذہنی سطح سے واقف ہوتے ہیں وہ عام پڑھنے والوں کی ذہنی سطح اور مبلغ علم کو سامنے رکھتے ہیں اور اسی اعتبار سے گفتگو کرتے ہیں چنانچہ وہ آیات جن کا تعلق مختلف مذاہب سے مخاصمہ کا ہے ان کی توجیہ کا بہترین عنوان یہ ہے کہ ان مذاہب کا ذکر کیا جائے اور ان پر وارد ہونے والے الزامات کا پوری طرح تجزیہ کیا جائے وہ آیات جن کا تعلق احکام سے ہے ان کی توجیہ کا یہ انداز ہونا چاہئے کہ مسئلہ کی جتنی بھی صورتیں ہو سکتی ہیں سب کا ذکر کیا جائے اور ان میں بیان کی جانے والی قیود و شرائط سے بحث کی جائے کہ ان کی موجودگی کا کیا اثر پڑتا ہے اور اگر یہ شرطیں نہ ہوتیں تو کیا نتیجہ نکلتا اسی طرح ان تمام چیزوں کو زیر بحث لایا جائے جن سے اصل مسئلہ پر روشنی پڑ سکتی ہو وہ آیات جن کا تعلق اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے ہو ان کی توجیہ کا یہ اندازہ ہونا چاہئے کہ ان نعمتوں کی تصویر کشی کی جائے ان کی تمام جزئیات کو بیان کیا جائے اور ان مقامات کی وضاحت کی جائے جو ان جزئیات سے تعلق رکھتے ہوں وہ آیات جن کا تعلق واقعات اور حادثات سے ہو ان کی توجیہ کا طریقہ یہ ہے کہ اس سلسلہ کے تمام قصوں کو سلسلہ وار ترتیب کے ساتھ بیان کیا جائے اور اثنائے قصہ میں جتنی تعریضات اور تلمیحات آئیں ان کی پورے طور پر وضاحت کی جائے اور وہ آیات جن کا تعلق موت اور اس کے بعد کے حالات اور واقعات سے ہو ان کی توجیہ کا طریقہ یہ ہے کہ پیش آنے والی ہر صورت حال کی تصویر کشی کی جائے اور تمام حالات کو پوری وضاحت کے ساتھ بیان کیا جائے۔

توجیہ کا ایک اور انداز: مندرجہ بالا سطور میں جو کچھ کہا گیا ہے وہ صرف توجیہ کا ایک انداز ہے اس کے علاوہ بھی توجیہ کی صورتیں ہیں مثلاً اگر کسی آیت کا مطلب سمجھنے میں دشواری کی وجہ عدم مناسبت ہو تو اس مقام پر توجیہ کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ مناسب مثالوں کے ذریعہ اسے مخاطب کے ذہن سے قریب کر دیا جائے یا اگر دشواری کی وجہ یہ ہو کہ دو دلیلوں میں تعارض نظر آتا ہے تو ایسی آیات کی توجیہ کا طریقہ یہ ہے کہ اس تعارض کو دور کر دیا جائے یہی طریقہ اس وقت بھی اختیار کیا جائے گا جب دو قسم کی تعریضات آپس میں ٹکرا رہی ہوں یا جب عقلی دلیل کسی اور طرف راہ نمائی کرتی ہو اور ظاہری الفاظ کسی اور طرف لے جا رہے ہوں اس وقت توجیہ کا انداز یہ ہو گا کہ دونوں کے درمیان جو اختلاف ہے اسے دور کر دیا جائے اگر دشواری کی وجہ یہ ہو کہ دو مختلف امور میں التباس پیدا ہو رہا ہے تو توجیہ کا طریقہ یہ ہے کہ اس التباس کو رفع کیا جائے اور اگر دشواری کی وجہ یہ ہو کہ آیت دو مختلف احکام پر دلالت کرتی ہو تو ان کے درمیان تطبیق کی

صورت نکالی جائے'

توجیہ کا ایک اور انداز: بعض مقامات پر توجیہ کا انداز یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آیت میں جن وعدوں کا ذکر کیا گیا ہے ان کی صداقت اور حقانیت واضح کی جائے اور بعض مقامات پر توجیہ یوں ہو سکتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی سے ایسی مثالیں تلاش کی جائیں اور انہیں پیش کیا جائے کہ آپؐ نے ان احکام پر کس طرح عمل کیا جس کا آپؐ کو حکم دیا گیا تھا مختصر یہ کہ صحابہؓ کی تفسیر میں توجیہ کی مثالیں بے شمار ہیں چنانچہ اس موضوع کی وضاحت اس وقت تک کماحقہ نہیں کی جا سکتی جب تک دشواری کی تمام وجوہات کو پوری تفصیل کے ساتھ بیان نہ کیا جائے اور اس کے بعد ان دشواریوں کا حل بھی پوری تفصیل کے ساتھ نہ پیش کیا جائے اس کے بعد پھر اس کا موقعہ مل سکتا ہے کہ اس سلسلہ کے تمام اقوال کو تولا اور جانچا جائے اور ان کے بارے میں فیصلہ کیا جائے

تاویل: تاویل کا تعلق آیات متشابہات سے ہے اور تاویل کے معنی یہ ہیں کہ جملے کے کوئی ایسے معنی بیان کئے جائیں جو ظاہری معنی کے خلاف ہوں متکلمین کے گروہ نے اس سلسلہ میں بڑے مبالغہ سے کام لیا ہے اور تقریباً تمام متشابہ آیات کی تاویل کرنے کی کوشش کی ہے لیکن میں تاویل کو پسند نہیں کرتا کیونکہ اکثر متشابہ آیات کا تعلق اللہ تعالیٰ کے اسماء اور صفات سے ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفات کی حقیقت بیان کرنا اور اس سے بحث کرنا میرا مسلک نہیں ہے میرا مسلک تو وہی ہے جو امام مالکؒ' ثوریؒ' ابن مبارکؒ اور دوسرے تمام قدماء کا تھا اور وہ مسلک یہ ہے کہ متشابہ آیات میں بھی ان کے ظاہری حکم پر عمل کیا جائے اور ان کی تاویل کے سلسلہ میں غور و فکر سے پرہیز کیا جائے کیونکہ آیات سے نکلنے والے احکام کے متعلق نزاع کرنا اپنے مسلک کو مضبوط کرنا اور دوسرے مسالک کی تردید کرنا اور قرآن کے واضح دلائل کو رد کرنے کی تدبیریں کرنا میرے نزدیک درست نہیں ہے صحیح طریقہ کار یہ ہے کہ آیت جس مفہوم پر دلالت کرتی ہو اسی کو اختیار کیا جائے اور اسی کو اپنا مسلک قرار دیا جائے اور اس کی قطعاً پرواہ نہ کی جائے کہ دوسرے لوگ کیا کہتے ہیں کون اس سے موافق ہے اور کون مخالف۔

صحیح طریقہ کار: آیات میں تشابہ جن وجوہات سے پیدا ہوتا ہے ان کا تذکرہ گذر چکا ہے یہاں ہر ایک وجہ کے متعلق الگ الگ طریقہ کار سے بحث کی جائے گی اگر تشابہ کا سبب کوئی لفظ ہو تو طریقہ کار یہ ہے کہ دیکھا جائے کہ قدیم اہل عرب اس لفظ کو کن کن معنوں میں استعمال کرتے تھے پھر یہ دیکھا جائے کہ صحابہؓ اور تابعینؒ نے کس معنی کو اختیار کیا تھا جس معنی پر وہ متفق نظر آئیں اسی پر اعتماد کر لیا جائے قرآن کے متعلق نحوی بحثوں کی وجہ سے البتہ بہت سی پیچیدگیاں پیدا ہو گئی ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک گروہ ایسا ہے جو نحوی مسائل میں سیبویہ کے احکام کی پیروی کرتا ہے اور جو باتیں اسے سیبویہ کے مسلک کے خلاف نظر آتی ہیں ان کی تاویل کرتا جاتا ہے خواہ یہ تاویلات کتنی ہی دور از کار کیوں نہ ہوں اور یہ میرے نزدیک صحیح نہیں ہے ہونا یہ چاہئے کہ سیاق و سباق کے اعتبار سے جو چیز زیادہ مناسب نظر آئے اسے اختیار کر لیا جائے خواہ وہ

سیبویہ کے مسلک کے مطابق ہو' خواہ فراء کے۔ مثلاً مندرجہ ذیل آیت: "**والمقیمین الصلوۃ والموتون الزکوۃ**" "اور قائم کرنے والے نماز کے اور ادا کرنے والے زکواۃ کے" اس آیت کے بارے میں حضرت عثمانؓ نے فرمایا ہے ستقیمھا العرب بالسنتہم اور اس کلمہ کی حقیقت میرے نزدیک یہ ہے وہ فقرے اور وہ ترکیبیں جو بظاہر اہل عرب کے روز مرہ اور محاورے کے خلاف ہیں' وہ بھی عرب کا روز مرہ ہی ہیں کیونکہ عرب بہرحال اہل زبان ہیں اور ان کی زبان سے نکلا ہوا ہر جملہ سند کی حیثیت رکھتا ہے اور یہ کوئی نئی بات بھی نہیں ہے۔ کیونکہ اہل عرب اپنے خطبات میں بھی اور عام گفتگو میں بھی ایسی بہت سی ترکیبیں استعمال کرتے رہتے ہیں جو عام روز مروں یا معینہ اصول و قواعد کے خلاف ہوتی ہیں اور ان پر کوئی بھی حرف گیری نہیں کرتا۔ قرآن مجید بھی قدمائے عرب ہی کی زبان اور روز مرہ میں نازل ہوا ہے لہٰذا اگر اتفاق سے کسی جگہ واو کے بجائے یا آئی ہو یا تثنیہ کی جگہ پر مفرد استعمال کیا گیا ہو یا مذکر کی جگہ مونث لایا گیا ہو تو تعجب کی جگہ نہیں ہے لہٰذا یہ امر طے شدہ ہے کہ **والمقیمین الصلوۃ** کا ترجمہ مرفوع کے معنی میں کرنا چاہئے جہاں تک علم معانی اور علم بیان کا معاملہ ہے یہ ایک بالکل جدید علم ہے جو صحابہؓ اور تابعینؒ کے زمانہ کے بعد وجود میں آیا ہے لہٰذا قرآن مجید کے اسلوب بیان میں اس کی کوئی خاص اہمیت نہیں ہے کیونکہ ان کا وجود ارادی نہیں اتفاقی ہے لہٰذا جو صنعتیں ایسی ہوں جو عام عرب آسانی سے سمجھ سکتے ہوں وہ ہمارے سر آنکھوں پر لیکن ان علوم کی وہ باریکیاں جنہیں ایسے ماہرین فن کے علاوہ جو ایک ایک نکتہ پر دسترس رکھتے ہوں کوئی دوسرا سمجھ ہی نہ سکے ہم یہ تسلیم ہی نہیں کر سکتے کہ کلام پاک میں انہیں بھی ملحوظ رکھا گیا ہو گا لہٰذا قرآن مجید کی تفسیر کے سلسلہ میں نہ ان کی ضرورت ہے نہ اپنے آپ کو ان الجھنوں میں ڈالنا چاہئے یہی حال اہل تصوف کے تفسیری نکات کا بھی ہے کیونکہ یہ حقیقت ہے کہ اہل تصوف نے جن امور کی طرف اشارہ کیا ہے اور جو نکات پیش نظر رکھے ہیں ان کا فن تفسیر سے کوئی تعلق نہیں اس کی اصل حقیقت یہ ہے کہ قرآن مجید کی سماعت کے وقت چند مخصوص چیزیں صوفی کے دل پر طاری ہوتی ہیں قرآن کی ترتیب اور صوفی کی ذہنی حالت اور اس کی معرفت دونوں چیزیں مل کر اس کے دل میں ایک خاص کیفیت پیدا کرتی ہیں جن سے صرف وہی لطف اندوز ہو سکتا ہے دوسروں کے لئے وہ قطعی بے حقیقت ہوتی ہے اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے کوئی عاشق صادق لیلیٰ مجنوں کا قصہ سنتا ہے تو اپنے محبوب کو یاد کرنے لگتا ہے اور جو معاملات دونوں کے درمیان گذر چکے ہیں ان کے تصور میں غرق ہو جاتا ہے لیکن اس سے دوسروں کو کیا سروکار لہٰذا متصوفانہ نکات بھی تفسیر قرآن سے غیر متعلق ہیں۔

ایک اہم نکتہ: گفتگو کے اس مرحلہ پر ایک اہم نکتہ اور بھی ذہن میں رکھنا ضروری ہے وہ یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فن اعتبار کو درست قرار دیا ہے بلکہ اس پر بنفس نفیس عمل بھی فرمایا ہے تاکہ امت کے علماء کے لئے سنت اور نمونہ ہو جائے اور جو علوم اس امت کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے عطا کئے گئے ہیں انہیں سمجھنے اور ان تک پہنچنے کے لئے ایک راستہ اور کھل جائے مثلاً آیت ذیل: "**فاما من اعطی واتقی**" "جس نے عطا کیا اور اللہ سے ڈرا" اس آیت کو مسئلہ قدر میں بطور مثال کے پیش کیا جاتا

ہے حالانکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ اس قسم کے اعمال بجالاتے ہیں ان کے لئے جنت اور اس کی نعمتیں ہیں اور جو لوگ اس کے خلاف عمل کرتے ہیں ان کے لئے جہنم اور اس کا عذاب ہے لیکن فن اعتبار کی رو سے اس آیت کا یہ مطلب بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ ہر شخص کو ایک مخصوص حالت کے لئے پیدا کیا گیا ہے اور وہ اس حالت میں مبتلا ہو کے رہتا ہے خواہ وہ اس سے واقف ہو یا ناواقف اس لحاظ سے آیت زیر بحث کا مسئلہ قدر سے بھی ربط ہو گیا اسی طرح ذیل کی آیت: **"ونفس وما سوٰھا"** اس آیت کے ظاہری معنی تو یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نیکی اور بدی سے مطلع کر دیا ہے لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ نیکی اور بدی کی معنوی شکلوں میں اور اس اجمالی نیکی و بدی میں جو نفخ روح کے وقت انسانی فطرت میں پیدا ہوتی ہے پوری پوری مشابہت ہوتی ہے لہٰذا فن اعتبار کی رو سے اس آیت کو بھی مسئلہ قدر میں بطور شہادت کے پیش کیا جا سکتا ہے۔[1]

[1] الفوز الکبیر ص 148-59

شاہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ کے باب استنباط ارتفاقات میں فرماتے ہیں۔ اعلم ان الانسان یوافق ابناء جنسہ فی الحاجۃ الی الاکل والشرب والجماع والاستظلال من الشمس والمطر والاستدفاء فی الشتاء وغیرھا وکان من عنایۃ اللہ بہ ان الہمہ کیف یرتفق بانواع ھذہ الحاجات الھاما طبعیا من مقتضی صورۃ النوعیۃ فلا جرم یتساوی الافراد فی ذالک الا کل مخدج عصت مادتہ کما الہم النحل کیف تاکل الثمرات ثم کیف تتخذ بیتا یجتمع فیہ اشخاص من بنی نوعھا ثم کیف تنقاد لیعسوبھا ثم کیف تعسل وکما الہم العصفور کیف یتبع الحبوب الغاذیۃ وکیف یرد الماء وکیف یفر عن السنور والصیاد وکیف یقاتل من صدہ عملہ یحتاج الیہ وکیف لھسافد ذکرہ الانثی عند الشبق ثم یتخذ ان عشا عند الجبل ثم کیف یتعاونان فی حضانۃ البیض ثم کیف یزقان الفراخ وکذلک لکل نوع شریعۃ تنفث فی صدور افرادہ من طریق الصورۃ النوعیۃ وکذلک الہم الانسان کیف یرتفق من ھذہ الضرورات غیر انہ انضم لہ مع ھذا ثلثۃ اشیاء تقتضی صورۃ النوعیۃ الرابیۃ علی کل نوع احدھا الانبعاث الی شئی من رای کلی فالبہیمۃ انما تنبعث الی غرض محسوس او متوھم من داعیۃ ناشئۃ من طبیعتھا کالجوع والعطش والشبق والانسان ربما ینبعث الی نفع معقول لیس لہ داعیۃ من طبیعتہ فیقصد ان یحصل نظاما صالحا فی المدینۃ او یمل خلقہ ویھذب نفسہ او یتفصی من عذاب الآخرۃ او یمکن جاھہ فی صدور الناس الثانی انہ یضم مع الارتفاق الظرافۃ فالبہیمۃ انما تبتغی ما تسد بہ خلتھا وتدفع حاجتھا فقط والانسان یرید ان تقر عینہ وتلذ نفسہ زیادۃ علی الحاجۃ فیطلب زوجۃ جمیلۃ وطعاما لذیذا وملبسا فاخرا ومسکنا شامخا۔ والثالث انہ یوجد منہم اھل عقل وذکاء یستنبطون الارتفاقات الصالحۃ ویوجد منہم من یختلج فی صدرہ ما اختلج فی صدر اولئک ولکن لا یستطیع الاستنباط فاذا رای من الحکماء وسمع ما استنبطوہ تلقاہ بقلبہ وعض علیہ بنواجذہ لما وجدہ موافقا لعلمہ الاجمالی

(فصل): فرب انسان یجوع ویظمأ فلا یجد الطعام والشراب فیقاسی الما شدیدا حتی یجدھما فیحاول ارتفاقا بازاء ھذہ الحاجۃ ولا یھتدی سبیلا ثم یتفق ان یلقی حکیما اصابہ ما اصابہ ذلک فتعرف الحبوب الغاذیۃ فاستنبط بذرھا وسقیھا وحصادھا ودیاسھا وتذریتھا وحفظھا الی وقت الحاجۃ فاستنبط حفر الآبار للبعید من العیون والانھار واصطناع القلال والقرب والقصاع فیتخذ ذلک بابا من الارتفاق

(فصل): ثم انہ یقضم الحبوب کما ھی فلا تنھضم فی معدتہ ویرتع الفواکہ نیئۃ فلا تنھضم فیحاول شیئا بازاء ھذہ فلا یھتدی سبیلا فیلقی حکیما استنبط الطبخ والقلی والطحن والخبز فیتخذ ذلک بابا اخر وقس علی ذلک حاجاتہ کلھا والمستبصر یشھد عندہ لما ذکرنا

حدث و كثير من المرافق فى البلدان بعد مالم تكن نمضى على ذلك قرون فلم يزالوا يفعلون ذلك حتى اجتمعت جملة صالحة من العلوم الالهامية المويدة بالمكتسبة و نشبت عليها نفوسهم و عليها كان محياهم و مماتهم

(فصل): بالجملة فحال الالهامات الضرورية مع هذا الاشياء الثلثة كمثل النفس اصله ضرورى بمنزلة حركة النبض و قد انضم معه الاختيار فى صغر الانفاس و كبرها و لما كانت هذه الثلثة لا توجد فى جميع الناس سواء لاختلاف امزجة الناس و عقولهم الموجبة للانبعاث من راى كلى و للحب انظرافة و لاستنباط الارتفاقات و الاقتداء فيها و لاختلا فهم فى التفرغ للنظر و نحو ذلك من الاسباب كان للارتفاقات حدان الاول هو الذى لا يمكن ان ينفك عنه اهل الاجتماعات القاصرة كاهل البدو و سكان شواهق الجبال و النواحى البعيدة من الاقاليم الصالحة و هو الذى نسميه بالارتفاق الاول: و الثانى ما عليه اهل الحضر و القرى العامرة من الاقاليم الصالحة المستوجبة ان ينشا فيها اهل الاخلاق الفاضلة و الحكماء فانه كثر هنالك الاجتماعات و ازدحمت الحاجات و كثرت التجارب فاستنبطت سنن جزيلة و عضوا عليها بالنواجذ و الطرف الاعلى من هذا الحد ما يتعامله الملوك اهل الرفاهية الكاملة الذين يرد عليهم حكماء الامم فينتحلون منهم سننا صالحة و هو الذى نسميه بالارتفاق الثانى: و لما كمل الارتفاق الثانى اوجب ارتفاقا و ذلك انهم لما دارت بينهم المعاملات و داخلها الشح و الحسد و المطل و التجاحد نشات بينهم اختلافات و منازعات و انهم نشا فيهم من تغلب عليه الشهوات الرهيمية و يجمل على الجراة فى القتل و النهب و انهم كانت لهم ارتفاقات مشتركة النفع لا يطيق و احد منهم اقامتها و لا تسهل عليه و لا تسمح نفسه بها فضطروا الى اقامة ملك يقضى بينهم بالعدل و يزجر عاصيهم و يقاوم جريئهم و يجبى منهم الخراج و يصرفه فى مصرفه: و اوجب الارتفاق الثالث ارتفاقا رابعا" و ذلك انه لما انفرز كل ملك بمدينته و جبى اليه الاموال و انضم اليه الابطال و داخلهم الشح و الحرص و الحقد تشاجروا فيما بينهم و تقاتلوا فاضطروا الى اقامة الخليفة او الانقياد لمن تسلط عليهم تسلط الخلافة الكبرى: و اعنى بالخليفة من يحصل له الشوكة ما يرى معه كالممتنع ان يسلبه رجل اخر ملكه اللهم بعد اجتماعات كثيرة و بذل اموال خطيرة لا يتمكن منها الا واحد فى القرون المتطاولة: و يختلف الخليفة باختلاف الاشخاص و العادات و اى امتداطبالعها اشد و احد فهى احرج الى الملوك و الخلفاء ممن هى دونها فى الشح و الشحناء و نحن نريد ان ننبهك على اصول هذه الارتفاقات كما اوجبه عقول الامم الصالحة ذوى الاخلاق الفاضلة و اتخذوه سنة مسلمة لا يختلف فيها اقاصيهم و لا ادانيهم

ترجمہ: **انسانی حاجتیں حیوانی حاجتیں ہی ہیں**: واضح رہے کہ انسان کھانے' پینے کی ضرورت اور جذبہ جنسی کی احتیاج' دھوپ اور بارش سے بچنے اور سردی میں اپنے آپ کو محفوظ کرنے وغیرہ کی ضرورت محسوس کرنے کے لحاظ سے دوسرے حیوانات کے بالکل مشابہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اس پر یہ بہت بڑی عنایت ہوئی ہے کہ اس نے انسان کو بطریق الہام بتایا کہ ان ضرورتوں کو کس طرح با آسانی پورا کرے یہ الہام طبعی تھا جو اسے اس کی صورت نوعیہ کے لحاظ سے حاصل ہوا (یعنی اس کی صورت نوعیہ یعنی فطرت انسانی کا تقاضا تھا کہ اسے یہ باتیں طبعی طور پر معلوم ہو جاتیں) یہی وجہ ہے کہ ان حاجتوں کے پورا کرنے کے طریقے معلوم کرنے میں تمام افراد انسانی برابر ہیں سوائے ان افراد کے جن کی ساخت ہی ایسی ہو کہ وہ ان حاجتوں کے پورا کرنے کے طریقے معلوم نہ کر سکیں افراد انسانی کو یہ طبعی الہام ویسے ہی ہوتا ہے جیسے فطرت نے شہد کی مکھی کو طبعی الہام کے ذریعے سے جو اس کی فطرت کا تقاضا تھا بتایا کس طرح درختوں پر سے (زر گل) کھائے' کیسے چھتہ بنائے' جس میں اس کی ہم جنس مکھیاں مل کر رہیں اور وہ سب ایک ملکہ کے ماتحت زندگی بسر کریں اور کس طرح شہد بنائیں نیز افراد انسانی کو یہ طبعی الہام ویسے ہی ہوا۔ جیسے چڑیا کو الہام ہوا کہ کیسے غذا بخش دانے چگے اور کیسے پانی کے کنارے اتر کر پانی پئے کیسے بلی اور چڑی مار سے بھاگے اور کیسے اس جانور سے لڑے جو اسے کسی ضروری چیز سے روکے اور کیسے جذبہ جنسی کے پیدا ہونے کے وقت نر و مادہ ملیں پھر کسی اونچی جگہ پہاڑ میں گھونسلہ بنائیں اور پھر (جب انڈے دے چکیں تو) کیسے ان کو سیکیں اور (جب بچے نکل آئیں تو) کیسے ان کو چوگا دیں الغرض ہر ایک نوع حیوان کے لئے جداگانہ "شریعت" ہے' جو اس کی صورت نوعیہ کے ذریعے سے اس کے افراد کے سینوں میں ڈال دی جاتی ہے

انسانیت کے تین خاص نکتے: ایسے ہی انسان کو الہام کیا گیا کہ ان ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے کیا تدابیر اختیار کرے۔ البتہ چونکہ انسان کی فطرت عام حیوانات سے بلند تر ہے اس لئے اس کی صورت نوعیہ کے تقاضوں کے مطابق اس کے لئے تین زائد چیزیں اضافہ کر دی گئی ہیں:

(1) **اجتماعیت کا تخیل**: پہلا فرق اجتماعیت کے نقطہ نگاہ سے کام کرنے پر آمادہ ہونا ہے حیوان یا تو کسی ایسی غرض کے پورا کرنے کے لئے آمادہ عمل ہوتا ہے جو صاف صاف محسوس ہوتی ہو یا ایسی غرض کے پورا کرنے کی کوشش کرتا ہے جو اس کی طبیعت سے پیدا ہونے والے کسی جذبے یا داعیے کی جتائی ہوئی ہو جیسے بھوک' پیاس' جذبہ جنسی وغیرہ مگر انسان اکثر ایسے منافع حاصل کرنے کی بھی کوشش کرتا ہے جو اس کی عقل اس کے لئے مفید ہونے کا فتویٰ دیتی ہے اور یہ فیصلہ اس کی طبیعت کا نہیں ہوتا چنانچہ وہ کبھی شہر میں اچھا نظام پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے کبھی اپنے اخلاق کی تکمیل یا تہذیب نفس کی کوشش کرتا ہے یا مرنے کے بعد کے عذاب سے بچنے کی کوشش کرتا ہے یا یہ کوشش کرتا ہے کہ لوگوں کے دلوں میں اپنا دبدبہ بٹھائے

(2) **حب جمال**: دوسری بات یہ ہے کہ وہ ہر ایک ارتفاق کے ساتھ ظرافت آراستگی کا اضافہ کرتا ہے حیوان صرف وہ چیز حاصل کرتا ہے جس سے صرف اس کی حاجت پوری ہوتی ہو یا حاجت براری ہوتی ہو

لیکن انسان چاہتا ہے کہ نہ صرف اس کی حاجت پوری ہو بلکہ اس چیز سے اس کی آنکھوں کو ٹھنڈک اور نفس کو لذت بھی حاصل ہو چنانچہ وہ بیوی چاہتا ہے' جو حسین بھی ہو' کھانا چاہتا ہے' جو لذیذ بھی ہو' لباس چاہتا ہے جس پر وہ فخر کر سکے اور مکان چاہتا ہے جو عالی شان بھی ہو۔

(3) **مادہ ایجاد و تقلید:** تیسری بات یہ ہے کہ اجتماع انسانی میں بعض اہل عقل و فہم پائے جاتے ہیں جو حاجات پوری کرنے کے اچھے سے اچھے ارتفاقات ایجاد کرتے رہتے ہیں اور بعض ایسے لوگ پائے جاتے ہیں جن کے دلوں میں بعض چیزیں خلجان تو پیدا کرتی ہیں لیکن ان کے پورا کرنے کے طریقے ایجاد نہیں کر سکتے ایسے لوگ جب حکماء کو کوئی بات کرتے دیکھتے ہیں یا ان کی کسی ایجاد کا حال سنتے ہیں تو اسے اپنے علم اجمالی کے مطابق پاکر اسے دل و جان سے پسند کرتے ہیں اور اسے نہایت پختگی کے ساتھ اختیار کر لیتے ہیں

فصل = ارتفاقات کی پیدائش: چنانچہ انسان کو اکثر بھوک پیاس ستاتی ہے مگر اسے کھانے پینے کو کچھ نہیں ملتا وہ بہت سخت تکلیف محسوس کرتا ہے یہاں تک کہ وہ کھانے پینے کی کوئی چیز پا لیتا ہے اب وہ کوشش کرتا ہے کہ یہ حاجات پورا کرنے کے آسان طریقے دریافت کرے مگر کوئی راہ نہیں پاتا پھر اتفاقاً کسی دانشمند سے ملتا ہے جسے کسی وقت ایسی ہی مشکل پیش آئی تھی پھر اس نے غذائی دانے دریافت کئے اور انہیں بونے' آبپاشی کرنے' انہیں کاٹنے' گاہنے' بھوسے سے دانے الگ کرنے اور ضرورت کے وقت تک محفوظ کرنے کے طریقے معلوم کئے۔ ایسے ہی کسی حکیم نے ان لوگوں کے لئے جو چشموں اور ندیوں سے دور بستے ہیں کنوئیں کھودنے اور مٹکے' مشکیزے' پیالے وغیرہ بنانے کے طریقے ایجاد کئے ہوں اس طرح ایک ضرورت کے پورا کرنے کا طریقہ اختیار کر لیا جاتا ہے۔

فصل = ایسے ہی کسی شخص نے دانے چبائے یا کوئی کچا پھل کھا لیا تو وہ ہضم نہ ہوا (اس سے لامحالہ تکلیف ہوئی) اب اس نے کوشش کی کہ اس تکلیف کو دور کرنے کا کوئی آسان طریقہ دریافت ہو جائے لیکن اسے کوئی راہ نہ ملی اس کے بعد اسے کوئی عقلمند مل گیا جس نے پکانے' بھوننے پیسنے اور روٹی پکانے کے طریقے ایجاد کئے تھے یہ اس کے لئے ایک اور راستہ بن گیا ایسے ہی دوسری تمام حاجات کے متعلق قیاس کر لینا چاہئے عقلمند آدمی غور کرے گا تو وہ دیکھے گا کہ جیسے ہم ذکر کر چکے ہیں' شہروں میں بعض ارتفاقات نہیں ہوتے پھر وہاں وہ پیدا ہو جاتے ہیں اس طرح صدیاں گزر جانے سے اس قسم کے الہامی علوم کا اچھا خاصہ مجموعہ جمع ہو جاتا ہے جو تجربے کی کسوٹی پر صحیح اترتا ہے لوگ ان مرافق' ارتفاقات' پر عمل کرتے ہیں اور انہی پر زندگی بسر کرتے ہوئے مر جاتے ہیں:

فصل = مختصر یہ کہ الہامات ضروری (ارتفاقات) مذکورہ بالا تین باتوں کے ساتھ مل کر انسان کے لئے ایسے ہیں جیسے مطلق سانس لینا جو نبض کی حرکت کی طرح لازم اور ضروری ہے لیکن اس کے ساتھ سانس کے چھوٹا بڑا کرنے کا اختیار ہمیں حاصل ہے۔

اختلاف ارتفاقات کے اسباب: ظاہر ہے کہ لوگوں کے مزاج مختلف ہوتے ہیں ان کی عقل بھی ایک جیسی نہیں ہوتی کہ رائے کلی حب جمال اور ارتفاقات کی ایجاد کرنے یا ان کی تقلید کرنے کی قابلیت یکساں ہو اور نہ ہر ایک انسان کو یکساں فراغت حاصل ہوتی ہے کہ وہ ان باتوں پر غور کر سکے ان اسباب اور اس قسم کے دیگر اسباب کی وجہ سے مذکورہ بالا تینوں خصائص سب انسانوں میں یکساں نہیں پائے جاتے

ارتفاق کی دو حدیں: اس لئے ارتفاق کی دو حدیں ہو جاتی ہیں:

ارتفاق اول: پہلی حد تو وہ ہے جس سے کوئی چھوٹی سے چھوٹی سوسائٹی بھی خالی نہیں ہوتی مثلاً صحرائی دیہات' پہاڑی بستیاں اور معتدل علاقوں سے دور بسنے والے لوگ اسے ہم ارتفاق اول قرار دیتے ہیں:

ارتفاق دوم: شہروں میں بسنے والوں اور معتدل علاقوں کے قصبات میں بسنے والوں میں عموماً اچھے اخلاق و عادات کے لوگ اور حکماء پیدا ہوا کرتے ہیں کیونکہ وہاں لوگ بہت بڑی تعداد میں جمع ہوتے ہیں اور حاجتیں زیادہ پیش آتی ہیں اور تجربے زیادہ ہوتے ہیں اس لئے وہاں اچھے اچھے طور طریقے ایجاد ہوتے رہتے ہیں اور لوگ ان پر پختگی کے ساتھ عمل پیرا ہونے لگتے ہیں اس ارتفاق کی حد اعلیٰ وہ ہے جس پر بادشاہ اور امراء یعنی رفاہیت کاملہ والے لوگ عمل کرتے ہیں جن کے پاس قوم قوم کے حکماء آتے جاتے ہیں اور وہ ان حکماء سے اچھے اچھے طریقے سیکھتے رہتے ہیں اسے ہم ارتفاق دوم کہتے ہیں:

ارتفاق سوم: جب ارتفاق دوم پایہ تکمیل کو پہنچ گیا تو اس سے لامحالہ ارتفاق سوم پیدا ہو گیا (اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ) جب لوگوں کے درمیان کثرت سے لین دین ہونے لگتا ہے تو ان میں کنجوسی اور حسد پیدا ہو جاتا ہے اور وہ اپنے قرض ادا کرنے میں سستی سے کام لینے لگتے ہیں یا بالکل انکار کر دیتے ہیں اسی طرح ان میں شدید اختلافات اور جھگڑے پیدا ہو جاتے ہیں اور ایسے لوگ پیدا ہونے لگتے ہیں جن پر ادنیٰ خواہشیں غالب ہوتی ہیں یا قتل اور لوٹ مار پر جری ہوتے ہیں نیز یہ بھی ہوتا ہے کہ ایسے مشترک فائدے کے ارتفاقات پیدا ہو جاتے ہیں کہ ایک شخص اکیلا قائم نہیں کر سکتا یا انکی اقامت ایک شخص کے لئے آسان نہیں ہوتی یا اس کا جی نہیں چاہتا کہ وہ سب کی بجائے مصیبت میں پڑے لامحالہ بادشاہ کی ضرورت پڑتی ہے جو ان کے درمیان عدل کے ساتھ فیصلے کرے اور جو لوگ قانون شکنی کریں انہیں تنبیہ کرے اور جو جرم کرنے میں زیادہ جرأت سے کام لے اس کا مقابلہ کرے اور خراج وصول کر کے اسے صحیح مصرف میں لگائے ۔

ارتفاق چہارم: ارتفاق سوم کا لازم نتیجہ ارتفاق چہارم ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ جب ہر ایک بادشاہ اپنے اپنے شہر میں قائم ہو گیا ٹیکس جمع ہو کر اس کے پاس آنے لگے قوم کا نوجوان طبقہ اس کے ساتھ مل گیا تو ان بادشاہوں کے درمیان بخیلی' حرص اور کینہ پیدا ہونے لگ گیا اور آپس میں لڑنے جھگڑنے لگے بلکہ جنگ تک نوبت پہنچ گئی اب خواہ مخواہ ضرورت پیش آئی کہ ان بادشاہوں کے اوپر ایک خلیفہ قائم ہو یا

کوئی ایسا شخص ان پر مسلط ہو جس کی وہ اسی طرح اطاعت کریں۔ جیسے خلافت کبریٰ کی اطاعت کی جاتی ہے خلیفہ سے میری مراد وہ شخص ہے جسے ایسی شوکت اور دبدبہ حاصل ہو جس کے ہوتے ہوئے یہ ناممکن ہو کہ کوئی دوسرا شخص اس سے اس کی بادشاہی چھین لے سوائے اس کے کہ کوئی شخص بہت ہی زبردست اجتماع پیدا کرے اور بے شمار مال و دولت خرچ کرسکے جو صدیوں میں شاید کسی سے ممکن ہو۔

قومی مزاج اور خلافت: خلیفہ بھی ویسا ہی ہونا چاہئے جیسا اجتماعی مزاج اور عادات ہوں مثلاً جس گروہ کی عادتیں سختی پسند اور جدت والی ہوں اسے جو خلیفہ یا بادشاہ درکار ہے وہ اس سے مختلف ہوگا جو ایک بخل اور بغض پسند قوم کے لئے ہونا چاہئے ہم چاہتے ہیں کہ ان ارتفاقات کے اصول سے تمہیں آگاہ کریں یہ وہ اصول ارتفاقات ہیں جو بلند اخلاق، صالح اقوام کی عقلوں نے تجویز کئے ہیں جنہیں ان اقوام نے بطور رسم پختگی کے ساتھ اختیار کرلیا ان سے کوئی چھوٹا بڑا شخص اختلاف نہیں کرتا شاہ صاحب[1] البدور البازغہ میں اصحاب اعراف کے بارے میں رقمطراز ہیں۔

اصحاب الاعراف علی اصناف منہم الذین لم تبلغہم الدعوۃ اصلا" مثل سکان شواھق الجبال لم یشرکوا بربہم فلم یجحدوا بہ فلم یومنوا انما مثلہم مثل البہائم لا یتوجہون الی اللہ لا نفیا ولا اثباتا انما یتوجہون الی المرافق اوبلغتہم بلوغا لم ینفع من جہلہم شیئا مثل قوم لم یفہموا لغۃ الاسلام او لم یفہموا حجتہ او نشاوا علی ذھول من تحقیق النظر انما مبلغ علمہم ان المسلمین قوم عما ئم علی ھذا النحو قمصہم علی ھذا النحو یا کلون من ھذہ الاشیا و یحرمو ھذہ اعھم یقاتلوننا علی الملک فلا یبلنا ان نقاتلہم وذلک مع عدم اشراکہم باللہ ومع کونہم مثل البہائم فان صحت امرجتہم فی الجملۃ ومنہم قوم نقصت عقولہم کالصبیان والمجانین والمعتوھین والسفہاء والفلاحین والارقاء من لا یتمیز الحق عندہ من الباطل ولا یکاد ان یعرف ربہ و یعبدہ مثل الماء لا یقبل النقوش لضعفہ فاولئک لا یرا دمنہم الا ان یتشبہوا بالمسلمین لئلا یتفرق الکلمۃ الحقۃ یکتفی من ایمانہم مثل ما اکتفی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم من الجاریۃ السوداء مثلہا این اللہ فاشارت الی السماء فاما الصنف الاول فیرا دمنہم التفہم واثبات الحجۃ والہدایۃ۔

ترجمہ: اہل اعراف کی قسمیں: جو لوگ مرنے کے بعد اعراف میں جائیں گے وہ کئی قسم کے ہیں

1- مقام دعوت سے دور بسنے والے: (الف) وہ لوگ جن کو دعوت حق پہنچی ہی نہیں مثلاً دور دراز بلند پہاڑوں میں بسنے والے لوگ بشرطیکہ انہوں نے خدا تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا ہو نہ خدا تعالیٰ کی ہستی کا انکار کیا ہو اور نہ کسی نبی کی امت میں باقاعدہ شامل ہوئے ہوں ان کی حالت حیوانات کی مانند ہے کہ وہ خدا کی طرف توجہ نہیں کرسکتے نہ اقرار کرنے کی شکل میں نہ انکار کرنے کی شکل میں وہ صرف معاشی

1- (i) حجۃ اللہ البالغہ، از، شاہ ولی اللہ، مترجم، محمد عبدالحق حقانی، نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی، جلد اول، ص 79 (ii) محمودیہ، از، مولانا عبید اللہ سندھی، ادارہ حکمت اسلامیہ، لاہور 1968ء ص 96-82

زندگی بسر کرتے ہیں یہ لوگ اعراف میں جائیں گے:

غیر زبان میں تبلیغ اسلام: (ب) یا ان کو پیام حق پہنچا لیکن وہ پیام ان کی جہالت کو دور نہ کرسکا مثلاً وہ لوگ جن کو اسلام ایسی زبان میں پہنچا جسے وہ سمجھ نہیں سکتے یا اس کی دلیلوں کو نہیں سمجھ سکتے یا ان کی ذہنی تربیت ایسی ہوئی ہے کہ دقت نظر سے کام ہی نہیں لے سکتے ان کا مبلغ علم اتنا ہی ہے کہ مسلمان ایک قوم ہیں جن کی پگڑیاں ایسی ہوتی ہیں جن کے کرتے ایسے ہوتے ہیں وہ فلاں فلاں چیز کھاتے ہیں اور فلاں فلاں چیز نہیں کھاتے یا وہ ایک قوم سے ہیں جن کی ہمارے ساتھ ملکی جنگیں ہوتی ہیں اس لئے ہمیں بھی ان سے لڑنا پڑتا ہے ان سب باتوں کے ساتھ ان میں یہ بات بھی ہوتی ہے کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے ان کی عام حالت حیوانوں کی سی ہوتی ہے گو ان کا مزاج فی الجملہ صحیح ہوتا ہے

2- ناقص العقل لوگ: دوسرے وہ لوگ جن کی عقلیں ناقص ہیں مثلاً بچے، پاگل، کم عقل، بے وقوف، دہقان اور غلام جو حق و باطل میں تمیز نہیں کرسکتے اور وہ تقریباً نہ رب کو پہچان سکتے ہیں نہ اس کی عبادت کرسکتے ہیں ان کی ذہنی حالت پانی کی طرح ہے جو اپنی کمزوری و میلان کی وجہ سے کوئی نقش قبول ہی نہیں کرتا ان لوگوں سے صرف اتنی توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ مشابہت پیدا کریں اور احکام ظاہری کی پابندی اختیار کرلیں تاکہ مرکزی طاقت میں خلل نہ پڑے ان کا اتنا ہی ایمان کافی ہے جتنا حبشی لڑکی کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کافی سمجھا چنانچہ جب آپؐ نے اس سے پوچھا کہ اللہ کہاں ہے؟ تو اس نے آسمان کی طرف انگلی اٹھادی باقی رہے قسم اول کے لوگ تو ان سے توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ دلیل کو سمجھ لیں۔"

فصل فی بیان حقائق الارتفاقات الاربعۃ بالاجمال واستخراج اقسامہا من عنایۃ الرحمن بنوع الانسان ان اودع فیہم دواعی الاکل والشرب کے یتقوم بہما ابدانہم ودواعی الجماع کے ینتظم بہا التناسل فیبقی النوع الی زمان انقضائہا وان اوحی الیہم اتخاذ المساکن والفقاء والانسان متوارد بینی جنسہ علی تلک الحاجات مع ما جبل علیہ من ترفع وزیادۃ فی کل خلق فانجبارھا بان یتخذ کل ما دعا الیہ واعیہ حسبما یناسب نوعہ ھو الارتفاق الاول کالزرع والاستعانۃ وکالکلام المقطع وکتعین امراۃ لا یزاحمہ فیہا احدثم انہ ترکبت اخلاق الانسان وعلومہ المجبول علیہا وعلومہ التی اقتضاھا بالتجربۃ وانطرافیہ الترفہ والرای الکلی بالارتفاق الاول۔ فامتلاء لصورۃ حاجتہ الی ان یمہد الارتفاق الاول علی اوضاع تناسب ھذہ الامور حتی انہ لو لم یمہد علیہا کانت فیہ حزازۃ وانحجام نفس وتالم بحسب عدم معصاوقتہ النفس ما یوافقہ بحسب ھذہ الامور فانجبار ھذہ الحاجۃ ھو الارتفاق الثانی والا یتجرد لہ النفس الا اذا تخلصت عن الجوع والعطش والشبق و سائر ما یحوجہ بالاضطرار الی الارتفاق الاول والثانی (الارتفاق

الثانی) ینحصر علومه بالاستقراء فی حکم خمس: حکمة معاشیة وحکمة اکتسابیة و حکمة منزلیة وحکمة تعاملیة وحکمة تعاونیة۔

ثم انضم هذه الاصول من الارتفاق الثانی باخلاق الانسانیة الصالحة والطالحة فحدثت حاجة اخری فانجبرت بالارتفاق الثالث وذلک ان الانسان بحسب هذه الاصول وجب علیه التمدن اذحقیقة المدینة لیست السور والاسواق والعمارات الرفیعة وانما هی نوع ارتباط بین جماعات من الانسان فقد اوجبت هذه الاصول الارتباط بالضرورة والجماعات بحسب تلک المعاونات والمعاملات صارت شخصا واحدا له وحدة معنویة فله صحة و مرض اما الاسباب خارجیة واما الاسباب داخلیة فلا بد للمدینة من طبیب یحفظ الصحة ما استطاع ویعالجها اذا مرضت والطبیب هو الامام واعوانه فهذا هو الارتفاق الثالث

(فصل) ثم لما انضم اصول هذا الارتفاق بالطبائع الانسانیة حدثت حاجة اخری فانجبرت بالارتفاق الرابع ۔ وذلک ان المدن الکثیرة اتخل من فساد ومقاتلات و مشاجرات وحقد وامراض لا تتم لها العلاج فی نفسها فاحتاجوا الی طبیب واحد الکثرات فهذا هو الارتفاق الرابع فیشرحه وانفساره ثم نظام العالم فالارتفاق الاول مبنی علی ارتفاق البهائم فزاد علیه صفاء واتصال ولطافة وظرافة کمثل ابتناء المعادن علی المواليد والثانی مبنی علی الارتفاق الاول فزاد علیه صفاء صلابة ولطافة وظرافة کمثل ابتناء النبات علی المعادن والثالث مبنی علی الارتفاق الثانی کمثل ابتناء الحیوان علی النبات والرابع مبنی علی الارتفاق الثالث کمثل ابتناء الانسان علی الحیوان واعلم ان الارتفاق الاول مندرج تحت ارتفاق البهائم والفرق بینهما فرق اجمال و تفصیل و هکذ االثانی بالنسبة الا الاول وهلم جرا وانا معنا فی تصویر هذه الارتفاقات باحکامها وعلومها فلا تغفلن عن نکتتین احدهما انا نذکر صورة ولا نریدها بخصوصها بل ایاها وما یماثلها ویقاربها مما یصحبه القواعد الکلیة التی علمنا ها وتختلف بحسب علوم کل قوم و عادتهم بعد دخولها تلک القواعد والثانیة ان میزان الارتفاق الاول هو حاجة کل محتاج من بنی ادم من قبل طباعه ومیزان الثانی هذا الارتفاق الاول مع العلوم التجاربیة والاخلاق الصحیحة [1]

ترجمہ: بدور بازغہ میں بحث ارتفاقات: فصل: ارتفاقات اربعہ کا مختصر بیان اور اس امر کا بیان کہ ان کی قسمیں کس طرح بنتی ہیں: خداوند رحمٰن کا بنی نوع انسان کے متعلق خاص ارادہ ہوا کہ اس نے ان میں کھانے پینے کی احتیاجات رکھیں تاکہ ان دونوں سے ان کے بدن بنیں اور ان میں جذبہ جنسی رکھا تاکہ اس کے ذریعے سے نسل بڑھے اور اس کی نوع پورے زمانے کے گزرنے تک باقی رہے اللہ تعالیٰ کا اس کے

---

[1] البدور البازغہ [2] محمودیہ ص 80

متعلق یہ بھی ارادہ ہوا کہ اس نے انسان کو رہنے سہنے اور گرمی سردی سے بچنے کے لئے مسکن بنانا الہام کیا تمام افراد انسانی باوجودیکہ وہ انفرادی طور پر اخلاق میں ایک دوسرے سے کمی یا زیادتی رکھتے ہیں بایں ہمہ ان حاجات میں سب برابر ہیں

ارتفاق اول: ان حاجات کو انسانی نوع کی مناسبت کے اعتبار سے ان کے داعیے کے مطابق پورا کرنا ارتفاق اول کہلاتا ہے مثلاً کھیتی باڑی کرنا' دوسروں سے مدد طلب کرنا' لفظوں کو جوڑ کر بات کرنا زوجہ کا معین کرنا کہ کوئی اور شخص اس تعلق میں دخل نہ دے

ارتفاق دوم: اس کے بعد انسان کے اخلاق اور اس کے جبلی علوم اور وہ علوم جو اس نے تجربے سے حاصل کئے اور حب جمال اور نزاکت پسندی اور رائے کلی ارتفاق اول کے معمولات کے ساتھ ترکیب پانے لگے اور صورت ایسی پیدا ہونے لگی کہ ارتفاق اول کی بنیاد ایسے اوضاع پر رکھی جانے لگی جو مذکورہ بالا امور کے موافق ہوں یہاں تک کہ ایک وقت آیا کہ یہ محسوس کیا جانے لگا کہ ارتفاق اول کا جو معمول ان امور پر مبنی نہ ہو اس میں ایک قسم کی کمی پائی جاتی ہے اور نفس اسے قبول کرنے سے انکار کرتا ہے اور کدورت یا تکلیف محسوس کرتا ہے کیونکہ نفس کا یہ خاصہ ہے کہ جو چیز ان امور کے موافق نہ ہو اسے قبول نہیں کرتا اس حاجت کا پورا کرنا ارتفاق دوم کہلاتا ہے لیکن نفس انسانی اس درجہ ارتفاق کو پوری توجہ اور انہماک سے حاصل نہیں کر سکتا جب تک وہ بھوک پیاس اور جذبہ جنسی اور ارتفاق اول کی دوسری اضطراری حاجات سے فارغ نہ ہولے ارتفاق دوم کے علوم پانچ حکمتوں میں منحصر ہیں: حکمت معاشیہ' حکمت اکتسابیہ' حکمت منزلیہ' حکمت تعاملیہ اور حکمت تعاونیہ ۔

ارتفاق سوم: اس کے بعد ارتفاق دوم کے یہ اصول انسانیت کی اچھی یا بری حالت کے ساتھ جمع ہوئے تو ایک اور حاجت پیدا ہو گئی جس کے پورا ہونے کا نام ارتفاق سوم ہے اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ ان اصولوں کے مطابق انسان کے لئے طبعاً ضروری ہے کہ وہ شہر بنا کر رہیں شہر کی حقیقت اصلی' فصیل' بازار اور اونچی عمارتیں نہیں ہیں بلکہ اس سے مراد وہ ربط اور تعلق ہے جو مختلف اجتماعات انسانی میں پیدا ہو جاتا ہے چنانچہ مذکورہ بالا اصول لامحالہ انسانی جماعتوں کے درمیان ربط اور تعلق قرار دیتے ہیں اور ان کے باہمی ربط اور ایک دوسرے کی مدد کرنے اور ایک دوسرے کے ساتھ لین دین کرنے کی وجہ سے رفتہ رفتہ "شخص واحد" کی شکل اختیار کر لیتی ہیں یہ وحدت معنوی ہوتی ہے اور اب یہ "شخص" یعنی شہر بھی کبھی تندرست ہوتا ہے اور کبھی بیمار اور اس کی بیماری کے اسباب کبھی اندرونی ہوتے ہیں کبھی بیرونی لامحالہ شہر کے لئے ایک ایسے سبب کی ضرورت ہے جو حتی الامکان اس کی صحت قائم رکھے اگر وہ "بیمار" پڑ جائے تو اس کا علاج معالجہ کرے یہ طبیب کون ہے؟ وہ امام اور اس کے ساتھیوں کا مجموعہ ہے اسے ارتفاق سوم کہتے ہیں

فصل ۔ ارتفاق چہارم: اب ارتفاق سوم کے اصول کو انسانوں کی عام طبیعتوں کے ساتھ ملاؤ تو ایک

اور ضرورت پیش آجاتی ہے اس کے پورا کرنے کا نام ارتفاق چہارم ہے اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ جب شہروں کی تعداد بڑھ جاتی ہے تو ان کے مابین فساد' خونریزیاں' جھگڑے' کینے وغیرہ امراض پیدا ہو جاتے ہیں ظاہر ہے کہ یہ شہر خود تو ان بیماریوں کا علاج نہیں کر سکتے اس لئے ایک طبیب الاطباء کی ضرورت ہوتی ہے اور ایک ایسے وجود کی حاجت ہوتی ہے جس میں ان سب شہروں کی کثرت مل کر ایک ہو جائے (یعنی ایک ایسے مرکزی نظام کی ضرورت ہے جس کے ماتحت یہ سب شہر مل کر ایک قانون کے ماتحت زندگی بسر کریں)

یہ ارتفاق چہارم ہے اس کی تشریح و توضیح کے ساتھ نظام عالم تکمیل کو پہنچ گیا

ارتفاقات کی بنیاد: ارتفاق اول اصل میں حیوانی زندگی ہی کی ایک شکل ہے جس میں قدرے صفائی' اتصال' لطافت اور آراستگی پیدا ہو گئی ہے اس کی مثال یوں سمجھو جیسے ذرات سے مل کر مادے کی مختلف شکلیں بن گئیں ارتفاق دوم ارتفاق اول پر مبنی ہے جس میں صفائی' پختگی' لطافت اور جمال پیدا ہو جانے سے یہ پیدا ہو گیا ہے جیسے بے جان مادے سے اوپر کی منزل میں نباتات کا ظہور ہوا اور ارتفاقات کی تیسری منزل اس کی دوسری منزل پر مبنی ہے جیسے نباتات سے ترقی پا کر حیوانات بن گئے اور ارتفاقات کی چوتھی منزل ارتفاقات کی تیسری منزل پر مبنی ہے جیسے انسان حیوان ہی کی ترقی یافتہ شکل ہے واضح رہے کہ ارتفاق اول ارتفاق حیوانی ہی کی ذیل میں آتا ہے فرق صرف تفصیل اور اجمال کا ہے یہی نسبت ارتفاق دوم کی اول سے اور سوم کی دوم سے اور چہارم کی سوم سے ہے

ارتفاقات میں اتحاد اقوام: ان ارتفاقات کے احکام اور علوم کی تصویر پر غور کرتے ہوئے دو باتیں فراموش نہیں کر دینی چاہئیں ایک تو یہ کہ ہم ارتفاق کی کوئی شکل بیان کریں تو اس سے ہمیشہ وہ مخصوص شکل مراد نہیں ہو گی بلکہ وہ خاص شکل بھی مراد ہو گی اور اسی قسم کی شکلیں بھی جو اس کے مشابہ اور قریب ہوں جن پر وہ قواعد کلیہ جو ہم سکھا رہے ہیں صادق آتے ہوں کیونکہ ایک ہی ارتفاق مختلف اقوام میں ان کے علوم اور عادات کے مطابق مختلف شکلیں اختیار کر لیتا ہے بایں ہمہ وہ سب شکلیں قاعدہ کلی کے ماتحت آ جاتی ہیں دوسری بات یہ ہے کہ ارتفاق اول کا معیار وہ حاجتیں ہیں جو تمام انسان طبعی طور پر محسوس کرتے ہیں اور ارتفاق دوم کا معیار یہ ابتدائی طبعی حاجتیں مع علوم تجربی اور اخلاق صحیحہ ہیں

مندرجہ ذیل عبارت سے بھی شاہ ولی اللہ کے عربی زبان و ادب پر عبور کا پتہ چلتا ہے۔

تحقیق شریف قد یعد اللہ سبحانہ لواحد من اہل اللہ موعودا ثم لا یظہر الا مرعلی ما وعد مع کونہ الہاما حقا فیشکل ہذا علی کثیر من الناس تکلم المشائخ فی دفع الاشکال فقال و ربما یکون اللطف بہذا العبد ان یوعد بوعد ہنی فیرغب فیہ و ینتظر لہ ثم لا یوفی بالوعد و یترقی من حب النعم الی حب المنعم و من حب الافعال الی حب الذات و الصفات یریدان ان ترک الوفاء بالوعد لیس نقیصۃ بل یجب تنزیہ اللہ سبحانہ عنہا بالاطلاق بل ربما یکون ضمنا و غرورا و تلبیسا فیکون من باب النقیصۃ و اللہ منزہ عن ہذا القسم و ربما یکون لطفا بالعبد و سببا لترقیہ و تقربا لہ فیکون من صفات الکمال و لہذا نظائر منہا تقدیم کلمۃ و تاخیرہا من محلہا بضرورۃ رعایۃ الفاصلۃ و کذلک التکلم بالمجاز لضرورۃ فقد کلمۃ مثلہا من الحقیقۃ فی العذوبۃ او مثل ذلک فان اخذنا ذلک بمعنی الاضطرار و عدم القدرۃ کان نقیصۃ فان اخذناہ بمعنی نزول القرآن علی لغۃ قریش و کان من لغتہم التقدیم و التاخیر لرعایۃ الفاصلۃ و التجوز لعذوبتہ فانزل و فق لغتہم من غیر اضطرار لہ الی ذلک و لکن لطفا بہم لیکون الکتاب بلغتہم التی یعرفونہا فتدبروہ حق تدبرہ کان من صفات الکمال فہذا قولہم و ہذا توجیہہ و تحریرہ لکنا نقول ہذا وجدان حق انکشف لہم ثم رجعوا بعد ذلک الی رؤیتہم فاستقبلہم علومہم التی خزنتہا صدورہم فنحت منہا تاویل وجدانہم و نزل اطمینان قلوبہم بالوجدان اطمینانا بہذا التاویل المنحوت من حیث لا یشعرون و کثیرا ما یتفق ذلک و ہذا بعینہ نظیر مسئلتنا ہذہ فکما ان الوعد حق و الموعود قد لا یظہر کذلک التعلیم حق و فیہ تاویل منحوت فتدبر و الحق الصراح ان الالہام ضرب من تجلی الحقائق للعبد علی ما ہی علیہ لما اسدل بینہ و بین حالتہ التجلی الصراح حجاب و ضاق بینہ و بینہا الجو الا بقدر حلقہ بین الایام و المسبحۃ انقلب التجلی خطابا و الہاما و خاطرا فہا تفا علی اختلاف استعداد القوی الدراکۃ و لاسباب الحاکمۃ فی الوقت و اذا کان ذلک کذلک فسبب عدم وقوع الموعود امران احدہما ان ینکشف لہ اقتضاء سعید من سادات الملاء الاعلی مما لو خلی الامر مع ہذا الاقتضاء فقط لوجب فی حکمۃ اللہ ان یجیب دعاءہ و یوفر لہ اقتضاءہ لکن ہنالک اقتضاء آخر مثلہ او آکد منہ یجب فی حکمۃ اللہ عند اجتماعہما و اصطکاکہما فی القوۃ التی ہی قلب الطبیعۃ الکلیۃ بمنزلۃ قوۃ الارادۃ و العزم المقرونین بتحریک العضلات ان یقضی بنحو آخر و یوجد فی المثال صورۃ اخری فہذا العبد ربما لا یصل الی صمیم القوۃ العازمۃ التی ہی فی قلب الطبیعۃ الکلیۃ و انا اتخیل انہا فی مرکز العرش فان المرکز للفلک صار ما فی العناصر و الموالید حتی یفضی الیہا بلا واسطۃ و یاخذ عنہا شفاہا بل یصل الی خلاصۃ سعید و صفاوۃ ہمتہ و ینظر من تلک الکوۃ الی القوۃ العازمۃ

فيختلطلون المراة بالمرئى فى الحدقته و يقصر علمه عن احاطته الا سباب والوصول الى حميم هذه الحقيقته فلا يعرف الا هذا الاقتضاء و حكمه انعمته هذا السيد جامعته لهذه الاحكام ما نعته للاحكام المضادة لها فيسرى الجمع والمنع فيمن حيث لا يدرى ثم ينقلب هذا الانكشاف خطابا لا سباب مما ذكرنا و مما طوينا ذكره فليس هذا اخبارا شفاهيا حتى يكون صادقا البتته و ثانيهما ان ينكشف له امر مجمل فيتحول هذا الانكشاف الاجمالى الهاما مجملا فيتبادر اليه العلوم المخزونته فى صدره فتشرحه شرحا من حيث لا يدرى و كما انها تشرح انكشاف الاجمالى فى المنام فيصير رويا يحتاج الى التعبير فكذلك هذا المختلط من الهام اجمالى و شرح و تفسير منحوت من العلوم المخزونته يحتاج الى التعبير ولا عبرة حينئذ بالثلج والا طمينان لانه فى الحقيقته ثلج بالامر الاجمالى من حيث هو محفوظ فى هذا الشرح لربما يتبادر اليه نماجس نفس وا ستعجال طبيعته و تسويل شيطان فيقصر نظره عن التميز فبقى الامر عنده غير مبين و بالجملته فمن راى هذه الصورة المختلطته قال وعد فلم يوجد الموعود ومن راى كل شئى متميزا من غيره قال الوعد اجمالى فقد وفى به فلولى نشاة ولن نشاة الشج ولن شج فالصورة منحوتته اما بما هو تفسير له محتاج الى التعبير فلم يعتبر حق التعبير فاما بخلط ما تلوث به الصدق فلم يبق على صرافته فبالجملته فالوجهان جميعا انما يعتريان المتوسطين اما اهل الكمال فهم بمعزل من ذلك اللهم الا المحتاج الى التعبير و لكنهم لا يخبرهم فى احكام النشاة لا بما عليهم الا مروا لله عالم

کبھی اللہ سبحانہ و تعالیٰ کسی اہل اللہ سے وعدہ کرتا ہے پھر اس امر کو اس وعدہ پر ظاہر نہیں کرتا باوجودیکہ الہام حق ہے تو اکثر لوگوں پر یہ بات مشکل ہو جاتی ہے اس اشکال کو دفع کرنے کے لئے مشائخ نے کلام کیا ہے چنانچہ مشائخ نے بیان کیا کہ اکثر لطف الٰہی اس بندہ پر ہوتا ہے کہ اس سے ایک اچھا وعدہ ہوتا ہے تو اسے رغبت ہو جاتی ہے اور اس کا انتظار کرنے لگتا ہے پھر وہ وعدہ پورا نہیں کیا جاتا چنانچہ وہ نعمت کی محبت سے ترقی کر کے منعم کی محبت کرنے لگتا ہے' اور افعال کی محبت سے اب ذات اور صفات کی محبت کرتا ہے مشائخ نے اس امر سے یہ ارادہ کیا ہے کہ وعدہ کو پورا نہ کرنا کوئی نقص نہیں ہے' بلکہ علی الاطلاق اللہ تعالیٰ کی تنزیہ واجب ہے بلکہ بسا اوقات وعدہ پورا نہ کرنا بخل و غرور اور تدلیس سے ہوتا ہے اور یہ منقصت ہے اور اللہ رب العزت کی ذات اس قسم کے امور سے منزہ ہے' اور کبھی بندہ پر لطف کرنا مقصود ہوتا ہے اور اس کی ترقی کا سبب ہوتا ہے اور ترقی کے قریب کا تو یہ چیز صفات کمال میں سے ہوئی اور اس کی نظیریں ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ کسی کلمہ کی اس کے محل سے تقدیم و تاخیر کرنا رعایت فاصلہ کی ضرورت کے لئے اور اسی طرح مجاز کے ساتھ کلام کرنا کہ غدویت میں اس جیسا حقیقی کلمہ کوئی بھی نہیں پایا جاتا یا اس کے مثل۔ سو اگر ہم اسے اضطرار اور عدم قدرت پر محمول کریں تو یہ چیز نقصان کی ہے اور اگر ہم یہ بات سمجھیں کہ قرآن

کریم لغت قریش میں نازل ہوا اور ان کی لغت میں فاصلہ کی رعایت کی وجہ سے تقدیم و تاخیر اور غدویت کی وجہ سے مجاز استعمال کر لیتے ہیں تو ان کی لغت کے موافق یہ نازل کیا گیا ہے کسی قسم کے اضطرار کی وجہ سے نہیں' بلکہ ان پر لطف اور مہربانی کی وجہ سے کتاب اور قرآن کریم ان کی اس لغت میں نازل کیا گیا' جسے وہ پہچانتے ہیں' تاکہ وہ کماحقہ تدبر کریں۔ تو یہ چیز عین صفات کمال میں سے ہے بس یہ ان کا قول ہے' اور ان کی توجیہ اور تحریر لیکن ہم کہتے ہیں کہ یہ وجدان حق ہے جو کہ ان کے لئے ظاہر ہوا اس کے بعد انہوں نے اپنی رویت کی طرف رجوع کر لیا' تو ان کے سامنے ان کے وہ علوم آ گئے جو کہ ان کے سینوں نے پوشیدہ کر رکھے ہیں کہ جس سے ان کے وجدان کی تاویل روشن ہو گئی اور ان کے قلوب کو وجدان سے اطمینان حاصل ہو گیا ایسا اطمینان جو کہ اس تراشی ہوئی تاویل سے ہے بایں طور کہ ان کو اس چیز کی خبر نہیں' اور ایسا کہ اتفاق ہوتا ہے' اور یہ بعینہ ہمارے اس مسئلہ کی مثال ہے سو جیسا کہ وعدہ حق ہے اور موعود کبھی ظاہر نہیں ہوتا' اسی طرح تعلیم حق ہے اور اس میں تاویل تراشیدہ ہے' اور حق صریح یہ ہے کہ الہام بندہ کے لئے علی ماہی علیہ تجلی حقائق کی ایک قسم ہے' اور جس وقت بندہ اور تجلی صراح کے درمیان حجاب چھوڑ دیا جاتا ہے' اور بندہ اور حالت تجلی کے درمیان جو تنگ ہو جاتا ہے مگر بقدر انگوٹھے اور شہادت کی انگلی کے حلقہ کے تو اس وقت یہ تجلی خطاب الہام اور خاطرہ ہاتف ہو جاتی ہے' باعتبار اختلاف استعداد قوی دراکہ اور اسباب حاکمہ فی الوقت کے اور جب یہ امر اس طرح ہوا' تو عدم وقوع موعود کی دو شکلیں ہیں ایک تو ان میں سے یہ ہے' کہ بندہ پر مساوات ملاء اعلیٰ میں کسی سردار کا اقتضا منکشف ہو' بایں طور کہ اگر امر صرف اسی اقتضاء کے ساتھ جمع ہو' تو اللہ تعالیٰ کی حکمت میں یہ چیز ضروری ہے کہ اس کی دعا قبول ہو اور اس کے لئے اس کا اقتضاء زیادہ کیا جائے لیکن اس مقام پر اسی کی مانند ایک اور اقتضاء ہے جو کہ اس سے زیادہ موکد ہے تو اللہ تعالیٰ کی حکمت میں یہ چیز واجب ہے کہ جس وقت یہ جمع ہوں اور قوت میں مقابلہ کریں وہ قوت جو کہ طبیعت کلیہ کے قلب اور بمنزلہ قوت ارادہ اور عزم کے ہیں' جو کہ عضلات کی تحریک کے ساتھ وابستہ ہے تو فیصلہ فرمائے دوسری طرح اور یہ چیز پائی جائے' دوسری مثال میں سو بسا اوقات یہ بندہ نہیں پہنچ سکتا' اس صمیم قوت عازمہ کو جو طبیعت کلیہ کے قلب میں ہے اور بے شک میں خیال کرتا ہوں کہ یہ مرکز عرش میں ہے اور مرکز اس کے لئے عناصر اور موالید کا ٹھکانا ہو گیا ہے تاکہ اس کی جانب بلاواسطہ اضافہ ہو' اور اس سے اسی کی طرف مواخذہ کرے' بلکہ خلاصہ سید اور صفاوت ہمت تک پہنچے' اور اس سوراخ سے قوت عازمہ کی طرف دیکھے تاکہ آنکھ میں مرآت اور مری کا رنگ مختلط ہو جائے اور اس کا علم احاطہ اسباب اور اس حقیقت کی تہ تک پہنچنے سے قاصر ہو جائے تو وہ بندہ اس اقتضاء اور اس حکم کے علاوہ اور کسی چیز کو نہ پہچان اس لئے کہ اس سید کی ہمت تمام ان احکام کو جامع ہے اور اس کے احکام متضادہ کے لئے مانع ہے چنانچہ جمع اور منع اس میں اس حیثیت سے سرایت کرتی ہے کہ معلوم نہ ہو سکے اس کے بعد پھر یہ انکشاف خطاب سے ان سببوں کی طرف جو کہ ہم نے بیان کئے اور بیان نہیں کئے ہیں منقلب ہو جاتا ہے' اور یہ خبر دینی ظاہری طور پر نہیں ہوتی کہ ضروری طور پر صادق ہو' اور دوسری بات یہ ہے کہ اس شخص کو ایک امر

مجمل منکشف ہو جائے اور پھر یہ انکشاف اجمالی الہام کی جانب محول ہو جائے' چنانچہ پھر اس کے سینہ کی طرف علوم مخزونہ سبقت کریں اور اس کی اس حیثیت سے شرح کریں کہ معلوم نہ ہو سکے اور جیسا کہ اس کے علوم انکشاف اجمالی کی خواب میں شرح کرتے ہیں اور وہ ایسا خواب ہو جاتا ہے کہ اس میں تعبیر کی حاجت پیش آتی ہے' سو اسی طرح یہ مختلط الہام جمالی سے تراشیدہ ہے' تعبیر کا محتاج ہو جاتا ہے اور اس وقت ٹھنڈک اور اطمینان کا کوئی اعتبار نہیں رہتا" اس لئے یہ فی الحقیقت ایک امر اجمالی سے دل کی تسلی ہے بایں طور کہ وہ اس شرح میں محفوظ ہے اور کبھی اس کی طرف خطرات نفس متبادر ہوتے ہیں' اور ایسے ہی استعمال طبیعت اور شیطان کا دھوکہ تو انسان کی نظر تیز سے قاصر ہو جاتی ہے' تو وہ امر اس کے نزدیک غیر مبین رہ جاتا ہے الغرض جو بھی اس صورت مختلطہ کو دیکھے وہ یہی کہے گا کہ وعدہ کیا' مگر موعود نہیں پایا گیا اور جو شخص کہ ہر ایک چیز کو دوسرے سے متمیز دیکھے' تو وہ کہے گا کہ وعدہ اجمالی ہے' اور وہ پورا ہو چکا اگرچہ ایک عالم کے علاوہ دوسرے عالم میں ہو' اور ایک قالب کے علاوہ کسی اور قالب میں ہو' اور صورت تراشیدہ ہے یا تو اس شئے کے ساتھ جو کہ اس کی تفسیر ہے اور محتاج تعبیر ہے' اور تعبیر کماحقہ نہیں دی گئی' یا اس چیز کے ساتھ مخلوط ہو گئی' کہ جس سے صدق آلودہ ہوا اور اپنی صرافت پر باقی نہ رہی' خلاصہ کلام یہ ہے کہ دونوں وجہیں متوسطین کو لاحق ہوتی ہیں مگر اہل کمال وہ ان سے علیحدہ ہیں ہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ محتاج تعبیر ہیں لیکن ان پر ان کے کمال کی بنا پر احکام عالم میں امر پوشیدہ نہیں رہتا واللہ اعلم'

تحقیق و تمثیل: اعلم ان الارادة هي مرقى علل صدور الخلائق فلكن للارادة علة تصدر منها وهي اقتضاء الذات لها واستلزامها اياها لا يشك في ذلك احد لان الارادة ليست واجبة بذاتها لكنها واجبة بذات الواجب بقي ههنا شئى مشكل جدا هل تعلق الارادة بهذا دون ضده من جهة خصوصية هذا فتعينه واجب بذات الارادة لا يرقى للملك وجوب الى الذات الواجبة او يرقى وجوبهما من هذه الجهة ايضا" الى الذات الواجبة كما يرقى وجوب الارادة نفسها اليها فاستترهذا السر على اكثر الناس والحق ان الفاقد لوجوب ذاته ووجوده من جلرذاته فاقد لكل كمال يحدث له بعد وجوده والجوبه باعتبار ذاته انما تلبسه بذلك الكمال من الذى تلبسه بالوجوب من فليس تعلق الارادة الا حذو انبساط لا ستعدادات التاثيرية المسماة بالاعيان من جهة اقتضاء الذات و استلزامها فانبساط تينك القبلتين له حصر يمنع الزيادة والنقص ناشى من جهة الذات والنضرب للملك مثلا اليس ان المحاسب اذا تعلقت ارادته بالواحد فشق منه واحدا بتثنية النظر فحدث اثنان وشق منه واحدا وواحدا بتثليث النظر فحدث ثلثة وبالجملة اذا تعلقت ارادته بضم مشتق الى مشتق بقدر ما يسعه علمه فحدث مراتب الاحاد والعشرات والمآت والالوف ثم جمع بعضها ببعض بقدر ما يسعه فرض العقل جاءت امور غير متناهية في انفسها محصورة بالاضافة الى الواحد فانها يشتق منه دلن غيره ومتميزا بعض المراتب من بعض من جهة نحو الاشتقاق فاخذ علته

ظهور هذه الصور العددية المتكثرة تعلق الارادة بظهور كمال المحاسب ومنشا تعين تلك المراتب بالترتيب والانحصار والانضباط بحيث لا يزيد ولا ينقص هو الطبيعة العددية لمحفوظة قبل الارادة كان الارادة حكاية لطبيعتها ومنصتهلظهورا حكامها فنسبة الجول والايجاد الى الماهيات كنسبة تاثير المحاسب في الاعداد من جهة ظهور صورها بعدما لم يكن فنسبة الماهيات ولوازمها الى مفيضها قبل الجعل كنسبة مراتب الاعداد الى الواحد وتقدم بعضها على بعض ولزوم خواص تلك المراتب لها من قبل الطبيعة العددية فقط فهذا معنى قولهم الماهيات غير مجعولة فالجعل والايجاد هو الظهور والفيض المقدس وارتباط الماهيات بمفيضها كارتباط المراتب العددية بالواحد وتعينها بخواصها كتعين تلك المراتب بخواصها فرضا قبل ان تتميز وجودا وهو الفيض الاقدس فكما ان للعدد سلسلة مرتبة بعضها بعد بعض ممتدة من الواحد الى ما لا يتناهى كائنة في الوحد من جهة الفرض والتقدير لا من جهة التقرد بالفعل و كذلك للطبيعة الكلية بما في حيزها من اركان و مواليد سلسلة مرتبة بعضها بعد بعض معلومة الخواص والمراتب كما قال عز من قائل حكاية عن تلك الحقائق و ما منا الا له مقام معلوم منفسرة الى الانواع نفسا را حاضرا لا يزيد ولا ينقص ولا يمكن ذلك ابدا ثم تنقسر تلك الانواع الى الافراد بظريها في الاتصالات الفلكية والارضية وملاحظة الوضع السابق لمعد لموضع الاحق الى غير النهاية ممتدة هذه السلسلة من ماهية الماهيات و حقيقة الحقائق الى ما لا يتناهى كائنة في حقيقة الحقائق الى ما لا يتناهى كائنة في حقيقة الحقائق والبسط الاشياء من جهة الفرض والامكان لا من جهة التقرر بالفعل ثم ارتبط بحقيقة الحقائق الخارج و ظهر فيه صورة حقيقة الحقائق وارتباط الخارج بحقيقة الحقائق كمثل ارتباط اللوازم بالماهيات فصدر من هذا التجلى بالارادة والاختيار طبيعة كلية واحدة هي كشخص واحد صدر منه بواسطة الاركان والعناصر ثم حصل من امتزاج القبلتين المواليد ادراك هذا الشخص الواحد ربه الفرد الصمد في خياله فحصلت صورة علمية هي كيفية علمية باعتباره نفس المعلوم باعتباره نفس العلم باعتباره هذا التجلى في الطبيعة الكلية ثم نزلت في المدارك المقيدة فصارت حضرات منها حظيرة القدس وغيرها۔

تحقیق اور تمثیل: یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ ارادہ صدور خلائق کی علتوں کا مرقیٰ ہے لیکن ارادہ کے لئے ایک علت ہے کہ جس سے وہ صادر ہوتا ہے وہ کیا ہے ذات کا اس ارادہ کو مقتضی ہونا اور اس سے مستلزم ہونا بایں طور کہ کوئی اس میں شبہ نہ کرے اس لئے کہ ارادہ بذات خود واجب اور ضروری نہیں لیکن ذات واجب الوجود کے واجب کرنے سے واجب ہوتا ہے' اس مقام پر ایک بات بہت مشکل باقی رہ گئی وہ یہ کہ کیا ارادہ کا تعلق اسی کے ساتھ ہے' نہ اس کی ضد سے باعتبار اس خصوصیت کے اور ایسے ہی اس کی

تعین ذات ارادہ کے لئے واجب ہے کہ ذات واجبہ کے لئے وجوب مرتفع نہیں ہوتا یا اس کا وجوب اس جہت سے بھی ذات واجبہ کی طرف مرتفع ہوتا ہے جیساکہ نفس ارادہ وجوب ذات واجب کی طرف مرتفع ہوتا ہے غرضیکہ یہ راز اکثر انسانوں سے مخفی ہے اور حق بات یہ ہے کہ جو اس کی ذات کے وجوب کا فاقد ہے اور اس کا وجود اس کی ذات ہی سے ہے تو وہ ہر اس کمال کو فوت کرنے والا ہے جو بعد میں اس کے وجود اور وجوب سے باعتبار ذات کے پیدا ہو اس چیز کو اس کمال سے وہی آراستہ کرتا ہے جو محض کہ اسے وجوب کے ساتھ آراستہ کرتا ہے لہٰذا استعدادات تاثیریہ میں فراخی کے علاوہ کہ جن کا نام اسما ہے اور کوئی تعلق ارادہ نہیں اور وہ استعدادات تاثیریہ کہ جن کا نام اعیان ہے باعتبار اقتضائے ذات اور اس کے استلزام کے ساتھ اور ان دونوں استعدادات تاثیریہ کے لئے فراخی کرنے میں اس کے لئے ایک حصر ہے جو کہ زیادتی کو منع کرتا ہے اور اس نقصان کو جو ذات سے پیدا ہو اور ہم اس کے لئے ایک مثال بیان کرتے ہیں' کیا یہ بات ثابت نہیں کہ جس وقت محاسب ارادہ واحد کے ساتھ وابستہ ہو تو اس سے ایک پیدا ہوتا ہے اور ایک دوبارہ نظر کے ساتھ تو دو پیدا ہو جاتے ہیں اور اس سے نکلا ایک اور ایک اور ایک تیسری نظر سے تو تین پیدا ہو گئے' غرضیکہ جس وقت کہ ارادہ اس کے ایک مشتق کو دوسرے مشتق کے ساتھ ملانے سے متعلق ہو بقدر اس کی وسعت علمی کے تو مراتب احاد عشرات اور مئت اور الوف پیدا ہو جائیں گے اس کے بعد اگر بعض کو بعض کے ساتھ باعتبار فرض عقل کے جمع کیا جائے تو امور غیر متناہیہ ہو جائیں گے بذات خود واحد کی طرف نسبت کرنے سے محصور ہیں کیونکہ وہ اس سے مشتق ہوئی ہیں اس کے علاوہ کسی اور سے نہیں اور انہیں مراتب بعض سے بطریقہ اشتقاقی ممتاز ہیں' تو اس وقت علت ظہور ان صور عددیہ متکثرہ کے تعلق ارادہ کے ساتھ ظاہر ہو گئی کمال محاسب کے ظہور کے ساتھ اور ان مراتب کی تعین کا منشا ترتیب اور انحصار اور انضباط کے ساتھ ایسے طور پر کہ اس میں نہ زیادتی ہو' اور نہ کمی وہ طبیعت عددیہ ہے جو ارادہ سے پہلے محفوظ ہے گویا کہ ارادہ اس کی طبیعت کے لئے حکایت ہے اور اس کے احکام کے ظاہر کرنے کے لئے منصہ ہے سو نسبت جعل اور ایجاد کی ماہیات کے ساتھ ایسی ہے جیساکہ محاسب کی تاثیر اعداد میں ان کی صورتوں کے ظاہر ہونے کے طریقہ پر بعد اس کے کہ وہ نہ تھیں اور نسبت ماہیات اور ان کے لوازم کے ان کے مفیض کی طرف جعل سے پہلے مراتب اعداد کی نسبت کی طرح ہے جو کہ واحد کی طرف ہو اور ان میں سے بعض کا بعض سے مقدم اور لزوم ان مراتب کے خواص کا صرف طبیعت عددیہ کی طرف سے ہے سو یہی معنی میں ان کے قول کہ ماہیات جعلی نہیں ہیں اور جعل و ایجاد وہ ظہور اور فیض مقدس ہے اور ماہیات کا ارتباط اپنے مفیض سے ایسا ہے' جیساکہ مراتب عددیہ کا ارتباط واحد کے ساتھ اور ماہیات کا تعین اپنے خواص کے ساتھ فرضاً" وجوداً پہلے متعین ہونے کے ساتھ پہلے اور یہی وجود اقدس ہے' سو جیساکہ عدد کے لئے سلسلہ مرتبہ ہے کہ بعض ان میں بعض کے بعد میں یہ سلسلہ واحد سے لے کر غیر متناہی تک ممتد ہے اور جیساکہ واحد میں جہت فرض اور تقدیر پوشیدہ ہے نہ جہت تقرر بالفعل اسی طرح طبیعت کلیہ کے لئے جو بھی کچھ اس کے حیز میں ارکان اور موالید موجود ہیں ایک مراتب سلسلہ میں ہے کہ بعض بعض کے بعد ہیں جو کہ معلومۃ الخواص اور معلومۃ

المراتب ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ ازروئے حکایت ان واقعات کو بیان کرتا ہے کہ وما منا الا لہ مقام معلوم = کہ انواع کی طرف ایسے انقسار حاضر کے ساتھ منفسر ہے کہ اس میں کمی اور زیادتی نہیں ہو سکتی اور نہ یہ چیز ابد تک ممکن ہو سکتی ہے پھر وہ تو مین افراد کی طرف منفسر ہوتی ہیں' جبکہ انہیں اتصالات فلکیہ اور ارضیہ میں ضرب کریں اور ملاحظہ کریں اس وضع سابق کا جو کہ اس وضع لاحق کے لئے معد ہے' جو تا غیر نہایت ممتد ہے یہ سلسلہ ماہیت الماہیات اور حقیقت الحقائق سے غیر متناہی ہے گویا کہ حقیقت الحقائق میں پوشیدہ ہے اور ابسط اشیاء باعتبار فرض اور امکان کے ہے تقرر بالفعل کے طریقہ پر نہیں پھر حقیقت الحقائق کے ساتھ خارج مرتبط ہوتا ہے اور اس میں حقیقت الحقائق کی صورت ظاہر ہوتی ہے اور خارج کا ارتباط حقیقت الحقائق کے ساتھ اس لوازم کے ارتباط کے طریقہ پر ہے جو کہ ماہیات کے ساتھ ہو چنانچہ اس تجلی بالارادہ والا اختیار سے طبیعت کلیۃ واحدہ صادر ہوتی ہے' جو کہ مانند شخص واحد کے ہے کہ اس کے واسطے سے ارکان اور عناصر صادر ہوئے پھر امتزاج عناصر اور ارکان سے موالید حاصل ہو اور اس شخص واحد نے اپنے خیال میں اپنے رب فرد صمد کو ادراک کیا' سو اس وجہ سے صورت علیہ حاصل ہوئی جو کیفیت علیہ ہے' ایک اعتبار سے اور نفس معلوم ہے' ایک اعتبار سے اور نفس علم ہے' دوسرے اعتبار سے اور یہ طبیعت کلیہ میں پہلی تجلی ہے' پھر اس کے بعد مدارک مقیدہ میں اس نے نزول کیا تو ان ہی میں سے حضرات خطیرۃ قدس وغیرہ ہو گئے۔[1] یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے اللہ تعالیٰ نے قیامت میں بھی خاص رحمت کے ظہور کا ارادہ فرمایا ہے

تحقیق: قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لکل نبی دعوۃ مستجابۃ فتعجل کل نبی دعوتہ و انی اختبات دعوتی شفاعۃ لا متی ان قلت کل نبی لہ دعوات مستجابۃ و کذلک لنبینا صلی اللہ علیہ وسلم دعوات کثیرۃ مستجابۃ و کما وقع فی الاستسقاء و فی مواضع لا تحصی فانی ای دعوۃ اشار فی ھذا الحدیث اذ یعلم من اسباق انھا دعوۃ واحدۃ لکل نبی قلت ھذہ الدعوۃ لیست دعوۃ رغبۃ خاصۃ فی شئی من المطالب بل کلما بعث اللہ تعالی رسولا لطفا بعبادہ و رحمۃ لھم فلا یخلو حال العباد من امرین اما ان یطیعوہ فیعمل ذلک فی حقھم انا ضۃ برکات علیھم او یعصوہ فینقلب ذلک اللطف مقتا "وسخطا" وغضبا" و فی کل من الحالین یلھم النبی الھام نفث فی الروح ان یدعولھم او علیھم فتلک دعوۃ واحدۃ لکل نبی ناشیۃ من اللطف الذی منہ کانت بعثتہ واما نبینا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فقد استشعر من نفسہ ان اللہ تعالی لم یقصد فی بعثتہ اللطف بھم فی الدنیا فقط بل اراد مع ذلک ان یکون معدلرحمۃ عامۃ یوم المعاد و قد ذکرنا انہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شھید فی الاخرۃ والشھادۃ من خواصہ فنفث فی روعہ علیہ الصلوۃ والسلام ان یختبی تلک الدعوۃ التی انما تنشا من اللطف الذی ھو منشا النبوۃ لیوم المعاد فتدبر فی ھذا السر حق التدبر

---

[1] فیوض الحرمین' ص 28-210

تحقیق: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہر ایک نبی کے لئے ایک مقبول دعا ہے' چنانچہ ہر نبی نے اپنی دعا کے متعلق جلدی کرلی اور میں نے اپنی دعا اپنی امت کی شفاعت کے لئے بچاکر رکھ لی۔ اب اگر تم کہو کہ ہر ایک نبی کے لئے بہت سی مقبول دعائیں ہیں اور اسی طرح ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بہت سی مقبول دعائیں ہیں' جیسا کہ نماز استسقا اور بہت سے بے شمار واقعات میں اس کا ظہور ہوا تو پھر اس حدیث میں کون سی دعا کی جانب اشارہ کیا گیا' اس لئے کہ کلام کے اسیاق سے پتہ چلتا ہے" کہ وہ ہر ایک نبی کے لئے ایک ہی دعا ہے' سو میں بیان کرتا ہوں کہ یہ خاص کسی شئے میں کسی خاص مطلب کی دعا نہیں ہے بلکہ جس وقت بھی اللہ تعالیٰ نے کوئی رسول اپنے بندوں پر لطف اور رحمت کے لئے بھیجا تو بندوں کا حال دو چیزوں سے خالی نہ رہا' یا اس نبی کی اطاعت کی تو یہ ان کے حق میں اضافہ برکات کا باعث ہوا' یا اس نبی کی نافرمانی کی تو ان پر وہ لطف اور مہربانی قہر و غصہ اور غضب ہو گیا اور دونوں شکلوں میں نبی کے دل میں یہ بات ڈالی جاتی ہے" کہ ان کے لئے دعاء خیر کرے یا ان کے لئے بددعا کرے' سو یہ دعاء واحد ہے جو کہ ہر نبی کے لئے ہے جو اللہ تعالیٰ کے لطف سے پیدا ہوتی ہے جس کے لئے اس نبی کو بھیجا تھا' لیکن ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نفس سے اس بات کو سمجھ لیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی بعثت سے فقط ان پر دنیا میں لطف کا ارادہ نہیں کیا بلکہ اس کے ساتھ قیامت کے دن عام رحمت کا ارادہ فرمایا اور ہم بیان کر چکے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آخرت میں شہید ہیں اور شہادت آپؐ کے خواص میں سے ہے' لہٰذا آپؐ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب میں یہ بات ڈالی گئی کہ آپؐ اس دعاء کو محفوظ کر رکھیں۔ قیامت کے دن کے لئے وہ دعاء جو اس لطف سے پیدا ہو گی۔ جو منشائے نبوت ہے لہٰذا اس راز کو اچھی طرح سے محفوظ کر لو۔

شاہ ولی اللہ نے صرف عربی زبان میں کتب لکھ کر ہی عربی زبان و ادب کی خدمت نہیں کی بلکہ آپ نے عربی زبان کے اصول و قواعد کو بھی بڑے بہترین انداز میں بیان کیا ہے اور خصوصاً الفوز الکبیر میں تاکہ لوگ عربی صرف و نحو اور اصول و قواعد کو سمجھ اور سیکھ کر قرآن کے مضامین سے بہرہ ور ہو سکیں

حذف کا ایک اور انداز: اہل عرب میں حذف کا ایک عام انداز یہ بھی ہے کہ وہ "ان" مصدریہ سے پہلے حرف جار کو حذف کر دیتے ہیں اور اسے "لان" کے معنی میں استعمال کرتے ہیں۔ قرآن مجید میں بھی بعض مقامات پر یہ اسلوب اختیار کیا گیا ہے۔

جواب شرط کا محذوف ہونا: قرآن مجید میں کبھی کبھی جواب شرط محذوف ہوتا ہے۔ مثلاً

(الف) **"ولو تری اذ الظلمون فی غمرات الموت"** الخ (ب) **"ولو یری الذین ظلموا اذ یرون العذاب"** (الخ) اس طرح کی آیات میں جواب شرط محذوف ہوتا ہے لیکن اس ترکیب کو اصلی معنی میں استعمال کرنے کی بجائے تعجب کے معنی میں استعمال کیا گیا ہوتا ہے لہٰذا یہاں بھی محذوف شدہ کلمہ یا فقرہ کی تلاش غیر ضروری ہوتی ہے

2- ابدال: یعنی ایک کلمہ کو کسی دوسرے کلمہ سے تبدیل کرنے کا اسلوب بھی قرآن مجید میں اکثر اختیار کیا گیا ہے البتہ اس کی صورتیں بہت سی ہیں کبھی فعل کو فعل سے بدلا جاتا ہے کبھی اسم کو اسم سے کبھی

1. فیوض الحرمین' ص 43-240

حرف کو حرف سے اور کبھی پورے جملہ کو جملہ سے بدل دیا جاتا ہے اس کے علاوہ معرفہ کو نکرہ' مذکر و مونث اور مفرد کو جمع سے بھی تبدیل کیا جاتا ہے تفصیل درج ذیل ہے۔

فعل کی فعل سے تبدیلی: فعل کو فعل سے بدلنا عام ہے اس تبدیلی کے اغراض مختلف اور متعدد ہیں لیکن ان مقاصد کا بیان اس کتاب کے موضوع سے تعلق نہیں رکھتا' قرآن مجید میں اس طرح کے استعمال کی مثالیں حسب ذیل ہیں: آیت نمبر1- **"اھذا الذی یذکر الھتکم"** الخ کیا یہ وہی ہے جو تمہارے معبود کا ذکر کرتا تھا اس آیت میں "یذکر" کی جگہ "یسب" تھا یعنی تمہارے معبود کو دشنام دیتا تھا لیکن چونکہ دشنام کا تذکرہ ناپسندیدہ تھا اس وجہ سے "یسب" کی جگہ "یذکر" استعمال کیا گیا ہے اس طرح کا انداز بیان ہمارے روز مرہ اور محاورہ میں بھی عام ہے مثلاً کسی کی طبیعت خراب ہوتی ہے تو کہا جاتا ہے کہ دشمنوں کی طبیعت خراب ہے کبھی اس انداز سے بھی کہتے ہیں کہ بندگان حضرت تشریف لا چکے ہیں "یا بندگان جناب عالی اس امر سے واقف ہیں" اور مراد یہ ہوتی ہے کہ آپ تشریف لا چکے ہیں اور آپ اس امر سے واقف ہیں" چنانچہ قرآن مجید میں بھی اس قسم کا اسلوب اختیار کیا گیا ہے آیت نمبر2- **"منا لا یصحبو-ن"** اس آیت میں **"لا یصحبون"** اصل میں **"لا ینصرون"** کی جگہ پر استعمال کیا گیا ہے چونکہ نصرت اور مدد کے لئے اجتماع یا ملاقات ضروری ہے' اس کے بغیر نصرت کا امکان ہی پیدا نہیں ہوتا۔ لہٰذا آیت میں نصرت کی جگہ صحبت کا لفظ استعمال کیا گیا ہے آیت نمبر3- **"ثقلت فی السمٰوٰت والارض"** الخ اس آیت میں "ثقلت منقبت" کے معنی میں استعمال ہوا ہے' کیونکہ ہر وہ چیز جس کا علم آسمان اور زمین والوں پر پوشیدہ ہوتا ہے وہ چیز سب کے لئے گراں اہم اور دشوار ہو جاتی ہے لہٰذا یہ تبدیلی عمل میں لائی گئی اور یہ ایک ایسی تبدیلی ہے جس میں اصل لفظ کے اشارات موجود ہیں۔ آیت نمبر4- **"فان طبن لکم عن شئی منہ نفسا"** یہ اصل میں "عفون لکم من شئی من طیب من نفر سھن" تھا۔

اسم کی اسم سے تبدیلی: کبھی ایک اسم کو دوسرے اسم سے بدلا گیا ہوتا ہے۔ مثلاً:

"فظلت اعناقھم لھا خاضعین" الخ مارے ہیبت کے ان کی گردنیں اس کے سامنے خم ہو گئیں" اس آیت میں "خاضعین" خاضعۃ کی جگہ استعمال ہوا ہے۔ آیت نمبر2- **"وکانت من القا-نتین"** الخ اور وہ ایمان و یقین والوں میں تھی اس آیت میں فاعل مونث ہے لہٰذا اس کی مناسبت سے "القانتات" ہونا چاہئے تھا لیکن اس کی جگہ پر القانتین" استعمال ہوا ہے۔ آیت نمبر3- **"فما لھم من نا-صرین"** الخ "پس ان کا کوئی مددگار نہیں ہے' جملہ کی ساخت کے اعتبار سے یہاں لفظ مفرد "ناصر" ہونا چاہئے تھا لیکن اس کی جگہ پر جمع "ناصرین" لایا گیا ہے آیت نمبر4- **"فما منکم من احد عنہ حاجز-ین"** اس آیت میں بھی حاجزین جمع کی شکل میں استعمال ہوا ہے لیکن یہاں بھی "حاجز" مفرد کی شکل میں ہونا چاہئے تھا آیت نمبر5- **"والعصر ان الانسان لفی خسر"** "عصر کی قسم بیشک انسان گھاٹے میں ہے انسان اس آیت میں بنی آدم کی جگہ پر استعمال ہوا ہے مفرد ہونے کے باوجود اسے بنی آدم کے بجائے اس لئے استعمال کیا گیا ہے کہ وہ اسم جنس ہے اور اس کے مفہوم میں تمام بنی آدم شامل ہیں آیت نمبر6-

یاایہاالانسان انک کادح الیٰ ربک کدحا" اس آیت میں بھی انسان بنی آدم کے بجائے استعمال ہوا ہے اور یہاں بھی تبدیل کی وہی وجہ ہے جو مندرجہ بالا آیت کے سلسلہ میں بیان کی گئی ہے آیت نمبر7- " **وحملہاالانسان"** الخ "اور انسان نے اسے اٹھالیا" یہاں بھی انسان بنی آدم ہی کے بجائے استعمال ہوا ہے اور یہاں بھی اس کے استعمال کی وجہ وہی ہے جو پہلے گذر چکی۔ آیت نمبر8- " **کذبت قوم نوح ن المرسلین"** قوم نوح نے رسولوں کو جھٹلایا یہاں " **المرسلین** " اصل میں " **نوحا** " کی جگہ استعمال ہوا ہے' کیونکہ " **المرسلین** " اگرچہ عام اور جمع کی صورت میں ہے لیکن اس سے مراد جناب نوح علیہ السلام ہی ہیں آیت نمبر9- " **اناالقادرون"** "میں قدرت رکھتا ہوں" اس آیت میں **انا** واحد متکلم ہے اس کی مناسبت سے دوسرا اسم بھی واحد یعنی " **لقادر** " ہونا چاہئے تھا لیکن اس کی جگہ جمع کا لفظ " **لقادرو ن** " استعمال کیا گیا ہے۔ آیت نمبر10- " **ولکن اللہ یسلط رسلہ"** "لیکن اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کو غالب کر دیتا ہے" یہاں بھی **رسلہ** جمع کا صیغہ لایا گیا ہے حالانکہ یہاں بھی مراد' فرد واحد یعنی رسول اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں آیت نمبر11- " **الذین قال لہم الناس"** "وہ لوگ جن سے لوگوں نے کہا" اس آیت میں " **الناس** " اصل میں عروہ ثقفی کی جگہ استعمال کیا گیا ہے آیت نمبر12- " **فاذاقہااللہ لباس الجوع"** "پس اللہ تعالیٰ نے اسے بھوک کا مزا چکھادیا" اس آیت میں بھی " **لباس** " اصل میں " **طعم** " یعنی مزے کی جگہ استعمال ہوا ہے اس تبدیلی کی وجہ یہ ہے کہ دونوں میں ایک مخصوص قسم کی مناسبت اور مشابہت پائی جاتی ہے یعنی بھوک بھی جسم کو نحیف ولاغر کر کے لباس ہی کی طرح پورے جسم پر مسلط ہو جاتی ہے آیت نمبر13- " **صبغتہ اللہ** "اللہ کا رنگ" یہاں " **صبغتہ اللہ** اصل میں **دین اللہ** کی جگہ استعمال کیا گیا ہے' " **دین** " کو " **صبغتہ** " سے بدلنے کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ جس طرح کپڑے پر رنگ چڑھتا ہے اسی طرح نفس اور باطن پر بھی دین کا رنگ چڑھ جاتا ہے۔ یہاں ایک دوسری وجہ یہ بھی ہے' کہ بعض مصلحتوں کی بنا پر عیسائیوں کی مخصوص اصطلاح سے مشابہت پیدا کرنی بھی مقصود تھی۔ آیت نمبر14- " **وطور سینین"** آیت نمبر15- " **سلام علی الیاسین"** پہلی آیت میں " **سینین** " " **سینا** " کی جگہ اور دوسری آیت میں " **الیاسین** " " **الیاس** " کی جگہ استعمال ہوا ہے' ان دونوں مقامات پر تبدیلی کی وجہ وہ یکسانیت ہے۔ جو مبدل اور مبدل منہ کے درمیان واضح طور پر موجود ہے۔ اس سے ایک فائدہ تو یہی اٹھایا گیا ہے۔ کہ بیان میں روانی پیدا ہو گئی ہے۔

حرف کی حرف سے تبدیلی: بعض آیات میں ایک حرف کو بدل کر اس کی جگہ پر دوسرا حرف لایا گیا ہے' مثلاً:- آیت نمبر1- " **فلماتجلی ربہ للجبل"** "پس جب ان کے رب نے پہاڑ پر تجلی کی" اس آیت میں " **جبل** " کے ساتھ حرف جار "ل" آیا ہے یہ ل "علی" کی جگہ استعمال ہوا ہے یعنی جس طرح درخت پر پہلی بار تجلی ہوئی تھی۔ آیت نمبر2- " **ہم لہاسابقون"** "وہ لوگ اس کی طرف سبقت کرنے لگے' اس آیت میں "لہا" "الیہا" کی جگہ استعمال ہوا ہے۔ آیت نمبر3- **لایخاف لدی المرسلون الامن ظلم** اس آیت میں " **الا** " "لکن" کی جگہ استعمال ہوا ہے۔ آیت نمبر4- " **لاصلبنکم**

فی جذوع النخل" "ہم تمہیں کھجور کی ٹہنیوں میں پھانسی دیں گے" اس آیت میں " **فی** " " **علی** " کی جگہ استعمال کیا گیا ہے یعنی کھجور کی ٹہنیوں پر۔۔۔ آیت نمبر5- " **ام لہم سلم یستمعون فیہ"** "کیا ان کے پاس سیڑھیاں ہیں جس پر چڑھ کر وہ سنتے ہیں" اس آیت میں " **فی** " " **علیہ** " کی جگہ استعمال ہوا ہے۔ آیت نمبر6- " **السماء منفطر بہ"** یہاں " **بہ** " " **فیہ** " کی جگہ استعمال ہوا ہے۔ آیت نمبر7- " **مستکبرین بہ"** الخ اس آیت میں "بہ" "عنہ" کی جگہ استعمال کیا گیا ہے۔ آیت نمبر8- " **اخذتہ العزتہ بالاثم"** اسے عزت واقتدار نے گناہ میں پکڑ لیا" اس آیت میں " **اخذتہ** " " **حملتہ** " کی جگہ اور "با" "علی" کی جگہ پر استعمال کیا گیا ہے یعنی اسے عزت واقتدار نے گناہ پر آمادہ کر لیا۔" آیت نمبر 9- " **فاسئل بہ خبیرا"** "پس اس کے بارے میں کسی واقف کار سے پوچھو یہاں بھی " **بہ** " " **عنہ** " کی جگہ استعمال ہوا ہے۔ آیت نمبر10- " **لاتاکلوااموالہم الی اموالکم"** "ان کے اموال کو اپنے اموال تک نہ کھا جاؤ" اس آیت میں " **الی** " " **مع** " کی جگہ استعمال کیا گیا ہے یعنی ان کے اموال کو اپنے اموال کے ساتھ ملا کے نہ کھا جاؤ۔ آیت نمبر11- " **الی المرافق"** یہ آیت وضو کا ایک ٹکڑا ہے۔ اس میں " **الی** " اصل میں " **مع** " کی جگہ استعمال کیا گیا ہے' ترجمہ یہ ہو گا' ہاتھ کہنیوں تک دھوؤ لیکن اصل یہ ہے کہ " ہاتھ کہنیوں سمیت دھوؤ" آیت نمبر12- " **یشرب بہاعباداللہ** "اس سے اللہ کے بندے سیراب ہوں گے" اس آیت میں " **بہا** " " **منہا** " کی جگہ استعمال ہوا یعنی اس میں سے سیراب ہوں گے۔ آیت نمبر13- " **وماقدرواللہ حق قدرہ اذقالوامآانزل اللہ علی بشرمن شئی"** اس آیت میں " **اذ** "' " **ان** " کی جگہ استعمال کیا گیا ہے

جملہ کی جملہ سے تبدیلی: کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک پورا جملہ حذف کر کے دوسرا جملہ اس کا قائم مقام بنا دیا جاتا ہے ایسا اس وقت کیا جاتا ہے جب دوسرا جملہ پہلے جملہ کے مفہوم کو بھی ادا کرتا ہوتا ہے اور اس کے وجود پر بھی دلالت کرتا ہے یہ تبدیلی مفہوم کو تو علی حالہ باقی رکھتی ہے لیکن عبارت میں اختصار پیدا کر دیتی ہے' مثلاً: آیت نمبر1- " **وان تخالطوہم فاخوانکم"** "اگر تم اپنے بھائیوں سے ملو تو وہ تمہارے بھائی ہی ہیں اصل مفہوم یہ ہے کہ اگر تم ان لوگوں سے ملو' تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ وہ تمہارے بھائی ہیں اور بھائی کی شان یہی ہے کہ وہ بھائی سے ملتا ہے یعنی اصل جملہ یوں تھا " **ان تخالطوہم لاباس بذلک لانہم اخوانکم وشان الاخ ان یخالط اخاہ"** لیکن مندرجہ بالا ٹکڑے کے علاوہ بقیہ عبارت حذف کر دی گئی ہے کیونکہ اتنا ہی جملہ پوری عبارت کے مفہوم کو ظاہر کر دیتا ہے آیت نمبر2- " **لمثوبتہ من عنداللہ خیر"** الخ "اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنے والا ثواب بہتر ہے' پورا مفہوم یہ ہے کہ انہوں نے ثواب پایا اور اللہ کی طرف سے ملنے والا ثواب بہتر ہے اصل جملہ یوں ہے: **لوجدوا ثوابا ومثوبتہ من عنداللہ خیر** چنانچہ پہلے جملہ کو حذف کر دیا گیا اور دوسرے جملہ کو پہلے جملہ کا قائم مقام کر دیا گیا کیونکہ یہ اس کے مفہوم کو بھی ادا کر دیتا ہے آیت نمبر3- " **ان یسرق فقد سرق اخ لہ من قبل"** "اگر اس نے چوری کی تو اس سے پہلے اس کے بھائی نے بھی چوری کی تھی مفہوم یہ کہ

اگر اس نے چوری کی ہے تو تعجب کی بات نہیں ہے کیونکہ اس سے پہلے اس کا بھائی بھی چوری کر چکا ہے" یعنی پوری عبارت یوں ہے: "**ان سرق فلا عجب لانہ سرق اخ لہ من قبل**" لیکن مندرجہ بالا جملہ کے علاوہ بقیہ عبارت حذف کر دی گئی ہے آیت نمبر4۔ **من کان عدو الجبریل فانہ نزلہ علی قلبک باذن اللہ**" پس جو جبریل کا دشمن ہے تو اللہ ہی نے اسے آپؐ کے قلب پر نازل کیا ہے مفہوم یہ ہے کہ جو شخص جبریل کا دشمن ہے' اللہ اس کا دشمن ہے کیونکہ اسی نے ان کو آپؐ کے قلب پر نازل کیا ہے پس انکا دشمن اس کا سزاوار ہے کہ اللہ اس سے دشمنی کرے گویا اصل جملہ یوں تھا: **من کان عدو الجبریل فان اللہ عدو لہ فانہ نزلہ علی قلبک باذنہ فعدوہ مستحق ان یعادیہ اللہ تعالی**" لیکن مندرجہ بالا مختصر سے جملہ کو اس طویل جملہ کا قائم مقام بنا دیا گیا ہے

نکرہ کی معرفہ سے تبدیلی: کبھی کبھی سلسلہ کلام کا تقاضہ یہ ہوتا ہے کہ کسی مخصوص لفظ کو نکرہ کی حیثیت سے استعمال کیا جائے لیکن اس پر "ل" اور اوصاف کا اضافہ کر کے اسے معرفہ بنا دیا جاتا ہے مگر وہ کلام اپنی اس سابق تنکیر پر رہتا ہے۔ مثلاً: آیت نمبر1۔ "**و قیلہ یارب**" "اور اس سے کہا کہ اے رب قیلہ اصل میں **قیل لہ** تھا لیکن اسے **قیلہ** سے بدل دینے کی وجہ سے کلام میں اختصار پیدا ہو گیا۔ آیت نمبر 3۔ "**حق الیقین**" "جیسا یقین کا حق ہے" یہ اصل میں "**حق یقین**" تھا لیکن یقین پر "ال" کا اضافہ اس لئے کیا گیا ہے' تاکہ تلفظ میں سہولت پیدا ہو جائے

جنس اور عدد کی تبدیلی: کبھی کبھی کلام کی فطری ساخت اور ترتیب کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ ضمیر مذکر استعمال کی جائے کبھی کلام کی ساخت ضمیر مونث کا مطالبہ کرتی ہے کبھی جملہ کی ترتیب کے لحاظ سے مفرد کے استعمال کی ضرورت ہوتی ہے لیکن ان تمام صورتوں میں عمل اس کے خلاف کیا جاتا ہے یعنی ضمیر مذکر کی جگہ مونث اور ضمیر مونث کی جگہ ضمیر مذکر استعمال کی جاتی ہے اور لفظ مفرد کے بجائے جمع کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ یہ تبدیلی جملہ کے اصل مفہوم سے مناسبت رکھتی ہے مثلاً: آیت نمبر1۔ "**فلما رای الشمس بازغۃ قال ھذا ربی ھذا اکبر**" اس آیت میں اسم اشارہ مذکر بجائے مونث کے استعمال ہوا ہے آیت نمبر2۔ "**مثلھم کمثل الذی استوقد نارا فلما اضاءت ما حولہ ذھب اللہ بنورھم**" (اس آیت میں ضمیر جمع بجائے ضمیر مفرد لائے ہیں اسی طرح کبھی کبھی تثنیہ کی جگہ بھی مفرد استعمال کیا جاتا ہے: آیت نمبر1۔ "**الا ان اغناھم اللہ و رسولہ من فضلہ**" اس آیت میں "**اغنی**" فعل مفرد ہے' اس کے فاعل اللہ اور رسول دونوں ہیں اس اعتبار سے فعل مفرد کے بجائے تثنیہ ہونا چاہئے تھا' یہی حال "**فضلہ**" کی ضمیر کا بھی ہے جو مفرد ہے' حالانکہ اس کا مرجع اللہ و رسول دونوں ہیں اس لحاظ سے ضمیر بھی تثنیہ ہی ہونی چاہئے تھی لیکن چونکہ اللہ اور رسول دونوں کی ایک ہی حیثیت ہے اس وجہ سے فعل اور ضمیر دونوں کو مفرد ہی استعمال کیا گیا ہے آیت نمبر2۔ "**ان کنت علی بینۃ من ربی و اتانی رحمۃ من عندہ فعمیت علیکم**" "**عمیت**" کا تعلق یہاں بھی "**بینۃ**" اور "**رحمۃ**" دونوں سے ہے لہٰذا لفظ مفرد کی بجائے تثنیہ یعنی "**عمیتا**" ہونا چاہئے تھا لیکن چونکہ "**بینۃ**" اور "**رحمۃ**" کی حیثیت ایک ہی

ہے لہٰذا یہاں بھی مفرد ہی استعمال کیا گیا

اجزائے جملہ کی تبدیلی: کبھی جملہ کی ساخت اور مزاج کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ جزاء شرط اور جواب قسم وغیرہ کو جملہ میں ان کی اپنی اصلی شکل میں استعمال کیا جائے لیکن انہیں ایک دوسرا مستقل جملہ بنا دیا جاتا ہے کیونکہ یہ تبدیلی جملہ سابقہ کے اصل مفہوم سے مناسبت رکھتی ہے البتہ کوئی ایسا قرینہ ضرور قائم کر دیا جاتا ہے۔ جو کسی نہ کسی حیثیت سے اس تبدیلی پر دلالت کرتا رہتا ہے۔ مثلاً: آیت نمبر1۔ "**والنازعات غرقا والناشطات نشطا والسابحات سبحا فالسابقات سبقا فالمدبرات امرا یوم ترجف الراجفۃ**" اس آیت میں شروع سے آخر تک قسمیں کھائی گئی ہیں لیکن جواب قسم کا ذکر نہیں کیا گیا' مطلب یہ ہے کہ "حشر و نشر برحق ہے" اور جواب قسم بھی یہی تھا لیکن اس کے بجائے ایک دوسرا جملہ "**یوم ترجف الراجفۃ**" لایا گیا ہے اور یہی جملہ اصل مفہوم کی وضاحت بھی کرتا ہے آیت نمبر2۔ "**والسماء ذات البروج والیوم الموعود وشاھد ومشھود قتل اصحاب الاخدود**" اس آیت میں بھی پہلی آیت کی طرح جواب قسم کا ذکر نہیں ہے' مطلب یہ ہے کہ اعمال کی جزا برحق ہے آیت نمبر3۔ "**اذا السماء انشقت واذنت لربھا وحقت واذا الارض مدت والقت ما فیھا وتخلت واذنت لربھا وحقت۔ یا ایھا الانسان انک کادح**" اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اعمال کی جزا اور حساب یقینی ہے لیکن یہاں بھی شرط ہی کا ذکر کیا ہے اور جزاء کا ذکر نہیں ہے

اسلوب کی تبدیلی: کبھی کبھی کلام کے اسلوب میں بھی تبدیلی کی گئی ہوتی ہے لیکن کلام کے اسلوب کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ خطاب کی حیثیت سے کلام کیا جائے لیکن غائب کی حیثیت سے کلام کیا جاتا ہے آیت نمبر 1۔ "**حتی اذا کنتم فی الفلک وجرین بھم بریح طیبۃ**" کنتم میں جمع مخاطب کی ضمیر ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ پورا جملہ مخاطب ہی کی حیثیت سے مکمل کیا جاتا ہے لیکن اسلوب بدل دیا گیا ہے اور غائب کا صیغہ یعنی "**جرین**" استعمال کیا گیا اسی طرح کبھی اسلوب بدل کے خبر کو انشاء اور انشاء کو خبر بنا دیا جاتا ہے اور جملہ خبریہ' انشائیہ اور جملہ انشائیہ خبریہ بن جاتا ہے۔ مثلاً آیت نمبر1۔ "**فامشوا فی مناکبھا**" "**امشوا**" امر کا صیغہ ہے' جو انشاء کی ایک قسم ہے اس کے استعمال کی وجہ سے جملہ انشائیہ ہو گیا حالانکہ مفہوم کے اعتبار سے جملہ خبریہ تھا اور **امشوا** اصل میں "**لتمشوا**" تھا' جو مضارع کا صیغہ ہے آیت نمبر2۔ "**ان کنتم مومنین**" "اگر تم مومن ہو" ان حرف شرط ہے شرط بھی انشاء ہی کی ایک قسم ہے جس کی وجہ سے یہ جملہ انشائیہ ہو گیا حالانکہ اصل جملہ خبریہ یعنی: "**ایمانکم یقتضی ھذا**" تھا یعنی تمہارے ایمان کا یہی تقاضا ہے آیت نمبر3۔ "**ومن اجل ذلک کتبنا علی بنی اسرائیل**" "اس کی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل پر فرض کر دیا۔" اس آیت کا اصل مفہوم یہ ہے کہ "بنی آدم کی حالت پر قیاس کر کے بنی اسرائیل پر فرض کر دیا" یا بنی آدم کی حالت کی مثال کی وجہ سے بنی اسرائیل پر فرض کر دیا لیکن "بنی آدم کی حالت پر قیاس" "یا" بنی آدم کی حالت کی مثال کو "**من اجل ذلک**" (اس کی وجہ سے) سے بدل دیا ہے کیونکہ قیاس کسی علت یا سبب کی بنیاد پر کیا جاتا ہے' لہٰذا اس کی حیثیت "تعلیل یا توجیہ" سے زیادہ نہیں ہوتی اسی سے

بچنے کے لئے یہ تبدیلی عمل میں لائی گئی ہے آیت نمبر4- **"ارایت"** "کیا تم نے دیکھا" یہ استفہام کا صیغہ ہے جو رویت سے بنایا گیا ہے جس کے معنی دیکھنا ہیں لیکن یہاں اسے استفہام کے معنی سے نقل کر کے تنبیہ کے معنی میں استعمال کیا ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں کو متوجہ کیا جائے تاکہ وہ اصل کلام سننے کے لئے آمادہ ہو جائیں جیسا کہ ہمارے روز مرہ اور محاورہ میں بھی بولا جاتا ہے "کہ کیا آپ نے دیکھا" "کیا آپ نے سنا اور یہاں بھی مقصد یہی ہوتا ہے کہ مخاطب پوری طرح متوجہ ہو جائے

تقدیم و تاخیر: کبھی کبھی جملہ کی ترتیب میں کلمات کی تقدیم و تاخیر کی وجہ سے بھی اصل مفہوم کے سمجھنے میں دشواری ہو جاتی ہے' ذیل کے مشہور شعر سے اس کا اندازہ ہو سکتا ہے

بثنتشلہاسلبت فوادی　　　بلاجرم اتیت بہسلاما

بعید سے تعلق: کبھی ایسا ہوتا ہے لفظ کا تعلق کسی دور کے لفظ یا دور کے معنی سے ہوتا ہے جس کی وجہ سے اس کی طرف جلدی ذہن منتقل نہیں ہوتا اور اصل مطلب کے سمجھنے میں دشواری ہو جاتی ہے

بعض دوسرے اسباب: اسی انداز کے اور بھی تصرفات ہیں جو مطلب کو دشوار بناتے رہتے ہیں' مثلاً مسلسل استثناء کا استعمال ' آیت نمبر1- **"الا آل لوطا انا لمنجوھم اجمعین الا امراتہ"** "سوائے آل لوط کے ہم نے تمام لوگوں کو نجات دی- سوائے ان کی بیوی کے "استثناء سے آیت کا آغاز ہوا ہے اور آخر میں دوبارہ پھر استثناء لایا گیا ہے جس کی وجہ سے اس کا مفہوم متعین کرنا دشوار ہو جاتا ہے آیت نمبر2- **"فما یکذبک بعد بالدین"** اس آیت کا مفہوم متعین کرنے میں اس وجہ سے دشواری ہوتی ہے کہ یہ اس آیت سے بالکل متصل واقع ہے **"لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم"** ہم نے انسان کو بہترین کینڈے پر پیدا کیا چونکہ دونوں آیات میں بظاہر کسی قسم کا ربط نظر نہیں آتا اس وجہ سے پہلی آیت کا مفہوم سمجھنے میں دشواری ہوتی ہے آیت نمبر3- **"یدعو لمن ضرہ اقرب من نفعہ"** ترجمہ ہوگا اس کے لئے بلاتے ہیں جس کا ضرر اس کے نفع سے زیادہ قریب ہے حالانکہ مفہوم یہ ہے کہ اس کو بلاتے ہیں جس کا ضرر اس کے نفع سے زیادہ قریب ہے "یعنی آیت میں "لمن" کو "من" کی جگہ استعمال کیا گیا ہے اس کی وجہ سے اصل مفہوم سمجھنے میں دشواری ہوتی ہے آیت نمبر4- **"لتنوء بالعصبۃ اولی القوۃ"** اس کا صحیح مفہوم حقیقت میں یہ ہے **"لتنوء العصبۃ بہا"** لیکن چونکہ اسلوب بھی بدل دیا ہے اور الفاظ میں بھی تھوڑی سی تبدیلی ہو گئی ہے- اس وجہ سے مفہوم متعین کرنے میں دشواری ہوتی ہے آیت نمبر5- **"وامسحوا بروسکم وارجلکم** ترجمہ یہ ہوگا کہ اپنے سروں اور قدموں پر مسح کرو" حالانکہ مفہوم یہ ہے کہ اپنے سر پر مسح کرو اور اپنے قدموں کو دھوؤ" مفہوم متعین کرنے میں اس دشواری کی اصل وجہ یہ ہے کہ **"ارجلکم"** کا تعلق دور کے فعل **"اغسلوا"** سے ہے لیکن چونکہ قریب کا فعل **"وامسحوا"** ہے اس وجہ سے اس کا تعلق اسی فعل سے معلوم ہوتا ہے اور مطلب سمجھنا دشوار ہو جاتا ہے آیت نمبر6- **"ولولا کلمۃ سبقت من ربک لکان لزاما واجل مسمی"** اس آیت کا مفہوم سمجھنے میں دشواری اس

وجہ سے ہوتی ہے کہ ایک تو اس کی ترتیب میں بھی تھوڑی سی تبدیلی ہوئی ہے اور بعض الفاظ کا اضافہ بھی ہوا ہے' اصل مطلب یہ ہے کہ: **"ولولا کلمۃ سبقت واجل مسمی لکان لزاما"** درمیان میں "من ربک" کا اضافہ ہوا ہے اور اس کے بعد کے دونوں فقروں کی ترتیب بدلی ہوئی ہے یعنی "اجل مسمی" کلمہ پر معطوف ہے آیت نمبر7- **"ان لا تفعلوہ تکن فتنۃ"** "اگر تم نے اسے نہ کیا تو فتنہ کا باعث ہوگا" اس آیت کا صحیح مفہوم متعین کرنے میں اس وجہ سے دشواری ہوتی ہے کہ اس کے فوراً ہی بعد یہ آیت موجود ہے: **"فعلیکم النصر"** "پس تمہارے اوپر مدد کرنا فرض ہے" اس آیت کا مندرجہ بالا آیت سے تعلق کیا ہے؟ یہی مسئلہ دشوار ثابت ہوتا ہے آیت نمبر8- **"الا قول ابراھیم"** "سوائے حضرت ابراہیم کے قول کے "اس آیت کے مفہوم میں دشواری کی وجہ یہ ہے کہ حسب ذیل آیت سے بالکل متصل ہے" **کانت لکم اسوۃ حسنۃ فی ابراھیم"** "تمہارے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی میں عمل کے بہترین نمونے ہیں چونکہ اس حکم اور مندرجہ بالا استثناء کے تطابق میں دشواری ہو جاتی ہے اس وجہ سے مفہوم کے تعین میں دشواری ہو جاتی ہے آیت نمبر9- **"یسئلونک کانک حفی عنہا"** اس آیت کے مفہوم کے متعین کرنے میں دشواری کی وجہ اس کے کلمات کی ترتیب کی تبدیلی ہے **"عنہا"** کا اصل مقام **"یسئلونک"** کے بعد ہے لیکن جملہ میں **"حفی"** کے بعد آیا ہے' اس وجہ سے اصل متعلق سے اس کا تعلق سمجھنے میں دشواری ہوتی ہے اور پورے جملہ کا مفہوم دشوار ہو جاتا ہے۔

اصول قواعد کے علاوہ کلام کی فطری ترتیب اور ساخت کے علاوہ بھی بعض چیزیں ایسی ہیں جو مفہوم متعین کرنے میں دشواریاں پیدا کرتی رہتی ہیں:

(الف) کبھی یہ دشواری کسی صفت کے استعمال کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے' مثلاً: آیت نمبر1- **"ولا طائر یطیر بجناحیہ"** "اور نہ کوئی ایسا پرندہ جو اپنے بازوؤں پر پرواز کر رہا ہو-" آیت نمبر2- **"ان الانسان خلق ھلوعا اذا مسہ الشر جزوعا واذا مسہ الخیر منوعا"**

(ب) کبھی مطلب سمجھنے میں دشواری کسی فقرہ کی تکرار کی وجہ سے ہوتی ہے- مثلاً: **"للذین استضعفوا لمن امن منھم"** ان لوگوں کے لئے جو کمزور سمجھ لئے گئے ان کے لئے جو ان لوگوں میں سے ایمان لائے-

(ج) کبھی ایک جملہ کے ساتھ دوسرا جملہ عطف تفسیری کی حیثیت سے استعمال ہوتا ہے لیکن دوسرے جملے کی حیثیت کا علم نہ ہونے کی وجہ سے پورے جملہ کا مفہوم دشوار ہو جاتا ہے- مثلاً **"حتی اذا بلغ اشدہ وبلغ اربعین سنۃ"** "یہاں تک کہ جب وہ پختگی کی عمر کو پہنچا اور چالیس سال کی عمر کو پہنچا" اس آیت میں اصل فقرہ **"حتی اذا بلغ اشدہ"** ہے و حرف عطف اور دوسرا فقرہ **وبلغ اربعین سنۃ"** عطف تفسیری ہے یعنی دوسرے فقرہ کا چالیس سال پہلے فقرہ کے "پختگی کی عمر" کی تفسیر اور وضاحت کرتا ہے لیکن اگر دوسرے فقرے کی اس حیثیت کا علم نہ ہو تو پورے جملہ کا مفہوم دشوار ہوگا۔

(ا) کبھی کسی لفظ یا کسی حرف کی تکرار کی وجہ سے بھی مفہوم سمجھنے میں دشواری ہوتی ہے۔ مثلاً: آیت نمبر1۔

"وما یتبع الذین یدعون من دون اللہ شرکاء ان یتبعون الا الظن"

"اور نہیں پیروی کرتے وہ لوگ جو پکارتے ہیں اللہ تعالیٰ کے علاوہ دوسرے شریکوں کو وہ نہیں پیروی کرتے مگر گمان کی" اس آیت میں چونکہ نہیں پیروی کرتے **وما یتبع** کی تکرار کی گئی ہے۔ ایک بار یہی لفظ شروع میں کیا ہے اور دوسری بار آخر سے کچھ پہلے اس وجہ سے یہ سمجھنے میں دشواری ہوتی ہے کہ کس کا تعلق کس سے ہے ورنہ اصل مفہوم یہ ہے: **"وما یتبع الذین یدعون من دون اللہ شرکاء ان یتبعون الا الظن"** اور نہیں پیروی کرتے وہ لوگ جو پکارتے ہیں اللہ تعالیٰ کے علاوہ دوسرے شریکوں کو وہ نہیں پیروی کرتے مگر گمان کی" آیت نمبر2۔ **"ولما جاءھم کتاب من عند اللہ مصدق لما معھم وکانو من قبل یستفتحون علی الذین کفروا فلما جاءھم ما عرفوا کفروا بہ"** "اور جب ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے کتاب آئی جو ان چیزوں کی تصدیق کرنے والی تھی جو ان لوگوں کے پاس تھیں اور جس کے ذریعہ وہ کافروں پر غلبہ حاصل کیا کرتے تھے پس جب وہ ان کے پاس آئی تو وہ اسے پہچان نہ سکے اور اس کا انکار کر دیا۔" چونکہ اس آیت میں "لما جاءہ" کی تکرار ہوئی ہے اور اسے دوبارہ لایا گیا ہے' اس وجہ سے مفہوم متعین کرنے میں دشواری ہوتی ہے آیت نمبر3۔ **"ولیخش الذین لو ترکوا من خلفھم ذریۃ ضعافا خافوا علیھم فلیتقوا اللہ"** "اور وہ لوگ ڈرتے ہیں کہ اگر اپنے بعد کمزور بچے چھوڑ گئے تو انہیں ان کے حال پر خوف آتا ہے پس چاہئے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ڈریں۔" اس آیت میں بھی خوف کا ذکر دوبارہ کیا گیا ہے۔ اسی تکرار کی وجہ سے آیت کا مفہوم سمجھنے میں دقت ہوتی ہے آیت نمبر4۔ **"یسئلونک عن الاھلۃ قل ھی مواقیت للناس والحج"** "آپؐ سے لوگ چاند کے بارے میں پوچھتے ہیں ان سے کہہ دیجئے۔ کہ یہ لوگوں کے لئے وقت معین کرنے اور حج کا ذریعہ ہے۔ یعنی یہ چاند لوگوں کے لئے تاریخ نما ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسی کے ذریعے کیلنڈر کی درستی کا بھی حکم دیا ہے اور اسی کے ذریعہ حج کی تاریخیں بھی متعین کی جاتی ہیں لیکن اس کے بجائے صرف اتنا کہہ دیا جاتا کہ: **"ھی مواقیت للناس فی حجھم"** یعنی چاند لوگوں کے لئے حج کی تاریخیں متعین کرنے کا ایک ذریعہ ہے تو کلام مختصر ہو جاتا لیکن اختصار کے بجائے اطناب اختیار کیا گیا ہے اس سے یہ فائدہ ہوا ہے کہ چاند صرف حج ہی کی تاریخیں معین کرنے کا ذریعہ نہیں رہ گیا بلکہ زندگی کے تمام معاملات میں وقت کا معیار قرار دیا گیا آیت نمبر5۔ **"لتنذر ام القری ومن حولھا وتنذر یوم الجمع"** تاکہ ڈرایا جائے مکہ والوں کو اور ان کو جو مکہ کے اطراف میں ہیں اور ڈرایا جائے اس دن سے جس دن لوگ اکٹھا ہوں گے" اس آیت کے مفہوم میں دشواری اس وجہ سے ہوتی ہے کہ **تنذر** کا لفظ دوبار استعمال کیا گیا ہے' ایک بار توام القریٰ کے ساتھ اور دوسری بار یوم الجمع کے ساتھ' اس استعمال کی وجہ سے دونوں باتیں ایک دوسرے سے الگ معلوم ہوتی ہیں۔ حالانکہ یہ الگ نہیں ہیں اس آیت کا اصل مفہوم یہ ہے کہ: **"تنذر ام القری یوم الجمع"** مکہ والوں کو اس دن سے ڈرایا جائے جس دن تمام لوگ اکٹھا ہوتے ہیں آیت نمبر6۔ **"وتری الجبال تحسبھا جامدۃ"** "اور تم پہاڑوں کو دیکھو گے۔ تو انہیں منجمد اور ٹھوس محسوس کرو گے۔" اس آیت میں **"تحسبھا"** کا لفظ زیادہ ہے جس کی وجہ سے مفہوم میں الجھن پیش آتی ہے کیونکہ اس کا مقصد صرف "تریٰ" سے پورا ہو جاتا ہے لیکن یہ اضافہ

اس لئے کیا گیا ہے کہ تریٰ کا اصل مادہ یعنی "رویت" مختلف معنوں میں استعمال ہوتا ہے اور اگر کوئی قرینہ موجود نہ ہو' تو اصل مفہوم متعین کرنا دشوار ہو جاتا ہے۔ اس وجہ سے **"حسبان"** کے مادہ سے بھی کام لیا گیا تاکہ "رویت" کا جو مفہوم یہاں ہے متعین ہو جائے آیت نمبر7۔ **"کان الناس امۃ واحدۃ فبعث اللہ النبیین مبشرین ومنذرین وانزل معھم الکتاب بالحق لیحکم بین الناس فیما اختلفوا فیہ وما اختلف فیہ الا الذین اوتوہ من بعد ما جاءتھم البینت بغیا بینھم فھدی اللہ الذین امنوا لما اختلفوا فیہ من الحق باذنہ واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم"** تمام لوگ ایک ہی قوم تھے' پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے درمیان بشارت دینے والے اور ڈرانے والے انبیاء بھیجے اور ان کے ہمراہ کتاب برحق بھی نازل فرمائی تاکہ وہ لوگوں کے درمیان واقع ہونے والے اختلافات کا فیصلہ کر سکیں اور اس کے بارے میں اختلاف نہیں کرتے تھے لیکن وہی لوگ جن کے درمیان کتاب نازل کی گئی تھی یہ اختلاف ان کے درمیان محض سرکشی اور نافرمانی کی وجہ سے اس وقت پیدا ہوئے تھے' جب کہ اللہ تعالیٰ واضح آیات بھیج چکا تھا پس اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کے اختلافات کے سلسلہ میں ان کی حق کی طرف راہ نمائی کی اور اللہ جسے چاہتا ہے اس کو صراط مستقیم کی طرف ہدایت کر دیتا ہے۔ مندرجہ بالا سلسلہ آیات ایک ایسی عبارت ہے۔ جس کا ہر ایک کلمہ ایک دوسرے سے پیوست اور مربوط ہے اس کے باوجود درمیان میں **"وما اختلف فیہ الا الذین اوتوہ"** کا اضافہ کیا گیا تاکہ **"اختلفوا"** کی ضمیر کی وضاحت ہو جائے اور یہ امر صاف ہو جائے کہ یہ اختلاف اسی امت کے درمیان واقع ہوا تھا جس کے پاس کتاب بھیجی گئی تھی اور یہ اختلاف نزول کتاب کے بعد واقع ہوا تھا اور اس اختلاف کی اصل وجہ یہ تھی کہ وہ کتاب کی بعض باتوں کو مانتے تھے اور بعض باتوں کو نہیں مانتے تھے۔

ایک اور مقام: قرآن مجید میں کہیں کہیں یہ انداز بھی اختیار کیا گیا ہے کہ فاعل یا مفعول کو ان کی اصل شکل میں استعمال کرنے کے بجائے ان پر حرف جار کا اضافہ کر دیا گیا ہے اور اسی حرف جار کے ذریعہ اسے فعل کا معمول بنایا گیا ہے اور اس انداز کے اختیار کرنے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ معنی وصل میں تاکید پیدا کی جائے' مثلاً آیت نمبر1 **"یوم یحمی"** یہاں **"ھی"** کے معنی مراد ہیں۔ آیت نمبر2 **وقفینا علی اثارھم بعیسی ابن مریم** "اور ہم نے پیچھا کیا ان کا ان کے نقوش قدم پر عیسیٰ ابن مریم کے ذریعہ سے" یہاں جو کچھ کہا گیا ہے' وہ صرف اتنا ہے **قفیناھم بعیسی ابن مریم** ہم نے ان کے پیچھے عیسیٰ بن مریم کو روانہ کیا۔" اس مقام پر ایک نکتہ یہ بھی ذہن میں رکھنا چاہئے۔ کہ واو جو عام طور سے عطف کے لئے استعمال ہوتا ہے اکثر مقامات پر معنے وصل کی تاکید کے لئے استعمال کیا جاتا ہے' عطف کے لئے نہیں' مثلاً: آیت نمبر1۔ **"اذا وقعت الواقعۃ"** آیت نمبر2۔ **"وکنتم ازواجا ثلثۃ"** آیت نمبر3۔ **"وفتحت ابوابھا"** آیت نمبر4 **ولیمحص اللہ** مندرجہ بالا چاروں آیتوں میں واو جہاں جہاں بھی استعمال ہوا ہے وہاں معنی وصل کی تاکید کے لئے ہی استعمال ہوا ہے اسی طرح بعض مقامات پر فا کا بھی استعمال ہے کہ وہ کلمہ کے ساتھ موجود تو ہوتا ہے لیکن معنی نہیں دیتا وہ ایک حرف زائد ہوتا ہے جس کا استعمال محض حسن کلام

کے لئے کیا جاتا ہے علامہ قسطلانی نے کتاب حج کی شرح میں جہاں اس امر سے بحث کی ہے کہ عمرہ کی نیت باندھنے والا اگر طواف عمرہ بجالانے کے بعد مکہ سے روانہ ہو جائے تو اس کے لئے طواف وداع بجالانا بھی ضروری ہے یا نہیں۔ وہاں لکھا ہے کہ "اگر صفت اور موصوف کے درمیانی رابطہ میں تاکید پیدا کرنا مقصود ہو تو صفت اور موصوف کے درمیان حرف عطف کا استعمال جائز ہے۔" مثلاً آیت نمبر1۔ **اذ یقول المنافقون والذین فی قلوبھم مرض** ترجمہ: جب منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں مرض ہے کہتے ہیں۔ مندرجہ بالا آیت میں حرف عطف کے استعمال کی وجہ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ منافقین دوسرے ہیں اور وہ لوگ جن کے دلوں میں مرض ہے دوسرے ہیں حالانکہ حقیقت اس کے برخلاف ہے۔ منافقین اور دلوں میں مرض رکھنے والے ایک ہی ہیں' دوسرا ٹکڑا اصل میں منافقین کی صفت ہے' صفت اور موصوف کے درمیان حرف عطف محض کلام میں زور پیدا کرنے کے لئے استعمال ہوا ہے۔ مشہور نحوی سیبویہ نے اس آیت سے بحث کرتے ہوئے یہ لکھا ہے کہ اس آیت کا انداز وہی ہے جو مندرجہ ذیل جملہ کا ہے۔ "**مررت بزید و صاحبک**" میں زید اور تمہارے دوست کے ساتھ گزرا اس جملہ میں اگر "تمہارے دوست" سے بھی زید ہی مراد ہو تو اس صورت میں زید موصوف ہو گا اور "**صاحبک**" صفت حالانکہ دونوں کے درمیان حرف عطف موجود ہے یہی صورت مندرجہ بالا آیت کی بھی ہے۔ علامہ زمخشری نے مندرجہ ذیل آیت کے بارے میں لکھا ہے کہ: "**وما اھلکنا من قریۃ الا ولھا کتاب معلوم**" "اور ہم نے کسی ایسے قریہ کو ہلاک نہیں کیا ہے جس کے پاس کتاب معلوم نہ ہو۔ مندرجہ بالا آیت میں "**ولھا کتاب معلوم**" صفت ہے اور قریہ موصوف' دونوں کے درمیان حرف عطف محض معنے و معنی کی تاکید کے لئے استعمال کیا گیا ہے جیسا کہ مندرجہ ذیل آیت میں یہی انداز اختیار کیا گیا ہے "**وما اھلکنا من قریۃ الا لھا منذرون**" ہم کسی قریہ کو اس وقت تک تباہ نہیں کرتے' جب تک اس میں ڈرانے والے نہ پہنچ جائیں۔" اس آیت میں حرف الا کو صفت و موصوف کے درمیان واسطہ بنایا گیا ہے اور یہاں بھی مقصد یہی ہے کہ صفت اور موصوف کے باہمی تعلق میں تاکید پیدا ہو جائے ان آیات کا انداز بالکل ایسا ہے جیسے یہ کہتا ہو کہ: "**جاءنی زید علیہ ثوب**" زید میرے پاس لباس پہنے ہوئے آیا لیکن یہی جملہ یوں بھی لکھا جا سکتا ہے: "**جاءنی وعلیہ ثوب**" وہ آیا اور اس کے جسم پر لباس تھا ظاہر ہے کہ دونوں فقروں میں ظاہری حیثیت سے محض حرف عطف استعمال کرنے اور نہ کرنے کا فرق ہے ورنہ معنی کے اعتبار سے دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔

انتشار ضمیر: اور کبھی کبھی قرآن کا صحیح مفہوم سمجھنے میں دشواری اس وجہ سے ہوتی ہے کہ ضمیر متعین نہیں ہوتی' اور کبھی اس وجہ سے دشواری پیش آتی ہے کہ ایک ہی لفظ سے دو معنی مراد ہوتے ہیں اور کسی ایک معنی کے حق میں فیصلہ دشوار ہوتا ہے مثلاً آیت نمبر1 وانہم لیصدونہم عن السبیل ویحسبون انہم مہتدون اس آیت کا لفظی ترجمہ یہ ہو گا "اور وہ سب انہیں صحیح راستہ سے روک دیتے ہیں' اور وہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ لوگ سیدھے راستے پر ہیں۔" اس آیت میں تین ضمیریں استعمال کی گئی ہیں' لیکن تینوں کی تینوں غیر متعین ہیں اس کی وجہ سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ سیدھے راستے سے روکنے والے کون لوگ ہیں اور گمراہ ہو کر اپنے آپ کو ہدایت یافتہ سمجھنے والے کون ہیں؟ اگر ضمیروں کو متعین کر دیا جائے' تو اصل عبارت یوں ہو گی: ان الشیاطین لیصدون الناس عن السبیل ویحسب الناس انہم مہتدون یعنی شیاطین لوگوں کو سیدھے راستہ سے بہکا دیتے ہیں لیکن لوگ یہی سمجھتے ہیں کہ وہ ہدایت یافتہ ہیں اور سیدھی راہ پر ہیں' اور قال قرینہ میں ایک جگہ شیطان مراد ہے اور دوسری جگہ فرشتہ یہ مثال ایک کلمہ سے دو معنی مراد لینے کی ہے۔ آیت نمبر2 یسئلونک ماذا ینفقون قل ما انفقتم من خیر "لوگ آپ" سے یہ سوال کرتے ہیں کہ کیا صرف کریں کہہ دیجئے کہ جو کچھ بھی مال صرف کرو بھلائی سے۔ آیت نمبر3 ویسئلونک ماذا ینفقون قل العفو "لوگ آپ" سے یہ پوچھتے ہیں کہ وہ کیا صرف کریں کہہ دیجئے جو کچھ باقی بچے" پہلی آیت کا مفہوم یہ ہے کہ جو کچھ بھی مال صرف کریں بہتر ہے اور یہ جواب ان کے سوال کے اعتبار سے درست بھی ہے کیونکہ انہوں نے سوال مصرف کے متعلق کیا تھا اور انفاق کی مصرف کے اعتبار سے مختلف قسمیں ہو سکتی ہیں اور انسان جس قسم کے مصرف میں بھی انفاق کر سکے بہتر ہی ہے دوسری آیت کے جواب سے پتہ چلتا ہے کہ سوال براہ راست مال کی مقدار کے متعلق تھا لہٰذا ان کے لئے یہی جواب ہو سکتا تھا کہ جو کچھ ان کی ضروریات سے بچے اسے راہ خدا میں خرچ کریں۔ اسی طرح کبھی کبھی بعض الفاظ کے مختلف مقامات پر مختلف معانی میں استعمال کی وجہ سے بھی صحیح مفہوم کے تعین میں دشواری ہو جاتی ہے "جعل" اور "شئی" اور اسی طرح کے بعض الفاظ اور بھی ہیں جو مختلف معانی میں استعمال ہوتے رہتے ہیں' مثلاً: (الف) جعل" کو کبھی "خلق" یعنی تخلیق اور پیدائش کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے۔ جعل الظلمات و النور "اس نے اندھیرے اور نور کو پیدا کیا" (ب) اور کبھی اعتقد یعنی عقیدہ اور اعتقاد کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے: وجعلو اللہ مماذرا "اللہ کے بارے میں ان کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ بھی ان کی دیکھی ہوئی چیزوں کی طرح کی کوئی چیز ہے۔" اسی طرح شئی کو بھی کبھی فاعل کی جگہ پر استعمال کیا جاتا ہے' اور کبھی مفعول بہ کے معنی میں اور کبھی مفعول مطلق کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے' مثلاً: آیت نمبر1 ام خلقوا من غیر شئی "کیا وہ بغیر کسی چیز کے پیدا کئے گئے ہیں؟" یہاں "شئی" کو "خالق" کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے یعنی کیا وہ بغیر کسی پیدا کرنے والے کے پیدا ہو گئے ہیں۔ آیت نمبر2 فلا تسئلنی عن شئی "پس مت سوال کرو تم مجھ سے کسی شئے کے بارے میں" یعنی کسی ایسی چیز کے بارے میں سوال نہ کرو جس پر میرے امور میں سے کسی امر کسی عظیم خبر یا کسی عظیم حادثہ کا انحصار ہو' کبھی ایسا بھی ہوتا ہے' کہ خبر کا ذکر کیا جاتا

ہے، لیکن مراد وہ واقعہ ہوتا ہے جس سے خبر متعلق ہوتی ہے۔ نبا عظیم "عظیم خبر" لیکن اس سے مراد وہ عجیب و غریب قصہ ہے جس کے متعلق یہ فقرہ استعمال کیا گیا ہے۔ اسی طرح خیر اور شر۔ یا ایسے الفاظ جو خیر و شر کے معنی دیتے ہوں، یہ بھی مختلف مقامات پر مختلف معنوں میں استعمال ہوتے ہیں اور دوسری مثالوں کی طرح ہر مقام پر یہ فیصلہ کرنے میں دشواری ہوتی ہے کہ یہاں کون سے معنی مراد ہیں۔

انتشار آیات: آیات کا انتشار بھی دشوار مقامات میں سے ایک ہے کیونکہ ان کے جگہ سے بے جگہ ہونے کی وجہ سے مطلب الجھ کے رہ جاتا ہے مثلاً کوئی آیت اس قسم کی ہے کہ مفہوم کے اعتبار سے اس کا صحیح مقام قصہ کا اختتام ہے لیکن اس کے ذکر میں سبقت کر کے اسے قصہ کی تکمیل سے پہلے لاتے ہیں اس کے بعد قصہ کو نئے سرے سے آگے بڑھاتے اور اسے ختم کرتے ہیں۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کوئی آیت نزول کے اعتبار سے تو مقدم ہوتی ہے لیکن تلاوت میں متوخر ہو گئی ہے، اس سے بھی مفہوم میں الجھاؤ پیدا ہوتا ہے اور مطلب سمجھنا دشوار ہو جاتا ہے مثلاً:- قد نری تقلب وجھک "ہم تمہارے چہرے کا بار بار موڑنا دیکھتے ہیں" یہ آیت نزول کے اعتبار سے مقدم ہے اور:- سیقول السفہاء "عنقریب احمق لوگ کہیں گے" یہ آیت نزول کے اعتبار سے متوخر ہے لیکن تلاوت میں دونوں کی ترتیب بدل گئی ہے، یہ مقدم ہو گئی اور پہلی متوخر ہو گئی۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کفار کا قول نقل کیا جا رہا ہوتا ہے اور درمیان میں اس کا جواب لایا جاتا ہے، اس کے بعد ان کے اصل کلام کو مکمل کیا جاتا ہے سوال و جواب کے اس طرح غلط ملط ہو جانے کی وجہ سے بھی مطلب سمجھنے میں دشواری ہوتی ہے مثلاً ولا تومنوا الا لمن تبع دینکم قل ان الھدی ھدی اللہ ان یوتی احد مثل ما اوتیتم "اور نہ ایمان لاؤ، مگر اس پر جو تمہارے دین کی پیروی کرے، کہہ دیجئے کہ صحیح ہدایت اللہ تعالیٰ ہی کی ہدایت ہے اور اگر کسی کو وہی دین دیا جائے جو تمہیں دیا گیا تھا" اس آیت میں قل ان الھدی ھدی اللہ کہہ دیجئے کہ صحیح ہدایت اللہ ہی کی ہدایت ہے یہ کافروں کا جواب ہے اس سے پہلے اور بعد کا ٹکڑا کافروں کا اصل کلام ہے کلام کی اس ترتیب نے اصل مفہوم کو الجھا دیا ہے۔ مختصر یہ کہ یہ بحث بڑی تفصیل طلب ہے تمام موانعات اور دشواریوں کا ایک ایک کر کے بیان کرنا بڑی دراز نفسی چاہتا ہے، لیکن مندرجہ بالا سطور میں جتنی باتیں بیان کی گئی ہیں مشکلات کے حل کے لئے کافی ہیں کیونکہ ایک ذہین قاری اگر ان تمام نکات کو ذہن میں محفوظ رکھے، تو مطالعہ کے درمیان ہر قسم کی مشکلات کو معمولی سی توجہ کی مدد سے حل کر سکتا ہے جو باتیں بیان کی جا چکی ہیں، ان کے ذریعہ سے بیان نا کردہ باتوں کا سمجھنا اور مذکورہ بالا مثالوں کے ذریعہ غیر مذکورہ مثالوں کو حل کر لینا دشوار نہیں ہے۔

آیات محکمات اور متشابہات

محکم آیات: قرآن مجید میں محکم آیات بھی ہیں اور متشابہ بھی محکم آیات سے مراد وہ آیات ہیں جن کے مفہوم کے متعلق عربی زبان کے ماہر شخص کو کسی قسم کا تردد یا تذبذب نہ ہو، اور انکا صاف و صریح مفہوم کے سوا کوئی دوسرا مفہوم ہو ہی نہ سکے، زباندانی اور مہارت کا معیار البتہ قدیم اہل عرب ہیں اس زمانہ کے وہ

نکتہ سنج نہیں جو اپنی بے محل موشگافیوں اور قیاس آرائیوں کی بدولت محکم کو متشابہ اور صاف و واضح آیات کو مغلق اور مبہم بنا دیتے ہیں اور سامنے کی باتیں بھی بعید از فہم معلوم ہونے لگتی ہیں۔

متشابہ آیات: متشابہ آیات سے وہ آیات مراد ہیں جن سے بیک وقت دو معنے مراد لئے جا سکتے ہوں اور بظاہر کوئی ایسا قرینہ موجود نہ ہو جس سے کسی ایک معنی کے حق میں فیصلہ کیا جا سکتا ہو اس طرح کے احتمالات کی وجوہ مختلف ہو سکتی ہیں مثلاً کبھی یہ اشتباہ اس وجہ سے پیدا ہو جاتا ہے کہ ایک ہی ضمیر بیک وقت دو مختلف اسموں سے متعلق ہو سکتی ہے اور دونوں کے مواقع مساوی ہوں مثلاً جیسا کہ ایک شخص نے کہا تھا کہ اما ان الامیر امرنی ان العن فلانا لعنہ اللہ "امیر نے مجھے حکم دیا ہے کہ فلاں شخص پر لعنت کروں اللہ اس پر لعنت کرے" "اللہ اس پر لعنت کرے" یہ ٹکڑا ایسا ہے جس کا تعلق حکم دینے والے یعنی امیر سے بھی ہو سکتا ہے اور اس شخص سے بھی جسے لعنت کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور حقیقتہً مراد کون ہے اس کا تمام تر انحصار کہنے والے کی نیت پر ہے بظاہر کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ کبھی اشتباہ اس وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ کہ آیت میں کوئی ایسا لفظ استعمال کیا گیا ہو جس کے دو معنی ہو سکتے ہوں اور دونوں معانی کی حیثیت مساوی ہو۔ مثلاً:- لامستم یعنی تم نے اسے مس کیا لیکن یہ لفظ ایسا ہے جو "ہمبستری" کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے اور ہاتھ سے چھونے کے معنی میں بھی اور ان دونوں معانی کی حیثیت اتنی برابر کی ہے کہ جب تک کوئی قرینہ موجود نہ ہو یہ فیصلہ کرنا ناممکن ہوتا ہے کہ کس مقام پر کون سے معنی مراد ہیں۔ اور کبھی یہ اشتباہ اس وجہ سے پیدا ہو جاتا ہے کہ جملہ میں کوئی ایسا لفظ استعمال کیا گیا ہو، جس کا دو مختلف کلمات پر عطف ہو سکتا ہو، ایک کلمہ لفظ سے دور ہو، اور دوسرا نزدیک لیکن ایسا قرینہ کوئی نہ ہو جس سے معلوم ہو سکے کہ دونوں کلمات میں سے کس کلمہ پر عطف کیا گیا ہے۔ مثلاً:- وامسحوا برؤسکم وارجلکم اگر اس آیت میں لفظ وارجلکم کو زیر کے ساتھ پڑھا جائے تو یہ پتہ نہیں چلتا کہ یہ قریب کے لفظ رؤسکم پر عطف کیا گیا ہے یا دور کے لفظ وجوھکم پر، اسی وجہ سے اس میں اختلاف ہے کہ وضو میں پاؤں کا مسح کرنا چاہئے یا انہیں دھونا چاہئے۔ اگر قریب کے لفظ پر عطف ہو تو مسح ہونا چاہئے اور اگر دور کے لفظ پر عطف ہو، تو دھونا چاہئے۔ اسی طرح اگر جملہ کے کسی لفظ یا فقرہ کے بارے میں یہ طے نہ ہو سکے کہ وہ اپنے ماقبل پر عطف کیا گیا ہے یا اس کی حیثیت استیناف کلام کی ہے اس وقت بھی اشتباہ پیدا ہو جاتا ہے اور بغیر قرینہ کے مفہوم متعین نہیں کیا جا سکتا، مثلاً:- لا یعلم تاویلہ الا اللہ والراسخون فی العلم "اور نہیں جانتے اس کی تاویل لیکن اللہ تعالیٰ اور وہ لوگ جو علم میں راسخ ہو چکے ہیں۔" اس آیت میں "والراسخون فی العلم کی حیثیت جملہ میں غیر متعین ہے، جتنا احتمال اس کا ہے کہ اس کا اللہ پر عطف ہے اتنا ہی احتمال اس کا بھی ہے کہ یہاں سے پھر نئے سرے سے کلام شروع کیا گیا ہو۔

کنایہ: کنایہ کے معنی یہ ہیں کہ کوئی ایسی بات کہی جائے جو بذات خود مراد نہ ہو بلکہ اس کا مقصد یہ ہو کہ سننے والے کا ذہن ایک ایسی بات کی طرف منتقل ہو جائے جو اس بات کا لازمی نتیجہ ہے یا لزوم عقلی بھی ہو سکتا ہے یا عادی بھی، اگر دونوں کے درمیان رشتہ محض عقلی ہو تو یہ لزوم عقلی ہو گا اور اگر دونوں کے درمیان

رشتہ اس وجہ سے ہو گیا ہو کہ ایسی ہی رسم ہو گئی ہے تو یہ لزوم عادی ہو گا مثلاً "عظیم الرماد" یعنی اس کے باورچی خانہ سے بہت زیادہ راکھ نکلتی ہے" اس کا لازمی مفہوم یہ ہے کہ وہ بہت زیادہ مہمان نواز ہے اور بہت زیادہ دعوتیں دیتا رہتا ہے کیونکہ اسی صورت میں زیادہ کھانا پک سکتا ہے اور زیادہ لکڑیاں جل سکتی ہیں اور بہت زیادہ راکھ نکل سکتی ہے اسی طرح کا کنایہ ہے "بل یداہ مبسوطتان" یعنی اس کے ہاتھ بہت کشادہ ہیں، اس سے سخاوت اور فیاضی کا مفہوم پیدا ہوتا ہے۔ اور یہی انداز اس وقت بھی ہوتا ہے جب عقلی اور ذہنی چیزوں کو مادی اور محسوس چیزوں سے تشبیہ دی جاتی ہے یعنی جب کوئی بات کہنی ہو، تو بجائے اس کے کہ براہ راست وہی بات کہہ دی جائے، اسے کسی مادی اور محسوس چیز سے تشبیہ کے ذریعہ بیان کیا جائے لیکن اس تشبیہ کی وضاحت نہ کی جائے یہ اصل میں استعارہ ہے جو اپنی حقیقت کے اعتبار سے کنایہ ہی کا ایک انداز ہے۔ اس طرح کے استعمالات اہل عرب کے اشعار اور خطبات میں بہت عام ہیں اور قرآن مجید اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں بھی کثرت سے اس قسم کا انداز بیان اختیار کیا گیا ہے، مثلاً:۔

واجلب علیھم بخیلک ورجلک "اور ان پر اپنے سواروں اور پیادوں کو چڑھا لاؤ" اس آیت میں ڈاکوؤں کے ایک ایسے سردار سے تشبیہ دی گئی ہے جو اپنے ساتھیوں کو حکم دے رہا ہو کہ تم ادھر سے حملہ کرو اور تم ادھر سے حملہ کرو، وجعلنا من بین ایدیھم سدا و من خلفھم سدا و جعلنا فی اعناقھم اغلالا "اور ہم نے ان کے سامنے بھی دیوار کھینچ دی اور ان کے پیچھے بھی دیوار کھینچ دی اور ان کی گردنوں میں طوق پہنا دیے" اس آیت میں منکرین کے اغراض و مقاصد کو ایسے لوگوں سے تشبیہ دی گئی ہے جن کے چاروں طرف دیوار کھینچ دی گئی ہو، اور انہیں زنجیروں میں جکڑ دیا گیا ہو جس کی وجہ سے نہ وہ کچھ دیکھ سکتے ہوں نہ اپنی جگہ سے جنبش کر سکتے ہوں۔ واضمم الیک جناحک من الرھب اور خوف کے وقت تم اپنے بازوؤں کو سمیٹ لو اور اپنے جسم سے پیوست کر لو" یعنی خاطر جمع کر لو، اور ذہنی انتشار اور پراگندگی کو چھوڑ دو۔ اہل عرب کے کلام میں اس انداز کی مثالیں بکثرت ملتی ہیں مثلاً جب وہ کسی شخص کی شجاعت کا ذکر کرنا چاہتے ہیں تو اپنی تلوار کی طرف اشارہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کبھی اس طرف مارتا ہے اور کبھی اس طرف مارتا ہے حالانکہ مقصود صرف یہ کہنا ہوتا ہے کہ شجاعت اور بہادری کے لحاظ سے وہ ساری دنیا پر فوقیت رکھتا ہے اس سے کوئی غرض نہیں ہے کہ اس نے زندگی میں کبھی قبضہ شمشیر پر ہاتھ بھی رکھا ہے یا نہیں کبھی یوں کہتے ہیں کہ فلاں شخص کہتا ہے کہ دنیا میں ایک شخص بھی ایسا نہیں جو اس سے مقابلہ کر سکے یا کبھی یوں کہتے ہیں کہ فلاں شخص یوں کر رہا تھا اور یہ کہتے ہوئے وہ کچھ اس قسم کی اداکاری بھی کرتے ہیں۔ جیسے میدان جنگ میں کسی دشمن کو بے قابو کر رہے ہوں، خواہ اس شخص نے تو کبھی اس قسم کی حرکت نہ کی ہو اور نہ اس قسم کی بات کہی ہو کبھی یوں کہتے ہیں کہ فلاں شخص نے میرا گلا گھونٹ دیا ہے اور کبھی یوں کہتے ہیں کہ فلاں شخص نے میرے حلق میں انگلیاں ڈال کر لقمہ نکال لیا ہے اور یہ ایک کھلی ہوئی بات ہے کہ اس طرح کے جملوں سے وہ مفہوم مراد نہیں ہوتا جو الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے ہماری زبان اور محاورے میں بھی اس طرح کی ترکیبیں عام ہیں۔

تعریض: تعریض کے معنی یہ ہیں کہ کوئی عام یا غیر معروف بات کہی جائے جو کسی بھی شخص پر صادق آسکتی ہو لیکن اس سے مقصد کسی خاص شخص کی طرف اشارہ کرنا ہو، یا کسی خاص شخص کی طرف توجہ دلانا ہو، ایسی صورت میں اس شخص کی بعض صفات اور خصوصیات کا بھی ذکر کر دیا جاتا ہے جس سے مخاطب اس کا مقصد سمجھ لیتا ہے قرآن مجید میں جب اس طرح کے مقامات آتے ہیں جہاں اس قسم کا انداز اختیار کیا گیا ہوتا ہے تو ان کا مفہوم سمجھنے کے لئے اس قصہ یا واقعہ کے علم کی ضرورت پیش آتی ہے جس سے ان آیات کا تعلق ہوتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی شخص کے متعلق ناپسندیدگی یا ناگواری کا اظہار کرنا چاہتے تھے۔ تو اس کا نام نہیں لیا کرتے تھے بلکہ یوں فرمایا کرتے تھے کہ:۔ مابال اقوام یفعلون کذا و کذا "ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے جو ایسی ایسی حرکتیں کیا کرتے ہیں" یا جیسا کہ کلام پاک کی ایک آیت ہے۔ وما کان لمؤمن ولا مؤمنۃ اذا قضی اللہ و رسولہ امرا۔۔۔۔ الخ "اور نہیں مناسب ہے کسی مومن اور مومنہ کے لئے کہ جب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کوئی فیصلہ کر دیں ۔۔۔ الخ اس آیت میں حضرت زینبؓ اور ان کے بھائی کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے اور اس آیت میں:۔ ولا یاتل اولو الفضل منکم والسعۃ حضرت ابو بکر صدیقؓ کی طرف اشارہ ہے۔ ان تمام صورتوں میں جب تک اصل واقعہ معلوم نہ ہو، مطلب سمجھنا ناممکن ہوتا ہے۔

مجاز عقلی: مجاز عقلی کے معنی یہ ہیں کہ فعل کو کسی ایسے فاعل کی طرف منسوب کیا جائے جو حقیقت میں اس کا فاعل نہ ہو یا کسی ایسی چیز کو مفعول قرار دے دیا جائے جو در حقیقت اس کا مفعول نہ ہو اس طرح کا انداز ایک تو اس وقت اختیار کیا جاتا ہے جب فعل اور اس کے غیر حقیقی فاعل اور مفعول میں کسی قسم کی مناسبت پائی جاتی ہو، دوسرے اس وقت جب متکلم جس کے متعلق اس قسم کا ادعا کرتا ہے وہ بھی اصل فاعل یا مفعول کے ساتھ شریک ہوتا ہے یا انہیں میں سے ایک ہوتا ہے مثلاً جیسا کہ عام طور سے کہا جاتا ہے کہ:۔ بنی الامیر القصر "امیر نے محل تعمیر کیا" حالانکہ امیر خود محل تعمیر نہیں کرتا۔ بلکہ معمار اور مزدور تعمیر کرتے ہیں۔ اسی طرح عام طور سے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ انبت الربیع البقل "بہار نے سبزہ اگایا" حالانکہ بہار سبزہ نہیں اگاتی بلکہ بہار کے موسم میں اللہ تعالیٰ سبزہ اگاتا ہے قرآن مجید میں یہ انداز بھی اکثر مقامات پر اختیار کیا گیا ہے۔[1]

---

[1] الفوز الکبیر ص 111- 64

شاہ ولی اللہ اسرار دین کو آشکار کرتے ہوئے کتنی خوبصورت عربی استعمال کرتے ہیں ان تشعب الدین طرقا ومذاهب وکون الامة فیهما احزابا متفرقة وجموعا مجتهدة امر عظیم هال خاصتهم وعامتهم۔ فمن اهل الله من کشف له عن ارتباط کل قول نطق به فقیه من فقهاء الاسلام بالشریعة المحمدیة علی صاحبها الصلوات والتسلیمات فلم یکشف له عن الجادة القویمة التی اقامها الله تعالی بعباده ورضی لهم من فاز فان نحظ وافر ومن اخطاها لم یفز بالحظ الوافر وان کان له اجر عنائه فسکت عن ترجیح بعض الاقوال علی بعض وحمل اختلافها علی العزیمة والرخصة فمن قوی علی العزیمة فلیاخزبها ومتقصر عنها قوته الجسمانیة اوقوة الروحانیة فلیاخز بالرخصة وبسط فی ذلک کلامه کالشعرانی فی میزانه لقد سبقه شیخ محی الدین محمد بن علی بن العربی الی اصل ذلک ومن اهل الله من یترای له الجادة القویمة التی توص الی ظاهر الشریعة والتی توارثها جماهیر المسلمین عن جهابزة التابعین عن کبار الصحابة النبی صلی الله علیه وسلم اخزا ظاهرا کالتناول بالید الم یترار ثواخین ذلک ولکنه اشبه شئی بما توارثه ویتری وراء ذلک مذاهب اهل الرای التی هی کالحافات والجوانب فرای التکلم فی الترجیح الراجح نصرا للذین وذباعنه کاکثر الفقهاء المحدثین فانهم قدبالغوا فیه ومن اهل الله من کشف له عن الامرین فسلمها کلها علی معنے انها من دائرة الشرع وان المتعبد بها فی فسحة من دینه مهتدین لله تعالی معذور عنده غیر ان الفضل للجادة القویمة فهی المرضیة عندالله کل الرضاء ومن اعظم نعم الله علی ان جعلنی من الحزب الثالث وکشف لی عن اصل الشریعة وعن تبیانها الحاصل علی لسان النبی صلی الله علیه وسلم۔ کما قال عزمن قائل لتبین للناس مانزل الیهم مثاله قال الله تعالی: اقیموا الصلوة واتوا الزکوٰة فالا قامة ماخوذة من قامت السوق اذا جد فیها البیع والشراء ومعناها ههنا الترویج والاشاعة

فبین النبی صلی الله علیه واٰله وسلم الترویج المقصود بوقیت الاوقات وتعین عدد الرکعات وتعلیم صفة الصلوة وتشریع الاذان تاکید امر الجماعة والجمع والندب الی بناء المساجد وحضورها فکل هذه الابواب تبیان لاقامة الصلوة فلولا بیانه الواضح المفصل لم نعلم شیاً من ذلک ابدا وکذلک بین ایتاء الزکوة بتعین النصاب والمقدار الواجب اخراجه والجنس الواجب اخراجها منه الی غیر ذلک ثم عن تبیان تبیانها الحاصل علی السنة صحابته والتابعین کما اشار الیه النبی صلی الله علیه وسلم حیث قال اقتدوا بالذین من بعدی ابی بکرؓ و عمرؓ وقال اصحابی کالنجوم بایهم اقتدیتم اهتدیتم مثاله: قصر النبی الصلوة فی السفر واسفر عند ناامرمبهم فلحق به فعل ابن عمر و ابن عباس بیانا انه مسیرة اربعة برود ثم عن ایضاحها وتدوین اصولها وفروعها الحاصل علی ایدی المجتهدین المتقدمین مثاله قال الله تعالی اذا قمتم الی الصلوة فاغسلوا وجوهکم وایدیکم الی المرافق وامسحو ابروسکم وارجلکم الی الکعبین فتکلم المجتهدون ان الغسل معناه اسالة الماء فقط اویشترط معها الدلک والوجه حده من کذا وکذا والی المرافق معناه مع المرافق وهل یکفی مسمی المسح ولو علی شعرة الشعرتین اولابد من المسح وربع الراس اومن مسح کله؟ ثم عن شرح مذاهبهم واقاویلهم والتخریج عن قواعدهم الحاصل علی ایدی المتاخرین من الفقهاء فی کل مذهب عن فکشف لی عن کل ذلک بترتیبه الواقع فی نفس الامر کانی اراه ببصری فرایت کل قول قیل فی الدین مرتبطا باصل الشریعة بواسطة البنیر واسطة فما اصدق ماقیل فی ذلک ان مثله کمثل دوحة نبعت منها غصون کبار ومن تلک الغصون اخری صغار ونبتت فی الغصون الصغار اوراق وازهار او مثله کمثل عین نبع منها جداول کبار ومن تلک الجداول جداول اخری صغار واغترت من الصغار فی لاالی ووقع منها شئی من المهائن ومنابت الاشجار وکشف لی ایضا عن حاق الطریق والشارع الذی لیلته کنهارة والله اخره وعن طرق خفیة المکان مطموسة المنار لاتوص الی ماعلیه النبی صلی الله علیه وسلم واصحابه الابعد طی وعر الرای وحزن الاوهام ویمد مکایدة جبال التقلید لمن یجری علیه الخطاء والشواب واکام التخریج علی قول من یعتوره الحق والباطل وکشف لی عن حقیقة الرای الذی نطق بذمها السلف ونسبوا الیها رجالا فقهاء هم فمثل السنة الظاهرة کمثل اللغة التی کان النبی صلی الله علیه واله وسلم یقرابها القرآن ومثل الاقاویل التی هی علی یمینها وشمالها کمثل الاحرف التی رخص النبی صلی الله علیه واله وسلم ان یقرئوابها القرآن دفعا للحرج من امته ومثل السنة الظاهرة کمثل من حضر محفل الخلیفة فسمیع منه بازنه وشاهده حین تکلم بما تکلمو وعاقلبه بذالک ومثل الاقاویل المخرجة علی قواعدهم کمثل سوقی تخلص الیه من احکام الخلیفة ومایظن به ان یارماداه الی فطانته وحد سوقی بعض الامور (فصل) ومن اعظم نعم الله علی ان کشف لی ان الشارع

افادنا نوعين من العلم متمايزين باحكامهم متغايرين فى مراتبهما احدهما علم المصالح والمفاسد والثانى علم الشرايع والحدود وكانى ارهما ببصرى والميزين القبيلتين واعرف كلا الامرين وهذا علم شريف لم اراحد سبقنى الى بيانه وكشف اصوله وفروعه وتنزيل المسائل عليه ومن اعظم نعم الله على ان كشف لى عن اسباب اختلاف الفقهاء بعد احكام الجادة القويمة التى اشرت اليها فى بعض التفاصيل والتفاريع محصورة مضبوطة فى مقدمات كلية من ايقنها لم يتوقف فى فهم شئ من مواضع الاختلاف ورأى الجادة القويمة بحيالها متمثلة بين عينيه متشبحة عنده فليه ورأى التفاصيل المختلف فيها امرا ضرورياً ناشياً من اختلاف فهو الاخذين للملة من ماخذها والمتلقين لها عن منبعها وكشف لى ان الاختلاف على اربعة منازل اختلاف مردود فليس لقائله ولا لمقلدة من بعده عذر وهذا قليل الوجود فى المذاهب الاربعة المدونة واختلاف مردود لقائله عذرما لم يبلغه حديث صحيح دال على خلافه فاذا بلغه فلا عذرله واختلاف مقبول فتخير الشارع المكلفين فى طرفيه تخيرا ظاهرا مطلقا كالاحرف السبعة من القرآن واختلاف ادركنا كون طرفيه مقبولين اجتهادا واستنباطا من بعض كلام الشارع صلوات الله وسلامه عليه والانسان مكلف به لامطلقا بل بشرط الاجتهاد وتاكدالظن لتقليد من حصل له ذلك وكشف لى ان فيكل مذهب ظاهرا وشاذا فظاهر الرواية فى مذهب ابى حنيفة ماحواه الاصول الخمسة وماصرح فيها محمد بن الحسن انه مذهب ابى حنيفة فقوله الذى اعتمد عليه وظاهر الرواية فى مذهب مالك ماصرح به ابن القاسم وماذكره فى المدونة انه قول مالك الذى عليه اعتماده وظاهر الرواية فى مذهب الشافعى مااعتمده الشيخان الرافعى والنووى وصرحا بانه مذهب الشافعى مااعتمده الشيخان الرافعى والنووى وصرحا بانه مذهب الشافعى قوله المشهور المعمول به وماسوى ذلك ممايوجد من رواية غير المشهورين والغير الضابطين بمذهب هؤلاء فهو الشاذ فكذلك فى الشريعة المطهرة المصطفوية على صاحبها الصلوت والتسليمات ظاهر وشاذ وظاهر الشريعة المصطفوية له مراتب مرتبة فاقواها ما وجد فى نص القرآن منطوقا به بحيث لايخفى المراد منه على العارف باللسان ويتلوه مانطق به الاحاديث المستفيضة الصحيحة المروية فى صحيحى الشيخين ابى عبدالله البخارى ومسلم النيسابورى وموطامالك من غير تعارض الاخبار والاختلاف الخلمش فى الفاظ الروايات اعنى بذلك مايجتمع فيه اربعة شروط يكون صريحا فى معناه لايخفى المراد منه على العارف باللسان ويكون مستفيضا قدرواه من الصحابة ثلثة فاكثرثم لم تزل تتذايد الرواة فى كل طبقة حتى جاءت طبقة حفاظ الحديث وجهابزة الفقهاء فارتضوه وقالوا به ويكون مرويا فى هذه الكتب الثلثة فانالها شانا فى الاسلام ليس لغيرها فان لها قبولا عندالعلماء بالحديث والفقه ليس لغيرها فان لها صحة لم يشهد واثلها فى غيرها فان لها

اشتهارا فى علماء الحديث والفقه مشارقها ومغاربها الحجازيين منها والشاميين والعراقيين ليس مثله لغيرها فان القوم اشتغلا بشرح غريبها وضبط مشكلها وتخريج فقهو ليس لهم مثل ذلك الاشتغال لغير هذه الكتب وهذه امر لايكا ويخفى الاعلى اجنبى عن مدارك القوم ولايكون هناك تعارض الاخبار عن النبى صلى الله عليه واله وسلم لاسيماتى مثل هذه الكتب ويتلو ملحكاه مالك فى الموطا انه مذهب كبار الصحابة والتابعين والذى جزا عليه عمل اهل المدينة من لدن زمان النبوة الى زمانه ثم لم يتعقبه الشافعى واحمد والبخارى وامثالهم من الجامعين بين الحديث والفقه فيما قرره بل ارتضوه وقالوابه وشددوه بصريح الاخبار جاء ت من النبى صلى الله عليه وسلم صحيحة الحسنة وان كانت من اخبار الاحادا وابدلالتها واشارتها اوباثارهم غفير من الصحابة والتابعين اوالقياس واضح واستنباط قوى وفى حكم ماحكاه مالك كذلك ماكان مثله ممايرويه سفيان الثورى ولكنه فى حكاية مالك اكثر واتفق وفى حكاية غيره لاتجد ذلك لااقل قليل ويتلو ماصح فيه حديث صحيح الحسن فى الكتب المشهورة وقام بمثله الحجة واخذبه جماعة من الفقهاء اوكان استنباطا صحيحا قويا شهد له الجماعة بالصحة والله اعلم فهذا كله ظاهر شريعة النبى صلے الله عليه وسلم والجادة القويمة من سنته والبين رشده والباهر قدره فمن خالف ذلك كان مردودا عليه فان كان مخالفا للقران العظيم والمشهور من الحديث اوالاجماع اوالقياس الجلى لم يكن معذورا قط وان كان مخالفالما دون ذلك ربما كان معذورا حتى يبلغ الحديث فيرتفع الحجاب ثم لاعذر لمقلده من بعده اذا وضح الامر

(فصل) فيجب عليك ان تتامل ماثبت من الشريعة بهذه المثابة تاملا بليغا حتے تميزه من غيره فيتمثل بين عينيك وتثالج فى فوادك ولديك ثم عض عليه بنواجزك واعتصم به بمجامع يدك ولا تصغ لمن خالفك فى ذلك ابدا ثم بعد احكام هذه الجادة القويمة فربما يقع الاختلاف لبعض الاسباب فما كان قريب الماخذ فليس فيه تقصير ظاهر فلا تنكره اصلا بل سلم كل قول قيل من هذالقبيل ومثله كمثل اقوال الفقهاء المقلدين لمذهب واحد اذا اختلفوا فى تخريج الوجوه اوتفسير عبارة الامام اوتصحيح الاقوال والوجوه عند المتقيدين بالمذاهب فانهم لايرون ذلك مذاهب متغايرة ويتسامحون فى مثله فكذلك انت اجعل الجادة القويمة مذهبا واحدا وسامح فى الاقوال المختلفة ولاتخرج شيئا منها من الجادة القويمة من الشريعة المحمدية ومثال الخارج من هذه الجادة مسح القدمين فى الوضوء واستحلال نكاح المتعة واستحلال الشراب المسكراذا شرب منه قليلا واستحلال الحمرا لانسيه والقول بان اخراوقت الظهران يكون الظل مثلى الانسان بعد الفئى الاصلى ـ ومثال الاختلاف بعد تسليم الجادة اختلافهم فى الصائم هل يكره له التسوك بعد الزوال ام لاوهل تستفتح الصلوة بسبحانك اللهم اوبوجهت وجهى اولاتستفتح الصلوة بشئى

فعل يتشهد لتشهد ابن مسعودؓ اوتشهد ابن عباسؓ اوالتشهد ابن عمرؓ ثم ان سمت همتک فی العلم لقويت عزيمتک فی التقوی فاعرض هذه التفاصيل علی صريح الکتاب وظاهر السنة وفعل اکثر اهل العلم والقياس القوی واجمع بين الاحاديث المختلفة وتتبع الاخبار الصحيحة والحسنة والضعيفة المرويه فی کتب المحدثين وخذ بالقوی والاقيس والاحوط والاقامة رجل من المسلمين **(فصل)** فان قلت سلمت ان ماذکرته هو الجادة الجليلة من الشريعة المصطفوية لکن کيف يکون لی تميزه من غيره؟ والعلم يحتاج الی جمع کثير من الاحاديث يتعذر فی زماننا قلت هذا القدر لايحتاج الی اکثر من المؤطا والصحيحين وسنن ابی داؤد وجامع الترمذی وهذه الکتب معرفتها مشهورة يمکن تحصيلها فی اقرب مدة ولکن يحتاج معرفة الجادة القويمة الجليلة منها الی نور باطنی يخلقه الله تعالی فان لم يوجد ذلک النور فی قلبک وسبقک اليه بعض اخوانک ففهمک باللسان الذی تعرفه انت لم يبق لک بعد ذلک عذر والعلم عند الله تعالی۔

ترجمہ: دین کے مختلف طریقوں اور مذہبوں میں بٹ جانے اور امت کے مختلف گروہ اور فرقے بن جانے سے خاص اور عام لوگ بہت حیرانی محسوس کر رہے ہیں چنانچہ اہل اللہ میں سے بعض وہ لوگ ہیں جن کو فقہاء اسلام میں سے کسی فقیہ کے منہ سے نکلی ہوئی بات کو شریعت محمدیہ (علی صاحبہا الصلوات والتسلیمات) کے ساتھ ربط دینے کا کشف دیا گیا لیکن ان کو اس جادہ قویمہ کا کوئی علم نہیں ہے' جو اللہ تعالی نے اپنے بندوں کے لئے قائم کیا ہے' اور جسے ان کے لئے پسند فرمایا ہے' جسے اس جادۂ قویمہ کا علم حاصل ہوگیا۔ وہ حقیقت کا بہت بڑا حصہ لے گیا اور جو اس سے چوک گیا اسے بڑا حصہ نہ ملا گو اسے اس کی تکلیف اٹھانے کا اجر مل کر رہے گا۔ اس پائے کے لوگ یعنی جو صرف فقیہ جزئیات کو حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سے ربط دینا ہی جانتے ہیں۔ اور جادۂ قویمہ کے علم سے محروم ہیں کسی ایک قول کو دوسرے قول پر ترجیح نہیں دے سکتے۔ یہ لوگ مختلف اقوال کی توجیہ صرف یہ کہہ کر کرتے ہیں کہ ان میں سے ایک عزیمت ہے اور دوسرا رخصت اس لئے جو شخص عزیمت کے مطابق کام کر سکتا ہے۔ وہ ایک قول پر عمل کرے اور جس کی جسمانی یا روحانی طاقت کمزور ہے۔ (اور وہ عزیمت پر عمل نہیں کر سکتا) وہ رخصت پر عمل کرے۔ اس بارے میں ان لوگوں نے خوب سیر حاصل لکھا ہے۔ جیسے شعراوی نے "میزان" میں اور ان سے بھی پہلے شیخ محی الدین ابن عربی نے جس سے شعراوی نے اخذ کیا ہے۔

جادۂ قویمہ کے قریب پہنچنے والے لوگ: دوسرے اہل اللہ وہ ہیں جن کو صرف وہ جادۂ قویمہ نظر آیا۔ جو ظاہر شریعت کی طرف راہنمائی کرتا ہے اور جو حضرت نبی اکرم صلعم سے بڑے بڑے صحابہؓ اور اجلہ تابعینؒ کے ذریعے سے بطریق ظاہری جمہور مسلمانوں کو پہنچا جیسے دست بدست لیتے ہیں یا انہیں اصل جادۂ قویمہ تو نہیں ملا۔ لیکن اس کے قریب کوئی چیز مل گئی انہیں اس جادے سے ہٹ کر اہل رائے علماء کے مذاہب بھی نظر آئے جو بمنزلہ کناروں کے ہیں چنانچہ انہوں نے جو دین میں ترجیح دینے کے قابل ہے

اسے ترجیح دینے میں دین کی مدد کی اور مدافعت بھی جیسے اکثر فقہائے دین کا خیال ہے انہوں نے اس بارے میں بہت طویل بحثیں کی ہیں۔

جادۂ قویمہ کے شناسا: اہل اللہ کا تیسرا گروہ وہ ہے جن پر دونوں باتیں کھل گئیں۔ (یعنی جزوی تطبیقات بھی اور جادہ قویمہ ظاہر شریعت اور باطن شریعت بھی) انہوں نے ان دونوں کو شرع کے دائرے کے اندر تسلیم کر لیا اور ظاہر کیا کہ جو لوگ ان کے مطابق کریں۔ وہ بھی دین کی فراخی میں داخل ہیں۔ اور اللہ تعالی کے دین پر ہیں۔ اور ان کا عذر اللہ کے ہاں قبول ہے صرف یہ بات ہے کہ جادہ قویمہ اصل چیز ہے' جسے اللہ پسند فرماتا ہے۔ اسے سب باتوں پر فضیلت حاصل ہے اور یہی راستہ اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہے۔

امام صاحب جادۂ قویمہ کے عالم ہیں: اللہ تعالی کی بہت بڑی نعمتوں میں سے مجھ پر یہ نعمت بھی ہے کہ اس نے مجھے اس تیسری جماعت میں شامل کیا اور مجھ پر شریعت کی اصل اور اس کی تشریح جو حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے ادا ہوئی ہے دونوں ظاہر ہو گئی ہیں' چنانچہ خدا فرماتا ہے لتبين للناس مانزل اليهم (تاکہ جو کچھ تجھ پر نازل ہوا ہے۔ اس کی تشریح کر دے) **امام صاحب کو نبی اکرم صلعم کے تبیان کا علم ہے:** اس کی مثال اللہ تعالی کا یہ ارشاد ہے کہ اقيموا الصلوة واتوا الزكوة (نماز قائم کرو اور زکوۃ دیا کرو) اس میں لفظ اقامت کا مفہوم عربی محاورہ قامت السوق سے لیا گیا ہے جس کے معنی ہیں "بازار لگا ہوا ہے" یعنی اس میں خرید و فروخت خوب ہو رہی ہے ایسے ہے اقامۃ الصلوۃ معنی ہوئے اس کو ترویج دینا اور اس کی اشاعت کرنا حضرت نبی اکرم صلعم نے اس کی جو تشریح فرمائی ہے وہ یہ ہے کہ فلاں وقت پر نماز پڑھی جائے۔ ہر ایک نماز میں اتنی اتنی رکعتیں پڑھی جائیں نماز یوں ادا کی جائے اور یوں اذان دی جائے نیز جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے اور جمعے ادا کرنے کی سخت تاکید کی اور مسجدیں تعمیر کرنے کو بہت ثواب کا باعث فرمایا یہ سب باتیں اقامت صلوۃ کے دوران میں آکر نماز پڑھنے کے تبیان میں داخل ہیں اگر حضرت نبی اکرم صلعم کی زبان مبارک سے یہ صاف صاف اور کھلا بیان ہمیں نہ پہنچتا تو ہمیں کبھی اقیموا الصلوۃ کے معنی سمجھ میں نہ آتے ایتاء الزکوۃ کو بھی اسی پر قیاس کرنا چاہئے کیونکہ حضرت نبی اکرم صلعم نے اس کی تشریح کر کے بتایا ہے کہ کتنے مال یا نقد پر زکوۃ لازم ہے وغیرہ۔

امام صاحب کو صحابہؓ کے ایضاح کا علم بھی ہے: مجھ بندۂ ناچیز پر خدا تعالی کا یہ بھی احسان ہے کہ صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ کی زبان سے شریعت کا جو تبیان ہوا ہے۔ اس کی وضاحت کرنے کی بھی خدا تعالی نے مجھے توفیق دی ہے۔ چنانچہ صحابہ کرامؓ کے متعلق خود حضرت نبی اکرم صلعم کا ارشاد مبارک ہے کہ میرے بعد جو دو آئیں گے ان کا اتباع کرو یعنی ابوبکرؓ اور عمرؓ کا نیز فرمایا کہ میرے صحابیؓ ستاروں کی مانند ہیں۔ ان میں سے جس کا اتباع کرو گے۔ سیدھے راستے ہی پر رہو گے اس کی مثال یہ ہے کہ نبی اکرم صلعم نے سفر میں نماز قصر کی ہمارے نزدیک سفر ایک مبہم امر ہے' حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ اور حضرت عبداللہؓ بن

عباسؓ کے فعل سے واضح ہو گیا کہ چار برد ہوتا ہے۔

امام صاحب کو مجتہدین متقدمین کی تشریح کا علم بھی ہے: ایسے ہی خدا تعالیٰ کا مجھ پر یہ بھی احسان ہے کہ متقدین نے شریعت کے جن اصول و فروع کی تدوین کی ہے ان کی توضیح کی بھی مجھے توفیق عطا فرمائی۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جب تم نماز کے لئے کھڑے ہو تو اپنے منہ اور کہنیوں تک ہاتھ دھو لیا کرو اور اپنے سروں کا مسح کیا کرو اور ٹخنوں تک اپنے پاؤں دھو لیا کرو۔ اس میں غسل سے کیا مراد ہے؟ مجتہدین نے بتایا ہے کہ غسل کے معنی ہیں پانی بہانا یا (بقول بعض) ملنا بھی اس میں داخل ہے اور وجہ (منہ) کی حد یہاں سے وہاں تک ہے اور (الی المرافق) میں الی (تک) سے مراد مع (ساتھ) ہے (یعنی کہنیوں سمیت) پھر وہ اس امر کی بھی توضیح کرتے ہیں کہ جسے مسح کہتے ہیں۔ وہ ایک یا دو بالوں پر ہو جائے تو بھی کافی ہے یا چوتھائی سر کے ہو یا سارے سر کا ہو تو مسح ہوتا ہے۔

امام صاحب کو مجتہدین متقدین کے اقوال کی شرح کا علم بھی ہے: پھر اللہ تعالیٰ نے مجھ پر ان مجتہدین متقدمین کے مذاہب اور اقوال کی شرح منکشف کر دی اور ہر مذہب کے متاخرین فقہاء نے ان متقدمین کے قواعد کے پیش نظر جن جزئیات کی تخریج و تفریع کی ہے وہ بھی منکشف کر دیں۔ وہ ان سب کا ربط بھی جانتے ہیں الغرض مذکورہ بالا سب باتیں مجھ پر اس ترتیب کے ساتھ جس پر وہ واقع ہوئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر کھول دیں۔ ایسی کھول دیں گویا میں انہیں اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہوں۔ اب میں ہر ایک قول کو اصل شریعت کے ساتھ مربوط دیکھتا ہوں۔ خواہ یہ رابطہ بالواسطہ ہو یا بلاواسطہ اس بارے میں یہ قول کتنا سچا ہے کہ دین کی مثال اس تنے کی ہے۔ جس سے بڑے بڑے ٹہنے نکلتے ہیں۔ پھر ان بڑے ٹہنوں میں سے چھوٹی چھوٹی ٹہنیاں اگتی ہیں اور ان ٹہنیوں پر پتے اور پھول لگتے ہیں۔ یا اس کی مثال چشمے کی ہے۔ جس میں سے پہلے بڑی نہریں نکلتی ہیں۔ پھر ان سے چھوٹی نہریں یا کھائیاں نکلتی ہیں پھر ان چھوٹی نہروں میں سے برتنوں میں پانی بھر لیا جاتا ہے اور برتنوں میں سے کچھ پانی درختوں کے طشتوں میں ڈالا جاتا ہے۔ مجھ پر وہ راستہ اور شاہراہ بھی منکشف ہو گئی جو اتنی روشن ہے کہ اس کی رات اس کے دن کی مانند ہے اور اس کا اول اس کے آخر کی طرح ہے نیز مجھے وہ چھوٹے چھوٹے مٹے ہوئے نشانہائے راہ بھی معلوم ہو گئے جو آنحضرت محمد صلعم کی راہ تک خود رائی کی دلدل اور اوہام کی سنگلاخ راہ طے کرنے اور ان لوگوں کی تقلید کے پہاڑ پھاندنے کے بعد پہنچ سکتے ہیں۔ جو غلطی پر بھی ہو سکتے ہیں اور راستی پر بھی اور ان لوگوں کے اقوال سے تخریجات کے ٹیلوں کو عبور کر کے ہی پہنچ سکتے ہیں۔ جو حق اور باطل دونوں کے حامل ہو سکتے ہیں۔ **رائے کی حقیقت کا انکشاف:** مجھ پر اس رائے کی حقیقت بھی واضح ہو گئی۔ جس کی سلف نے مذمت کی ہے اور جس کی طرف اپنے بعض فقہاء کو منسوب کیا ہے۔ **سنت ظاہرہ:** سنت ظاہرہ کی مثال ایسی ہے جیسے وہ زبان جس میں نبی اکرم صلعم قرآن حکیم کی تلاوت فرمایا کرتے تھے اور سنت ظاہرہ کے ادھر ادھر کی جو باتیں ہیں۔ ان کی مثال ان لہجوں کی ہے جن میں آنحضرت صلعم نے قرآن کی تلاوت کی اجازت صرف اس لئے دی ہے کہ آپ (صلعم) کی امت کو تکلیف نہ ہو۔ نیز سنت ظاہرہ کی

مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص نے دربار شاہی میں حاضر ہو کر بادشاہ کے احکام اپنے کانوں سے سن لئے اور اسے بولتے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا اور اس کے دل نے اس کے احکام یاد کر لئے آئمہ دین کے معین کردہ قواعد کے مطابق نکالے ہوئے مسائل کی مثال ایسی ہے جیسے کسی عام آدمی کو بادشاہ کی بعض باتیں پہنچیں اور وہ ان پر اپنے بعض قیاسات قائم کر لے۔ **علم شریعت کی دو قسمیں:** اللہ تعالیٰ کا مجھ پر یہ بھی بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے مجھ پر اس حقیقت کا انکشاف کیا کہ حضرت شارعؑ نے مجھے دو قسم کے علم دیئے ہیں۔ جن میں ایک کے احکام دوسرے سے مختلف اور ایک کا مرتبہ دوسرے سے الگ ہے۔ (1) علم المصالح والمفاسد (2) علم الشرائع والحدود۔ مجھے یہ دونوں قسم کے علوم علیحدہ علیحدہ طور پر آنکھوں سے اس طرح نظر آتے ہیں کہ میں ہر دو میں پوری طرح تمیز کر سکتا ہوں اور دونوں کو خوب سمجھ سکتا ہوں یہ وہ علم شریف ہے۔ جس کے متعلق بیان کرنے اور جس کے اصول و فروع واضح کرنے اور مسائل کو اس علم پر حل کرنے میں مجھ پر کسی نے سبقت نہیں کی۔ **جادۂ قویمہ میں اختلافات:** حضرت حق سبحانہ تعالیٰ کا مجھ پر یہ بھی بہت بڑا احسان ہے۔ کہ اس نے مجھ پر فقہاء کے اختلاف کے اسباب منکشف کر دیئے ہیں اور یہ حقیقت واضح کر دی ہے کہ وہ جادۂ قویمہ کے پختہ ہو جانے کے بعد جس کی تفصیلات کی طرف اشارہ کیا جا چکا ہے جو مقدمات کلیہ میں محصور ہو چکی ہیں۔ اور ضبط میں لائی جا چکی ہیں جو شخص ان کلیات پر پختگی حاصل کرے وہ اختلاف کے مقدمات میں کسی بات کے سمجھنے میں بند نہیں رہ سکے گا اور وہ سارے جادۂ قویمہ کو اپنی آنکھوں کے سامنے متمثل پائے گا اور وہ اس کے لئے مشتبہ ہو گا۔ اور وہ سمجھ لے گا کہ ملت کو اپنے ماخذ سے اخذ کرنے والوں اور اپنے منبع سے لینے والوں کے فہموں میں اختلاف کے سبب سے ان تفاصیل میں اختلافات کا پیدا ہو جانا ایک ضروری چیز ہے۔ **اختلاف کے چار درجے:** مجھ پر یہ بات بھی روشن ہو چکی ہے کہ اختلاف کے چار درجے ہیں: (1) **اختلاف مردود نامقبول:** اختلاف مردود جس میں اختلاف کرنے والے اور اس اختلاف کی پیروی کرنے والے کے ہاتھ میں کوئی معقول عذر نہیں ہے اس قسم کا اختلاف چاروں مدون مذاہب میں شاذ ہی پایا جاتا ہے۔ (2) **اختلاف مردود مقبول:** اختلاف مردود جس کے متعلق اختلاف کرنے والے کے پاس کوئی عذر ہے۔ مثلاً اس کے خلاف اسے کوئی حدیث نہیں پہنچی جب اسے صحیح حدیث پہنچے گی وہ اسے چھوڑ دے گا (3) **اختلاف مقبول محمود:** اختلاف مقبول جس کی بنیاد یہ ہے کہ حضرت شارعؑ نے لوگوں کو کھلم کھلا اور مطلق اختیار دے دیا ہے کہ یوں کریں یا یوں کریں۔ جیسے سات لہجوں میں قرآن حکیم پڑھنے کی اجازت۔ (4) **اختلاف تقلیدی:** وہ اختلاف کہ ہم حضرت شارعؑ کے بعض کلام سے اجتہاد اور استنباط کے لحاظ سے دونوں طرف اختلاف کے ہونے کو مقبول پاتے ہیں۔ انسان اس کا مکلف ہے مگر بطور مطلق نہیں بلکہ صرف اس صورت میں کہ خود اجتہاد کیا ہو یا اس کے متعلق ظن غالب ہو کہ یہ صحیح استنباط ہے یا جسے ان باتوں میں سے کوئی حاصل ہو، اس کی تقلید کا ذمہ لیا ہو۔ **مذاہب اربعہ کا ظاہر اور شاذ:** مجھ پر یہ بات بھی منکشف ہو گئی ہے کہ ہر ایک مذہب میں ظاہر بھی ہے اور شاذ بھی چنانچہ **حنفی:** مذہب

ابوحنیفہ میں ظاہر روایت تو وہ ہے جو اصول خمسہ میں آگئی ہے اور محمد بن الحسن کی تصریحات کہ یہ مذہب امام ابوحنیفہ ہے اور وہ باتیں جن کے متعلق محمد بن الحسن کہتے ہیں کہ میں ان پر اعتماد کرتا ہوں۔ **مالکی:** مذہب مالک میں ظاہر الروایت ہے جو ابن قاسم نے المدونہ میں بیان کیا کہ حضرت امام مالک کا قول ہے جس پر اس کا اعتماد ہے۔ **شافعی:** مذہب شافعی میں ظاہر الروایت وہ ہے جو حضرت رافعیؒ اور نوویؒ نے بیان کیا ہے کہ یہ مذہب شافعی ہے اور ان کا مشہور قول ہے جس پر عمل کیا جارہا ہے۔ ان کے علاوہ جو باتیں غیر مشہور اور غیر منضبط روایتوں میں پائی جاتی ہیں۔ وہ شاذ کے درجے میں ہیں۔ **شریعت مصطفویہ کا ظاہر اور شاذ:** ایسے ہی شریعت مطہرہ مصطفویہ (علی صاحب الصلوات والتسلیمات) میں ظاہر بھی ہے اور شاذ بھی۔ **شریعت ظاہر کے درجات:** شریعت مصطفویہ کے ظاہر کے کئی درجے ہیں: **(1) قرآن حکیم:** سب سے قوی تو وہ ہے جو قرآن حکیم میں صاف صاف طور پر مذکور ہے اور جسے ہر وہ شخص جو اس کی زبان جانتا ہے سمجھ سکتا ہے۔ **(2) موطا اور صحیحین:** اس سے ملحق وہ ہے جو صحیح روایات میں آگیا ہے جس کی روایت بخاری۔ مسلم اور موطا امام مالک میں آئی ہے بغیر اس کے کہ ان تینوں میں کوئی تعارض اسناد ہو یا روایت کے الفاظ میں کوئی نمایاں فرق ہو۔ میری مراد یہ ہے کہ وہ ان چار شرطوں پر پورا اترے:۔ (الف) اس روایت کے معنی صاف و صریح ہوں۔ عربی دان خود اسے سمجھ سکے؟ (ب) بالکل صحیح روایت ہو جسے کم سے کم تین یا زیادہ صحابہؓ نے روایت کیا ہو۔ اس کے بعد ہر طبقے میں راویوں کی تعداد بڑھتی جاتی ہو' یہاں تک کہ حفاظ حدیث اور بڑے بڑے فقہاء نے آکر اس روایت کو پسند کیا ہو اور اس سے سند پکڑی ہو۔ (ج) وہ روایت ان تینوں کتابوں میں آئی ہو۔ کیونکہ ان تینوں کتابوں کی اسلام میں وہ شان ہے جو کسی اور کتاب کو نصیب نہیں ہوئی اور حدیث و فقہ کے علماء میں انہیں وہ مقبولیت حاصل ہے جو کسی اور کتاب کو نہیں ہوئی۔ اور ان کتابوں کی صحت ایسی ہے۔ کہ علماء نے ایسی صحت کی ان کے سوا اور کسی کتاب کے متعلق شہادت نہیں دی اور ان کتابوں کو مشرق و مغرب' حجاز و شام اور عراق و عرب اور عراق و عجم کے علماء حدیث و فقہ میں شہرت حاصل ہو چکی ہے۔ جو کسی اور کتاب کو حاصل نہیں ہوئی۔ اور علماء ہمیشہ ان تینوں کتابوں کے مشکل الفاظ کی تشریح اور ان کے ہم شکل الفاظ کا ضبط اور ان سے مسائل کی تخریج کرتے رہے ہیں اور ان کتابوں کے سوا کسی اور کتاب سے اتنا شغل نہیں رہا اور یہ ایسی چیز ہے جو صرف اس شخص پر پوشیدہ رہ سکتی ہے۔ جو لوگوں کے حالات سے بے خبر ہو۔ (د) ان کتابوں میں جو روایات آئی ہیں۔ ان کے خلاف حضرت نبی اکرم صلعم سے کوئی اور روایت نہ آئی ہو خصوصاً انہی کتابوں میں اس کے خلاف نہ آئی ہو۔ **تعامل اہل مدینہ:** اس کے بعد وہ روایات ہیں جن کا ذکر امام مالکؒ نے بایں طور کیا ہے کہ یہ بڑے بڑے صحابہؓ اور تابعینؒ کا مذہب ہے اور اس پر حضرت نبی صلعم کے زمانہ مبارک سے لے کر خود حضرت امام مالکؒ کے زمانہ تک اہل مدینہ کا عمل رہا ہے اور جو لوگ روایت و درایت کے جامع ہیں۔ مثلاً امام شافعیؒ' امام احمدؒ' امام بخاریؒ' وغیرہ انہوں نے امام مالکؒ کے ان اقوال کے خلاف نہ پایا ہو بلکہ اسے پسند کیا ہو اور اسے قابل سند سمجھا ہو بلکہ

اسے حضرت نبی اکرم صلعم کی صریح روایات سے یعنی صحیح یا حسن روایات سے (خواہ ان کا راوی ایک ہی کیوں نہ ہو یا دلالت یا اشارت سے یا صحابہؓ اور تابعینؒ کی بہت بڑی جماعت کے آثار سے یا قیاس واضح سے یا استنباط قوی سے اور بھی پختہ کر دیا ہو۔ امام مالکؒ کی روایات کے درجے کی وہ روایات بھی ہیں جو حضرت سفیان ثوریؒ نے بیان کی ہیں۔ لیکن امام مالکؒ کی روایات ایک تو بہت کثیر تعداد میں موجود ہیں۔ دوسرے وہ زیادہ موافق واقعہ ہیں۔ دوسروں کی روایتوں میں یہ بات بہت کم پائی جاتی ہے۔ **(4) کتب مشہورہ:** اس کے بعد وہ امور ہیں جن کے متعلق کوئی صحیح یا حسن روایت باقی مشہور کتابوں میں پائی جاتی ہے جس سے علماء نے حجت پکڑی ہے اور فقہاء کی جماعت نے اسے لیا ہے یا ایسی روایت سے کوئی صحیح استنباط کیا گیا ہے جس پر علماء کی ایک جماعت صحت کا فتویٰ لگاتی ہے واللہ اعلم **عذر کے درجات:** جس شخص کا قول یا عمل قرآن عظیم کے مخالف ہو یا مشہور حدیث کے خلاف ہو یا اجماع یا قیاس واضح کے خلاف ہو وہ بالکل معذور نہیں ہے البتہ ان کے علاوہ کسی اور چیز کے خلاف ہو تو معذور ہو سکتا ہے یہاں تک کہ اسے حدیث مل جائے اور حجاب دور ہو جائے جب یوں حقیقت نفس الامر واضح ہو جائے' تو پھر مقلد کا کوئی عذر قبول نہیں ہو سکتا۔ **اختلاف محمود:** پس تجھ پر لازم ہے کہ تو شریعت پر اس طریق سے گہرا غور کرے۔ یہاں تک کہ تجھے شریعت سے ثابت شدہ کی غیر ثابت شدہ سے تمیز ہو اور یہ چیز تیری آنکھوں کے سامنے اور تیرے دل کے اندر متمثل ہو جائے پھر اسے اپنے دانتوں سے مضبوط پکڑ لے اور اپنے ہاتھوں سے مضبوط کر کے تھام لے اور جو شخص اس کے خلاف جا رہا ہو اس کی بات پر ہرگز کان نہ دھر۔ جادۂ قویمہ چنگی کے ساتھ معلوم کر لینے کے بعد بھی کبھی کبھی بعض اسباب کی بناء پر اختلاف پیدا ہو جاتا ہے۔ اگر وہ اختلاف ماخذ کے قریب ہو اور اس میں ظاہری قصور کوئی نہ ہو۔ تو اس کو برا مت کہو۔ بلکہ اس قسم کی بات کو تسلیم کر لو۔ اس کی مثال یہ ہے کہ بعض اوقات ایک مذہب کے مقلد فقہا کسی مسئلے کی تخریج کی وجوہ میں یا اپنے امام کی عبارت کی تفسیر کرنے میں یا کسی قول یا وجہ کی تصحیح کرنے میں اختلاف کر جاتے ہیں' کیونکہ وہ انہیں مختلف مذاہب نہیں سمجھتے اور ایسے موقعوں پر درگزر سے کام لیتے ہیں۔ تم بھی جادہ قویمہ کو ایک مذہب تصور کرو اور اس کے متعلق جو مختلف اقوال ہیں ان کے متعلق سختی سے کام نہ لو اور کسی بات کے متعلق یہ مت کہو کہ یہ جادہ قویمہ محمدیہ سے خارج ہے۔ اس جادۂ قویمہ سے جو باتیں خارج ہیں ان کی مثالیں یہ ہیں: وضو میں پاؤں کا مسح کرنا' متعہ کے نکاح کو حلال سمجھنا' تھوڑی سی نشہ آور شراب کا پینا جائز سمجھنا' گھریلو گدھوں کا گوشت کھانا حلال سمجھنا یا مثلاً یہ کہنا کہ ظہر کا وقت آخر مثل اصلی کے بعد انسان کے دو مثل تک ہے۔ جادۂ قویمہ تسلیم کر لینے کے بعد اختلاف کی مثال مثلاً کیا روزہ دار زوال کے بعد مسواک کر سکتا ہے یا نہیں؟ نماز کا آغاز سبحنک اللھم سے کیا جائے یا انی وجہت وجھی للذی الآیۃ سے کیا جائے یا کسی ثناء کے پڑھنے کی ضرورت ہی نہ سمجھی جائے؟ یا مثلاً تشہد حضرت عبدالرحمن بن مسعودؓ کے طریقے پر پڑھی جائے یا حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے طریق پر یا حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے طرز پر؟ **اختلاف کے وقت کیا کیا جائے؟** اگر علم میں تمہاری ہمت بلند ہو اور تقویٰ میں

تمہاری عزیمت قوی ہو۔ تو وہ تفاصیل جن میں اختلاف نظر آئے۔ انہیں کتاب اللہ کی تصریحات اور ظاہر سنت اور اہل علم کے تعامل یا قیاس قوی کے ذریعے پرکھو پھر جن صحیح، حسن یا ضعیف احادیث میں اختلاف پایا جائے۔ ان میں جمع کرنے کی کوشش کرو اور جو سب سے قوی، سب سے زیادہ قرین قیاس اور سب سے زیادہ محتاط طریق عمل ہو۔ اسے اختیار کرلو ورنہ تم عامی مسلمان ہوگے۔ **فصل = کتب ضروریہ:** اگر تم یہ کہو کہ اچھا آپ نے جادۂ قومیہ کی جو تعریف کی ہے، اسے میں تسلیم کرتا ہوں لیکن میں اسے غیر قویہ سے کس طرح متمیز کروں کیونکہ اس کے لئے تو بہت سی احادیث جمع کرنی پڑتی ہیں۔ جو ہمارے زمانہ میں ناممکن ہے۔ میں اس کے جواب میں یہ عرض کرتا ہوں، کہ اس سلسلے میں تمہیں جس قدر احادیث کی ضرورت ہے، وہ موطا امام مالک، صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابوداؤد اور جامع ترمذی میں موجود ہیں اور یہ کتابیں آج کل بھی جلدی حاصل کرنا چنداں مشکل نہیں۔ لیکن جادۂ قویہ کی پہچان کے لئے ان کتابوں کے مطالعے کے علاوہ ایک نور باطنی کی بھی ضرورت ہے جو خدا تعالیٰ ہی پیدا کرسکتا ہے اگر تم اس نور سے محروم ہوا اور خدا تعالیٰ نے وہ نور تمہارے کسی بھائی کو عطا کردیا ہے اور وہ تمہیں اس زبان میں سمجھاتا ہے جسے تم سمجھ سکتے ہو۔ تو پھر تمہارے لئے اس کی بات سمجھنے اور ماننے میں، کیا عذر باقی رہ جاتا ہے۔ حقیقت حال اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔[1]

[1] (۱) تفہیمات الٰہیہ، جلد اول (۲) محمودیہ، ص56

شاہ صاحب حضرت ابو بکر صدیق کے بارے میں حضرت حسانؓ بن ثابت کے اشعار بیان کرتے ہیں۔

فمن مسند حسان بن ثابت = شعره فی الثناء علی ابی بکر رضی اللہ عنہ اخرج الحاکم من حدیث غالب بن عبداللہ عن ابیہ عن جدہ حبیب بن حبیب قال شهدت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لحسان بن ثابت قلت فی ابی بکر شیئا قل حتے اسمع قال **قلت:**

وثانی اثنین فی الغار المنیف فقد ٭ طاف العدو به اذصعد الجبلا
وکان حب رسول اللہ قد علموا ٭ من الخلائق لم یعدل به بدلا

فتبسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واخرج الحاکم من حدیث مجالد بن سعید قال سئل الشعبی من اول من اسلم فقال اما سمعت قول حسان

اذا تذکرت شجوا من اخی ثقة ٭ فاذکرا خاک ابابکر بما فعلا
خیر البریه اتقاها واعدلها ٭ بعد النبی واوفاها بما حملا
الثانی التالی المحمود مشهده ٭ واول الناس منهم صدق الرسلا

واخرج ابو عمر من حدیث ابی بکر بن ابی شیبه قال حدثنا شیخ لنا قال حدثنا مجالد عن الشعبی قال سالت ابن عباس اوسئل ای الناس کان اول اسلاما قال اما سمعت قول حسان بن ثابت۔

اذا تذکرت شجوا من اخی ثقة ٭ فاذکر اخاک ابابکر بما فعلا
خیر البریه اتقاها واعدلها ٭ بعد النبی واوفاها بما حملا
الثانی التالی المحمود مشهده ٭ واول الناس منهم صدق الرسلا

قال ابو عمر و روی ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لحسان هل قلت فی ابی بکر شیئا قال نعم وانشده هذه الابیات وفیها بیت رابع فهو

وثانی اثنین فی الغار المنیف وقد ٭ طاف العدو به اذصعد الجبلا

فرح النبی صلی اللہ علیہ وسلم بذلک وقال احسنت یا حسان وقد روی فیها بیت خامس

وکان حب رسول اللہ علموا ٭ خیر البریه لم یعدل به رجلا

مسند حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ: ۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی تعریف میں ان کے اشعار = حاکم نے بروایت غالب بن عبداللہ ان کے والد سے انہوں نے ان کے دادا حبیب بن حبیب سے نقل کیا ہے وہ کہتے تھے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا (جب کہ) آپؐ نے حسان بن ثابتؓ سے ارشاد فرمایا۔ کیا تم نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کی تعریف میں کچھ (اشعار) کہے ہیں وہ مجھے بھی سناؤ۔ حضرت حسانؓ نے جواب دیا (ہاں) میں نے (کچھ اشعار) کہے ہیں (وہ یہ ہیں) حضرت صدیقؓ غار شریف میں رسول اللہ صلعم کے

(ساتھ) ثانی اثنین تھے جب (حضرت صدیقؓ) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دونوں پہاڑ پر چڑھے !اور غار میں مخفی ہوئے) تو دشمن نے غار کو گھیر لیا۔ وہ (یعنی حضرت صدیقؓ) رسول اللہ صلعم کے محبوب ہیں (اس بات کی) سب جانتے ہیں اور حضرت محمدؐ نے کسی مخلوق کو ان کے برابر نہیں سمجھا۔ (یہ اشعار سن کر) رسول اللہ صلعم نے تبسم فرمایا اور حاکم نے بروایت مجالد بن سعید نقل کیا ہے وہ کہتے تھے کہ کسی نے شعبیؒ سے سوال کیا کہ سب سے پہلے کون اسلام لایا۔ انہوں نے جواب دیا کیا تم نے حسانؓ کا قول نہیں سنا (وہ کہتے ہیں) (اے مخاطب) تو کسی ثقہ (یعنی معتبر شخص) کا غم یاد کرے تو اپنے بھائی ابوبکرؓ کو ان کے کام کے سبب سے یاد کر لیا کر کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد سب سے بہتر اور سب سے زیادہ پرہیزگار اور سب سے زیادہ کامل تھے (مصداق) ثانی (اثنین) (شریعت کے) متبع تھے ان کی کارگزاری عمدہ ہے اور لوگوں میں سب سے اول (خدا کے) رسولوں کی انہوں نے تصدیق کی تھی۔ اور ابو عمر نے بروایت ابوبکر بن ابی شیبہ نقل کیا ہے وہ کہتے تھے ہم سے ہمارے ایک شیخ (استاد) نے بیان کیا ہے وہ کہتے تھے ہم سے مجالد' شعبیؒ سے روایت کر کے بیان کرتے تھے میں نے حضرت ابن عباسؓ سے پوچھا یا کسی اور شخص نے ان سے پوچھا کہ لوگوں میں سب سے اول کون اسلام لایا تو انہوں نے جواب دیا کیا تم نے حسان بن ثابتؓ کا قول نہیں سنا (وہ کہتے ہیں) جب تم کسی ثقہ (یعنی معتبر شخص) کا غم یاد کرو تو اپنے بھائی ابوبکرؓ کو ان کے کام کے سبب سے یاد کر لیا کرو (کیونکہ) وہ نبی (صلعم) کے بعد بہترین خلق سب سے زیادہ پرہیزگار سب سے زیادہ عدل کرنے والے تھے اور بار (خلافت) کے اٹھانے میں سب سے کامل تھے (وہ مصداق) ثانی (اثنین) (شریعت کے) متبع تھے ان کی کارگزاری عمدہ تھی اور لوگوں میں سب سے پہلے (خدا کے) رسولوں کی تصدیق انہوں نے کی تھی۔ ابو عمر کہتے ہیں۔ مروی ہے کہ رسول اللہ صلعم نے حسانؓ سے فرمایا کیا تم نے ابوبکرؓ کی تعریف میں کچھ (اشعار) کہے ہیں؟ انہوں نے عرض کیا ہاں اور یہ اشعار (مرقومہ بالا) پڑھے اور ان میں (ایک) چوتھا شعر (بھی) تھا وہ یہ ہے۔ اور غار شریف میں حضرت صدیقؓ ثانی اثنین تھے اور جب دونوں پہاڑ پر چڑھے (اور غار میں جا کر چھپے) تو غار کو دشمنوں نے گھیر لیا۔ (یہ اشعار سن کر) رسول اللہ صلعم خوش ہوئے اور فرمایا اے حسانؓ! تم نے اچھے شعر کہے ہیں۔ اور اس روایت میں پانچواں شعر بھی منقول ہے (وہ شعر یہ ہے) اور (حضرت صدیقؓ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کے محبوب تھے اور اسے سب جانتے ہیں کہ وہ بہترین خلق تھے حضرت محمدؐ نے ان کے برابر کسی کو نہیں کیا۔[1]

---

[1] ازالۃ الخفاء جلد اول ص 73-371

شاہ صاحب انما ولیکم اللہ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ کا ارشاد انما ولیکم اللہ' الخ (5 : 55 جس کو شیعہ نے حضرت مرتضیٰؓ کے حق میں بیان کیا) اس آیت کا سیاق مرتدین کا ذکر اور ان کے ساتھ جہاد ہے اور یہ معنے باتفاق مفسرین حضرت صدیق اکبرؓ کے حق میں ہیں۔ اس کے قائل ہیں قتادہؒ اور ضحاکؒ اور حسن بصریؒ اور سب سے بڑی دلیل اس پر وہ حوادث ہیں جو کہ عالم میں پیدا ہوئے تھے مورخین میں سے کون ہے جو یہ یاد رکھتا ہے کہ اس لمبی اور دراز مدت میں صدیق اکبرؓ کے سوا کوئی اور بھی تھا جو یہ وصف رکھتا تھا کہ اس نے لوگوں کو جمع کر کے مرتدین کے ساتھ قتال کیا اور لفظ انما کلام عرب میں جملہ سابقہ کی دلیل اور اس کی تحقیق و تثبیت کے لئے آتا ہے۔ معنی یہ ہوئے کہ اے مسلمانو! عرب کے ارتداد اور ان کے اجتماع سے تم کیوں ڈرتے ہو سوائے اس کے کچھ نہیں کہ تمہارا کارساز درحقیقت خدا ہے جو کہ الہام کرتا ہے اور الہام کے ذریعہ سے تدبیر امور فرماتا ہے اور اس کا رسولؐ کہ جہاد پر ترغیب کا سلسلہ عالم میں اسی کی ذات سے وابستہ ہے اور وہ دعائے خیر سے اپنی امت کی مدد کرتا ہے اور ظاہر (اسباب کے درجہ) میں مخلصین اہل ایمان ہیں جو کہ اقامت صلوۃ اور ایتاء زکوۃ اور اس کی حمد و ثناء کرنے کے اوصاف اور خشوع سے متصف ہیں اور داعیہ ایسے کے تحمل کی اہلیت رکھتے ہیں اور خدا تعالیٰ ان کے ہاتھ پر اصلاح عالم کی تکمیل فرماتا ہے الحاصل آیت مذکورہ انما ولیکم سیاق و سباق کی شہادت سے صدیق اکبرؓ کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور ان کی اور ان کے متابعین کی طرف تعریض کرتی ہے اور اگر صیغہ کے عموم سے ہم دلیل پکڑیں تو تمام مخلصین کو (یعنی ان سب کو جن سے اس سلسلہ میں مساعی متحقق ہوئیں) شامل ہے۔ اور اسی بناء پر ابو جعفر محمد بن علی الباقر نے جب کہ ان سے کہا گیا کہ یہ آیت علیؓ کے بارے میں نازل ہوئی فرمایا کہ وہ بھی ان مومنین میں سے ہیں اخذ کیا اس کو بغوی نے اور جابرؓ بن عبداللہ کا یہ قول ہے کہ یہ عبداللہؓ بن سلام کے حق میں نازل ہوئی جبکہ ان کو ان کی قوم نے چھوڑ دیا تھا۔ اب مبتدعین کی کج روی کا تماشا دیکھو کہ اس سیاق و سباق کو چھوڑ کر اپنی ہوائے باطل کی ترویج کے کس طرح پیچھے پڑے ہیں۔ زیدی نے اساس میں کہا کہ قول باری تعالیٰ والذین امنوا سے تنہا علیؓ مراد ہیں کیونکہ اس پر مفسرین و اہل تواریخ کا تواتر واقع ہوا ہے۔ صیغہ جمع سے آیت کا ورود ہوا۔ یہ اطلاق العام علے الخاص کی قسم میں سے ہے اور اس کی نظیر یہ ارشاد ہے هم الذین یقولون' الخ (7:63) یہ وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس (جمع) ہیں ان پر کچھ خرچ مت کرو' اور مراد اس سے تنہا ابن ابی ہے۔ (ہم کہتے ہیں کہ) یہ شخص جس تواتر کو منہ سے نکال رہا ہے وہ یہاں نہیں ہو سکتا تواتر کے معنے یہ ہیں کہ ایک جماعت عظیم کے اتنے لوگوں کا عادۃ کذب پر جمع ہونا محال ہو وہ کسی چیز کو حس سے ادراک کر لیں اور اس اپنے ادراک کی خبر دیں یہاں پر حس کوئی نہیں ہو سکتی بجز "سمع" کے صادق و

مصدوق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اور اس بارے میں کوئی حدیث مرفوع بھی ثابت نہیں تو' تواتر کہاں سے آجائے گا۔ اور (تواتر کے یہ اصطلاحی معنے مراد نہ لئے جائیں) بطور مسامحت لفظ تواتر بول کر "اتفاق" مراد لیا جائے تو یہ بھی منع ہی کی حد میں داخل ہے جیسا کہ حضرت جابرؓ اور باقرؒ سے روایت گزر چکی ہے۔ بلکہ یہ تاویل خود ایک امر مختلف فیہ ہے اس میں تامل کرنا چاہئے اگر قاعدے کے مطابق ہو تو ہم لے لیں اور خلاف قاعدہ ہو تو رد کریں پھر ہم کہتے ہیں کہ کون سی ضرورت پیش آئی کہ لفظ عام سے معنی خاص مراد لینے چاہئیں بالخصوص جب کہ لفظ جمع کو مفرد مراد لینا ہو تو اس قسم کی تاویل بعید کے لئے قرینہ قویہ ہونا چاہئے اور ایسا قرینہ کہاں ہے فقیر کاظن جو کچھ کام کرسکا ہے وہ یہ ہے کہ بعض لوگ بطریق تعریض اس لفظ سے حضرت مرتضیٰؓ کو سمجھے ہوں وہ تعریض ایک جدا امر ہے تخصیص عام سے اس جگہ عام اپنے عموم پر باقی رہتا ہے اس کے باوجود قرائن دلالت کرتے ہیں عام میں صرف فرد واحد کے داخل ہونے پر بلکہ اس بات پر کہ بات کا یہ انداز بیان اسی کے لئے تھا جیسا کہ تعریضات کی فصل میں ہم نے مفصل لکھا ہے لیکن یہ شخص اپنی قلت معلومات کے سبب اس معنے کا آشنا نہیں ہے اس لئے تخصیص پر محمول کر رہا ہے ہم پھر کہتے ہیں کہ یہاں تعریض اس وقت صادق آئے گی جبکہ وھم رکعون حال واقع ہو تھا یوتون الزکوۃ سے اور قصہ مخترعہ حضرت مرتضیٰؓ سے مکرر واقع ہوا ہو اور دونوں باتیں ممنوع ہیں تین وجہ سے ایک یہ کہ وھم رکعون حال واقع ہوا ہے بعد ایسے دو جملوں کے جو ایک ہی نسق پر ارشاد ہوئے (یقیمون الصلوۃ اور یوتون الزکوۃ) جو صلہ (الذین) کے احاطہ میں داخل ہیں اور جو مبنی ہیں ضمیر جمع پر جو کہ ان دونوں کی فاعل ہے تو ظاہر یہ ہے کہ دونوں جملہ سے حال واقع ہوا ہو اور اس صورت میں معنے مربوط نہیں ہوتے کہ یہ صورت ہوگی کہ یقیمون الصلوۃ وھم رکعون ○ بخلاف اس کے یوں کہا جائے کہ وھم خشعون للہ فی اقامتہ الصلوۃ وایتاء الزکوۃ (اللہ کے لئے عاجزی کرنے والے ہیں نماز قائم رکھنے اور زکوۃ ادا کرنے میں) یا یوں کہیں یقیمون الصلوۃ المفروضۃ ویوتون الزکوۃ المکتوبۃ وھم راکعون مواظبون علی النوافل (فرض نمازیں قائم رکھتے ہیں اور فرض زکوۃ ادا کرتے ہیں دراں حالیکہ وہ رکوع کرنے والے ہیں یعنی نوافل پر مواظبت رکھنے والے ہیں)۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ یوتون صیغہ مضارع ہے جو دلالت کرتا ہے استمرار تجددی پر' تو اگر یہ حال سے مقید ہوگا تو چاہئے کہ بار بار زکوۃ دینا رکوع کے وقت عمل میں آیا ہو اور ایک بار کا عمل (استمرار تجددی کے لئے) کافی نہیں ہوتا۔ اور کوئی اس کا قائل نہیں۔ (ممنوع ہونے کی) تیسری وجہ یہ ہے کہ جو توجیہ ہم نے اختیار کی ہے وہ تہذیب نفس میں بڑا دخل رکھتی ہے اور کتاب و سنت کے ساتھ پوری موافقت رکھتی ہے اس لئے کہ خشوع نماز کے وقت میں اور صدقہ (دونوں) مطلوب شرعی ہیں اور ہزاروں دلائل شرعیہ ان کے مطلوب ہونے پر دلالت کرتی ہیں اور اسی طرح فرائض کو

قائم رکھنا اور نوافل پر مواظبت شریعت میں ممدوح ہے اور افراد بشر کی افضلیت و اکملیت کا ان پر مدار واقع ہوا ہے' بخلاف رکوع کے وقت صدقہ دینے کے کہ کوئی مناسبت مقاصد شرعیہ کے ساتھ اس میں واضح نہیں ہے بجز اس کے کہ صدقات میں مسارعت پر فی الجملہ دلالت رکھے اور اس صورت میں حسن عبارت یہ ہوگی کہ یوں کہیں وھم یسارعون فی الصدقۃ خصوصیت رکوع کا اس میں کوئی دخل نہیں کہ مدح اس پر دائر ہو پھر اگر ہم تسلیم کرلیں کہ آیت حضرت مرتضیٰؓ کی شان میں نازل ہوئی ہے تو زیادہ سے زیادہ دلالت اس بات پر ہوگی کہ حضرت مرتضیٰؓ مسلمانوں کو مدد دینے والے ہیں اور یہ بات حسب واقعہ ہے کیونکہ خدا تعالیٰ نے مرتضیٰؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مواقع قتال میں توفیق عظیم عطا فرمائی تھی یہاں تک کہ ان سے امور عجیبہ کا ظہور ہوا جیسا کہ روز بدر اور جنگ احد میں آپؓ کا مقابلہ کرنا اور عمرو بن عبدود کو قتل کرنا اور غزوۂ خندق میں اور واقعہ خیبر میں قلعہ کا فتح کرنا اور اس طرح کے بہت واقعات ہیں اور یہ نصر مسلمین (یعنی مسلمانوں کی مدد) تھی' خلافت کہاں سے مفہوم ہوگی۔ اور اگر شیعہ یہ کہیں کہ ولی کے معنی امور میں تصرف کرنے والے کے ہیں۔ جیسا عورت کا ولی نکاح کے بارے میں اور لڑکے کا ولی اس کے معاملات کے بارے میں' اور ضمیر خطاب کی امت کے واسطے ہے اور امت کا ولی صرف امام ہی ہوتا ہے۔ تو ہم جواب دیں گے اولا بنقض اجمالی اگر یہ آیت حضرت مرتضیٰؓ کی امامت فی الحال پر دلالت کرنے والی ہے تو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات کی حالت میں بھی امام ہوں گے اور اس کا کوئی قائل نہیں اور اگر اس کے معنی ولو بعد حین سمجھیں۔ (یعنی خلافت کا ظہور ہوگا اگرچہ کچھ زمانہ گزرنے کے بعد ہو) تو یہ تو ہماری تائید کرے گی کیونکہ اوقات میں سے کسی وقت (سے ہم وہ وقت مراد مانتے ہیں) جو آپؓ کی خلافت پر قیام کا وقت تھا اور آپؓ امام برحق تھے اور دوسرا تحقیق قرآن میں جس جگہ لفظ ولایت آیا ہے اس کے معنی نصرت (یعنی مدد) لئے گئے ہیں۔ سورۂ انفال میں ہے ان الذین امنو وھاجروا' الخ (72:8) بیشک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اپنے مال اور جان سے اللہ کے راستہ میں جہاد بھی کیا اور جن لوگوں نے رہنے کو جگہ دی اور مدد کی وہ ایک دوسرے کے رفیق ہیں اور جو ایمان لائے اور گھر نہیں چھوڑا تم کو ان کی رفاقت سے کچھ کام نہیں جب تک وہ گھر نہ چھوڑ آئیں اور اگر وہ تم سے مدد چاہیں دین میں تو تم کو لازم ہے ان کی مدد کرنی الخ اور سورۂ مائدہ میں ہے لا تتخذ وا الیھود' الخ (51:5) اے ایمان والو مت بناؤ۔ یہود اور نصاریٰ کو دوست وہ آپس میں یار و مددگار ہیں ایک دوسرے کے' ان کے علاوہ اور بھی ہیں خصوصا اس آیت میں سیاق و سباق نصرت کے معنے پر صاف صاف دلالت کر رہا ہے کیونکہ اول یہ فرما کر پھر آگے یہ فرماتے ہیں یایھا الذین امنوا من یرتد' الخ (54:5) اے ایمان والو جو شخص تم میں سے اپنے دین سے پھر جائے تو اللہ تعالیٰ بہت جلد ایسی قوم کو پیدا کردے گا جن

سے اللہ تعالیٰ کو محبت ہوگی اور ان کو اللہ تعالیٰ سے محبت ہوگی۔ الخ' اور یہ نصرت ہی کی طرف اشارہ ہے ۔ اس کے بعد فرماتے ہیں ومن یتول اللہ' الخ (56:5) اور جو شخص اللہ سے دوستی رکھے گا اور اس کے رسولؐ سے اور ایماندار لوگوں سے سو اللہ کا گروہ بلاشک غالب ہے' اور یہ

نصرت کے معنی میں صریح ہے ۔ انصاف کرو کہ یہ دلیل فی نفسہ حضرت مرتضیٰؓ کی خلافت کے وجوب پر دلالت کرتی ہے؟ یا ہوائے نفس کی بیماری سے اپنے سینہ کو ہلکا کرنے کے لئے دور دراز سے کھینچ کر اپنے مدعا پر آیت کو ڈال دیا ہے۔ (زیدی کہتا ہے) قولہ تعالےٰ' لا ینال عھدی الظلمین (124:2) ارشاد ہوا کہ میرا (یہ) عہدہ (نبوت) خلاف ورزی کرنے والوں کو نہ ملے گا' یعنی خلافت' اور ابوبکرؓ ظالم تھا کیونکہ وہ اول عمر میں کافر تھا یہاں تک کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث ہوئے اور ان کو اسلام کی طرف دعوت دی اصل قصہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام کو خطاب فرمایا انی جاعلک ' الخ (124:2) کہ میں تم کو لوگوں کا مقتدا بناؤں گا اور انہوں نے عرض کیا اور میری اولاد میں سے بھی کسی کسی کو (نبوت دیجئے) ارشاد ہوا کہ میرا یہ عہد (نبوت) خلاف ورزی کرنی والوں کو نہ ملے گا اگرچہ امام کے معنی پیشوا ہیں نبی ہو یا خلیفہ یا عالم مقتدا۔ لیکن بغیر کسی شک کے یہاں نبی مراد ہے تو کلام کے معنی یہ ہیں کہ خدائے تبارک و تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لوگوں کے لئے نبی بنایا اور ان کو لوگوں کی طرف مبعوث کیا اور آپ نے صلوات اللہ و سلامہ علیہ سوال کیا کہ خدایا میری اولاد میں سے بھی ایک جماعت کو انبیاء بنایئے۔ حق سبحانہٗ نے فرمایا کہ میری وحی یا میری نبوت ظالموں کو نہیں پہنچے گی۔ اور اس ماجرا کے بیان کا مقصد مشرکین عرب کے اس قول کا ابلغ طور پر رد کرنا مقصود ہے۔ جو وہ کہتے تھے لو لا نزل' الخ (31:43) اور کہنے لگے کہ یہ قرآن (اگر کلام الٰہی ہے تو) ان دونوں بستیوں مکہ و طائف کے رہنے والوں) میں سے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہیں نازل کیا گیا' جب آیت کے معنی معلوم ہو گئے تو ہم کہتے ہیں کہ یہاں قطعاً" خلافت کا کوئی ذکر نہیں اور آیت کے مدلول نے مسئلہ خلافت کو چھوا بھی نہیں۔ یہاں مقصد نبوت اور وحی کا ذکر ہے اور بناء بر تسلیم ہم کہتے ہیں کہ لفظ ظالم حقیقتہ ایسے شخص پر بولا جاتا ہے جو کہ مضمون جملہ کے واقع ہونے کے وقت ظالم ہو نہ ایسے شخص پر جو کسی زمانہ میں اس سے پہلے یا بعد میں ظالم ہوا ہو۔ شیرے کا اطلاق خمر پر یا خمر کا شیرے پر بالاتفاق مجاز ہے اور ابوبکر صدیقؓ خلافت ملنے کے وقت ظالم نہیں تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد الا ترضی ان تکون' الخ یعنی کیا تو اس پر راضی نہیں ہے کہ تیرا مرتبہ میرے ساتھ وہ ہو جو ہارونؑ کا مرتبہ تھا موسیٰؑ کے ساتھ اصل قصہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غزوۂ تبوک کی طرف متوجہ ہوئے اور حضرت مرتضیٰؓ کو اپنی خانگی مصلحتوں کی وجہ سے گھر میں چھوڑا اس کی وجہ سے ایک گو نہ ملال حضرت مرتضیٰؓ کے دل میں پیدا ہوا کہ جنگ کے وقت وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے

ساتھ نہ ہوں گے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم اس سے خوش نہیں ہو کہ تمہارا مرتبہ میرے ساتھ وہ ہو جو ہارونؑ کا مرتبہ تھا موسیٰؑ کے ساتھ اخذ کیا ترمذی اور حاکم نے سعد کی حدیث سے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آپؐ علی رضی اللہ عنہ سے فرما رہے تھے اور بعض غزوات میں آپؐ نے ان کو اپنا نائب بنا کر چھوڑ دیا تو آپؐ سے علیؓ نے کہا کہ یا رسولؐ اللہ آپؐ مجھے عورتوں اور لڑکوں کے ساتھ چھوڑ رہے ہیں تو ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم اس سے خوش نہیں ہو کہ تمہارا مرتبہ میرے ساتھ وہ ہو۔ جو ہارونؑ کا مرتبہ تھا موسیٰؑ کے ساتھ بجز اس کے کہ میرے بعد نبوت نہیں ہے۔ حاصل یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے طور کی طرف جاتے وقت اپنی غیرحاضری تک بنی اسرائیل پر حضرت ہارونؑ کو اپنا خلیفہ بنایا تھا تو حضرت ہارونؑ میں تین خوبیاں جمع ہو گئی تھیں (پہلی) یہ کہ وہ حضرت موسیٰؑ کے اہل بیت میں سے تھے۔ (دوسری) یہ کہ ان کی عدم موجودگی میں ان کے خلیفہ ہوئے۔ (تیسری) یہ کہ نبی تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب مرتضیٰؓ کو خلیفہ بنایا غزوۂ تبوک میں تو حضرت مرتضیٰؓ نے حضرت ہارونؑ کے ساتھ دو خوبیوں میں مشابہت حاصل کرلی اول (نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی غیبت کے وقت ان کی خلافت دوسری اہل بیت نبوت میں سے ہونا ۔ تیسری خوبی جو نبوت تھی اس میں مشابہت نہ ہوئی۔ یہ مفہوم خلافت کبریٰ کے ساتھ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد ہوگی کوئی ربط نہیں رکھتا کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر غزوے میں کسی شخص کو امیر مدینہ مقرر کرتے تھے خلافت کبریٰ اور بات ہے اور خلافت صغریٰ مدینہ سے غیرحاضری کے وقت میں اور بات' اگر (یہ ارشاد نبویؐ) اس بات پر دلالت کرے کہ مرتضیٰؓ اس بات کے حقدار ہیں کہ امور مہمہ ان کے سپرد فرمائیں تو اس خیال کا ہمارے مذہب کے ساتھ کوئی اختلاف نہیں اور اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مراد خلافت کبریٰ ہوتی تو آپؐ حضرت یوشع علیہ السلام کے ساتھ تشبیہہ دیتے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلیفہ ہوئے ان کی وفات کے بعد' حضرت ہارون علیہ السلام سے تشبیہہ نہ دیتے کیونکہ حضرت ہارونؑ ' حضرت موسیٰؑ کی بجانب طور غیبت کے وقت میں ان کے خلیفہ ہوئے تھے نہ ان کی وفات کے بعد حضرت ہارونؑ کی وفات حضرت موسیٰ علیہ السلام سے چند سال قبل ہوئی اہل تشیع اس دلیل کو صحیح بنانے کے لئے کہتے ہیں کہ یہ (کلام) دلالت کرتا ہے اس بات پر کہ تمام منازل (مراتب) جو ہارونؑ کے لئے ثابت ہیں موسیٰؑ کی جانب سے وہ علیؓ کے لئے ثابت ہیں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے اگر ایسا نہ ہوگا تو استثناء صحیح نہ ہوگا اور ان منازل میں سے جو ہارونؑ کے لئے موسیٰ علیہ السلام کی جانب سے ثابت ہیں وہ ان کا استحقاق ہے موسیٰؑ کی وفات کے بعد ان کا قائم مقام بننے کا اگر زندہ رہیں کیونکہ موسیٰؑ نے اگر ان کو برخاست کر دیا ہوتا تو ان سے نفرت دلانے والے ہوتے اور نبیاءؑ کے حق میں یہ جائز نہیں ہے

اور نیز کہا ہے کہ ان منازل میں سے جو ہارونؑ کے لئے موسیٰؑ کی جانب سے ثابت ہیں ایک یہ ہے کہ وہ ان کے شریک تھے رسالت میں اور اس کے لوازم میں سے ہے استحقاق طاعت کا موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد اگر وہ باقی رہیں تو ضروری ہوا کہ یہ سب اوصاف ثابت کئے جائیں حضرت علیؓ کے لئے بھی سوائے اس کے کہ رسالت میں ان کی شرکت ممتنع ہوگئی تو واجب ہوا کہ بغیر رسالت کے ان کو امت پر اس حیثیت کے ساتھ کہ ان کی اطاعت واجب ہو باقی رکھا جائے اور یہی معنے امامت کے ہیں ہم جواب میں کہتے ہیں کہ ہارونؑ کے مرتبہ میں ہونا بہ نسبت موسیٰؑ کے تشبیہ کی ایک نوع ہے اور تشبیہ میں وہی اوصاف معتبر ہوتے ہیں جو مشہور ہوتے ہیں اور زبانوں پر ان کا ذکر آتا رہتا ہے نہ کہ دور دراز کے اوصاف یہ ایسی ہی بات ہے کہ کوئی شخص "زید بمنزلۃ الاسد" سے (زید شیر کے مرتبہ میں ہے) زید کے شیر جیسے دانت اور لمبے بال بھی سمجھ بیٹھے یا سبعیت میں زید کی شرکت کا ادراک کرے۔ حضرت ہارونؑ کی مشہور خوبیوں میں سے وہی تین خوبیاں ہیں (جو ہم نے ذکر کی ہیں) کوئی ذی عقل اس قسم کے کلام سے بعد وفات خلافت کے استحقاق کے معنے نہیں سمجھ سکتا خصوصاً اس جوڑ کے لگا دینے کی وجہ سے (جو مضحکہ خیز ہے) کہ خلافت کے عدم استحقاق کی وجہ ہے عزل (یعنی خلافت سے معزولی) لازم آتی ہے اور معزولی سے تنفر خلائق متحقق ہوتا ہے بلکہ کہہ سکتے ہیں کہ اگر ہارونؑ کے بعد موسیٰؑ زندہ رہتے تو وہ خلافت اصطلاحی کے ساتھ خلیفہ نہ ہوتے۔ کیونکہ خلافت اصطلاحی غیر پیغمبر کے لئے سزاوار ہے نہ کہ پیغمبر کے لئے اور کہہ سکتے ہیں کہ اس کام کا منقطع (یا ختم) ہو جانا جس کو بشرط غیبت سپرد کیا گیا ہو عزل (یعنے اس عہدے سے برخاست کرنا) نہیں ہے بلکہ اس کام کا مکمل ہوجانا ہے جیسا کہ کسی کو کہا جائے کہ فلاں کام کرکے آجاؤ اور وہ کرکے آگیا اور کہہ سکتے ہیں کہ انبیاءؑ میں استحقاق طاعت نبوت کی جہت سے ہوتا ہے جب نبوت کو درمیان سے مستثنیٰ کر دیا تو جو وصف نبوت کی جہت سے آنے والا ہے وہ بھی مستثنیٰ ہوگیا۔ اور امت کی اکثریت امامت کے (اس مخترعہ) مرتبہ کو یعنی معصوم مفترض الطاعت کو ثابت نہیں کرتی بلکہ اس کا مفہوم حاصل ہوتا ہی نہیں ایسی چیز پر کلام کی بنیاد رکھنا انصاف سے کس قدر بعید ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا یہ ارشاد یوم غدیر خم میں کہ من کنت مولاہ فعلی مولاہ' اصل قصہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حضرت مرتضیٰؓ کو یمن کی جانب بھیجا تھا وہاں ان کے اور ان کے لشکر والوں کے درمیان کچھ ناگواری واقع ہوگئی جب حجۃ الوداع میں آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں حضرت مرتضیٰؓ اور آپ کے اصحاب حاضری سے مشرف ہوئے تو آپؓ کے لشکر والوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے سامنے شکایت پیش کی آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے چند روز توقف فرمایا اور حضرت مرتضیٰؓ سے حقیقت حال دریافت کی جب اصل قصہ آپؐ کے خیال مبارک میں منقح ہوگیا تو آپؐ کو لشکر والوں کی آپؓ کے ساتھ سرکشی معلوم

شاہ صاحب حضرت علیؓ کے فضائل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

اخرج ابوبکر عن ابی اسحق قال قال علی کلمات لورحلتم المطی فیھن لا نقیتموھن قبل ان تدرکو مثلھن لا یرج عبد الا ربہ ولا یخف الا ذنبہ ولا یستحیی من لا یعلم ان یتعلم ولا یستحیی من اذا سئل عما لا یعلم ان یقول اللہ اعلم واعلموا ان منزلۃ الصبر من الایمان کمنزلۃ الراسؑ من الجسدفاذا ذہب الراس ذہب الجرواذا ذہب الصبرذہب الایمان وعن زیدبن الحارث عن رجل من بنی عامر قال قال علی انما اخاف علیکم اثنتین طول الامل واتباع الھوٰی قال طول الامل ینسی الآخرۃ وان اتباع الھوی یصد عن الحق وان الدنیا قدترحلت مدبرۃ وان الآخرۃ قدجاءت مقبلتہ فلکل واحدۃ منھما بنون فکونوا من ابناء الاخرۃ فان الیوم عمل ولا حساب وغدا حساب ولا عمل وعن الحسن قال قال علیؓ طوبیٰ لکل عبدنومتہ عرف الناس ولم یعرفہ الناس وعرفہ اللہ من برضوان اولٰئک مصابیح الھدی یجلی عنھم کل فتنۃ مظلمتہ ویدخلھم فی رحمتہ لیس اولٰئک بالمذا ییع البذر ولا بالجفاۃ المرائین وعن عطاء بن ابی رباح قال کان علیؓ بن ابی طالب اذا بعث سریتہ ولی امرھا رجلا فاوصاہ فقال اوصیک بتقوی اللہ لا بدلک من لقاء ولا منتھی لک دونہ ہو یملک الدنیا فالاخرۃ وعلیک بالذی یقربک الی اللہ فان فیما عنداللہ خلفا من الدنیا وعن زیدبن وھب ان بعجتہ عاب علیا فی لباسہ فقال یقتدی المومن ویخشع القلب وعن عمرو بن کثیر الحنفی عن علیؓ قال اکظموا الغیظ واقلو الضحک لا تمجہ القلوب وعن الحارث عن علیؓ قال مثل الذی جمع الایمان والقرآن مثل الاترنجتہ الطیبتہ الریح الطیبتہ الطعم ومثل الذی لم یجمع الایمان ولم یجمع القرآن مثل حنظلتہ خبیثتہ الریح خبیثتہ الطعم وعن محمد بن عمرو بن علیؓ قال قیل لعلی ما شانک یا باحسن جاورت المقبرۃ قال انی اجدھم جیران صدق یکفون السیئتہ ویذکرون الاخرۃ اخرج ہذہ الاحادیث کلھا ابوبکر بن ابی شیبہ وفی الصواعق من کلامہ کرم اللہ وجہہ الناس نیام اذا ماتوا انتبھوا الناس بزمانھم اشبہ منھم باآبھم لو کشف الغطاء ما ازددت یقینا ما ہلک امرء عرف قدرہ قیمتہ کل امرء ما یحسنہ من عرف نفسہ فقد عرف ربہ المرء مخبو تحت لسانہ من عذب لسانہ کثرا خوانہ من البر یستعبد الحر بشرمال البخیل بحادث او وارث لا تنظر الذی قال انظر الی ما قال الجزع عند البلاء تمام المحنتہ لا ظفر مع البغی لا ثناء مع الکبر لا صحتہ مع النھم والتخم لا شرف مع سوء الادب لا راحتہ مع الحسد لا سودد مع الانتقام لا صواب مع ترک المشورۃ لا مروۃ للکذاب ولا کرم اعز من التقی لا شفیع انجح من التوبتہ لا لباس اجمل من العافیتہ لا داء اعیی من الجھل رحم اللہ امرء" قد عرف قدرہ ولم یتعد طورہ اعادتہ الاعتذار تذکرہا للذنب النصح بین الملاء تقریع نعمتہ الجاہل کروضتہ علی مزبلتہ الجزع اتعب من الصبر اکبر الاعداء اخفاہم مکیدۃ الحکمتہ ضالتہ المومن البخل

جامع لمساوی العیوب اذا حلت المقادیر ضلت التدابیر عبد الشہوۃ اذل من عبد الرق الحاسد مغتاظ علی من لا ذنب لہ کفی بالذنب شفیعا للمذنب السعید من وعظ بغیرہ الاحسان یقطع اللسان افقر الفقر الحمق۔ اغنی الغنی العقل الطامع فی وثاق الذل۔ لیس العجب ممن ہلک کیف ہلک العجب ممن نجا اکثر مصارع العقول تحت بروق الاطماع اذا وصلت الیکم النعم فلا تنفروا اقصاہا بقلۃ الشکر۔ اذا قدرت علی عدوک فاجعل العفو عنہ شکر القدرۃ علیہ ما اضمر احد شیئا الا ظہر فی فلتات لسانہ وعلی صفحات وجہہ۔ البخیل یستعجل الفقر ویعیش فی الدنیا عیش الفقراء ویحاسب فی الاخرۃ حساب الاغنیاء۔ لسان العاقل وراء قلبہ وقلب الاحمق وراء لسانہ العلم یرفع الوضیع والجہل یضع الرفیع۔ العلم خیر من المال۔ العلم یحرسک وانت تحرس المال۔ العلم حاکم والمال محکوم علیہ قصم ظہری عالم متہتک وجاہل متنسک ہذا یفتی وینفر الناس بتہتکہ وہذا یضل الناس بتنسکہ اقل الناس قیمۃ اقلہم علما اذ قیمۃ کل امرء ما یحسنہ ومن کراماتہ ما ذکرہ صاحب الریاض عن الاصبغ قال اتینا مع علیؓ فمررنا بموضع قبر الحسینؓ فقال علیؓ ہہنا مناخ رکابہم وہہنا موضع رحالہم وہہنا مہراق دماءہم فتیۃ من آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم یقتلون بہذہ العرصۃ فیبکی علیہم السماء والارض۔ وعن جعفر بن محمد عن ابیہ قال عرض لعلی رضی اللہ عنہ رجلان فی خصومۃ فجلس فی اصل جدار فقال رجل یا امیر المومنین الجدار یقع فقال لہ علیؓ امض کفی باللہ حارسا فقضی بین الرجلین فقام فسقط الجدار۔ وعن الحارث قال کنت مع علیؓ بن ابی طالب بصفین فرأیت بعیرا من اہل الشام جاء وعلیہ راکب وثقلہ فالقی ما علیہ وجعل یتخلل الصفوف حتی انتہی الی علیؓ فوضع مشفرہ ما بین راس علی ومنکبہ وجعل یحرکہما بجیرانہ فقال علیؓ واللہ انہا لعلامۃ بینی وبین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال فجد الناس فی ذالک الیوم واشتد قتالہم وعن علی بن زاذان ان علیا حدث حدیثا فکذبہ رجل فقال علیؓ ادعو علیک ان کنت صادقا قال نعم فدعا علیہ فلم ینصرف حتی ذہب بصرہ وعن ابی ذر رضی اللہ عنہ قال بعثنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ادعو علیا فاتیت بیتہ فناویتہ فلم یجبنی فعدت فاخبرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال لی عد الیہ ادعہ فانہ فی البیت قال فعدت اناویتہ فسمعت صوت رحی تطحن فشارفت فاذا الرحی تطحن ولیس معہا احد فناویتہ فخرج الی منشرحا فقلت لہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یدعوک فجاء ثم لم ازل انظر الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وینظر الی ثم قال یا ابا ذر ما شانک فقلت یا رسول اللہ عجبت من العجب رأیت رحی تطحن فی بیت علی ولیس معہا احد یدیرہا فقال یا ابا ذر ان للہ ملائکۃ سیاحین فی الارض وقد وکلوا بمعونۃ آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم وعن فضالۃ بن ابی فضالۃ قال خرجت مع ابی الی ینبع عائدا لعلی وکان مریضا فقال

لہ ابی ما یسکنک بمثل ہذا المنزل لو ہلکت لم یلک الا اعراب اعراب جہینۃ فاحمل الی المدینۃ فان اصابک بہا قدر ولیک اصحابک وصلوا علیک وکان ابو فضالۃ من اہل بدر فقال علی انی لست بمیت من وجعی ہذا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عہد الی ان لا اموت حتی اضرب ثم تخضب ہذہ یعنی لحیتہ من ہذہ یعنی ہامتہ فقتل ابو فضالۃ معہ بصفین۔ واخرج ابو عمر عن عبیدۃ قال کان علی اذا رای ابن ملجم قال۔ ارید حیاءہ ویرید قتلی عذیرک من خلیلک من مراد وکان علی کثیرا ما یقول ما یمنع اشقاہا او ما ینتظر اشقاہا ان یخضب ہذہ من دم ہذا ویقول واللہ لیخضبن ہذہ من دم ہذا ویشیر الی لحیتہ وراسہ خضاب دم لا خضاب عطر ولا عبیر ونصیب او از احیاء علوم دینیہ آن است کہ جمع کرد قرآن را بحضور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وترتیب داد وبودان را لیکن تقدیر مساعد شیوع آن نشد اخرج ابو عمر عن محمد بن کعب القرظی قال کان ممن جمع القرآن علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہو حی عثمانؓ بن عفان وعلیؓ بن ابی طالب وعبد اللہؓ بن مسعودؓ من المہاجرین وسالم مولی ابی حذیفۃ بن عتبۃ بن ربیعۃ مولی لہم لیس من المہاجرین وباز جمعی از تابعین قرآن را از وی روایت کردہ اند وروایت او جمع تا حال باقی است قال البغوی فی شرح السنۃ والقراء المعروفون اسندوا قراءتہم الی الصحابۃ فعبد اللہ بن کثیر ونافع اسندا الی ابی بن کعبؓ عبد اللہ بن عامر اسند الی عثمانؓ بن عفان اسند عاصم الی علیؓ وعبد اللہؓ بن مسعود وزیدؓ واسند حمزہؓ الی عثمانؓ وعلیؓ وہولاء قرءوا علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فثبت ان القرآن کان مجموعا محفوظا کلہ فی صدور الرجال ایام حیوۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ووی رضی اللہ عنہ از حفاظ حدیث واز مکثرین صحابہ است ودر یادی النظر قریب ششصد حدیث در کتب معتبرہ از احادیث مرفوعہ وی رضی اللہ عنہ مذکور است ودر فی الحقیقت مرفوعات او از ہزار بیشتری توان یافت واین مبحث را درمناقب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ مذکور کردیم فراجع وبعض ابواب حدیث کہ پیش از وی روایت نکردہ بودند او فاتح آن ابواب است از انجملہ بیان حلیہ منورہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وگذران اوقات شب وروز آنجناب علیہ الصلوۃ والسلام ترمذی در کتاب شمائل بروایت حضرت حسنین رضی اللہ عنہما حدیثی طویل آوردہ ودر بعض روایت ضعیف آمدہ عن ابن عمر ان الیہود جاءوا الی ابی بکرؓ فقالوا صف لنا صاحبک فقال معشر الیہود لقد کنت معہ فی الغار کاصبعی ہاتین ولقد صعدت معہ جبل حراء وان خنصری لفی خنصرہ ولکن الحدیث عنہ صلی اللہ علیہ وسلم شدید وہذا علیؓ بن ابی طالب فاتوا علیا فقالوا یا ابا الحسن صف لنا ابن عمک فقال لم یکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالطویل الذاہب ولا بالقصیر المتردد کان فوق الربعۃ ابیض اللون مشربا حمرۃ جعدا لیس بالقطط یفرق شعرہ الی اذنیہ اصلت الجبین ادعج العینین دقیق المسربۃ براق

الشنا یا اقنی الانف کان عنقہ ابریق فضتہ لہ شعرات من لبتہ الا سرتہ کانہن قضیب مسک اسود ولیس فی جسدہ ولا فی صدرہ شعرات غیرہن وکان شثن الکف والقدم واذا مشی کان یتقلع من صخر واذا التفت التفت بمجامع بدنہ واذا قام غمر الناس واذا قعد علا الناس واذا تکلم انصت الناس واذا خطب ابکی الناس وکان ارحم الناس بالناس للیتیم کالاب الرحیم وللارملتہ کالزوج الکریم اشجع الناس ابذلہم کفا واصبہم وجہا لباسہ العباء وطعامہ خبز الشعیر ووسادہ الادم محشوا بلیف النخیل سریرہ ام غیلان مرمل بالشریط کان لہ عمامتان احدٰہما تدعی السحاب والاخری العقاب وکان سیفہ ذوالفقار ودراتیہ الفراء وناقتہ العضباء وبغلتہ دلدل وحمارہ یعفور وفرسہ بحر وشاتہ برکتہ وقضیبہ الممشوق ولواءہ الحمد وکان یعقل البعیر ویعلف الناضح ویرقع الثوب ویخصف النعل واز انجملہ نماز مناجات کہ در تحصیل لذت مناجات بنایت موثر است وہر کہ بران مواظبت کند نورانیت او رادریابد' لمن لم یلق لم یدرا خرجتہ الترمذی وغیرہ بروایتہ لا عرج عن عبیداللہ بن ابی رافع عن علی مبسوطا واز انجملہ نوافل اوقات یومیہ از ضحی وصلواۃ الزوال وغیرہ کہ بابی است از ابواب تصوف بنایت نافع اخرج احمد عن عاصم بن ضمرۃ قال سالنا علیا عن تطوع النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالنہار فقال انکم لا تطیقونہ قال قلنا اخبرنا بہ ناخذ منہ ما اطقنا قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا صلی الفجر امہل حتی اذا کانت الشمس من ہہنا یعنی من قبل المشرق مقدارہا من صلوۃ الظہر من ہہنا من قبل المغرب قام فصلی اربعا "و اربعا" قبل الظہر اذا زالت الشمس ورکعتین بعدہا واربعا قبل العصر یفصل بین کل رکعتین بالتسلیم علی الملائکتہ المقربین۔

ترجمہ: روایت کیا ابو بکر نے ابو اسحٰق سے' کہا کہ علیؓ نے فرمایا کہ چند کلمات ہیں اگر ان کی طلب میں تم سفر کرو اپنی سواریوں پر تو ان کا مغز گھلا دو گے پہلے اس سے کہ ان کے جیسے حاصل کرنے میں تم کو کامیابی ہو۔ (وہ یہ ہیں):

ملفوظات حضرت علی کرم اللہ وجہہ: بندہ کو اپنے رب کے سوا کسی سے امید نہ باندھنی چاہئے اور نہ ڈرنا چاہئے مگر اپنے گناہ سے اور جو شخص نہیں جانتا وہ سیکھنے سے شرم نہ کرے اور جس شخص سے کوئی ایسی بات پوچھی جائے جس کو نہ جانتا ہو تو وہ اللہ اعلم کہنے سے شرم نہ کرے اور جان لو کہ صبر کا مرتبہ ایمان کے مقابلہ میں ایسا ہے جیسا سر کا مرتبہ جسد کے مقابلہ میں تو جب سر جائے گا تو جسم بھی جاتا رہے گا اسی طرح جب صبر جائے گا تو ایمان بھی جاتا رہے گا اور مروی ہے زید بن الحارث سے وہ روایت کرتے ہیں بنی عامر کے ایک شخص سے کہا کہ فرمایا علیؓ نے کہ مجھے تم پر دو برائیوں کا اندیشہ ہے طول امل (امید کا طومار) اور نفسانی خواہش کا اتباع۔ فرمایا کہ طول امل آخرت کو بھلا دیتا ہے اور بلا شبہ خواہش نفس کا اتباع حق سے روک دیتا

ہے اور یقیناً دنیا (کا یہ حال ہے کہ وہ) پیٹھ پھیر کر رخصت ہو رہی ہے اور آخرت سامنے آتی جا رہی ہے اور دونوں میں سے ہر ایک کے اولاد ہے تو تم کو چاہئے کہ آخرت کی اولاد بنو کیونکہ آج عمل ہے حساب نہیں' اور کل حساب ہو گا عمل نہ ہو گا اور مروی ہے حسنؓ سے کہا کہ فرمایا علیؓ نے کہ خوش حالی ہے اس بندے کے لئے جو گمنام ہو اس نے لوگوں کو پہچانا اور لوگوں نے اسے نہ پہچانا اور اللہ نے اس کو پہچانا کہ وہ اس کی رضا جوئی میں ہے۔ ایسے لوگ ہدایت کے چراغ ہیں' ہر اندھیری والا فتنہ ان کی برکت سے دفع ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ ان کو اپنی رحمت میں داخل کرتا ہے وہ راز کو فاش کرنے والے پیٹ کے ہلکے نہیں ہوتے اور نہ جلد باز (آگے چلنے والے) ریاکاری کرنے والے ہوتے ہیں اور عطاء بن ابی رباح سے مروی ہے کہا کہ علیؓ بن ابی طالب جب کوئی سریہ بھیجتے اور اس پر کسی شخص کو امیر بناتے تو اس کو نصیحت کرتے اور فرماتے کہ میں تجھ کو اللہ سے تقویٰ کی وصیت کرتا ہوں تجھے اس سے ملنا ضروری ہو گا اور اس کے علاوہ اور کوئی تیرا منتہیٰ نہ ہو گا وہ دنیا اور آخرت کا مالک ہے اور تجھ پر لازم ہے کہ ایسی چیز کو اختیار کرے جو تجھے اللہ سے قریب کرے کیونکہ اس چیز میں جو اللہ کے پاس ہے بدلہ ہے دنیا (میں کئے ہوئے اعمال) کا اور مروی ہے زید بن وہب سے کہ جعدہ نے علیؓ پر ان کے لباس کے بارے میں عیب لگایا' تو آپؓ نے فرمایا کہ مومن مقتدی ہوتا ہے اس حال میں کہ قلب خشوع کرے (لباس سے مقتدی نہیں بنتا بلکہ قلب سے بنتا ہے) اور مروی ہے عمرو بن کثیر حنفی سے وہ روایت کرتے ہیں علیؓ سے کہ فرمایا کہ غصہ کو ضبط کرو اور ہنسنا کم کرو اس سے قلوب نہیں بگڑتے اور حارث روایت کرتے ہیں علیؓ سے کہ فرمایا کہ جس نے ایمان اور قرآن کو جمع کیا اس کی مثال ترنج کی سی ہے' خوش بودار بھی اور خوش مزہ بھی اور جس نے نہ ایمان کو جمع کیا اور نہ قرآن کو جمع کیا وہ مثل اندرائن کے ہے بدبودار اور بدمزہ۔ اور مروی ہے محمد بن عمرو بن علی سے کہا کہ علیؓ سے کہا گیا کہ اے ابو الحسنؓ آپؓ کا یہ کیا حال ہے کہ آپؓ قبرستان کے مجاور ہو گئے ہیں فرمایا کہ میں ان کو صادق پڑوسی پاتا ہوں برائی سے روکتے ہیں اور آخرت کو یاد دلاتے ہیں۔ ان تمام احادیث کو ابو بکر بن ابی شیبہ نے روایت کیا اور صواعق میں آنحضرت کرم اللہ وجہہ کے ارشادات میں سے ہے۔

کلمات حکمت جن میں سے بہت سے ضرب المثل بن چکے ہیں: لوگ سوئے ہوئے ہوتے ہیں' جب مرتے ہیں تو جاگتے ہیں لوگ اپنے زمانہ میں کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جو اپنے باپ دادا سے زیادہ مشابہ ہوتے ہیں۔ اگر پردہ ہٹا دیا جائے تو میرے یقین میں اضافہ نہ ہو گا۔ وہ شخص ہلاک نہیں ہوا جس نے اپنا مرتبہ پہچان لیا' آدمی اپنی اچھی قیمت خود بناتا ہے' جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا تو اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔ آدمی اپنی زبان کے نیچے چھپا ہوا ہوتا ہے جس کی زبان شیریں ہو گی اس کے دوست بہت ہوں گے' نیکی سے آگ کو بھی غلام بنا لیا جاتا ہے بخیل کے مال کو بشارت دے دو کسی حادثہ کی یا کسی وارث کی' اس کو نہ دیکھو کہ کس نے کہا' یہ دیکھو کہ کیا کہا' مصیبت کے وقت گھبرا جانا مصیبت (کو بڑھا کر) مکمل کر دیتا ہے۔ فتح مندی بغاوت کے ساتھ' فتح مندی نہیں ہے ثناء کبر کے ہوتے ہوئے کوئی چیز نہیں (کھانے کی) بڑھی ہوئی حرص اور بدہضمیوں کے ہوتے ہوئے صحت کا کوئی وجود نہیں۔ شرافت بدتمیزی کے

ساتھ جمع نہیں ہوتی حسد کے ہوتے ہوئے راحت نہیں ملتی۔ انتقام کے جذبہ کے ساتھ سرداری جمع نہیں ہوتی۔ درست رائے ترک مشورہ کے بعد نہیں ملتی۔ بہت جھوٹ بولنے والے کی مروت نہیں چاہیے۔ کوئی بزرگی تقویٰ سے اونچا مرتبہ نہیں رکھتی۔ توبہ سے زیادہ نجات دینے والے کوئی سفارشی نہیں۔ عافیت سے زیادہ خوبصورت کوئی لباس نہیں۔ بیکار کر دینے والے جہل سے بڑا کوئی مرض نہیں اللہ تعالیٰ رحمت کرتا ہے ایسے شخص پر جو اپنے مرتبہ کو پہچانے اور اپنی وضع سے آگے نہ بڑھے۔ معذرت کو بار بار لوٹانا گناہ (قصور) کو یاد دلاتا ہے۔ بھرے مجمع میں نصیحت کرنا دوسرے کو رسوا کرتا ہے۔ جاہل کی نعمت کوڑے پر پھلواری جیسی ہے۔ گھبراہٹ صبر سے زیادہ تکلیف دہ ہوتی ہے۔ سب سے بڑا دشمن وہ ہے جس کا مکر سب سے زیادہ چھپا ہوا ہو۔ حکمت مومن کی گم شدہ چیز ہے۔ تمام عیبوں کی برائیوں کا جامع بخل ہے۔ جب مقدرات واقع ہوتے ہیں تو تدابیر بیکار ہو جاتی ہیں۔ شہوات کا بندہ زیادہ ذلیل ہوتا ہے غلامی والے بندے سے۔ حاسد غیظ و جلن میں مبتلا رہتا ہے اس شخص کے اوپر جس پر کوئی گناہ نہیں ہوتا۔ گنہگار کی سفارش کے لئے گناہ کافی ہے۔ سعادت مند وہ ہے جو غیر کے حال سے عبرت حاصل کرے۔ احسان (بدگوئی کرنے والے کی) زبان کاٹ دیتا ہے۔ ہر فقر سے بڑھا ہوا فقر "حماقت" ہے ہر تونگری سے بڑھی ہوئی تونگری عقل ہے۔ لالچی ذلت کی بندش میں ہوتا ہے۔ یہ تعجب کی بات نہیں کہ مرنے والا کیسے مرگیا' تعجب کی بات یہ ہے کہ بچنے والا کیسے بچا۔ عقلوں کے بچھڑنے کے اکثر مقامات لالچوں کی چمک کے نیچے ہوتے ہیں۔ جب تمہارے پاس نعمتیں پہنچیں تو جو نعمت ابھی دور ہے اس کو شکر میں کمی کر کے نہ بھگاؤ جب تو اپنے دشمن پر قادر ہو جائے تو اس پر قادر ہو جانے کا شکر اس کو معاف کر دینے کی صورت میں ادا کر۔ کسی نے اپنے دل میں کوئی بات نہیں چھپائی مگر وہ ظاہر ہو کر رہی اس کی زبان سے اچانک نکلنے والے کلمات سے اور اس کے چہرے کے صفحات پر۔ بخیل آدمی عجلت کے ساتھ تنگ دستی کو بلا لیتا ہے جب کہ دنیا میں تنگی کی زندگی گذارتا ہے اور آخرت میں اس سے ایسا محاسبہ ہو گا جیسا اغنیاء سے کیا جائے گا عقل مند کی زبان اس کے قلب کے پیچھے ہوتی ہے اور احمق کا قلب اس کی زبان کے پیچھے ہوتا ہے۔ علم کم مرتبہ شخص کو اوپر اٹھا دیتا ہے اور جہل بلند مرتبہ شخص کو نیچے گرا دیتا ہے۔ علم مال سے بہتر ہے' علم تیری پہرہ داری کرتا ہے اور تو مال کی پہرہ داری کرتا ہے۔ علم حاکم ہے اور مال محکوم علیہ میری کمر ٹوٹتی ہے (یعنی مجھے سخت اندیشہ ہے) ایسے عالم سے جو محرمات کا ارتکاب کرتا ہو اور ایسے جاہل سے جو طریق زہد پر چلتا ہو۔ یہ (عالم) فتوی دے گا اور اپنے ناجائز عمل سے لوگوں کو (شریعت پر عمل کرنے سے) گریزاں کرے گا اور یہ (جاہل) لوگوں کو گمراہ کرے گا اپنے طریق زہد سے سب سے زیادہ کم قیمت وہ لوگ ہیں جو ان میں سب سے زیادہ کم علم ہیں کیونکہ ہر شخص کی قیمت وہ ہوتی ہے جس کو وہ پسند کرتا ہے اور آپؓ کی کرامات میں سے جن کو صاحب الریاض نے اصبغ سے روایت کیا یہ ہے' کہا کہ ہم علیؓ کے ساتھ آئے جب ہم اس جگہ سے گذرے جو حسینؓ کی قبر کی جگہ ہے تو علیؓ نے کہا کہ یہاں ان کی سواریوں کے بیٹھنے کی جگہ ہو گی اور یہاں ان کے ٹھکانے ہوں گے اور یہاں ان کے خون بہنے کی جگہ ہو گی۔ آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ جوان ہوں گے جو اس میدان میں

قتل کئے جائیں گے۔ پھر ان پر آسمان اور زمین روئیں گے اور مروی ہے جعفر بن محمدؒ سے وہ روایت کرتے ہیں اپنے باپ سے کہا کہ علی رضی اللہ عنہ کے سامنے دو شخص جن میں جھگڑا تھا پیش کئے گئے تو آپؓ ایک دیوار کی جڑ میں بیٹھ گئے۔ تو ایک شخص نے کہا کہ اے امیر المومنین دیوار گرنے والی ہے' تو اس سے علیؓ نے فرمایا کہ تو (اپنا بیان سنائے) جا اللہ ہماری حفاظت کے لئے کافی ہے۔ پھر آپ نے ان دونوں کے درمیان فیصلہ کیا اور اٹھ گئے پھر دیوار گر پڑی اور مروی ہے حارث سے کہا کہ میں علیؓ بن ابی طالبؓ کے ساتھ صفین میں تھا تو میں نے اہل شام کے ایک اونٹ کو دیکھا کہ وہ آیا اور اس کے اوپر اس کا سوار اور اس کا سامان بھی تھا تو اونٹ نے جو کچھ اس کے اوپر تھا گرا دیا اور صفوں کے درمیان گھستا چلا گیا یہاں تک کہ علیؓ کے پاس پہنچ کر رکا اور اپنے لب کو علیؓ کے سر اور کندھے کے درمیان رکھ کر ان کو اپنی گردن کے نیچے کے حصہ سے ہلانے لگا تو علیؓ نے فرمایا کہ واللہ یہ علامت ہے میرے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان کہا کہ اس دن لوگوں نے بہت کوشش کی اور شدید جنگ ہوئی اور علیؓ بن زاذان سے مروی ہے کہ علیؓ نے ایک حدیث بیان کی تو ان کو ایک شخص نے جھٹلایا تو علیؓ نے کہا کہ اگر میں سچا ہوں تو تجھ پر بددعا کرتا ہوں۔ اس نے کہا کہ ہاں تو آپؓ نے اس پر بددعا کی تو وہ لوٹنے نہ پایا کہ اس کی بینائی جاتی رہی اور مروی ہے ابوذر رضی اللہ عنہ سے' کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علیؓ کو بلانے کے لئے مجھے بھیجا میں ان کے گھر پہنچا اور ان کو پکارا تو انہوں نے مجھے جواب نہ دیا میں نے واپس آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی آپؐ نے فرمایا کہ پھر جا کر ان کو پکارو' وہ گھر میں موجود ہیں۔ کہا پھر میں نے مکان پر جا کر ان کو پکارا تو میں نے چکی پیسے جانے کی آواز سنی۔ پھر میں نے دیوار کے اوپر سے جھانکا تو دیکھتا کیا ہوں کہ چکی گھوم رہی ہے اور اس کے پاس کوئی موجود نہیں ہے۔ پھر میں نے ان کو آواز دی تو وہ میرے پاس شگفتگی کے ساتھ باہر آئے تو میں نے ان سے کہا کہ آپؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلا رہے ہیں تو وہ آگئے پھر میں برابر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھتا رہا اور آپؐ مجھے دیکھتے تھے۔ پھر فرمایا کہ اے ابوذرؓ کیا بات ہے؟ میں نے کہا کہ میں ایک عجیب بات سے حیرت میں ہوں۔ میں نے ایک چکی دیکھی جو علیؓ کے مکان میں آٹا پیس رہی ہے اور اس کے پاس کوئی اس کو گھمانے والا نہیں۔ تو آپؐ نے فرمایا اے ابوذرؓ اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے ہیں جو زمین میں پھرتے رہتے ہیں اور وہ مقرر کر دیئے گئے ہیں آل محمدؐ کی امداد پر۔ صلی اللہ علیہ وسلم اور مروی ہے فضالہ بن ابی فضالہ سے کہا کہ میں اپنے باپ کے ساتھ ینبع کے لئے روانہ ہوا علیؓ کی عیادت کے لئے اور وہ بیمار تھے تو میرے باپ نے ان سے کہا کہ اس طرح کے مقام میں آپؓ نے کس وجہ سے قیام کر رکھا ہے اور آپؓ کا انتقال ہو گیا تو یہاں آپؓ (کی تکفین و تدفین وغیرہ) کا ذمہ دار کوئی نہ ہو گا بجز ان اعراب یعنی جہینہ کے دیہاتیوں کے تو مدینہ کی طرف چلئے کہ اگر وقت مقدر تم پر آ جائے تو آپؓ کے اصحاب آپؓ کے کام کے والی بنیں اور وہ آپؓ کی نماز (جنازہ) پڑھیں اور ابو فضالہ اہل بدر میں سے تھے۔ تو علیؓ نے کہا کہ میں اس بیماری سے مرنے والا نہیں ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ پر واضح کر دیا ہے کہ میں نہیں مروں گا تا آنکہ مجھ پر وار کیا جائے پھر خضاب کی جائے یہ

یعنی ان کی ڈاڑھی اس سے یعنی ان کے سر (کے خون) سے' پھر قتل کیے گئے ابو فضالہ ان کے ساتھی ہو کر صفین میں اور روایت کیا ابو عمر نے عبیدہ سے' کہا کہ علیؓ جب ابن ملجم کو دیکھتے تھے تو یہ شعر پڑھتے تھے۔ ارید حیاتہ الخ یعنی میں اس کی زندگی چاہتا ہوں اور وہ میرے قتل کا ارادہ کرتا ہے۔ قبیلہ مراد سے کسی اپنے دوست کو جو تیری طرف سے عذر کرے لے آ۔" اور علیؓ اکثر یہ کہا کرتے کوئی نہ روکے گا امت کے سب سے بڑے بدبخت کو یا نہیں انتظار کرے گا اس امت کا سب سے بڑا بدبخت اس کام سے کہ وہ اس کا خضاب اس کے خون سے کرے اور کہتے کہ واللہ ضرور خضاب کی جائے گی یہ' اس کے خون سے اور اشارہ کرتے اپنی ڈاڑھی اور اپنے سر کی طرف خون کا خضاب' نہ کہ عطر اور عنبر ملا ہوا خضاب اور ان کا حصہ علوم دینیہ کے احیاء میں یہ ہے کہ انہوں نے قرآن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں ہی جمع کیا اور اس کو ترتیب دیا تھا لیکن تقدیر اس کے شائع ہونے کی معاون نہ ہوئی۔ ابو عمر نے محمد بن کعب القرظی سے روایت کیا ہے' کہا کہ جن لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں قرآن جمع کر لیا تھا ان میں سے عثمانؓ بن عفانؓ ہیں اور علیؓ بن ابی طالبؓ اور عبداللہؓ بن مسعودؓ مہاجرین میں سے اور سالم مولی ابی حذیفہؓ بن عتبہ بن ربیعہ جو مہاجرین کے مولی تھے خود مہاجرین میں سے نہ تھے اور پھر تابعین میں کی ایک جماعت نے ان سے قرآن کو روایت کیا ہے اور اس جمع کی روایت اب تک باقی ہے۔ بغوی نے شرح السنہ میں کہا ہے کہ مشہور قراء نے اپنی قرائت کی سند کو صحابہؓ تک پہنچایا ہے عبداللہ بن کثیر اور نافع نے سند پہنچائی ابی بن کعبؓ کی طرف اور عبداللہ بن عامرؒ نے سند پہنچائی عثمانؓ بن عفانؓ کی طرف اور عاصم نے سند پہنچائی علیؓ اور عبداللہؓ بن مسعود اور زیدؓ کی طرف اور حمزہؒ نے سند پہنچائی عثمانؓ اور علیؓ کی طرف اور ان سب نے پڑھا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تو ثابت ہوا کہ قرآن جمع شدہ تھا اور سب کا سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں محفوظ تھا لوگوں کے سینوں میں اور آنجناب رضی اللہ عنہ حفاظ حدیث اور مکثرین صحابہ میں سے ہیں۔ ظاہر نظر میں آپؓ سے چھ سو کے قریب احادیث مرفوعہ احادیث کی کتب معتبرہ میں مذکور ہیں اور در حقیقت آپؓ کی مرفوعات ایک ہزار سے زیادہ مل سکتی ہیں اور اس بحث کو ہم فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے مناقب میں ذکر کر چکے ہیں' اس کا پھر مطالعہ کر لیا جائے اور بعض ابواب حدیث ایسے ہیں کہ ان سے پہلے ان کی روایت کسی نے نہیں کی۔ اس باب کے فاتح اول بھی وہی ہیں۔ ان میں سے ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیہ منورہ کا بیان اور اوقات شب و روز کے مشاغل آنجناب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے۔ ترمذی نے کتاب شمائل میں حضرت حسنین رضی اللہ عنہما کی روایت سے ایک حدیث طویل ذکر کی ہے اور بعض روایات ضعیف میں آیا ہے مروی ہے ابن عمرؓ سے کہ یہود حضرت ابو بکرؓ کے پاس آئے اور انہوں نے کہا کہ ہم سے اپنے صاحب کی صفات بیان کرو تو آپؓ نے کہا کہ اے جماعت یہود میں انؐ کے ساتھ غار میں اس طرح رہا جیسے یہ میری دونوں انگلیاں اور میں انؐ کے ساتھ جبل حرا پر چڑھا اس طرح کہ ہم ایک دوسرے کی کمر میں ہاتھ ڈالے ہوئے تھے لیکن (اتنے قرب کے باوجود) آپؐ کے اوصاف کو بیان کرنا کٹھن بات ہے البتہ یہ علیؓ بن ابی طالب موجود ہیں ان سے پوچھو

تو وہ لوگ علیؓ کے پاس آئے اور ان سے کہا کہ اے ابوالحسن ہم سے اپنے ابن عم کے اوصاف بیان کرو۔ تو آپؓ نے کہا کہ نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موزونیت کی حد سے گذر جانے والے دراز قد تھے اور نہ کوتاہ قد کہ ایک عضو دوسرے میں داخل ہو۔ آپؐ درمیانہ قد سے کچھ بلند تھے سفید رنگ جو سرخی کی جھلک لئے ہوئے تھا گھریلے دار بال جو گھونگریالے نہ تھے آپؐ کے بال دونوں کانوں تک لٹکے ہوئے تھے' کشادہ پیشانی' دونوں آنکھیں سیاہ' سینہ سے ناف تک بالوں کا ایک خط' سامنے کے دانت نہایت چمکیلے' بلند بینی' آپ کی گردن گویا چاندی کا لوٹا تھا ان کے کچھ بال تھے سینہ سے ناف تک (سیدھے خط میں) گویا کہ وہ سیاہ مشک کی ایک شاخ ہے' آپؐ کے جسم میں یا آپؐ کے سینہ میں ان کے سوا اور کوئی بال نہیں تھے اور آپؐ کی ہتھیلی اور قدم پر گوشت تھے اور جب آپؐ چلتے تو قدم قوت سے اٹھاتے (آگے کی طرف جھکاؤ کے ساتھ) اور جب التفات کرتے تو پورے بدن کے ساتھ التفات کرتے اور جب آپؐ کھڑے ہوتے تو لوگوں سے بلند معلوم ہوتے اور جب بیٹھتے تو لوگوں سے اونچے دکھائی دیتے اور جب بات کرتے تو لوگوں کو خاموش کر دیتے اور جب خطبہ دیتے تو لوگوں کو رلا دیتے اور لوگوں کے ساتھ سب سے زیادہ رحمت کا برتاؤ کرتے' یتیم کے ساتھ شفیق باپ جیسے تھے اور بیوہ عورتوں کے ساتھ کریم شوہر کی طرح' سب لوگوں سے زیادہ بہادر تھے اور سب سے زیادہ بخشنے والی ہتھیلی رکھتے تھے اور سب سے زیادہ شگفتہ رو تھے' آپؐ عباء پہنتے تھے اور آپؐ کا طعام جو کی روٹی ہوتا تھا اور آپؐ کا تکیہ چمڑے کا تھا جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی' آپؐ کی چارپائی کیکر کی لکڑی کی تھی جو کھجور کے پتوں سے بنی ہوئی رسی سے بنی ہوئی تھی' اور آپؐ کے پاس دو عمامے تھے ایک کو سحاب کہا جاتا تھا اور دوسرے کو عقاب اور آپؐ کی تلوار ذوالفقار تھی اور آپؐ کا جھنڈا غراء اور آپؐ کی اونٹنی عضباء اور آپؐ کا خچر دلدل اور آپؐ کا گدھا یعفور اور آپؐ کا گھوڑا بحر اور آپؐ کی بکری برکہ اور آپؐ کی لاٹھی ممشوق تھی اور آپؐ کا علم الحمد تھا اور آپؐ اونٹ کو خود باندھتے اور پانی لانے والے اونٹ کو خود گھاس کھلاتے اور کپڑے میں خود پیوند لگاتے اور اپنا جوتا خود گانٹھ لیتے تھے اور ان میں سے ہے نماز مناجات جو کہ لذت مناجات کے حاصل کرنے میں بہت موثر ہے اور جو شخص کہ اس پر ہمیشہ عمل کرے گا اس کی نورانیت کو پائے گا اور جو بے ذوق ہے وہ نہیں جانتا اس کو روایت کیا ترمذی وغیرہ نے اعرج کی روایت سے جو عبیداللہ بن ابی رافع سے اور وہ علیؓ سے روایت کرتے ہیں مبسوط طور پر اور ان میں سے ہیں اوقات یومیہ چاشت و صلوٰۃ الزوال وغیرہ کے نوافل جو کہ ایک نہایت نافع باب ہے روایت کیا احمد نے عاصم بن ضمرہ سے کہا کہ ہم نے علیؓ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دن کے نوافل کے بارے میں سوال کیا تو فرمایا کہ تم اس کی طاقت نہیں رکھتے کہا کہ ہم نے کہا کہ آپؐ ہمیں اس سے باخبر کر دیں تو ہم اس کے جس قدر حصہ پر ہو سکے گا عمل کریں گے۔ کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب فجر کی نماز پڑھ لیتے تھے ٹھہر جاتے یہاں تک کہ جب سورج یہاں سے یعنی مشرق کی طرف سے مغرب کی جانب چل کر اتنا فاصلہ طے کر لیتا جس کی مقدار برابر ہے یہاں سے مغرب کی جانب نماز عصر کی مقدار کے تو آپؐ اٹھتے اور چار رکعت پڑھتے ظہر سے پہلے جب کہ دھوپ ڈھلتی ا... [illegible] ...یں اس کے بعد اور چار

رکعات عصر سے پہلے ہر دو رکعت (یعنی دو نمازوں) کے درمیان آپؐ فاصلہ قائم کرتے تھے۔ ملائکہ مقربین اور انبیاء اور جو مومنین و مسلمین میں سے ان کا اتباع کرنے والے تھے ان سب پر سلام کے ساتھ[1]

[1] ازالۃ الخفاء، جلد چہارم، ص501-490

السر المکتوم فی اسباب تدوین العلوم: مسلمانوں میں جن علوم کا رواج ہوا شاہ صاحب نے انہیں چار اقسام میں شمار کیا ہے ان علوم کی تدوین اور ان کے ارتقاء کے متعلق شاہ صاحب رقمطراز ہیں۔

علوم عربیہ: علوم عربیہ اس لئے مدون کئے گئے کہ ان کے ذریعے کلام عرب کی معرفت حاصل ہو۔ منجملہ ان کے ایک وہ علم ہے، جس میں حروف مفردات سے بحث کی جاتی ہے۔ اگر ان سے بہ لحاظ مادہ بحث کی جاتی ہے تو یہ علم لغت ہے۔ اگر زبان سے حروف کو ادا کرنے کی کیفیت پر بحث ہو تو یہ علم المخارج ہے۔ الفاظ کی ہیئت سے بحث کو علم صرف سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اور جب الفاظ کو اصل و فروع کے لحاظ سے ایک دوسرے سے منسوب کیا جائے تو یہ علم الاشتقاق ہے۔ منجملہ ان کے ایک وہ علم ہے، جس میں مرکبات سے بحث کی جاتی ہے، اور اس کی بھی کئی شاخیں ہیں۔ اگر مرکب کلمہ کے آخری احوال سے بحث ہو تو وہ علم الاعراب ہے۔ صنعت ترکیب کے اعتبار سے بحث کی گئی ہو تو وہ علم التالیف ہے اور محسنات کلام کے لحاظ سے بحث ہو تو وہ علم البدیع ہے۔ منجملہ ان کے ایک وہ علم ہے، جس میں شعر کے احوال سے بحث کی جاتی ہے اور اس کی بھی متعدد شاخیں ہیں۔ وزن کے لحاظ سے شعر پر بحث ہو تو وہ علم العروض ہے ادا خرابیات کے اعتبار سے بحث ہو تو وہ علم القافیہ ہے۔ اسی سے متعلق علم الخط ہے جس میں عربوں کی اصطلاح کے مطابق نقوش کتابت یعنی حروف کی شکل و صورت سے بحث کی جاتی ہے۔ یہ فنون رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے پیشتر اس شکل میں نہیں تھے کہ ان کا کوئی خاص مقام ہوتا۔ سب سے پہلے ابو الاسود نے ان کے استنباط کی طرح ڈالی۔ اس میں دواوین اشعار پر زیر، زبر پیش کی علامتوں کے لئے نقطے لگائے۔ پھر خلیل بن احمد آئے۔ انہوں نے لغت میں کتاب العین تصنیف کی اور اس میں ایک ضمیمہ شامل کیا، جس میں حروف کے مخارج، علم صرف، علم تالیف اور قدرے علم معانی کا بیان ہے۔ اس کے بعد بادشاہوں کے ندیموں وغیرہ میں سے جو سخن طراز لوگ تھے، انہوں نے قصے کہانیاں اور بلیغوں کے اشعار کے متعلق باہمی بحثوں کے نکتے جمع کر دیئے۔

علوم شرعیہ: علوم شرعیہ کی تدوین اس غرض سے ہوئی کہ نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اپنے رب تبارک و تعالیٰ کی طرف سے جن امور کے ساتھ مبعوث ہوئے، ان کی معرفت حاصل ہو۔ ان علوم کا مرجع ہے قرآن و سنت اور جو ان سے مستنبط کیا گیا۔ سلف نے علوم شرعیہ میں چار اصناف کی تصانیف کیں۔ فقہ، جس میں عبادات، خرید و فروخت، میراث، خانہ داری، شہروں کی سیاست اور آداب معیشت کا ذکر ہے۔ تفسیر، اس میں قرآن مجید کے نامانوس (غرائب) الفاظ کی شرح، نزول آیات کے اسباب کا بیان، متعارض آیات میں تطابق و توافق، مشکل مقامات کی وضاحت، ناسخ و منسوخ کا بیان اور اسی طرح کی چیزیں آتی ہیں۔ سیر۔ اس میں آنحضرتؐ کی عادات و شمائل، آپؐ کا ادھر ادھر جانا، آپؐ کے غزوات و شواہد اور اس طرح کی دوسری باتیں بیان کی جاتی ہیں۔ رقائق۔ یہ مشتمل ہے مواعظ و نصائح کی تلقین اور جنت و دوزخ، اعمال کے فضائل، صحابہؓ کے مناقب اور زہد و ترک دنیا وغیرہ کے ذکر و اذکار پر۔ ان اہل علم میں سے کوئی ایسا تھا، جس نے ایک فن میں کمال حاصل کیا، اور وہ اسی کا ہو گیا۔ بعض دو اور بعض کئی فنون کے

جامع تھے۔ چنانچہ ضحاک بن مزاحم مفسر تھے۔ ابو حنیفہؒ' مالکؒ اور شافعیؒ فقہا۔ ابن اسحاقؒ اور واقدیؒ' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غزوات کے عالم' واعظین' زہاد اور صوفیا علم رقائق والے تھے اور ابن عباسؓ بہت سے فنون کے جامع تھے۔ حضرات صحابہؓ رضی اللہ عنہم میں عبداللہ بن عباسؓ امام تفسیر تھے۔ عمرؓ علیؓ ابن مسعودؓ اور ابن عباس رضی اللہ عنہم ائمہ فقہ تھے۔ ان کے زمانے کے بعد اور لوگ ان فنون کی تحقیق میں لگ گئے اور ان کی بحث و تحمیص میں انہوں نے گہرے غور و فکر سے کام لیا۔ چونکہ پہلے پہل صرف قرآن و سنت ہی تھے' اس لئے انہوں نے قرأۃ کی مختلف وجوہ یعنی لہجوں کے بارے میں تصنیفات کیں' اور اس میں سات اور سات سے بھی زیادہ مذاہب ہو گئے۔ ان میں سے بعض روایت پر اور بعض عربوں کے کلام اور علم المخارج پر محمول ہیں۔ انہوں نے قرآن کے رسم الخط پر لکھا اور اس میں عثمانی مصاحف کا تتبع کیا۔ اس طرح انہوں نے اول اول بغیر کسی سابقہ نمونے کے جمع و تدوین احادیث پر کتابیں لکھیں۔ پھر انہیں غور و فکر اس ضمن میں بہت سے فنون کی ترتیب کی طرف سے لے گیا۔ ان میں سے ایک حدیث صحیح کو سقیم سے' اور مستفیض کو غریب و معلول سے تمیز کرنا ہے۔ جیسے صحیح بخاری' صحیح مسلم' مستدرک حاکم' مسند احمد' جامع ترمذی' سنن ابوداؤد' نسائی دار قطنی ہیں۔ ان کتابوں میں ایک قسم ہے' جس میں احادیث کو مسائل فقہ کے اعتبار سے مرتب کیا گیا۔ مثلاً کتب شافعی' ابن ماجہ' بیہقی اور شرح السنہ وغیرہ۔ نیز احادیث کی ایک تقسیم صحابہؓ کے لحاظ سے ہے اور یہ کتابیں مسند کے نام سے موسوم ہیں۔ جیسے مسند ابی یعلی اور مسند بزار۔ منجملہ ان فنون کے' ایک فن اسماء الرجال کا ہے۔ اس میں رجال احادیث پر جرح و تعدیل اور احادیث کے نامانوس غریب الفاظ کی شرح ہوتی ہے۔ انہی فنون میں سے مختلف کتب میں آمدہ احادیث کی تخریج ہے۔ جیسے احیاء علوم الدین کی تخریج اور ایسے ہی کتب صحیحہ کی طرز پر تخریج ہے جیسے صحیح ابی عوانہ اور صحیح الاسماعیلی۔ منجملہ ان فنون کے ایک فن مشکل الحدیث کا ضبط' مختلف احادیث میں تطبیق دینا اور اصول حدیث ہے' اور ان میں سے ایک کتب حدیث کے متون کی شرح کرنا ہے۔ جیسے ابن حجرؒ اور نوویؒ نے صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی شرحیں لکھیں۔ ان کے علاوہ کثیر التعداد شرحیں ہیں' جن کا شمار کرنا مشکل ہے۔ اللہ تعالیٰ کا اس بندے پر بہت بڑا احسان یہ ہے کہ اس نے اسے اسرار حدیث اجمالاً" و تفصیلاً" بیان کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ چنانچہ اس نے اپنی کتاب حجۃ اللہ البالغہ میں انہیں مدون کر دیا ہے۔ بعد ازاں اہل علم ان مذکورہ بالا چار فنون کی تحقیق کی طرف متوجہ ہوئے اور تفسیر میں ان کا زیادہ انہماک ہوا۔ چنانچہ ہر صاحب فن نے تفسیر لکھی۔ صاحب نحو نے نحو کو' صاحب لغت نے لغت کو' صاحب اخبار نے مناسب قصوں کو' صاحب قرأت نے اپنے فن کو' صاحب فقہ نے فقہ کو' صاحب علم کلام نے علم کلام کو اور صاحب تصوف نے تصوف کو اس میں شامل کیا۔ غرض بڑی کثرت سے کتابیں لکھی گئیں اور وہ خوب پھیلیں۔ اس کے بعد اہل علم نے ان تمام کو جمع کرنے کی کوشش کی' جیسے کہ رازیؒ بیضاویؒ اور نیشاپوریؒ کی تفسیریں ہیں۔ پھر فقہ میں تلاش و تفحص انہیں اس طرف لے گیا کہ وہ اصول فقہ' علم جدل اور معرفت خلاف کا استنباط کریں۔ چونکہ حوادث و واقعات کسی ایک حد پر نہیں رکتے اور جو

کچھ پہلے لکھے گئے ہیں' وہ تمام حوادث و واقعات کے لئے کافی نہیں اس لئے بعد میں آنے والوں نے پہلوں کے نصوص سے مسائل استنباط کرنے کی طرف توجہ کی۔ انہوں نے فتاویٰ اور واقعات جمع کئے اور اس میں بعض اقوال اور وجوہ کی دوسروں پر ترجیح کو مدنظر رکھا۔ اس کے بعد وہ اپنے اپنے مذاہب فقہ کے علوم کی تدوین اور اقوال اور وجوہ کی روایت کی تحقیق و تائید میں لگ گئے۔ انہوں نے ہر مذہب و مسلک کے حق میں منقول اور معقول دلائل فراہم کئے اور اس پر کتابیں لکھیں۔ اس وقت وہ فقہی مذاہب' جو مدون و منضبط ہو چکے تھے اور ان میں تخریج و ترجیح بکثرت ہو چکی تھی' چار تھے۔ علم رقائق یعنی وعظ و نصیحت میں ایک گروہ نے دو طریقوں سے عملی دلچسپی لی۔ کبھی تو انہوں نے مواعظ اور دلوں میں رقت پیدا کرنے والی حکایات پر مشتمل کتابیں تصنیف کیں۔ منبروں سے ایسے اسلوب میں جو لوگوں کے دلوں پر اثر کرے' ان چیزوں کا ذکر کیا اور کبھی انہوں نے راہ آخرت پر چلنے کے بارے میں کتابیں لکھیں۔ چنانچہ اس کے لئے انہوں نے قواعد بنائے' انہیں تفصیل سے بیان کیا اور ان پر مسائل کی بنیاد رکھی' جیسے کہ کتاب احیاء علوم الدین ہے۔ اسی طرح بعد میں آنے والے کتب سیر کی طرف متوجہ ہوئے' ان میں تنقیح اور بحث کی اور جو مناسب سمجھا اس کا اضافہ کیا۔ چنانچہ انہوں نے صحابہؓ' تابعینؒ' علما اور زاہدوں کی سیر لکھیں اور یہ سلسلہ اتنا آگے بڑھا کہ لوگوں نے اپنے مشائخ کی سیرتیں تصنیف کیں اور فرداً فرداً ان کے اقوال منضبط کر دیئے۔ تصانیف کی اس قسم کو "مقامات" اور "ملفوظات" کا نام دیا گیا۔ یا ایک شیخ کے حالات ضبط کرنے کے بجائے ایک طبقے کے تمام لوگوں کے حالات یکجا کر دیئے۔ جیسے مشائخ چشت یا علمائے حنفیہ' یا ایک زمانے یا ایک ملک یا شہروں کے علماء و مشائخ کے حالات۔ اس نوع کی تصنیفات کو طبقات یا طباق کا نام دیا گیا۔ ان تصنیفات میں کچھ تو تاریخ کا حصہ ہیں اور کچھ اسماء الرجال کی کتابوں کا۔ ان کی ترتیب میں ادھر ادھر سے استفادہ کیا گیا۔ اس باب میں راقم ضعیف نے انفاس العارفین کے نام سے ایک کتاب لکھی جس میں اپنے والد ماجد اور عم محترم کے مقامات اور بعض اہل حرمین کے کچھ حالات جمع کئے ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس ان اہل علم میں سے بعض ایسے تھے جنہوں نے صوفیہ کے اوراد اور ان کے احوال پر کتابیں لکھیں اور بعض صوفیہ کے رموز' جو ان کے احوال کے تغیر کی وجہ سے تھے' ان پر تصنیفات کیں۔ پھر ان لوگوں کے سلوک کے معاملے میں کئی مسلک اور مذہب ہو گئے اور ہر مسلک اور مذہب پر انہوں نے رسالے لکھے۔ ان اہل علم میں سے ایسے بھی تھے جنہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوٰۃ و درود بھیجنے کے متعلق تصنیفات کیں' جیسے کہ دلائل الخیرات ہے اور بعض نے احزاب اور مناجات مرتب کیں۔ جب ملت کے بہت سے فرقے بن گئے اور ان فرقوں نے مختلف جماعتوں کی شکل اختیار کر لی تو یہ ہوا کہ ان میں قیل و [illegible] اور بحث و مناظرہ ہونے لگے۔ ان فرقوں میں سے معتزلہ تھے۔ انہی میں سے روافض تھے۔ اہل تقلید [illegible] تھے' اور انہی میں سے یہود و نصاریٰ اہل کتاب تھے۔ بعض اوقات دین کی نصرت کے لئے ان مباحثوں کی ضرورت پڑتی تھی ان مباحثوں کے لئے انہوں نے مجالس و محافل قائم کیں۔ لیکن جب تک ان امور کے لئے مستحکم اصول' الگ الگ فروع' ترتیب و تسلسل افکار اور حسن تحریر و تقریر نہ ہو' یہ

مباحث اتمام کو نہیں پہنچ سکتے۔ اور عادتاً "یہ دوسروں کی باتیں سننے' وراثت میں دوسروں سے لینے' تدوین و تصنیف اور تعلیم و تعلم کے بغیر ممکن نہیں۔ لہٰذا وہ لوگ علم کلام کی تالیف میں لگ گئے۔ اہل اسلام میں سے جنہوں نے سب سے پہلے بحث و مناظرہ سے عملی دلچسپی لی' وہ معتزلہ تھے۔ انہوں نے فلسفے سے حد' اسم' قیاس اور مقولات' عشر کے مباحث نیز الٰہیات میں سے امور عامہ کے مباحث لئے اور ان کے ساتھ شریعت میں جو صفات' نبوت اور معاد کے مباحث تھے' انہیں شامل کرلیا۔ چنانچہ وہ اصول فلسفہ جو قواعد اسلامیہ کے خلاف نہ تھے' انہیں تو انہوں (معتزلہ) نے بحال رہنے دیا اور جو قواعد اسلامیہ کے تھے' ان پر اعتراض کئے اور ان کی جگہ انہوں نے دوسرے اصول قائم کردیئے۔ فلسفہ سے علم کلام کو اخذ کرنے کے یہی معنی ہیں۔ اہل سنت میں سے جنہوں نے سب سے پہلے علم الکلام پر گفتگو کی اور اسے اختیار کیا' وہ ابوالحسن اشعریؒ تھے اور ان کا اعتزال سے رجوع کا قصہ تو مشہور ہی ہے۔ وہ (معتزلی ہونے کے دور میں) جان گئے تھے کہ اصول کی بنیاد کیسے ڈالی جاتی ہے اور پھر اس سے مختلف فروع اور شاخیں کس طرح نکلتی ہیں۔ چنانچہ انہوں نے معتزلہ ہی کے نمونے پر اپنے طریقے کی بنیاد رکھی۔ بعد ازاں ابونصر اور ابو علی وغیرہ آئے اور انہوں نے قواعد اسلامیہ کو فلسفے پر اس طرح تطبیق دینا شروع کیا کہ فلسفے میں جو چیز اسلام کے خلاف تھی' اس کی تاویل کرتے گئے۔ اس کے بعد مسلمانوں کو ان کا علم کلام نقل کرنے اور اس پر ردوقدح کرنے کی ضرورت پڑی۔ مثال کے طور پر جب شیعہ اپنے مذہب کے حق میں استدلال کرتے تو انہیں ان کا علم کلام نقل کرنے اور اس کی تردید کرنے کی ضرورت پڑتی۔ اس طرح علم کلام کا یہ سلسلہ آگے بڑھتا گیا اور وسیع ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ اس کی اہمیت اور وقار ہوگیا۔ چنانچہ مسلمانوں کے دلوں میں جو تذبذب ہوتا تھا' اس سے سکون حاصل کرنے کے لئے وہ اس علم کی طرف رجوع کرتے تھے' یہاں تک کہ وہ یہ سمجھنے لگے کہ یہی خالص حق ہے۔ جب اہل حدیث نے یہ دیکھا تو انہوں نے اہل سنت کے عقیدے پر کتب تصنیف کیں اس ضمن میں انہوں نے وہ احادیث الگ کرلیں جن سے عقائد کے مسائل مستنبط ہوتے ہیں جہاں تک صوفیاء کا تعلق ہے' پہلے تو وہ ان اشارات و رموز میں مشغول رہے' جو صوفیاء کے احوال اور کیفیات کی تعبیر کرتے ہیں' پھر وہ اس مقام سے معارف کی طرف منتقل ہوئے۔ ان میں سب سے پیش پیش شیخ محی الدین محمد بن عربیؒ اور ان کے تلمیذ شیخ صدر الدینؒ ہیں۔ ان کی بدولت یہ بھی ایک جداگانہ علم بن گیا۔ صوفیاء کے اس علم کی باریک رگوں کی طرح بہت سی شاخیں ہیں جو علوم اشراقیہ سے سیراب ہونے لگیں۔ اسی وجہ سے ان کی اصلاحات میں مثال' ناسوت اور لاہوت کا رواج ہوا۔ وہ شخص جس نے سب سے پہلے قلم' لوح' امر و خلق کا ان معنوں میں جو صوفیا کے ہاں مستعمل ہیں ذکر کیا' وہ میرے نزدیک فارابی تھا۔ پھر اس کے بعد ان لوگوں کے متبعین جیسے ضرورتیں پیش آتی رہیں' ان امور کے ایک ایک باب کے متعلق کتابیں لکھتے رہے اور ان میں آپس میں بحثیں اور مناظرے ہوتے رہے۔ غرض شرعی علوم و فنون اس طرح شاخ در شاخ اور فروع در فروع ہوئے۔

علوم حکمیہ: اب رہے علوم حکمیہ۔ سو ان کی اصل یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد زمین میں پھیلی۔ وہ اس کے اطراف و جوانب میں آباد ہوئی اور اس کے گروہ در گروہ ہوگئے۔ چنانچہ ہر ملک میں لوگوں کی ایک کثیر جماعت جمع ہوگئی اور ذہانت' تجربہ' اور ان امور کی معرفت میں مشغول ہونے کی وجہ سے جنہیں احاطہ تحریر میں لانا مشکل ہے' بہت سے اتفاقات کے باوجود ان میں اختلاف ضروری ہوگیا۔ اب ضرورت پیش آئی کہ تدبیر منزل اور سیاست مدینہ کے فنون اور اچھے اخلاق کو برے اخلاق سے پہچاننے کے متعلق ان کی روایات اور نکتوں کو نقل کیا جائے اسی طرح طب' دواؤں' اور بیماریوں کی معرفت اور ستاروں' کہانت' قیافہ اور حساب کو جاننے کی ضرورت ہوئی' نیز یہ کہ بدنی اور نفسیاتی ریاضتوں کے ذریعے تہذیب نفس کے طریقوں کی معرفت سے متعلق امور نقل ہوں۔ اب ان لوگوں میں جو بھی صنعتیں وجود میں آئیں' وہ ان کے باہم متفق ہونے اور خوب سے خوب تر کی تلاش کی وجہ سے تھیں۔ چنانچہ لوگوں میں سے کسی قدیم اور جدید گروہ کو تم ایسا نہیں دیکھو گے کہ ان فنون میں سے کسی نہ کسی سے اسے لگاؤ نہ ہو۔ بلکہ وہ سرزمین جہاں کے باشندے خلافت اور بادشاہت کے وارث ہوئے اور ان میں ان علوم کے حصول اور ان کی معرفت میں مقابلے کی رسم چل پڑی' ان کی ان امور میں معرفت دوسروں سے زیادہ تھی۔ خلافت اور بادشاہت کا دور دورہ فریدوں کے زمانے سے ہمارے نبی علیہ السلام کے زمانے تک فارس اور روم میں رہا۔ اسی لئے وہاں کے حکماء کو ان امور میں بہت زیادہ رغبت تھی۔ اتفاق سے سکندر اعظم سے تین سو سال کے لگ بھگ پہلے اقلیم یونان میں طلب علم کی مشقتوں پر صبر کرنے والے اور معرفت امور میں ایک دوسرے سے بڑھ کر رغبت کرنے والے ذہین لوگ تھے۔ وہ ان علوم و فنون میں بہت زیادہ گہرے گئے۔ چنانچہ طب میں انہماک انہیں معدنی' نباتی اور حیوانی دواؤں' ان کے خواص اور ان کے طبعی افعال کی تلاش و تجسس اور ابدان موالید کی طبیعت مدبرہ اور یہ طبیعت مدبرہ جس طرح ابدان میں غذا پہنچانے اور نشوونما دینے وغیرہ کا کام کرتی ہے' اس کی کیفیت میں بحث و نظر کی طرف لے گیا۔ اس سے وہ کائنات فضائی و معدنی وغیرہ کے بہت سے اسباب کی ٹوہ میں لگ گئے۔ اس ضمن میں انہیں بہت سی حکایتیں اور نکتے ملے' جنہیں ذہین لوگوں نے لے لیا۔ اور جہاں تک بن پڑا' انہیں رسالوں میں ضبط کرلیا۔ اسی طرح ستاروں کا علم انہیں سیاروں کی حرکات کی تحقیق کی طرف لے گیا۔ چونکہ ہندسی اور حسابی قواعد کے بغیر انہیں دائرہ ضبط میں نہیں لایا جاسکتا تھا' اس لئے انہوں نے یہ قواعد بھی مرتب کئے تاکہ وہ اس طرح ستاروں کی تحقیق کرسکیں۔ غرض ان کے غور و فکر کا سلسلہ برابر جاری رہا' یہاں تک کہ ہیئت' ہندسہ اور حساب نے مستقل فنون کی شکل اختیار کرلی۔ اسی طرح نفسانی ریاضتیں جو پیش روانبیا سے ماخوذ تھیں' انہیں ان ریاضتوں کے ثمرات کے ادراک کی طرف لے گئیں۔ پھر یہ ادراک باعث بنا دنیا سے علیحدگی۔ تجرد اور انسلاخ کا' اور یہ انہیں معارف وجدانیہ کی طرف لے گیا۔ چنانچہ انہوں نے ان سب کے متعلق گفتگو کی اور ان پر رسالے لکھے' جن میں سے اکثر رمزوں اور اشاروں میں ہیں۔ پھر بعد کے زمانے والوں نے ان فنون میں دلچسپی لی' ان میں بحثیں کرنے لگے اور یہ مباحث انہیں تجرید' استدلال' جدل اور کثرت ردومنع کی طرف لے گئے۔ پھر ارسطاطالیس پیدا ہوا۔ وہ صحیح فکر اور تیز ذہن والا تھا۔ شوروشغب اور

جھگڑے اور جدل کے بجائے انصاف اور تحقیق کو عزیز رکھتا تھا۔ اس نے دیکھا جب تک حد اور برہان کے مباحث کی تنقیح اور برہان سے جدل و شعر کی تمیز نہ ہو' علوم میں صائب نظر پیدا نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ اس نے اس بارے میں نہایت صاف و مفید گفتگو کی' جسے عقلوں نے فوراً قبول کر لیا۔ ارسطاطالیس کا یہ کارنامہ خلیل سے' جس نے علم عروض کا استنباط کیا' ملتا ہے غرض ارسطاطالیس نے علم الطبیعتہ سے اوپر کے تین علوم اخذ کئے۔ اس میں اس جیسی اور چیزیں شامل کیں اور ان سب کو بڑی اچھی طرح سے بیان کیا۔ اس نے اشراقیین کے رسالوں میں غیر مربوط کلام دیکھا کہ اس میں سے کہیں کہیں تناقض' تعقید اور اضطراب ہے' جس سے واضح طور پر یہ معلوم ہوا کہ اس میں حد اور برہان کے مباحث کی رعایت نہیں رکھی گئی۔ گویا ان مسائل میں غور و خوض نہیں کیا گیا۔ چنانچہ ارسطاطالیس نے اسے بڑے صاف اور مختصر طریقے سے بیان کیا۔ اگر سکندر نہ ہوتا تو نہ ارسطاطالیس یہ کتابیں تصنیف کرتا اور نہ لوگ اس کی کتابوں کی طرف اتنا زیادہ رجوع کرتے۔ باقی رہا بطلیموس تو وہ علم ہیئت اور نجوم میں بڑا ماہر تھا اور ان فنون میں اس کی بڑی اچھی کتابیں ہیں۔ اقلیدس وہ تھا جس نے اپنے زمانے کے ایک بادشاہ کے لئے اصول ہندسہ پر کتاب لکھی۔ بقراط طب میں بڑا ماہر تھا اور اس موضوع پر اس نے کتاب تصنیف کی۔ اس کے بعد جالینوس آیا' اس نے علم طب کی تنقیح کی اور اسے اتمام کو پہنچایا۔ دور جاہلیت تو ختم ہو گیا لیکن ان کی یہ کتابیں اور رسالے رہے۔ لوگ انہیں پڑھتے پڑھاتے تھے' ان کے مصنفوں کی عزت و تکریم کرتے اور ان میں ایک دوسرے سے بڑھ کر بحثیں کرتے تھے۔ موسیقی کی نسبت میرا خیال یہ ہے کہ وہ علوم کی بجائے صناعات میں سے تھی۔ لیکن ایک جماعت نے دیکھا کہ اس کے منتشر مسائل کی وجہ سے اس کی تعلیم ایسی صورت میں آسان ہو سکتی ہے کہ وہ ایک رسالے میں مدون ہو۔ چنانچہ انہیں اس فن میں کتابوں اور رسالوں کو تصنیف کرنے کی ضرورت پڑی۔ پھر حکماء کی ایک جماعت آئی اور اس نے اس بارے میں بحث کی کہ بعض نغمات سے تو نفس کو لذت ملتی ہے اور بعض سے نہیں۔ ان کی یہ بحث حکمت کی قبیل سے تھی۔ چنانچہ اس طرح موسیقی کو اصطلاحاً "علوم حکمیہ" میں داخل کیا گیا۔ پھر جب اسلام آیا اور حنین نے کتب فلسفہ کو یونانی سے عربی میں منتقل کیا تو مسلمان ان کے مطالعہ میں لگ گئے۔ اس کے بعد بو علی آئے اور وہ بھی اسی نہج پر چلے۔ ان دونوں نے ایسی باتیں بیان کیں جو مشابہ تھیں اس صلح سے' جس سے کہ دونوں فریق راضی نہ ہوں۔ ان میں سے بعض باتیں ایسی تھیں جن کے بارے میں یہ دونوں اس اصل مصلحت کو ہی نہیں سمجھے' جو شارع کا مقصود تھی اور نہ وہ کلام کا جو اصل مقصد تھا' اسے سمجھے۔ پس جو کچھ ان کی سمجھ میں آیا' وہ انہوں نے بیان کر دیا۔ جہاں تک بو علی کا تعلق ہے اس نے ان لوگوں کے علوم پر کتابیں لکھیں اور اپنی تصنیف "کتاب الشفا" میں ان علوم کو بڑی اچھی طرح مرتب کیا۔ اس نے حکمت نظری کی چار قسمیں کیں۔ ایک منطق' جس میں نو بحثیں ہیں۔ کلیات خمس' مقولات عشر' قضایا' قیاس' مباحث حد و برہان' خطابت' جدل' شعر اور مغالطہ۔ حکمت نظری کی دوسری قسم طبیعیات ہے۔ اس کے آٹھ ابواب ہیں۔ سماع طبیعی' کون' فساد کائنات جوی' معادن' نبات' حیوان اور نفس'

تیسری قسم ریاضیات ہے اور اس کے چار ابواب ہیں۔ ہیئت' حساب' ہندسہ اور موسیقی' چوتھی قسم الٰہیات ہے اور اس کے دو باب ہیں۔ موجودات کے لئے امور عامہ کی معرفت اور عقول کے لئے باری تعالیٰ کی شناخت۔ بو علی نے اپنی کتاب کے آخر میں سزا و جزا' امور نبوت اور عبادات کے متعلق جو اسرار شریعت ہیں' انہیں اور خانہ داری و شہریت کی سیاسیات کو بیان کیا ہے۔ اب اگر تم ان امور میں تلاش و تجسس کرو تو دیکھو گے کہ بو علی جب باری تعالیٰ' اس کی صفات اور کلام پر بحث کرتا ہے تو اس میں بہت زیادہ بودا پن ہے اور ان مباحث میں اس کی گفتگو ظن و تخمین سے مشابہ ہے۔ طبیعیات میں فلسفیوں کی گفتگو کا مرجع زیادہ تر عناصر اور موالید میں جو حوادث رونما ہوتے ہیں' حواس و قیاس سے ان کے اسباب بیان کرنا ہوتا ہے۔ اب رہے علوم محاضرہ۔ یہ عبارت ہیں ان کلی قوانین' مفید صنعتوں اور عجیب و غریب حکایات وغیرہ سے' جو اس کے لئے مدون کئے گئے کہ لوگوں کو ان کی ضرورت پڑتی ہے یا لوگوں میں انہیں جاننے کی رسم چلی آتی ہے یا لوگوں کا ایک طبقہ انہیں یاد رکھنے کا میلان رکھتا ہے۔ یا اسی قسم کی کوئی اور بات ہوتی ہے۔ ان علوم کی بھی کئی قسمیں ہیں۔ ایک قبل از وقت معرفت حاصل کرنے کے علوم۔ ان کی تدوین کی وجہ یہ ہوئی کہ لوگ اپنے معاملات میں اس کے محتاج ہوتے ہیں کہ وہ فتح' شکست' بارش اور خشک سالی وغیرہ کے واقعات کو ان کے وقوع ہونے سے قبل جانیں اور اس کے لئے ستاروں' فال' کہانت' تعبیر' رویا' رمل اور جعفر وغیرہ سے کام لیا جاتا ہے' انہی علوم میں سے مزاج کو اعتدال پر رکھنے اور بیماریوں کو دور کرنے کے علوم ہیں اور ان کی طرف لوگوں کی احتیاج کسی سے مخفی نہیں۔ یہ ہیں علم طب' تعویذ گنڈوں کا علم' اور ان حیوانات کے علاج و معالجے کا علم جنہیں پالنے کی رسم چلی آتی ہے' جیسے کہ گھوڑے' اونٹ' گائیں' بکریاں' ہاتھی' کبوتر وغیرہ ہیں۔ ان علوم میں یہ عجیب و غریب اور مفید صنعتیں بھی ہیں' جیسے تیر اندازی' خوشخطی' کیمیا' موسیقی' کھانا پکانا اور کاشتکاری۔ انہی علوم میں سے فنون حکمیہ ہیں اور یہ وہ نکات ہیں جن سے اخلاق فاضلہ' تدبیر منزل اور سیاست مدنیہ کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ قدیم حکما کا یہ دستور تھا کہ وہ وحشی جانوروں' پرندوں اور درندوں کی زبان سے واقعی یا فرضی حکایتیں تصنیف کیا کرتے تھے۔ ان حکایتوں میں نکتہ طرازی انہیں بہت دور تک لے گئی۔ ان علوم میں سے بادشاہوں اور رہبانوں کی تواریخ' نادر حکایتیں' ملکوں اور شہروں کے احوال' دیہات اور پہاڑوں اور درختوں وغیرہ کی ہیئتیں بھی ہیں۔ انہی علوم میں سے زبانوں کا جاننا جیسے کہ ترکی' عربی' فارسی اور ہندی وغیرہ ہیں اور مختلف خطوں کا جاننا ہے۔ انہی علوم میں سے لوگوں کی شعر و شاعری' اس کی نشوونما' اشعار کے نظم کرنے اور رسائل لکھنے کی معرفت ہے اور انہی علوم میں سے قوموں کے مذاہب اور ان کی کتابوں کی روایات اور ان کے تراجم کی معرفت ہے۔ ان اوراق میں جو ہم درج کرنا چاہتے تھے یہاں اس کا اختتام ہوتا ہے۔ وللہ الحمد اولاً "واخراً"[1]

اسلوب قرآنیہ کی تشریح: **فصل دوم** ۔ در اکثر سور سنت اللہ جاری شدہ است بہ تقسیم سور بآیات چنانکہ قصائد را بابیات منقسم مے کردند' غایت امر آنکہ درمیان آیات وابیات فرقے

---

[1] السر المکتوم فی اسباب تدوین العلوم' از' شاہ ولی اللہ [2] ارمغان ص 96-382

بقایا صفحہ 285

ہو گئی تو حجۃ الوداع سے واپسی کے دوران میں آپؐ نے اہل بیت کے ساتھ حسن سلوک کے بارے میں ایک خطبہ پڑھا اور آخر خطبہ میں بعض روایات میں مروی ہے کہ آپؐ نے حضرت مرتضیٰؓ کے ساتھ تند کلامی پر لوگوں کو جھڑکا اور ان کے ساتھ دوستی رکھنے کا حکم دیا۔[1]

1 ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء، جلد دوم، فصل ہفتم، ص 463-46

نمادہ شدہ است، و آیات و ابیات ہر دو نشاید کہ برائے التذاذ نفس متکلم و سامع انشا کردہ ے نشود الا آنکہ ابیات مقید اند بعروضہ و قافیہ کہ خلیل تدوین آں کردہ است و شعرا ازوے گرفتہ اند، و بنائے آیات بروزنے قافیہ است اجمالی کہ اشبہ است بامر طبیعی نہ بر افاعیل و تفاعیل عروضیان و قوانی معینہ ایشاں کہ امرے ست صناعی و اصطلاحی، و تتبع امرے مشترک کہ در ابیات و آیات واقع ست و نشاید بازا آں امر عام اطلاق ی نمایم۔ باز ضبط امورے کہ در آیات التزام آنہا واقع شد و آں بمنزلہ فصل است تفصیل ے طلبد و اللہ ولی التدمین تفصیل ایں اجمال آنکہ فطرۃ سلیمہ و قصائد موزونہ مقفا فارا جمز را کتہ و امثال آں لطفے ادراک ے کند علاوت ذوق ے نماید، چوں در سبب ادراک آن لطف تامل ے کندے باید کہ در دو کلامے کہ بعض اجزائے او بعض موافقت دارد نفس مخاطب را لذتے دادہ است، و انتظار حس آں بخشیدہ، بعد ازاں چوں بیت دیگر بہماں توافق اجزاء بر نفس مخاطب واقع شد و امر منتظر بوجو د آمد لذت دو بالا شد، چوں ہر دو بیت در قافیہ اشتراک دارند لذت آں سہ چند گشت پس التذاذ ابیات بسبب این سر فطرت قدیمہ آدمیان ست و ہمہ امزجہ سلیمہ از اقالیم معتدلہ بر آں متفق اند۔ بعد ازاں در توافق اجزاء در ہر بیتے و در شروط قافیہ مشترکہ در ابیات مذاہب مختلفہ در رسوم تباینہ واقع شد۔ عرب قانونی دارند کہ خلیل ایضاح آن کرد و ہنود رسمی دارند کہ سلیقہ ایشاں حاکم ست و ہم چنیں اہل زمان و ضعے اختیار کردہ اند ورائے سلوک نمودہ اند چو ازیں ہمہ رسوم و مذاہب مختلفہ امر جامع انتزاع کنیم و سر منشر تامل نمایم، موافقت تخمینی باشد لا غیر، مثلاً عرب بجائے مستفعلن، مفاعلن و متفعلن ے آرند و بجائے فاعلاتن۔ فعلاتن و فاعلاتن بر قاعدہ ے شمارند، و موافقت ضرب بیت با ضرب بیت دیگر، عروض بیت با عروض بیت دیگر مہم ے دارند، و در حشوز حافات بسیار مجوزے کنند، بخلاف شعرائے فارس کہ زحافات پیش ایشاں مستہجن ست و ہم چنیں شعرائے عرب اگر در یک بیت قافیہ "قبور" باشد و در بیت دیگر منیر احسن انگارند، برخلاف شعرائے عجم و ہمچنیں شعرائے عرب حاصل و داخل و نازل را از یک قسم گیرند، بخلاف شعرائے عجم و ہم چنیں وقوع یک کلمہ در مصراعین بوے کہ نصف آن، از مصرعے باشد و نصف ز مصراعی پیش عرب صحیح بودانہ پیش عجم بالجملہ امر مشترک موافقت تخمینے ست نہ موافقت حقیقی، و ہنود، وزان اشعار خود را بعد حروف نمادہ اند بغیر ملاحظہ حرکات و سکنات و آن نیز لذت دہندہ است و بعضے اہل بدو را شنیدہ ایم کہ در تغریدات خود کہ بجہت التذاذے کنند کل ے متعانی باہم بتوافق تخمینے یا ردیفے کہ کلمہ باشد یا زیادہ تر از کلمہ اختیار کردہ اند، مثل قصائد آں را انشاد ے کند و ازاں لذتے برے گیرند۔ و ہر قومے را منتے خاص سیت در نظم خود ہا و علی ہذا القیاس اتفاق ام در التذاذ ملحون و نغمات واقع است و اختلاف ایشاں در رسوم تغرید و قواعد مستحق است۔ یونانیان اوزانے استنباط کردہ اند، و آنہارا بمقامات مسے ساختہ اند، و از مقامات آوازات و شعبات بر آوردہ اند، نغے شدید التفصیل برائے خود درست ساختہ و اہل ہند شش راگ متعلن نمودہ و ازاں راگہا راگنیہا تفریع کردہ اند و اہل بدو را دیدیم کہ ازیں ہر دو اصطلاح دست باز داشتہ بحسب سلیقہ خود تالیفے و انقائے را متعلن نمودہ اوزانے چند بغیر ضبط کلیات و حصر جزئیات ہنگامہ آراستہ

اند' وچوں بعد ازایں ملاحظہ یا حدس راحکم کنیم مر مشترک. بجو موافقت تخمینے بدست نمی آید تخمین عقل راکار بجمال منتزع اجمالی ست وبا تفصیل قوافی مروفہ موصلہ زوق سلیم را دوستی باجمال حلاوت بحت ست بہ بحر طویل ومدید وحضرت خلاق چوں خواست کہ بایں مشت خاک ہم زباں شود' نظر بہمال حسن اجمالے انداخت. نہ بر قوالب مستحسنہ عند قوم دون قوم' ومالک الملک چون ارادہ فرمود کہ بروش آدمیان سخن گوید' ہماں اصل بسیط راضبط فرمود' نہ این قوانین حقیرہ بہ تغیر ادوار و اطوار تمسک بہ قوانین مصطلحہ ناشی از عجز وجمل ست وبدست آوردن حسن اجمالی بغیر توسط آں قواعد بوجہے کہ در اغوار وانجاد بیان از دست نہ رود ودر ہر نشیب وفراز سخن ضائع نہ سود معجزہ ست ہم پس از جریان حق سبحانہ دراں سنن انتزاع اصلے می کنم وانتقال بقاعدہ می نمائیم وآں قاعدہ آن ست کہ در اکثر سور امتداد صورت را معتبر داشت نہ بحر طویل ومدید ومانند آن در فواصل انقطاع نفس را بمدد آنچہ مدہ براں قرار کمرد معتبر داشت نہ قواعد فن قوافی راایں کلمہ نیز بسطے می طلبد کہ گوش را حوالہ آں باید کرد- عربی ترجمہ: **الفصل الثانی**=

قد جرت سنۃ اللہ عزو جل فی اکثر السور بتقسیمھا الی الآیات کما کانوا یقسمون القصائد الی الابیات' غایۃ الامر ان بین الایات والابیات فرقا کل منھما ینشد لالتذاذ نفس المتکلم والسامع الا ان الابیات مقیدۃ بالعروض والقافیۃ التی دونھا خلیل بن احمد وحفظھا الشعراء فبناء الآیات علی فن لقافیۃ اجمالیین یشبھان امرا طبیعیا' لا علی افاعیل العروضیین لتفاعیلھم لقوافیھم المعینۃ التی ھی امر صناعی واصطلاحی- فلتنقیح ماوقع من الامر المشترک بین الابیات والایات لتطلق النشاید بازاء ذلک الامر العام' ثم ضبط امور تقع فی الایات التزاما' وذلک بمنزلۃ الفصل یحتاج الی تفصیل واللہ ولی التوفیق- تفصیل ھذا الاجمال ان الفطرۃ السلیمۃ تدرک فی القصائد الموزونۃ المقفاۃ والاراجیز الرائقۃ وامثالھا لطفا وحلاوۃ بالذوق فاذا تاملت سبب ادراک اللطف المذکور فلیکن ورود الکلام بعض اجزائہ یوافق بعضا مفید اللذۃ فی نفس المخاطب مع انتظار مثلہ' حتی اذا واقع فی نفسہ بیت اخر بتوافق الاجزاء المعلوم لتحقق الامر المنتظر تضاعفت اللذۃ عندہ' فاذا اشترک البیتان فی القافیۃ فتضاعفت اللذۃ ثالثۃ فالالتذاذ بالابیات بھذا السر فطرۃ قدیمۃ للناس' والامزجۃ السلیمۃ من اھل الاقالیم المعتدلۃ متفقۃ علی ذلک ثم وقعت فی توافق الاجزاء من کل بیت وفی شرط القافیۃ المشترکۃ بین الابیات مذاھب مختلفۃ ورسوم متباینۃ فاختار العرب قانونا وضعہ الخلیل بن احمد واوضحہ ایضاحا والھنود یتبعون رسما یحکم بہ ذوقھم و قریحتھم و کذلک اختار اھل کل زمان وضعا" وسلکوا طریقا فاذ انتزعنا من ھذہ الرسوم والمذاھب المختلفۃ امرا جامعا' و تاملنا سرا منتشرا وجدنا الموافقۃ امرا تخمینیا لاغیر' مثلا یذکر العرب مقام مستفعلن مفاعلن لمفتعلن ویعدلن مقام فاعلاتن فعلاتن علی القاعدۃ ویجعلون موافقۃ ضرب بیت بضرب بیت اخر' لموافقۃ عروض بیت لعروض بیت اخر من المھمات ویجوزان فی الحشو کثیرا من الزحافات' بخلاف

الشعراء الفرس فان الزحافات عندھم مستھجنۃ' وکذلک تستحسن العرب ان کانت القافیۃ فی بیت (آخر) ان یکون فی بیت (قبور) ان یکون فی بیت اخر (منیر) بخلاف شعراء العجم' وکذلک شعرا العرب یعدون (حاصل) و (داخل) و (نازل) من قسم واحد بخلاف شعراء العجم' وکذلک وقوع کلمۃ فی المصراعین بحیث یکون نصفھا فی مصراع ونصفھا الاخری فی مصراع اخر سمع عند العرب لا عند العجم وبالجملۃ فان موافقۃ الامر المشترک موافقۃ تخمینیۃ لاموافقۃ حقیقیۃ' ومبنی اوزان الاشعار عند الھنود علی عدد الحروف بغیر ملاحظۃ الحرکات والسکنات' وھوایضا مما یتلذذ بہ' وقد سمعنا بعض اھل البدو ممن یتلذذ بتغریدات یتحاورون کلاما متوافقا بتوافق تخمینی بردیف یکون تارۃ کلمۃ واحدۃ واخری یزید علیھا' ویسمعون تغریداتھم مثل القصائد یتلذذون بھا- ولکل قوم اسلوب خاص فی نظمھم وعلی ھذا القیاس وقع اتفاق الامم علی الالتذاذ بالالحان ونغمات واختلافھم فی رسوم التغرید والقواعد محقق- وقد استنبط الیونانیون اوزانا سموھا بالمقامات واستخرجوا منھا اصواتا وشعبا ودونوھم فنا شدید التفصیل' واھل الھند خلقوا الست نغمات وفرعوا منھا نغمات وقد راینا اھل البدو تباعدوا من ھذین الاصطلاحین وخلقوا بحسب سلیقتھم للتالیف والایقاع فخذوا لھم اوزانا محدودۃ بغیر ضبط الکلیات وحصر الجزئیات- فاذا نظرنا بعد ھذہ الملاحظات الی حکم الحدس لم نجد ھھنا امرا مشترکا سوی الموافقۃ التخمینیۃ' ولا یتعلق تخمین العقل الا بذلک المنتزع الاجمالی لا بتفصیل القوافی المردفۃ الموصلۃ ولا یحب الذوق السلیم الا تلک الحلاوۃ المحضۃ لا الطویل والمدید من البحور لما اراد حضرۃ الخلاق جل شانہ ان یکلم الانسان الذی ھو قبضۃ من التراب نظرالی ذلک الحسن الاجمالی لاالی قوالب مستحسنۃ عند قوم دون قوم ولما اراد مالک الملک ان یتکلم علی منہج الادمیین ضبط ذلک الاصل البسیط لا ھذہ القوانین المتغیرۃ بتغیر الادوار الاطوار وفشاء التمسک بالقوانین المصطلح علیھا ھوا لعجز والجھل وتحصیل الحسن الاجمالی بلا توسط تلک القواعد بحیث لایفوت فی الاغوار والانجاد من البیان شیء ولا یضیع فی کل سھل وجبل من الکلام معجزۃ ثم وانا انتزع ھنا من جریان الحق سبحانہ وتعالی علی ذلک السنن اصلا وانتقل الی قاعدۃ' وتلک القاعدۃ انہ اعتبر فی اکثر السور امتداد الصوت لا الطویل المدید من البحور مثلا واعتبر فی الفواصل انقطاع النفس بالمدۃ وما یعتمد علیہ المدۃ لا قواعد فن القوافی وھذہ الکلمۃ ایضا تقتضی بسطا فاستمع لما اقول○

اردو ترجمہ: فصل دوم = آیات قرآن اور ان کا وزن: کلام پاک کے اسلوب کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ جس طرح ایک قصیدہ مختلف اور متعدد اشعار پر منقسم ہوتا ہے اسی طرح قرآن مجید کی سورتیں بھی مختلف اور متعدد آیات پر تقسیم کی گئی ہیں' زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ قرآن کی آیات اور قصائد کے اشعار کے درمیان فرق رکھا گیا ہے۔ البتہ مقاصد کے اعتبار سے یہ امر قرآن اور قصائد دونوں میں مشترک ہے کہ نہ تو اشعار ہی کو متکلم یا سامع کے حظ نفس اور لطف اندوزی کے لئے پڑھنا چاہئے نہ قرآن کی آیات ہی کو۔

وزن، شعر اور آیات: اشعار وابیات اور آیات قرآن میں ایک واضح فرق یہ ہے کہ اشعار عروض و قافیہ کی ان شرائط کے پابند ہوتے ہیں' جنہیں خلیل نحوی نے مرتب کیا تھا۔ اور دوسرے شعراء نے اس

سے سیکھا تھا۔ اس کے برخلاف قرآن کی آیات میں جس وزن و قافیہ کا التزام کیا گیا ہے وہ وزن و قافیہ کے شعری تصور سے مختلف اور طبیعت کے فطری انداز سے زیادہ مطابقت رکھتا ہے۔ شعرا کی معینہ بحروں اور اوزان سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے کیونکہ ان کا تمام تر انحصار مصنوعی اور اصطلاحی امور پر ہے۔ ایسے امور جو اشعار اور آیات کے درمیان مشترک ہیں اور جن کی حیثیت ایک امر عام اور مطلق سے زیادہ نہیں ہے۔ ان کا تجزیہ اور ان سے بحث لاحاصل ہے البتہ وہ امور جو آیات کو ابیات سے الگ کرتے ہیں' اور جن کا قرآن مجید میں بطور خاص التزام کیا گیا ہے' ان سے بحث اور ان کی وضاحت ضروری ہے۔

وزن سے فطری مناسبت: اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ موزوں و مقفی قصائد اور اشعار سے ہر مذاق سلیم رکھنے والا لطف اندوز ہوتا ہے۔ اور اس میں ایک خاص قسم کی شیرینی اور دلکشی محسوس کرتا ہے اگر اس لطف اندوزی و حلاوت اور دلکشی کا سبب تلاش کیا جائے' تو پتہ چلے گا کہ ہر ایسے دو جملے جن کے اجزاء ایک دوسرے سے مناسبت اور مطابقت رکھتے ہوں' فطری طور پر ہر سننے والے کو محظوظ اور متاثر کر دیتے ہیں ساتھ ہی ساتھ اشتیاق بھی بڑھا دیتے ہیں اور سننے والا ویسے ہی مزید کلام کا متمنی ہو جاتا ہے۔ اس تمنا اور انتظار کے عالم میں جب اسی انداز کا دوسرا شعر سامنے آتا ہے تو طبیعت پھڑک اٹھتی ہے اگر کہیں یہ اشعار وزن کے ساتھ ساتھ قافیہ کے اعتبار سے بھی یکساں نکلتے ہیں' تو لطف سہ آتشہ بن جاتا ہے' پس اشعار سے دلچسپی اور لطف اندوزی کا راز انسانی فطرت کے اسی گوشہ میں پوشیدہ ہے' جو ابتدائے آفرینش ہی سے انسانی خصائص میں شامل ہے چنانچہ کسی ملک اور کسی قوم کا باشندہ ہو' اگر ذوق صحیح اور فطرت سلیم کا مالک ہے۔ تو اشعار سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہے گا۔

وزن و قافیہ اعتباری ہے: وزن اور قافیہ سے اس فطری اور ہمہ گیر ربط کے باوجود ہر علاقہ میں وزن اور قافیہ کا تصور یکساں نہیں ہے۔ بلکہ وزن کے اجزاء اور قافیہ کی شرائط کے سلسلے میں ہر قوم کے اپنے تصورات اور نظریات ہیں' اسی وجہ سے ہر زبان کی شاعری کے اصول و قواعد الگ اور مختلف ہیں' اہل عرب اس قانون شعر کے پابند ہیں' جسے خلیل نے وضع کیا تھا۔ اہل ہند اس سے بالکل مختلف ایک ایسے اصول کے تابع ہیں۔ جسے ان کے اپنے سلیقہ اور اپنے ذوق نے ترتیب دیا ہے صرف یہی نہیں بلکہ زمانہ کے اختلاف کے ساتھ ساتھ بھی شعر کے وزن اور قافیہ کے اصول میں تبدیلیاں ہوتی رہی ہیں' جب وزن و قافیہ کے تمام اصول اور قواعد کو سامنے رکھا جائے گا اور ان کے درمیان کسی مشترک نکتہ کو تلاش کیا جائے گا تو ان کے درمیان ایک تخمینی اور اعتباری اشتراک کے علاوہ اور کچھ نہ ملے گا۔

عربی اور ایرانی اصول: مثلاً اہل عرب وزن و قافیہ کے معاملہ میں جتنی آزادی برتتے ہیں' اہل ایران اتنے ہی زیادہ اس معاملہ میں سخت ہیں۔ عربوں کے نزدیک شعر کے وزن میں تھوڑی بہت تبدیلی غیر مستحسن نہیں ہے۔ مثال کے طور پر اہل عرب وزن شعر میں "مستفعلن" کی جگہ "مفاعلن" اور "مفتعلن" کا استعمال بھی جائز سمجھتے ہیں اور بڑی بے تکلفی کے ساتھ اس قسم کے تصرفات کرتے رہتے ہیں اور "فاعلاتن" اور "فعلاتن" کو ہم وزن قرار دینے میں تکلف نہیں برتتے اس کے علاوہ اور بھی بہت سے حشو

اور زحافات کو جائز قرار دیتے ہیں اور اشعار میں بے تکلفی کے ساتھ انہیں استعمال کرتے رہتے ہیں۔ اس کے برخلاف اہل ایران نہ تو وزن میں اس طرح کی تبدیلی کو مستحسن سمجھتے ہیں نہ اس طرح کے زحافات وغیرہ کو جائز قرار دیتے ہیں یہی حال قافیہ کا بھی ہے اہل عرب کے نزدیک قبور کا قافیہ منیر بھی ہو سکتا ہے لیکن اہل ایران کے نزدیک اس طرح کے قوافی ناجائز ہیں۔ شعرائے عرب حاصل' داخل' نازل وغیرہ الفاظ کو ایک ہی قسم کے الفاظ قرار دیتے ہیں' لیکن اہل ایران ان سے اختلاف رکھتے ہیں اسی طرح اہل عرب کے نزدیک کسی لفظ کا اس طرح سے استعمال کہ نصف لفظ ایک مصرعہ میں آئے۔ اور بقیہ نصف دوسرے مصرعہ میں جائز ہے' لیکن اہل ایران اس طرح کے استعمال کو قطعی طور پر ناجائز سمجھتے ہیں' مختصر یہ کہ اہل عرب اور اہل ایران کے درمیان اصول و قوانین شعر کے بارے میں جتنے اختلافات ہیں' ان کے پیش نظر وزن و قافیہ کی یکسانیت دونوں کے درمیان حقیقی کے بجائے تخمینی اور اعتباری ہے۔

ہندی اصول شعر: ہندیوں کے اصول شعر عربوں اور ایرانیوں دونوں سے مختلف ہیں' چنانچہ انہوں نے اپنی شاعری کے لئے جو اوزان تجویز کئے ہیں' ان میں صرف حروف کی تعداد کا اعتبار کیا گیا ہے۔ حروف کی حرکات و سکنات کا کوئی لحاظ نہیں رکھا گیا ہے' اس کے باوجود یہ اوزان بھی لطف و لذت اور حلاوت و شیرینی سے خالی نہیں ہیں۔ میں نے اکثر دیہاتیوں کو بھی اپنے طور پر شاعری کرتے دیکھا ہے' چنانچہ وہ اپنے لطف کے لئے جو تک بندیاں کرتے ہیں ان میں بھی وہ ایک خاص قسم کی مناسبت کا لحاظ رکھتے ہیں۔ اور ردیفوں کا بھی استعمال کرتے ہیں۔ یہ ردیفیں کبھی تو ایک ہی کلمہ کی ہوتی ہیں اور کبھی ایک سے زیادہ کلمات سے مرکب ہوتی ہیں' لیکن جو وزن قافیہ وہ اختیار کرتے ہیں اس سے انحراف نہیں کرتے۔ اس کے علاوہ وہ اپنے منظومات کو پڑھتے بھی اس انداز سے ہیں۔ جس انداز سے قصائد پڑھے جاتے ہیں۔ اور اس سے اسی انداز سے لطف اندوز بھی ہوتے ہیں۔ اسی طرح ہر قوم نے اپنے لئے الگ الگ اصول و قواعد اختیار کئے ہیں جو ایک دوسرے سے مختلف ہونے کے باوجود ایک مخصوص قسم کی ہم آہنگی رکھتے ہیں۔ البتہ اس ہم آہنگی کو تخمینی ہی قرار دیا جا سکتا ہے۔

اصول موسیقی میں اختلاف: شاعری کی طرح نغمہ و سرور سے بھی انسان فطرتاً مانوس ہے۔ اور موسیقی سے دنیا کے ہر حصہ کے باشندے یکساں طور پر لطف اندوز ہوتے ہیں۔ لیکن یہاں بھی اصول و قواعد تمام قوموں کے الگ الگ ہی ہیں۔ اہل یونان نے اپنی موسیقی کے لئے جو اصول و قواعد منضبط کئے ہیں۔ اور جو اوزان تجویز کئے ہیں۔ ان کا نام انہوں نے مقامات رکھا ہے۔ مقامات کو کلیہ کی حیثیت دے کر اس سے مختلف قسم کی آوازیں اور شعبے نکالے ہیں۔ اس طرح سے رفتہ رفتہ موسیقی ایک مستقل اور انتہائی وسیع فن کی حیثیت اختیار کر گئی اس کے برخلاف اہل ہند نے اپنی موسیقی کے لئے چھ اصول مقرر کئے ہیں اور ان کا نام راگ رکھا ہے۔ ان راگوں سے الگ الگ بہت سی راگنیاں نکالی ہیں۔ اس طرح انہوں نے بھی موسیقی کو ایک مستقل اور وسیع فن کی حیثیت دے دی ہے جو یونانی فن موسیقی سے مختلف ہے۔ لیکن ہم دیہاتیوں کو دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے۔ کہ انہوں نے ہندوستان اور یونان دونوں کو ناقابل

اقتضاء قرار دے دیا ہے اور محض اپنی طبعی مناسبت اور فطری سلیقہ کی بدولت نغمات ترتیب دیتے ہیں۔ اور بغیر کلیات و جزئیات اور اصول و قواعد کو مقرر کئے ہوئے ہنگامہ آرائیاں کرتے رہتے ہیں' اور اس سے کم لطف اندوز نہیں ہوتے' جتنی کہ توقع یونانی اور ہندوستانی فن سے کی جاتی ہے۔ جب ہم ان تمام امور کو سامنے رکھتے ہیں اور موسیقی کے مختلف فنون اور ان کی مشترک خصوصیات کا جائزہ لیتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ شاعری کی طرح موسیقی کے مختلف اصول و قواعد میں بھی جو مشابہت پائی جاتی ہے وہ بھی تخمینی اور اعتباری ہے۔

خلاصہ بحث: خلاصہ بحث یہ ہے کہ فن شاعری ہو یا فن موسیقی دونوں میں مختلف فنون کے درمیان جو مناسبت ہے وہ محض تخمینی ہے اور اس تخمین کا تعلق اس اجمالی وزن سے ہے' جس کا احساس ہم شعرو موسیقی کے تمام فنون میں کرسکتے ہیں۔ چنانچہ شعرو موسیقی کی دلکشی کا راز اسی اجمال میں ہے' جو تمام فنون میں مشترک اور تمام فنون کی جان ہے' اور مذاق سلیم کا تعلق اسی حلاوت اور دلکشی سے ہے جو اصول اور بحور کی رہین منت نہیں ہے۔ چنانچہ جب اللہ تعالیٰ نے اس پیکر خاکی سے گفتگو فرمانی چاہی تو اسی اجمالی حسن کو پیش نظر رکھا جو تمام فنون کی جان ہے اس نے اپنے کلام کی بنیاد ان اصول و قواعد پر نہیں رکھی ہے جو مختلف قوموں کے اعتبار سے مختلف ہوتے رہتے ہیں اسی طرح سے جب اللہ تعالیٰ نے انسانوں سے گفتگو کے لئے انسانی لب ولہجہ اختیار کرنا چاہا' تو اسی بسیط اور حقیقی وزن کو اختیار کیا' جو ہر ملک اور ہر قوم کے شعرو موسیقی میں مشترکہ طور پر موجود ہے' اور ان موضوعہ اصول و قواعد کو یکسر نظر انداز کر دیا جو ملک' قوم' خطہ اور زمانہ کی تبدیلی کے ساتھ تبدیل ہوتے رہتے ہیں اور حقیقت میں انسان کی جہالت اور فکر کی عاجزی کی وجہ سے وجود میں آتے ہیں۔ اس کے مقابلہ میں اجمالی اور مشترکہ حسن کو اس انداز سے کام میں لانا کہ گفتگو کے ہر پیچ و خم اور کلام کے ہر نشیب و فراز میں معیار بیان کو صدمہ نہ پہنچنے پائے' بلاشک وشبہ انتہائی شاندار اور معجزانہ انداز بیان ہے۔

آیات کا وزن اور اس کا اصول: اگرچہ آیات قرآنی کا وزن دنیا کے تمام مروجہ اور معلومہ اصول و قواعد سے قطعی طور پر مختلف ہے' لیکن اصول و قواعد سے بیگانہ بھی نہیں ہے اس کا اپنا مخصوص اسلوب ہے اور اسی اعتبار سے اس کے اپنے الگ اصول و قواعد بھی ہیں۔ چنانچہ قرآن مجید میں مختلف سورتوں میں جو اسلوب اختیار کیا گیا ہے۔ ان کی مشترکہ خصوصیات کے اعتبار سے ان کا بھی ایک اصول اور ایک قاعدہ معین کیا جاسکتا ہے۔ قرآن مجید میں وزن کے لئے سانس اور آواز کو معیار قرار دیا گیا ہے۔ بحر طویل اور بحر مدید کی طرح معینہ اور مقررہ اوزان کا سہارا نہیں لیا گیا ہے۔ اسی طرح قوافی کی وہ شکل اختیار نہیں کی گئی ہے جس کا مشاہدہ ہم اشعار میں کیا کرتے ہیں۔ بلکہ ایک سانس کی مدت جس لفظ پر تمام ہوتی ہے وہی لفظ قرآن کی آیات میں قافیہ کی حیثیت حاصل کرلیتا ہے خواہ وہ ہمارے مفروضہ قوافی کی شرائط پر پورا اترتا ہو یا نہیں' یہ قرآن کے وزن و قافیہ کی انتہائی مختصر تعریف ہے' جو بہرحال وضاحت طلب ہے۔[1]

---

[1] الفوز الکبیر ص 23-118

شاہ صاحب کی کتب میں آیات احادیث' عربی ضرب الامثال' اشعار' اقوال کا استعمال=

تاویل الاحادیث آیات = بل یداہ مبسوطتن = 64:5 – مایبدل القول لدی = 29:50 – فلن تجد لسنت اللہ تبدیلا = 43:35 – لقد صلت الروءیا = 105:37 – رحمت اللہ ــــ اھل البیت = 73:11 – ارکض برجلک ــــ بارد و شراب = 42:38 – ان ارضعیہ ــــ من المرسلین = 7:28 – انک لغوی مبین = 18:28 – ارنی انظر الیک = 142:7 – قل رب زدنی علما = 114:20 – انما انا رسول ــــ غلما زکیا = 19:19 واوحینا الیھم فعل الخیرات = 73:21 – وما جعل ــــ ابراھیم = 78:22 نورھم یسعی بین ایدیھم = 8:66

احادیث رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم=

(1) اللہ فاسق آدمی سے بھی دین کی تائید کرتا ہے جنت میں مومن ہی داخل ہوتا ہے۔ (2) آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے مال و دولت کی زکواۃ نہ دینے والوں کے متعلق فرمایا "ان کی گردن میں گنجے سانپ کا طوق پڑے گا یا اونٹ اپنے پاؤں سے روندیں گے اور گائیں ان کو اپنے سینگ ماریں گیں۔ (3) غادر یعنی عہد شکنی کرنے والے کے سرین پر جھنڈا گاڑا جائے گا۔ (4) تحقیق تم اپنے رب کو اس طرح دیکھو گے کہ جس طرح چاند کو دیکھتے ہو پھر اگر تم میں سے کوئی یہ طاقت رکھتا ہے کہ صبح اور عصر کی نماز نہ چھوڑے تو یہ عمل کرے۔ (5) خالق میں تفکر نہ کرو۔ (6) رب کی ذات میں سوچنا نہیں ہوتا۔

اقوال' اشعار' ضرب الامثال = مرد عورت سے زیادہ غیرت مند' زیادہ بہادر اور زیادہ عقل مند ہوتا ہے۔

عقد الجید فی ادلتہ الاجتہاد و التقلید=

ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ = 195:2 ص 43 – فسئلوا اھل الذکر ــــ لاتعلمون = 43:16 ص 113 – ارءیت الذی ــــ صلی = 96: 9-10 ص 115 – وانا علی اثرھم مقتدون = 23:43 ص 124 اتخذوا احبارھم ــــ دون اللہ = 31:9 ص 67

احادیث رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم: (1) تمہارا افطار اسی روز ہے جس روز تم افطار کرتے ہو اور تمہاری قربانی اسی روز ہے جس روز تم قربانی کرتے ہو۔ (2) کھرچ دے پھر مل دے پھر نماز پڑھ لے۔ ص 41 (حیض والے کپڑے کے نماز پڑھنے کے بیان میں) (3) سواد اعظم کی اتباع کرو۔ ص 56 (4) جب میں کوئی حکم کروں تو تم سے جتنا ہوسکے اتنا بجالاؤ۔ ص 111 (5) میرے صحابہؓ ستاروں کی مانند ہیں تم ان میں سے جس کی بھی اقتداء کرو گے ہدایت پاؤ گے۔ ص 67 (6) پچھنے لگانے والے اور لگوانے والے دونوں کا روزہ ٹوٹ گیا۔ ص 135 (7) غیبت سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ ص 135

الانصاف فی بیان سبب الاختلاف= آیات قرآنیہ = یسئلونک عن الشھر الحرام قتال فیہ قل قتال فیہ کبیر = 217:2 ص 3 ویسئلونک عن المحیض = 222:2 ص 3

لاتخرجوھن من بیوتھن = 1:65 ص 8 اسکنوھن من حیث سکنتم من وجدکم = 6:65 ص 8 فانفقوا علیھن = 6:65 ص 8 کتب علیکم اذا حضر احدکم الموت = 180:2 ص 26 وامسحوا برءوسکم = 6:5 ص 83 وارکعوا واسجدوا = 22:77 ص 83 الزانیۃ والزانی فاجلدوا = 2:24 ص 84 السارق والسارقۃ فاقطعوا ایدیھما = 38:5 ص 84 حتی تنکح زوجا غیرہ = 230:2 فاقرءوا ما تیسر من القرآن = 20:73 ص 84 فما استیسر من الھدی = 196:2 ص 85 ومن لم یستطع منکم طولا = 25:4 ص 85 انا وجدنا...... مقتدون = 23:43 ص 93

احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:

(1) ان المیت یعذب ببکاء اھلہ علیہ ص 12 (2) انھم یبکون علیھا وانھا تعذب فی قبرھا ص 12 (3) طھور اناء احدکم اذا ولغ فیہ الکلب ان یغسلہ سبعا ص 20 (4) الا لا وصیۃ لوارث ص 26 (5) اذا کان الماء قلتین لم یحمل خبثا ص 28 (6) لاتجزی صلاۃ الرجل حتی یقیم ظھرہ فی الرکوع والسجود ص 83 (7) لاصلوۃ الا بفاتحۃ الکتاب ص 84 (8) فیما سقت العیون العشر ص 84 (9) لیس فیما دون خمسۃ اوسق صدقۃ ص 84 (10) فی الابل السائمۃ زکاۃ ص 85 (11) عدم فساد الصوم بالاکل ناسیا ص 85

عربی شعر: وکن طفیلیھم علی ادب — فلا اری شافعا سوی الادب

ترجمہ: ان کا نیازمند ادب کے لئے ہو جا ادب کے علاوہ میرا کوئی حامی نظر نہیں آتا۔

القول الجمیل فی بیان سواء السبیل = ایاک نعبد وایاک نستعین = 4:1 الم یعلم بان اللہ یری = 14:96 ونحن اقرب الیہ من حبل الورید = 16:50 ھو الاول والاخر والظاھر = 3:57 کل من ...... والاکرام = 55 : 27-26 این ماتکونو ...... مشیدۃ = 4: 78 انی وجھت ...... من المشرکین = 6: 80 لھم البشری فی الحیوۃ الدنیا = 10: 64 یخرج من...... شفاء للناس = 16: 69 وننزل...... للمومنین = 17: 82 واذا مرضت فھو یشفین = 26: 80 قل ھو...... وشفاء = 41: 44 ربہ انی ...... ارحم الرحمین = 21: 83 لا الہ الا انت...... ننجی المومنین = 21: 88-87 وافوض...... بالعباد = 40: 44 وقالو حسبنا اللہ ونعم الوکیل = 3: 173 ربہ انی مغلوب فانتصر = 54: 10 اللہ یعلم ...... المتعال = 13 : 9-8 وقل...... زھوقا = 17: 81 لیحق الحق...... ولو کرہ المجرمون = 8: 8 لو انزلنا...... خشیۃ اللہ = 59: 21 تلک الامثال...... یات بھا اللہ = 31: 16

احادیث رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

(1) ہمارے اور مشرکین کے درمیان اگر کوئی فرق کرنے والی چیز ہے تو وہ نماز ہے۔ چنانچہ جس نے نماز کو ترک کیا وہ کافر ہو گیا۔ (2) جس نے جان بوجھ کر نماز ترک کی وہ کافر ہوا۔ (3) اعتدال سے کام لو اور اللہ کو زور زور سے نہ بلاؤ بے شک تم کسی بہرے اور غائب کو نہیں بلا رہے۔ (4) احسان یہ ہے کہ تو اللہ کی اس طرح عبادت کرے گویا کہ تو اسے دیکھ رہا ہے اور اگر تو اسے دیکھ نہیں سکتا تو یوں سمجھ کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔ (5) حضرت علیؓ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اور کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے وہ راستہ بتایئے جو اللہ کی طرف جانے کے لئے سب سے آسان ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ خلوت میں برابر ذکر کرتے رہو حضرت علیؓ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ ذکر کیسے کروں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اپنی آنکھیں بند کرو اور جو میں کہتا ہوں سنو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین بار "لا الہ الا اللہ" کہا اور حضرت علیؓ آنکھیں بند کئے سنتے رہے جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہہ چکے تو حضرت علیؓ نے "لا الہ الا اللہ" کو تین بار دھرایا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سنتے رہے۔ (6) جب تم میں سے کوئی نماز پڑھ رہا ہو تو وہ اپنے سامنے نہ تھوکے کیونکہ اس کے اور اس کے قبلہ نماز کے درمیان خدا موجود ہے۔ (7) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک حبشن لونڈی سے پوچھا کہ خدا کہاں ہے؟ اس نے آسمان کی طرف اشارہ کیا پھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سوال کیا میں کون ہوں اس نے اس طرح کا اشارہ کیا جس کا مطلب یہ تھا کہ خدا نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھیجا ہے اس پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ یہ لونڈی مومنہ ہے۔ (8) ایک مرد صالح کا سچے خواب دیکھنا نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے نیز رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میرے بعد نبوت تو ختم ہو جائے گی البتہ "مبشرات" کا سلسلہ قائم رہے گا صحابہ کرامؓ نے پوچھا کہ یا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبشرات کیا ہیں؟ فرمایا کہ رویائے صالحہ جو ایک نیکوکار آدمی خود دیکھتا ہے یا کوئی دوسرا اس کے لئے دیکھتا ہے یہ رویائے صالحہ نبوت کے چھیالیسویں حصے میں سے ایک ہے۔ (9) مومن کی فراست سے بچو کیونکہ مومن اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔ (10) بعض غبار آلود، پریشان حال اور پھٹے پرانے کپڑوں والے ہوتے ہیں کہ کوئی ان کی پرواہ نہیں کرتا لیکن اگر وہ اللہ کے بھروسے پر قسم کھالیں تو اللہ تعالیٰ یقینی طور پر ان کی قسم پوری کر دیتا ہے۔

عربی اشعار، اقوال، ضرب الامثال۔ شاہ صاحب نے اس کتاب میں کافی دعاؤں اور وظائف کا ذکر کیا ہے۔ (1) اللہ حاضری، اللہ ناظری، اللہ شاہدی، اللہ معی، الا انہ بکل شئی محیط، یا فتاح، یا رب، یارب، یا روح الروح۔ (2) بسم اللہ اللھم انت ربی لا الہ انت علیک توکلت وانت رب العرش العظیم ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم ماشاء اللہ کان ومالم یشاء لم یکن اشھد ان اللہ علی کل شئی قدیر وان اللہ قد احاط بکل شئی علما واحصی کل شئی عددا اللھم انی اعوذبک من شر نفسی ومن کل دابۃ انت اخذ بناصیتھا ان ربی علی صراط مستقیم وانت علی کل شئی حفیظ ان ولی اللہ الذی نزل الکتب وھو یتولی الصلحین فان تولوا فقل حسبی اللہ لا الہ الا ھو علیہ توکلت وھو رب العرش العظیم۔ (3) یا بدیع العجائب بالخیر یا بدیع (4) جس عورت کے ہاں صرف لڑکیاں ہوتی ہوں اس کے لئے ہرن کی کھال پر زعفران اور گلاب کے پانی سے ان آیات کو لکھا جائے۔ اللہ یعلم ماتحمل ...... الکبیر المتعال = 13:8-9

فیوض الحرمین = فانھم عدولی الا رب العالمین = 26:77 ص 185 علی بینۃ......

شاھد منہ=17:11 ص 177 وما ارسلنا ـــــ فی امنیتہ= 52:22 ص 194 ولکل وجھۃ ھو مولیھا=
148:2 ص 239 کل یوم ھو فی شان= 29:55 ص 246 یمحو اللہ ـــــ ام الکتب= 39:13 ص 208
وما منا الا لہ مقام معلوم= 164:37 ص 225 واوحینا الیھم ـــــ واقام الصلوۃ= 73:21 ص 273
فکیف اذا جئنا من کل امۃ بشھید= 41:4 ص 297

احادیث رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم=

1-من فتح لہ باب الدعا فتح لہ باب الجنۃ او الرحمۃ ص 62 ترجمہ: جس شخص کے لئے دعا کا دروازہ کھل جاتا ہے تو اس کے لئے جنت کا دروازہ کھل جاتا ہے یا رحمت کاملہ کا 2-ان الانبیاء لا یموتون وانھم یصلون ویحجون فی قبورھم وانھم احیاء ترجمہ: انبیائے کرام کو موت نہیں آیا کرتی وہ اپنی قبروں میں نمازیں پڑھا کرتے اور حج کیا کرتے ہیں اور وہ زندہ ہوا کرتے ہیں۔ ص 84 صفحہ 117' 119' 146' 223' 296 پر بھی احادیث موجود ہیں۔ عربی اشعار=

افلت شموس الاولین و شمسنا
ابد علی افق العلی لاتغرب ص 89

ترجمہ: پہلے حضرات کے آفتاب چھپ گئے اور ہمارا آفتاب ہمیشہ بلندی آسمان پر تاباں رہے گا اور غروب نہیں ہوگا۔

الخیر الکثیر

	آیت نمبر	صفحہ نمبر
ومن یوت ـــــ کثیرا	269:2=	(20)
حسبنا اللہ ونعم الوکیل	173:3=	(21)
جعل لکم الارض فراشا	22:2=	(23)
لہ دعوۃ ـــــ لھم بشئی	14:13	(28)
انا للہ وانا الیہ راجعون	156:2	(33)
ونحن اقرب الیہ من حبل الورید	16:50	(36)
یعلم مابین ـــــ من علمہ	255:2	(41)
ومن کل ـــــ لعلکم تذکرون	49:51	(42)
اللہ لا الہ الا ھو	255:2	(43)
الحی القیوم	255:2	(43)
ورحمتی وسعت کل شئی	156:7	(46)
فسا کتبھا للذین ـــــ النبی الامی	156-57:7	(46)
یلقی الروح ـــــ یوم التلاق	15:40	(52)
فلیعلمن اللہ ـــــ الکذبین	3:29	(55)

	آیت نمبر	صفحہ نمبر
ینبی انھا ـــــ من خردل	16:31	(56)
وما کان لبشر ـــــ انہ علی حکیم	51:42	(159)
وما ارسلنا من ـــــ واللہ علیم حکیم	52:22	(160)
ومالی لا اعبد ـــــ ترجعون	22:36	(161)
والی اللہ المصیر	28:3=	(166)
اذن للذین یقتلون بانھم ظلموا	39:22=	(171)
انا فتحنا لک فتحا مبینا	1:48=	(175)
الیوم اکملت ـــــ دینا	3:5=	(176)
حم والکتب ـــــ لیلۃ مبرکۃ	1:44 تا 3=	(185)
والفجر ولیال عشر	1-2:89=	(190+185)
والصفت صفا	1:37=	(185)
اذا وقعت الواقعۃ	1:56=	(185)
اذا السماء انشقت	1:84=	//
الحاقۃ ○ ما الحاقۃ	2-1:69=	(186)
القارعۃ ○ ما القارعۃ	2-1:101=	(185)
تنزیل الکتب ـــــ العزیز الحکیم	1:39=	(186)
تنزیل من الرحمن الرحیم	2:41=	(186)
ذلک الکتب لا ریب فیہ ھدی للمتقین	2:2=	(190)
سبح اسم ربک الاعلی	1:87=	(190)
فسبح بحمد ربک	3:110=	(190)
وقوموا للہ	238:2=	(190)
وکبرہ تکبیرا	111:17=	(190)
اتل ما اوحی الیک	45:29=	(190)
والضحی ○ والیل اذا سجی	2-1:94=	(190)
لعن الذین ـــــ لسان داود	78:55=	(192)
انما یرید اللہ ـــــ تطھیرا	33:33=	(196)
الا یعلم من ـــــ الخبیر	14:67=	(228)
اتدعون ـــــ احسن الخالقین	125:37=	(228)
ما ننسخ ـــــ او مثلھا	106:2=	(167+233)

لا یاتیہ۔۔۔۔۔حکیم حمید	(58) 42:41=
لا یسئل۔۔۔۔۔یسئلون	(58) 23:21=
انما امرہ۔۔۔۔۔کن فیکون	(66) 82:36=
ثم استوی علی العرش	(76) 4:32=
خلق السموت۔۔۔علی المآء	(76) 7:11=

امام بخاریؒ نے عمران بن حصینؓ سے جو روایت کی ہے اس میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اس آیت کی یہ تفسیر فرمائی ہے۔ اللہ تعالی موجود تھا اور کوئی چیز اس سے پہلے نہ تھی اس کا عرش بریں پانی پر تھا جس کے بعد اس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور لوح محفوظ میں ہر ایک چیز لکھ دی۔ (77)

کان من الجن ففسق عن امر ربہ	(73) 50:18=
فما اصابکم۔۔۔۔۔عن کثیر	(97) 30:42=
واتقوہ۔۔۔۔۔اجل مسمی	(102) 4:71=
فطرت اللہ۔۔۔۔۔علیھا	(105) 30:30=
واشربو فی قلوبھم العجل	(135) 93:2=
ملۃ ابیکم ابراھیم	(142) 78:22=
ربنا وابعث۔۔۔۔۔الحکیم	(142) 129:2=
وعلم ادم الاسماء کلھا	(144) 31:2=
واتیت من کل شی	(154) 23:27=
وعلی الذین۔۔۔۔۔مسکین	(236) 184:2=
والبقیت۔۔۔۔۔املا	(237) 46:18=
فلیعلمن اللہ۔۔۔۔۔الکذبین	(253) 3:29=
ولما یعلم اللہ۔۔۔۔۔الصبرین	(253) 142:3=
واللہ سریع الحساب	(253) 202:2=
وان ھذا۔۔۔۔۔عن سبیلہ	(256) 154:6=
سبحنک۔۔۔۔۔الحکیم	(259) 32:2=
وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا	(277) 15:17=
ان المنفقین فی الدرک الاسفل من النار	(277) 145:4=
استغفرت لھم ام لم تستغفر لھم	(278) 6:63=

احادیث رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم

(1) حکمت مومن کی گم کی ہوئی چیز ہے

جہاں کہیں بھی وہ اس کو پائے وہ اس کا سب سے زیادہ مستحق ہے۔ ص 21 (2) میں تیری جناب میں ہر ایک ایسے اسم کا واسطہ لاتا ہوں جو تیرا اسم مقدس ہے اور تو نے اس کو اپنے لئے مقرر فرمایا ہے یا تو نے اس کو اپنی کتاب مجید میں نازل فرمایا یا اپنی مخلوق میں سے کسی کو اس کا علم دیا یا اپنے علم میں اس کا جاننا اپنے لئے مخصوص فرمایا۔ ص 32 (3) ان اللہ خلق ادم علی صورتہ ص 51+88 ترجمہ: بے شک اللہ نے آدمی کے چہرہ کو اپنی صورت کے مطابق پیدا کیا ہے۔ (4) جو کچھ ہونے والا ہے قلم اس کو لکھ کر خشک ہو چکا ہے۔ ص 55 (5) جب اللہ تعالی آسمانوں میں کسی امر کا فیصلہ کر لیتا ہے تو ملائکہ اس کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کے طور پر اپنے پروں کو پھڑپھڑاتے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی سپاٹ پتھر پر لوہے کی زنجیر گر پڑی ہے جب ان کے دلوں کی گھبراہٹ زائل ہوتی ہے تو وہ کہتے ہیں (اپنے سے بالا تر رتبہ کے ملائکہ سے پوچھتے ہیں) تمہارے رب نے کیا حکم صادر فرمایا وہ جواب میں فرماتے ہیں کہ اس کا حکم اور ارشاد حق ہے یعنی اس کے تمام احکام (کونیہ و شرعیہ) مبنی بر حکمت و صواب ہیں اور وہی علو و کبریا سے موصوف ہے۔ (بخاری و ترمذی) ص 59 (6) ہر ایک بچہ فطرت اسلام پر پیدا کیا جاتا ہے پھر اس کے ماں باپ ہی اس کو یہودی اور عیسائی اور آتش پرست بنایا کرتے ہیں۔ ص 106 (7) حذیفہؓ کی روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم فرماتے ہیں جب نطفہ پر چالیس دن گزر جاتے ہیں تو اللہ تعالی اس کے پاس اپنا ایک فرشتہ بھیجتا ہے کہ جنین کی تصویر بندی کرے اس کے کان اور آنکھیں، اس کا گوشت پوست اور اس کی ہڈیاں بنائے جب وہ یہ فرائض انجام دے چکتا ہے تو بارگاہ الہی تعالی و تقدس میں عرض کرتا ہے خدایا! کیا یہ جنین نر ہو گا یا مادہ؟ اس کے متعلق اللہ تعالی جو چاہتا ہے فیصلہ فرماتا ہے اور فرشتہ اسی کے مطابق لکھتا ہے پھر وہ عرض کرتا ہے کہ اس کی عمر کیا ہو گی اس کے متعلق بھی اللہ تعالی اپنے ارادہ کے مطابق فیصلہ صادر فرماتا ہے اور فرشتہ اس کو لکھ لیتا ہے پھر وہ فرشتہ اس لکھے ہوئے صحیفہ کو لے کر چلتا ہے اور جو کچھ اللہ تعالی نے مقدور فرمایا ہوتا ہے اس میں کچھ بھی کمی بیشی نہیں کرتا۔ ص 99 (8) اللہ تعالی سے ایسی باتوں کا سوال مت کرو جن سے وہ فارغ ہو چکا ہے۔ اس سے درجات جنت کی بابت درخواست کرو۔ ص 100 (9) روحوں کو اجسام سے دو ہزار سال پہلے پیدا کیا گیا ہے۔ ص 111 (10) کعبہ اور بیت المقدس کی تعمیر کے درمیان چالیس سال کا عرصہ تھا۔ ص 148 (11) جو اقوام تم سے پہلے گزر چکی ہیں ان میں محدث لوگ ہوتے تھے بغیر اس کے کہ وہ انبیا ہوں میری امت میں اگر کوئی اس قسم کا شخص موجود ہے تو وہ عمرؓ ہے۔ ص 161 (12) سچا خواب نبوت کا 1/46 حصہ ہے۔ ص 162 (13) مجھ کو قرآن اور اس کی مانند اور علوم اس کے ساتھ شامل کر کے عطا کئے گئے۔ ص 164 (14) سعد ایک غیور شخص ہے لیکن میری غیرت اس سے زائد ہے اور اللہ تعالی تو مجھ سے بھی غیور تر ہے اسی کی غیرت کا یہ تقاضا تھا کہ تمام ظاہری اور پوشیدہ بے حیائیوں سے منع فرمایا۔ ص 171 (15) ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم فرماتے ہیں کہ قرآن مجید سات حروف پر نازل ہوا ہر ایک آیت کے لئے ظہور اور بطن ہے اور ہر ایک حد کے لئے ایک روزن ہے۔ ص 187 (16) بعض اعمال کے متعلق کاتب اعمال

فرشتوں کو تردد ہوتا ہے کہ اس کو کس مد کے تحت لکھیں تو اللہ تعالیٰ ان کو حکم دیتا ہے کہ اس کو اسی طرح لکھ دو جس طرح کہ اس نے کہا۔ ص 191 (17) اگر میرے بعد کوئی پیغمبر ہوتا تو وہ عمرؓ ہوتا۔ ص 194 (18) حضرت علیؓ روایت کرتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہر ایک پیغمبر کے ساتھ نجباء رقباء ہوتے ہیں لیکن مجھ کو چودہ دیئے گئے ہیں ہم نے عرض کیا وہ کون؟ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں' میرے دونوں بیٹے' جعفرؓ حمزہؓ ابوبکرؓ عمرؓ مصعب بن عمیرؓ بلالؓ سلمانؓ عمارؓ عبداللہ بن مسعودؓ ابوذرؓ اور مقدادؓ۔ ص 197 (19) میری امت میں سے ستر ہزار بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو منتر نہیں پڑھواتے اور جھاڑ پھونک نہیں کرواتے' برا شگون نہیں لیتے' اور اللہ پر ہی ان کا بھروسہ رہتا ہے۔ ص 198 (20) ارواح کی ایک فوج ہے جن کا ایک جگہ پر اجتماع ہوا ہے جن کو آپس میں تعارف حاصل ہوا' ان میں الفت پیدا ہوئی اور جو روحیں ایک دوسرے سے بیگانہ رہیں ان میں اختلاف ظہور پذیر ہوا۔ ص 235 (21) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قیامت کے دن کا حال بیان فرماتے ہیں کہ آدم علیہ السلام وغیرہ سب میرے جھنڈے تلے ہوں گے اور مجھے اس پر کچھ فخر نہیں۔ ص 256 (22) روزہ خالص میرے لئے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا۔ ص 259 (23) روزہ ایک ڈھال ہے۔ ص 259 (24) تخلقوا باخلاق اللہ تعالیٰ ص 267 (25) میری امت میں 73 فرقے پیدا ہوں گے ان میں سے ایک جنت میں جائے گا دوسرے سب دوزخ میں جھونکے جائیں گے۔

اشعار' اقوال' ضرب الامثال =

امام ابوالحسن اشعریؒ کے اقوال = (1) ارادہ بذات خود کسی چیز کے معرض ظہور میں آنے کا مخصص ہوتا ہے۔ ص 59 (2) اللہ تعالیٰ کا کلام درحقیقت کلام نفسی ہے لیکن اس کا اطلاق حروف اور الفاظ پر بھی جائز ہے جو اسی کلام نفسی کا تمثل ہے۔ ص 63 (3) فالعاقل تکفیہ الاشارۃ ص 117 (4) پاک ہے وہ خدا جس نے طور سینا میں ظہور فرمایا شعیر پر جلوہ فگن ہوا اور جبل فاران سے اس کا ظہور ہوا (تورات = استثناء = 2:33) ص 192 (5) نااہل کے سامنے علم و حکمت کے حقائق بیان کرنا علم کی اضاعت ہے اور اہل استحقاق کو علم سے محروم رکھنا ظلم ہے۔ ص 206

۔ اللہ نے مجھ پر فضل کیا بحر بن گیا	حق جلوہ گر ہے پردہ جہالت کا چاک ہے
میری زبان کو سیف رواں سمجھو اے عزیز	ہے علم میرا صاف کدورت سے پاک ہے ص 287
۔ ہاتھ اٹھا کر مانگتا ہوں یہ دعا	حق پہ قائم رکھ ضلالت سے بچا ص 288

شاہ ولی اللہ کی عربی تصانیف : فتح الخبیر = شاہ صاحب نے یہ رسالہ عربی زبان میں لکھا ہے اس میں قرآن مجید کے بعض نادر الفاظ کی تشریح کی گئی ہے تفسیر و حدیث کے بنیادی ماخذ کو مدنظر رکھ کر قرآن پاک کی سورتوں کے بعض حصوں کی عربی زبان میں تفسیر کی گئی ہے اس سے شاہ صاحب کے عربی زبان و ادب پر عبور کے بارے میں پتہ چلتا ہے شاہ ولی اللہ تمام علوم کے ماہر عالم باعمل تھے "لفظ عالم کا اطلاق ان انسانوں پر ہوتا ہے جو ادراکات کے کسی منظم سلسلے میں مزاولت (طول الملابسۃ) اور ممارست کے بعد درجہ خاص یا امتیاز حاصل کرلیتے ہیں [1] ایک بہترین اور اعلیٰ درجہ کے عالم کی خوبیاں شاہ صاحب کی ذات میں موجود تھیں یہ رسالہ عربی زبان میں نہایت لاجواب اور اعلیٰ درجہ کا لکھا گیا ہے قرآن مجید کے مشکل و غریب لغات سہل اور متعارضہ الفاظ میں حل کئے گئے ہیں اور جابجا قرآنی آیات کی تفسیر جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحیح و مشہور احادیث اور صحابہ کرامؓ کے مستند اقوال سے کی گئی ہے یہ ایک ایسی ضروری کتاب ہے جس سے قرآن مجید کے معنی پڑھنے والے کو انتہا سے زیادہ مدد ملتی ہے اور وہ باآسانی قرآن مجید کے مطالب سمجھنے پر حاوی ہوجاتا ہے۔ اس رسالہ کو اگرچہ شاہ صاحب نے مستقل حیثیت بھی دی ہے اور یہ مستقلاً" شائع بھی ہوا ہے لیکن خود شاہ صاحب کی تصریح کے مطابق دراصل یہ الفوزالکبیر کا باب پنجم ہے اس میں غریب قرآن کی وہ شرح ہے جو حضرت ابن عباسؓ سے ابن ابی طلحہؓ اور ضحاک کے طریقوں سے مروی ہے اور حضرت ابن عباسؓ کی جو تفسیر ان دونوں طریقوں سے مروی نہ تھی اس کی تکمیل نافع ابن الازرق کے مسائل اور صحیح بخاری سے کی گئی ہے بعض دوسری کتابوں سے بھی بعض آیات کی تفسیر ماخوذ ہے۔ لیکن بہت کم۔ بخاری ترمذی اور حاکم سے اخذ کرکے ضروری اسباب نزول بھی ذکر کئے گئے ہیں [2]

The fifth and the last chapter of his persian work Af-Fauz ul-kabir fi usual al-Tafsir, but with the above independent title, it is a pithy but highly useful dissertation on the principles of the science of Quranic exegesis.3

---

[1] اردو دائرہ معارف اسلامیہ' طبع اول' 1980ء' جلد 14/1 ص 1 [2] حیات ولی' ص 549

See also, Collier,s Encyclopaedia, vol, 2, p, 395

3 Encyclopaedia of Islam, Vol, II, P, 254

قرآن پاک کے مطالب کو سمجھنے کے لئے فتح الخبیر ایک شاندار تحفہ ہے شاہ صاحب فتح الخبیر کے شروع میں یوں رقم طراز ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم ○ الحمد للہ الذی انزل القران شفاء ورحمۃ للمومنین فالہم الصحابۃ والتابعین وسائر علماء الدین ان یعتنو بتفسیر غرائبہ وبیان اسباب نزولہ لتتم النعمۃ وتکمل الرحمۃ وتتضح معالم الیقین وصلی اللہ علی سید نا محمد والہ وصحبہ والتابعین لھم باحسان اجمعین۔ اما بعد! فیقول العبد الضعیف ولی اللہ بن عبدالرحیم عا ملھما اللہ تعالی بفضلہ العظیم ھذہ جملۃ من شرح غریب القرن من الارخبر ھذہ الامۃ عبدا للہ بن عباس رضی اللہ عنھما سلکت فیھا طریق ابن ابی طلحۃ رضی اللہ عنہ وکملتھا من طریق الضحاک عنہ کما فعل ذلک شیخ مشائخنا الامام الجلیل جلال الدین السیوطی فی کتابہ الاتقان اعلی اللہ درجتہ فی الجنان فرایت بعض الغریب غیر مفسر فی تینک الطریقین فکملتہ من طریق نافع بن الازرق عنھما ذکرہ البخاری فی صحیحہ فانہ اصح مایروی فی ھذا الباب ثم بغیر ذلک مما ذکرہ الثقات من اھل النقل وقلیل ماھو وجمعت مع ذلک مایحتاج الیہ المفسر من اسباب النزول منتخبالہ من اصح تفاسیر المحدثین الکرام اعنی تفسیر البخاری والترمذی والحاکم اعلی اللہ منازلھم فی دارالسلام فجاء ت بحمد اللہ رسالۃ مفیدۃ فی بابھا عدۃ نافعۃ لمن اراد ان یقتحم فی عبابھا وسمیتھا "فتح الخبیر بما لا بد من حفظہ فی علم التفسیر" والحمد للہ اولا" و اخرا" و باطنا" و ظاھرا"۔ ترجمہ:

تمام تعریفیں اس ذات کبریا کے لئے خاص ہیں کہ جس نے قرآن کو مومنین کے لئے شفا اور رحمت بناکر نازل فرمایا اور صحابہؓ و تابعینؒ اور علمائے دین کو اس امر کا الہام فرمایا کہ قرآن مجید کے غریب الفاظ کی تشریح اور اس کے اسباب نزول بیان کرنے کی جانب توجہ کریں تاکہ اتمام نعمت اور تکمیل رحمت کا باعث بن سکے اور آثار یقین روشن اور واضح ہو جائیں۔

اما بعد بندہ ضعیف ولی اللہ بن عبدالرحیم بتائید فضل ایزدی کہتا ہے کہ یہ قرآن کے غریب الفاظ کی شرح میں ایک رسالہ ہے جو حبرامت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے میں نے اس رسالہ میں حضرت ابن عباسؓ کی وہ روایات جمع کی ہیں، جو ابن ابی طلحہؓ کے ذریعہ مروی ہیں۔ اور کچھ حصہ وہ ہے جو ضحاک کے ذریعہ ان سے مروی ہے۔ اور یہ وہی طریقہ کار ہے جو امام جلال الدین سیوطیؒ نے اپنی کتاب اتقان میں اختیار کیا ہے اللہ تعالیٰ جنت میں ان کا درجہ بلند فرمائے لیکن میں نے ان ہر دو طریق میں بعض غریب الفاظ غیر مفسر پائے تو میں نے نافع بن الازرق کے طریق سے اس کی تکمیل کی اور جس کو امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں بھی ذکر کیا ہے اس کو بھی میں نے لیا ہے کیونکہ امام بخاریؒ کی روایت کردہ تفسیر اس باب میں

نہایت صحیح ہے پھر اس کے بعد ان روایات کو لیا ہے جو ثقات نے اہل نقل سے روایت کی ہیں اگرچہ وہ ایک محدود تعداد میں ہیں۔ اور اس کے ساتھ میں نے وہ امور بھی جمع کر دیئے ہیں جن کی ایک مفسر کو احتیاج ہوا کرتی ہے۔ مثلاً اسباب نزول وغیرہ اور اسباب نزول میں نے محدثین کی صحیح تفاسیر سے جمع کئے ہیں۔ یعنی امام بخاریؒ، امام ترمذیؒ اور حاکمؒ کی تفاسیر سے جو انہوں نے اپنی اپنی کتابوں میں نقل فرمائے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جنت میں ان کا مقام بلند فرمائے۔ اسی طرح اس مضمون پر ایک اچھا خاصہ مفید رسالہ تیار ہوگیا۔

فتح الخبیر بما لا بدمن حفظہ فی علم التفسیر والحمد للہ اولا واخرا وباطنا وظاھرا

جس کا نام میں نے فتح الخبیر بمالا بدمن حفظہ من علم التفسیر رکھا ہے اور اول و آخر اور ظاہر و باطن تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں۔

سورۃ الملائکۃ: (الکلم الطیب) ذکر اللہ، (والعمل الصالح) اداء الفرض، (قطمیر) ھو الجلد الذی یکون علی ظھر النواۃ، (الغوبا) اعیاء، (جدد) ھی الطرائق، (الحرور) بالنھار وقیل: الحرور باللیل والسموم بالنھار مع الشمس، (مثقلۃ بالوزر، (غرابیب سود) الشدید السواد، (ثم اور ثنا الکتاب الذین اصطفینا) قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کلھم فی الجنۃ

سورۃ یس: کانت بنو سلمۃ فی ناحیۃ المدینۃ فار ادوا النقلۃ الی قرب المسجد فنزلت: "انا نحن نحیی الموتی ونکتب ما قدموا واثارھم" (مقمحون) المقمح الشامخ بانفہ المنکس راسہ، (طائر کم) مصائبکم، (احصینا) حفظناہ، (فعززنا) شددنا، (یا حسرۃ) ویل لھم وحسرۃ علیھم لاستھزائھم بالرسل، (کالعرجون القدیم) اصل العذق العتیق، (المشحون) المثلی، (ان تدرک القمر) لایستضئی، احدھما بضوء الاخر ولا ینبغی ذلک لھما، (ولا اللیل سابق النھار) یتطالبان حثیثین، (نسلخ منہ النھار) نخرج احدھما من الاخر و نجری کل واحد منھما من الاخر، (من مثلہ مایرکبون) من الانعام، (جند محضرون) عند الحساب، (الاجداث) القبور، (ینسلون) یخرجون، (من مرقدنا) مخرجنا۔

سورۃ الصافات: (واصب) دائم، (لازب) ملتزق، (یستسخرون) یسخرون، (فاھدوھم) وجوھھم، (وقفوھم) احبسوھم، (انھم مسولون) محاسبون، (مالکم لاتناصرون) تمانعون، (مستسلمون) مسخرون، (غول) صداع، وقیل: لانتن ولا کراھۃ کخمر الدنیا، (بیض مکنون) ھو اللولو المکنون، (سواء الجحیم) وسط الجحیم، (شوبا) یخلط طعامھم ویساط بالحمیم، (الفوا) وجدوا، (وجعلنا ذریتہ ھم الباقین) قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: حام وسام ویافث، (وترکنا علیہ فی الاخرین) لسان صدق للانبیاء کلھم، (وان من شیعتہ)

اهل دينه' (يزفون) ينسلون فى المشى' (بلغ معه السعى) العمل' (فتلنا صرعه' (فى الغابرين)
فى الباقين' (الفلک المشحون) السفينته الموقرة الممتلئته' (فهو مليم) مسئ' مذنب'
(فنبذناه بالعراء) القيناه بالساحل' فقيل : فجه الارض' (من يقطين) من غير ذات اصل فهو
الدباء ونحوه' (يفاتنين) مضلين' (النحن الصافون) هم الملائكته ¹

سورة الطور : الطور الجبل' (مسطور) مكتوب' (رق منشور) صحيفته' (المسجور)
المحبوس' فقيل : الموقود يسجر حتى يذهب مائوه فلا يبقى فيه قطرة' (تمور) تتحرک
فتدور' (يدعون) يدفعون (فاكهين) معجبين' (ما التناهم) مانقصناهم' (يتنازعون) يتعاطون'
(تاثيم) كذب' (ريب المنون) الموت' (المسيطرون) المسلطون' (كسفا) قطعا"

سورة النجم : (اذا هوى) غاب' (ذو مرة) منظر حسن' فقيل : ذو شدة فقوة فى امر الله'
(قاب قوسين) حيث الوتر من القوسين' (افتمارونه) افتجادلونه' قال ابن عباس : راى محمد
ربه' فاورد عليه : لا تدركه الابصار' فقال : فيحک ذلک اذا تجلى بنور الذى هو نوره' فقالت
عائشته : انما هو جبريل لم يره فى صورته الا مرتين : مرة عند سدرة المنتهى' فمرة عند
اجياد له ستمائته جناح' (مازاغ البصر) بصر محمد صلى الله عليه وسلم ' (فما طغى) ولا
جاوز ماراى' (قسمته ضيزى) جائرة' فقيل : عوجاء (اكدى) كداه بمنه' فقيل قطع عطاءه'
(الذى وفى) مافرض عليه' (اغنى واقنى) اعطى وارضى' (رب الشعرى) هو مرام الجوزاء'
(ازفت الازفته) اقتربت الساعته' الازفته من السماء يوم القيامته' (سامدون) لاهون'
والسمود اللهو

سورة القمر : انشق القمر على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم فرقتين : فرقته
فوق الجبل' فغرقه دونه' فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم : اشهدوا' (مستمر) دائم' (عذاب
مستقر) حق' (مزدجر) متناهى' (فازدجر) افتعل من زجرت' (دسر) جمع دسار الذى تحرض
به السفينته' فقيل : اضلاع السفينته' (اشر) مرح' (شرب محتضر) يحضرون الماء' (فتعاطى)
تعاطاها بيده فعقرها' (المحتظر) الذى يجعل الفد حظيرة' فالهشيم المحترق' (يسرنا
القران) هونا قرائته' (فتماروا) كذبوا : (سيهزم الجمع يولون الدبر) تلاها رسول الله صلى ا
لله عليه وسلم يوم بدر يعنى هذا مصداق هذا الوعد' جاء مشركون قريش يخاصمون رسول ا
لله صلى الله عليه وسلم فى القدر فنزلت : "يوم يسحبون فى النار على وجوههم ذوقوامس
سقر انا كل شئى خلقناه بقدر" =

---

¹ فتح الخبیر ص 25-124

سورة الرحمن (النجم) ماينبسط على الارض' (الشجر) القائم على ساق' (الوزن) بريد
لسان الميزان' (الانام) الخلق' (العصف) التبن' فقيل : فرق الحنطته فالتبن' (الريحان) خضرة
الزرع وورقه والحب الذى يوكل منه (فبائ الاء ربكما) باى نعم الله (صلصال) طين خلط
برمل' (كالفخار) كما يصنع الفخار' (مارج) لهب اصفر' فقيل : خالص النار' (مرج) ارسل'
(برزخ) حاجز' (لايبغيان) لايختلطان' (المنشات) مارفع شراعه من السفن' (ذو الجلال) ذو
العزة والكبرياء' (سنفرغ لكم) هذا وعيد من الله لعباده' فليس بالله شغل يعنى يحاسبكم'
(لاتنفذون) لاتخرجون من سلطانى' (شواظ) لهب النار' وقيل : اللهب الذى لا الدخان له'
(ونحاس) دخان النار' فقيل : الدخان الذى لا لهب له' فقيل : الصفر يصب على رؤسهم
يعذبون به' (فلمن خاف مقام ربه جنتان) يهم بالمعصيته فيذكر الله فيتركها' (افنان)
اغصان' (فجنى الجنتين دان) ما يجتنى قريب' (قاصرات الطرف) لا يماين غير ازواجهن' (لم
يطمثهن) لم يدن منهن' (مدهامتان) سوداوان ¹

سوره ملائکه (فاطر) : الکلم الطیب اللہ کا ذکر والعمل الصالح ادائے فرض قطمیر
وہ جھلی جو چھوہارے کی گٹھلی پر ہوتی ہے لغوب تھکن جلو راستے الحرور دن میں اور ایک
قول یہ ہے کہ حرور رات میں ہوتی ہے' اور سموم دن میں سورج کے ساتھ مثقلته بوجھ کے
ساتھ غرابیب سود' سخت سیاہ' ثم اورثنا الکتاب الذین اصطفینا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ
وسلم نے فرمایا یہ سب جنت میں ہوں گے۔

سورہ یٰسٓ بنو سلمہ مدینہ کے کنارے پر آباد تھے۔ انہوں نے مسجد نبوی کے قریب
تبدیلی کا ارادہ کیا۔ تو یہ آیت نازل ہوئی۔ انا نحن نحی الموتی ونکتب ما قدمو واثارھم
مقمحون مقمح کے معنے ہیں اپنی ناک اوپر کرنے والا یا اپنے سر کو جھکانے والا طائرکم تمہاری
مصیبتیں احصیناہ ہم نے اس کی حفاظت کی فعززنا ہم نے اسے مدد پہنچائی یا حسرۃ ان کے لئے
تباہی اور حسرت ہے رسولوں کا مذاق کرنے کی بناء پر کالعرجون القدیم عمدہ کھجور کی جڑ کی
طرح المشحون بھرا ہوا' ان تدرک القمر' ان میں سے کوئی دوسرے کی روشنی سے روشنی حاصل
نہیں کرتا اور نہ یہ ان دونوں کے لائق ہے ولا اللیل سابق النھار یہ دونوں ایک دوسرے کو
جلدی طلب کرتے ہیں۔ نسلخ منه النھار ان میں سے ایک کو دوسرے سے نکالتے ہیں اور ایک
کو دوسرے سے جاری کرتے ہیں من مثلہ مایر کبون چوپائے' جند محضرون حساب کے وقت
الاجداث قبریں ینسلون نکلیں گے من مرقدنا ہمارے نکلنے کی جگہ سے۔

---

¹ فتح الخبیر ص 33-132

سورہ صافات: واصب ہمیشہ لازب چپٹا ہوا یستسخرون مذاق کرتے ہیں فاھدوھم انہیں متوجہ کرو وقفوھم انہیں روکو انھم مسئولون یہ حساب کئے جائیں گے مالکم لا تناصرون تم روکتے کیوں نہیں مستسلمون مطیع اور مسخر غول چکر ایک قول یہ ہے کہ جس میں دنیا کی شراب کی طرح نہ بو ہو گی نہ کراہت بیض مکنون چھپے ہوئے ہوتی' سواء الجحیم دوزخ کے درمیان شوبا انکا طعام مخلوط ہوگا اور کھولتے پانی سے تیار ہوگا الفوا انہوں نے پایا فجعلنا ذریتہ ھم الباقین نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا وہ حام سام اور یافث ہیں۔ وترکنا علیہ فی الاخرین تمام انبیاء کے لئے اچھی تعریف فان من شیعتہ ان کے دین والایزمون چلنے میں دوڑتے ہیں بلغ معہ السعی عمل فنتلہ اسے پچھاڑ دیا فی الغابرین باقی رہنے والوں میں الفلک المشحون بھری ہوئی کشتی فھوملیم گناہگار فنبذناہ بالعراء ہم نے اسے ساحل پر ڈال دیا' یا زمین پر من یقطین بغیر جڑ کے' اور وہ کدو ہے' یا اسی کے مانند دوسری بیلیں بفاتنین گمراہ کرنے والے لنحن الصافون وہ فرشتے ہیں

سورہ طور: الطور پہاڑ مسطور لکھا ہوا رق منشور صحیفہ المسجور قید کیا گیا۔ اور ایک قول یہ ہے جلایا ہوا یہاں تک جلایا جائے' کہ اس میں پانی کا ایک قطرہ بھی باقی نہ رہے تمور حرکت کرتا ہے اور گھومتا ہے۔ یدعون دفع کئے جاتے ہیں فاکھین گھمنڈ کرنے والے' ما التناھم ہم نے کم نہیں کیا یتنازعون لیتے دیتے ہیں تاثیم جھوٹ ریب المنون موت المسیطرون مسلطر کسفا ٹکڑے

سورہ النجم: اذا ھوی جب غائب ہو جائے ذومرۃ عمدہ منظر یا اللہ کے حکم میں قوت و شدت والا قاب قوسین دو کمانوں میں چلے کے لحاظ سے افتمارونہ' کیا تم اس سے جھگڑتے ہو' ابن عباس نے فرمایا' محمدؐ نے اپنے رب کو دیکھا' اور ان پر کسی نے اس آیت سے اعتراض کیا لا تدرکہ الابصار انہوں نے فرمایا تجھ پر افسوس یہ اس وقت ہے جب وہ اپنے اصلی نور کے ساتھ تجلی فرمائے' حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں' وہ جبرئیل تھے' انہیں حضورؐ نے اصلی صورت میں دو بار دیکھا ایک مرتبہ سدرہ کے قریب اور ایک بار اجیاد کے قریب جن کے چھ سو بازو تھے مازاغ البصر حضورؐ کی نگاہ دما طغی جو کچھ دیکھا اس سے تجاوز نہیں کیا قسمۃ ضیزی ظالمانہ یا ٹیڑھی اکدی اپنے احسان کو جتا کر' اپنی عطا کو ختم کیا اللذی وفی جو کچھ اس پر فرض کیا اغنی واقنی دیا اور راضی کیا رب الشعری جوزاء کا مرکز ازفت الازفتہ قیامت قریب ہوئی' قیامت کے روز آسمان کی چیخ سامدون کھیلنے والے۔

سورۂ قمر: آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں چاند کے دو ٹکڑے ہوئے' ایک ٹکڑا پہاڑ پر تھا اور ایک اس کے اوپر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ گواہ ہو جاؤ مستمر ہمیشہ عذاب مستقر حق مزدجر روکنے والا فازدجر زجرت سے مشتق ہے فوسر دسار کی جمع ہے۔ کشتی کا چپو کشتی کے کنارے اشر کڑنے والا شرب محتضر پانی پر حاضر ہوتے ہیں فتعاطی اپنے ہاتھوں سے اسے دیا۔ پھر کوچیں کاٹیں المحتظر بکری کے لئے جو باڑہ متعین کیا جاتا ہے اور ھشیم جلنے والا یسرنا القران اس کی قرآت کو آسان کیا فتماروا انہوں نے جھٹلایا سیھزم الجمع ویولون الدبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بدر کے روز اس کی تلاوت فرمائی۔ جتنے اس وعدے کا مصداق یہ ہے مشرکین قریش آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اور تقدیر کے معاملے میں جھگڑنے لگے' تو یہ آیت نازل فرمائی یوم یسحبون فی النار علی وجوھھم ذوقوامس سقر انا کل شئی خلقنہ بقدر

سورہ الرحمٰن النجم جو درخت زمین پر پھیلے' تل الشجر جو تنہ پر کھڑا ہو' الوزن ترازو کا کانٹا الانام مخلوق العصف بھوسہ یا ترکاری' گیہوں کا پتہ الریحان کھیتی کی سبزی' کھیتی کا پتہ' وہ دانہ جو کھایا جائے فبای الاء ربکما اللہ کی کون سی نعمتوں کا صلصال جو مٹی' ریت میں ملی ہو کالفخار جیسے ٹھیکرا بجتا ہے مارج زرد شعلہ' خالص آگ مرج چھایا برزخ پردہ لایبغیان نہیں ملتے المنشات کشتی کے کھلے ہوئے بادبان ذوالجلال عزت و بڑائی والا سنفرغ لکم یہ اللہ کی جانب سے بندوں کے لئے وعید ہے اور اللہ کے ساتھ کوئی شغل نہیں ہے یعنی تمہارا حساب کرے گا لا تنفذون میری حکومت سے نہیں نکل سکتے شواظ آگ کا شعلہ اور ایک قول یہ ہے کہ وہ شعلہ جس میں دھواں نہ ہو۔ ونحاس آگ کا دھواں اور کہا گیا ہے' وہ دھواں جس میں آگ نہ ہو اور ایک قول یہ ہے کہ تانبا جو ان کے سروں پر انہیں عذاب دینے کے لئے ڈالا جائے گا۔ ولمن خاف مقام ربہ جنتان معصیت کا ارادہ کرتا ہے پھر اللہ کو یاد کرتا ہے' اور اسے چھوڑ دیتا ہے۔ افنان شاخیں وجنی الجنتین دان جو قریب ہی پھل والا ہو قاصرات الطرف اپنے خاوندوں کے علاوہ جو کسی کو نہ دیکھیں لم یطمثھن ان سے قریب نہ ہوگا مدھامتان تروتازگی سے سیاہ نضاختان ابلنے والے مقصورات حوریں جن کی نگاہیں اور نفس صرف اپنے خاوندوں کے لئے مقید ہوں۔

تجوید محمدی

یہ شاہ صاحب کی عربی تصنیف ہے جس میں قرآن پاک کی تلاوت کے اصول و قواعد کو بیان کیا گیا ہے۔ حاجی شیخ فتح محمد خان نے مضامین کی تشریح کتاب کے حاشیہ پر ہی عربی زبان میں کی ہے۔ مولانا محمد احسن صدیقی نانوتوی اور سید محمد میاں صاحب مہتمم مطبع نظامی دہلی (بازار بلی ماراں) نے 1391ھ میں اس کو شائع کیا۔ اس کتاب میں شاہ صاحب نے آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قرون اولیٰ کی سات مشہور قرآئتوں (جن کا تذکرہ مقدمہ ابن خلدون میں بھی ہے) احکامات اور اصولوں کو مدنظر رکھتے ہوئے تجوید و قرات کے اصول بیان فرمائے ہیں عبارت کا نمونہ مندرجہ ذیل ہے۔

الحمد للہ رب العالمین و العاقبۃ للمتقین ولا عدوان الا علی الظالمین و الصلوۃ و السلام علی رسولہ سیدنا رحمۃ للعلمین محمد و آلہ و اصحابہ اجمعین وبعدہ فھذہ رسالۃ با التجوید الحمدی صنفہ حاجی الحرمین الشریفین حاجی محمد اوصلہ اللہ تعالی الی مایتمناہ ورزقہ فی الدارین ما یرضاہ بمحمد صلعم و اصحابہ اجمعین وھو واجب لا یصح القراۃ الا بہ کما قال اللہ عز و جل ورتل القرآن ترتیلا ھکذا قال اللہ تعالی ورتلناہ ترتیلا و قال رسول اللہ صلعم لا صلوۃ الا با لقرآن وقرۃ القرآن غیر معتبرۃ الا با التجوید و قال رسول اللہ صلعم رب قاریقرء القرآن و القرآن یلعنہ و قال صاحب الجزریتہ و الاخذ با التجوید ختم لازمو۔ من لم یجود القرآن فھو اثمو۔ و قیل ھو فرض سئل عن علیؓ عن ترتیل فقال ھو التجوید و غیر ذلک من الاحادیث و الدلائیل فیہ کثیرۃ و الناس عنہ غافلون و قال المئولف حروف المد قصر ثلاثۃ وھی بعضھم احدھا الالف الساکنۃ المفتوحۃ ماقبلھا و الثانی الیاء الساکنۃ المکسورۃ ماقبلھا و الثالث الواو الساکنۃ المضموم ماقبلھا مجتمعۃ فی قولہ تعالی نوحیھا و سبب المد الطویل شیئان الھمزۃ و السکون فاذا کان حرف المد و الھمزۃ فی کلمۃ واحدۃ سمی مدا متصل واجبا مثالہ اولئک وملئکتہ وجاء و قروء و اذا کان حرف المد فی کلمۃ الاول و الھمزۃ فی کلمۃ اخری سمی مد المقصر افیجوز مدہ و قصرہ القصر مثالہ یاایھا بما انزل قالوا امنا فی ادانھم و اذ القیت حروف المدغم تمد و یسمی ذلک مدا ضرو ریا و لازما و المد اللازم ینقسم الی اربعۃ اقسام کلمی و حرفی و کلا منھما اما مثقل و اما مخفف و اما مثال الکلمی المثقل ولا الضآلین و حآجہ قومہ قال اتحاجو ننی وما اشبہ ذلک و اذا القیت حرف ساکن و قفا و وصلا تمد مد الازما خفیفا و اما حم ص عسق مد الفرق مثل الآن و اما مثال الکلمی المخفف ءآلئن و قد کنتم بہ ء الآن و قد عصیت الموضعین فی سورۃ یونس علیہ السلام و انما یسمی ھذہ بالفرق بین الاستفھام و الجز و اما مثال الحرفی المثقل و المخفف مثل الم فالمد علی اللام مثقل و علی المیم مخفف و کل لام اذا کان معہ میم فاللام مثقل و المیم مخفف و اللام التی لا میم معہ فھو مخفف و حروف المقطعات سبعتہ ل م ص ق ک س ن و المد العارضی یجئی للسکون العارض مثالہ یومنون' نستعین' حساب' یوم الدین و انکا اخر المد العارض مفتوحا

فیجوز فیہ ثلثۃ اوجہ الطول و التوسط و القصر مع الاسکان و ان کا اخر مسکور فیجوز فیہ اربعۃ اوجہ الطول و التوسط و القصر مع الاسکان و القصر مع الروم و تعریف الروم طلب الحرکتہ بصوت خفی و اذا کان اخر مضموما فیجوز فیہ سبعۃ اوجہ الطول و التوسط و القصر مع الاشمام و القصر مع الروم و تعریف الاشمام انضمام الشفتین بعد السکون و اللین حرفان وھما الواو و الیاء اذا سکنا انفتحا ماقبلھا مثالہ و الصیف' من خوف' ولا نوم' وما جاز فی اخر' فی اخر مد العارض یجوز فی اخر مد اللین الا فی اول سورۃ مریم و سورۃ الشوراء فی لفظ العین فان سکونھما لازم[1]

[1] تجوید محمدی' از' شاہ ولی اللہ' مطبع نظامی بازار بلی ماراں' دہلی' 1391ھ' ص 2 تا 9

تاویل الاحادیث فی رموز قصص الانبیاء — شاہ صاحب کی یہ تصنیف باکمال قصص انبیاء کرام پر مشتمل ہے اور عربی زبان میں لکھی گئی کتب میں ایک نادر شاہکار ہے عربی ادب کی دلآویز لوچ کا عکس عبارت میں نمایاں نظر آتا ہے جس نے کتاب کے لفظی و معنوی حسن میں نکھار پیدا کر دیا ہے۔ اس کتاب میں جناب شاہ صاحب نے حضرت آدمؑ سے لے کر جناب نبی اکرم صلعم کے زمانہ مبارک تک ان تمام انبیاء کرام کے قصص بیان کیے ہیں جن کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے اور اس کے ساتھ ہی ان حوادثات کے وجود بطریق رموز بیان کیے ہیں جو ان کو پیش آئے بالغ نظریں اس کتاب کو دیکھ کر شاہ صاحب کے تبحر کا پورا پورا اندازہ کر سکتی ہیں۔[1]

Ta-wil-ul-Ahadith is indeed a wonderful work of Shah Walli Allah and meets the requirement of the modern age.[2]

اس میں انسانی فکر کی مجمل تاریخ، انبیائے کرام کی آمد کا فلسفہ بیان کیا گیا ہے۔[3] کسی فلسفہ اور مسلک فکر کے صحیح ہونے کا ثبوت اس کے سوا کوئی نہیں ہو سکتا کہ اس کے ذریعے جو نظری نتائج نکالے جائیں وہ خارج میں انسانی زندگی میں نظر آجائیں حضرت امام ولی اللہ دہلوی نے جو فلسفہ مرتب کیا اس کے مطابق تاریخ عالم پر بھی نظر ڈالی جائے اور آئمہ فکر یعنی انبیاء کرام کی تاریخ اس طرح لکھی ہے کہ وہ سب ایک سلسلے کی کڑیاں معلوم ہوتے ہیں ان کے اور ان کی ترتیب میں ایک فطری سلسلہ ارتقاء نظر آتا ہے یہ بے نظیر بحث شاہ ولی اللہ کی تاویل الاحادیث میں ہے[4] شروع میں حضرت آدمؑ اور حضرت ادریسؑ کا ذکر کیا گیا ہے تخلیق آدمؑ فرشتوں کا حضرت آدمؑ کو سجدہ کرنے اور حضرت آدمؑ کا درخت کا پھل کھانے حضرت آدمؑ کے دیگر واقعات کو بڑی شرح و بسط سے بیان کیا گیا ہے جس سے تخلیق آدمؑ کا مقصد بڑے حسین اور پیارے انداز میں عقل و دل کو تسلیم و رضا کی طرف رغبت دلاتا ہے پھر حضرت ادریسؑ کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ وہ وہبی اور جبلی علوم انسانی میں انہی کے نقش قدم پر چلتے تھے۔[5]

---

[1] (i) حیات ولی، ص 557 (ii) اصول فقہ اور شاہ ولی اللہ، ص 66 (iii) شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات، ص 186 (iv) تذکرہ شہید، ص 26 (v) المعارف، مقالہ نگار، محمد سرور، نگران، ڈاکٹر شیخ محمد اکرام، لاہور ستمبر 1969ء ص 3

2. Life of Shah Walli Allah, P. 35

[3] دعوت فکر، از، عبید اللہ انور، ص 18

[4] شاہ ولی اللہ کا فلسفہ عمرانیات و معاشیات، از، شیخ بشیر احمد ص 33-32

[5] تاویل الاحادیث، ص 64

اس کے بعد نوحؑ اور ان کے متبعین کا ذکر ہے حضرت نوحؑ کی صفات اور ان کی قوم کی بری خصلتوں کا ذکر ہے حضرت ہودؑ اور حضرت صالحؑ اور قوم عاد و ثمود کا ذکر ہے شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ "ان دونوں نبیوں کے ذاتی احوال، دونوں کی قوم کا کفر اور فسق میں رہنے کا حال، ان پر ملاء اعلیٰ کا غضب ناک ہونا، ان کی ہلاکت کا فیصلہ کرنا اور انسان کے ساتھ حق تعالیٰ کی یہ عنایت کہ وہ انہیں عذاب سے ڈرائے اور ان میں سے ایمان والوں کی نجات اور خلاصی کے لئے کوئی حیلہ کرے حضرت نوحؑ کے قصے سے ملتا ہے[1] اس کے بعد شاہ صاحب حضرت ابراہیمؑ اور آل ابراہیمؑ کے بارے میں ذکر کرتے ہیں شروع میں وہ بہادری کے پانچ درجے بیان کرتے ہیں جس طرح انسانی افراد شجاعت اور بہادری میں مختلف ہوتے ہیں اسی طرح وہ فطرت میں بھی مختلف ہیں۔[2] شاہ صاحب فرماتے ہیں "جان لیجئے کہ جب ابراہیمؑ اپنی فطرت اور جبلت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف خالص طور پر متوجہ ہوئے تو ان کا مقرب ملائک میں شمار ہونے لگا اور ملاء اعلیٰ کے توسط سے ان کو انسان الہٰی کے روشندان سے ارادے اور اختیار کی زبان سے آواز دی گئی۔ اسی لئے انہوں نے نجومیت، مجوسیت اور شرک کے باطل ہونے کا واضح اعلان فرمایا[3] اس کے علاوہ قوم لوط پر عذاب کا ذکر بیان کیا گیا ہے پھر حضرت یوسفؑ کا قصہ بیان کیا ہے اور حضرت یوسفؑ پر اللہ تعالیٰ کی عنایات کا ذکر کیا ہے اور سولہ عنایات میں قصہ یوسف کو بڑے حسین انداز میں بیان کیا ہے Poetic Approach کے ساتھ۔ پھر حضرت ایوبؑ حضرت شعیبؑ حضرت موسیٰؑ حضرت ہارونؑ کے قصص بیان کئے ہیں حضرت موسیٰؑ پر اللہ تعالیٰ کی عنایات کا ذکر کیا ہے اور حضرت خضر علیہ السلام کے واقعات بیان کئے گئے ہیں پھر شموئیلؑ و داؤدؑ و سلیمانؑ و یونسؑ کا قصہ بیان کیا گیا ہے اور ان انبیاء کرام کے واقعات بیان کئے گئے ہیں پھر حضرت زکریاؑ، مریمؑ، یحییٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کا ذکر کیا گیا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر بڑی تفصیل سے بیان کیا گیا ہے یہ قصص چونکہ قرآن حکیم نے بھی بیان فرمائے ہیں اس لئے ان قصص کو شاہ صاحب نے بھی قرآن ہی کی زبان و انداز میں بیان فرمایا ہے اور اپنی طرف سے بڑی خوبصورت عربی زبان استعمال کر کے ان قصص کو بہترین انداز میں پیش کیا ہے جو دل کی گہرائیوں تک اثر ڈالتے ہیں شاہ صاحب نے آیات قرآن کے ساتھ ساتھ احادیث نبوی کا بھی استعمال کیا ہے شاہ صاحب فرماتے ہیں "اللہ تعالیٰ نے ہر شے میں یعنی انواع، اشخاص اور ہیئات میں کوئی نہ کوئی اثر اور خاصیت ودیعت کر رکھی ہے اچھے نظام کی کسی بھی چیز کو اس کے اثر اور خاصیت (کے اظہار) سے نہیں روکا جا سکتا آپؐ کی افضلیت اور خاصیت نے اس کو ضروری قرار دیا کہ آنحضرت صلعم سب سے جمیل ہوں اور خلق میں سب سے کامل اور سب سے زیادہ بہادر ہوں اور سخاوت، علم، حلم، عدالت، اور فصاحت میں سب انسانوں سے بڑھ کر ہوں اور آپؐ ایسی قوم سے پیدا ہوئے جو عرب میں اشراف اور برگزیدہ لوگ تھے۔[4]

---

[1] ایضاً ص 68 [2] تاویل الاحادیث، از، شاہ ولی اللہ، مترجم، مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی، شاہ ولی اللہ اکیڈمی، حیدر آباد سندھ، 1969ء، ص 73

[3] ایضاً، ص 98 [4] تاویل الاحادیث، ص 165

شاہ صاحب معجزات نبوی کے بارے میں بھی بیان کرتے ہیں شاہ صاحب تاویل الاحادیث کے شروع میں اپنی اس تصنیف کے متعلق یوں رقمطراز ہیں۔ "سب تعریف اللہ کے لئے ہے جس نے صاف و روشن امر اور رشد و ہدایت کے ساتھ انبیاء کو مبعوث کیا اور ان کے سینوں میں اپنی ذات و اسماء کے معارف اور ایجاد کے اسرار کے خزانہ ہائے علم رکھے اور ان کی زبانوں سے وہ کہلوایا جس سے کہ وہ شخص کہ اس کی نظم فطرت معیوب شاعری سے پاک ہے تہذیب حاصل کرے اور جو حق کے انکار اور اس کی مخالفت پر مصر رہے اس پر حجت قائم ہو۔ پھر ان کے احوال کو قرب کے نشیبوں اور بلندیوں میں متصرف کیا اور ان پر اپنی قدرتوں اور حسابوں سے نادر وقائع ظاہر کئے پس کتنی برکتیں بوجہ اس کی رحمت کے انہیں ڈھانپ لینے کے جاری وساری ہوئیں اور اس نے ان کی مدد کی اور کتنی تکلیفیں اس نے ان پر کم کردیں تاکہ جو کچھ وہ ان پر نازل اور وارد کرتا ہے اس کے متعلق ان کے دلوں کو مضبوط کرے اور کتنے معجزے تھے کہ ظاہر ہوئے تاکہ جسے اپنی بدبختی سے ہلاک ہونا ہے وہ واضح دلیل سے ہلاک ہو اور جسے اپنی سعادت مندی سے زندگی پانا ہے وہ واضح دلیل سے زندگی پائے اور دشمنوں کے کتنے فریب تھے کہ کفر کے قلع وقمع اور اس کے خلاف جہاد کے وقت انہیں ان کے سینوں پر لوٹایا اور کتنے دشمن تھے کہ ان (انبیاءؑ) کی قبول ہونے والی دعا نے انہیں توڑ کر رکھ دیا یہاں تک کہ ان کو ان کی قبروں اور لحدوں میں داخل کردیا اور کتنے رویاء تھے کہ ان میں ان (انبیاءؑ) کے لئے برزخ اور حشر کے اسرار اور جو کچھ انسان پر معاد میں وارد ہوتا ہے وہ سب متمثل ہوئے اور کتنے ہی واقعات تھے کہ ان میں ملکوت اور جبروت کے اسرار متشکل ہوئے پس انبیاء ان کی وجہ سے اس (اللہ) کی مراد پر مطلع ہوئے اور اس (اللہ) نے ان واقعات میں سے ہر واقعہ میں ایک سر رکھا اسے وہی جان سکتا ہے جسے اللہ اپنے بندوں میں سے جنہیں اس نے تاویل الاحادیث کا علم دیا اور ان کے سینوں کو نئے وارد ہونے والے اور قدیم علم کے لئے کھول دیا۔ پس وہ ذات پاک ہے جو جتنا چاہے اور جسے چاہے اپنے علم اور اپنے سامان سے عطا کرتی ہے اور یہ کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں میں اس کی گواہی دیتا ہوں ایسی گواہی کہ اللہ کے بندوں پر اس کا جو حق ہے وہ ادا ہوا اور میں شہادت دیتا ہوں کہ ہمارے سردار محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں اور آدمؑ اور ان کے بعد جو ہوئے روز حشر کو جب بڑی سخت مصیبت ہوگی۔ ان کے جھنڈے تلے ہوں گے۔ اس کے بعد بندہ ضعیف اپنے رب کریم کی رحمت کا محتاج احمد مدعو بہ ولی اللہ بن عبدالرحیم اللہ اس دنیا اور آخرت میں ان دونوں کے ساتھ ہو۔ یہ چشمے ہیں جو تاویل الاحادیث کے علم سے پھوٹے ہیں اور شاخیں ہیں جو سر الموارثیث کے درخت سے نکلی ہیں جو انہیں جانے گا انہیں غنیمت سمجھے گا اور جو ان کے رموز حل کرے گا اور ان کا انکشاف کرے گا ان سے فائدہ اٹھائے گا میں نے ان کا نام تاویل الاحادیث رکھا ہے تاکہ وہ اس دبیز پردے کے ذریعہ انکشاف کا عنوان بنے اور سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے بہت زیادہ اور بہت اچھی تعریف جس کی نہ کوئی حد ہے اور نہ وہ شمار میں آتی ہے[1]" شاہ صاحب کی اس شہرہ آفاق

---

[1] تاویل الاحادیث، ص 46-15

کتاب تاویل الاحادیث کا اردو ترجمہ بطور نمونہ پیش ہے شاہ صاحب نے خوابوں کی تعبیر کے رموز بھی بتلائے ہیں۔

نبینا محمد صلی اللہ علیہ وسلم = آنحضرت صلعم کے علوم کے وہ اصول جو ان علوم کی تاویل اور تعبیر کے مرجع ہوتے ہیں بہت سے امور ہیں ایک یہ کہ ملاء اعلیٰ (مقدس ملائکہ) اور آنحضرت صلعم کے درمیان ایک فطری مناسبت تھی بسبب اس کے کہ آپؐ کا نفس ناطقہ بلند تھا اور آپؐ کا وہ مزاج جس کا تعلق نسمہ یا روح طبعی سے ہوتا ہے کامل و معتدل تھا اور اچھے اخلاق کا مستوجب تھا اور ان کا اجتماع اتفاق اور یک جہتی پر تھا اس سے یہ لازم آتا ہے کہ ملاء اعلیٰ کی طرف سے آپؐ کے قلب مبارک میں دوامی تائید ہوتی رہے اور یہ تائید کبھی اس طرح ظاہر ہوتی تھی کہ ملاء اعلیٰ آپؐ کو دکھائی دیتے تھے کبھی آپؐ سے باتیں کرتے تھے اور آپؐ کے دل میں الہام کرتے تھے کبھی آپؐ ان کو خواب میں دیکھتے تھے۔ اس کی مثال یوں سمجھو کہ ایک بہادر انسان ہے جو اپنی شجاعت میں کامل ہے اس کی یہ شجاعت اسے تھوڑی سی بات پر دشمن سے مقابلہ کرنے جنگ میں کود پڑنے اور مار دھاڑ کرنے پر دم بدم ابھارتی رہتی ہے ہر خلق اپنے آثار سے یہی نسبت رکھتا ہے یہی سبب ہے کہ جب آپؐ اپنی بیداری اور نیند میں ملاء اعلیٰ کی تائید کے لئے فارغ ہوتے اور منتظر رہتے تھے تو ملاء اعلیٰ کی طرف سے ان اسباب کے موافق جنہوں نے آپؐ کو گھیر رکھا تھا اللہ کی مشیت کے مطابق تائید کا فیضان ہوتا رہا۔ (آپ کے اور ملاء اعلیٰ کے درمیان) اس تعلق اور ربط کی بناء پر آنحضرتؐ کی ہمت ملاء اعلیٰ کی طرف متوجہ تھی اور ہر وقت ان کی برکتوں نے آپؐ کو احاطہ کر رکھا تھا یہ اوقات آپؐ کے جہاد وغیرہ میں مشغول ہونے کے ہوں یا مسجد میں اعتکاف کے، اس تعلق کی بناء پر آپؐ کے اکثر معجزے برکت کے تھے کھانے پینے وغیرہ سب میں برکت ہوتی تھی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ نفس جو ملاء اعلیٰ کی تائید کے لئے تمثال یا تصویر کی حیثیت رکھتا ہے جب اپنی پوری ہمت کی وجہ سے کسی چیز کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو ملاء اعلیٰ کی ہمتوں کی طرف سے فراخ راہ کھل جاتی ہے اور ملاء اعلیٰ کی ہمتیں عالم موالید (حیوانات، جمادات، نباتات) کو الہام، احاطہ اور تقریب کے ساتھ مسخر کرتی رہتی ہیں پس اگر وہ (ملاء اعلیٰ کے ملائکہ) آگ کے ظہور کا ارادہ کرتے ہیں اور موالید میں اس کے لئے کوئی سبب نہیں ہوتا یا کوئی ایسا کمزور سبب ہوتا ہے جو آگ کے پیدا کرنے کے لئے کافی نہیں ہوتا تو ملاء اعلیٰ کی ہمتیں آگ کے پیدا ہونے کو واجب کردیتی ہیں اسی پر الہامات کو قیاس کریں۔ اسی خصلت کے باعث آپؐ کا سینہ شق ہوا اور اس میں حکمت اور ایمان بھر گیا آپؐ کو بیت المقدس کی سیر کرائی گئی پھر آسمانوں تک اور اس کے بعد جہاں اللہ نے چاہا آپؐ کو سیر کرائی گئی آپؐ نے انبیاء کی ارواح دیکھیں اور ملائکہ کو ان کی اپنی صورتوں اور اشکال میں دیکھا اور انسان اعظم[1] کے دل پر جو حق کی تجلی پڑتی ہے آپؐ وہاں تک پہنچے اور وہاں سب سے اچھی صورت میں ظہور فرمایا۔ دوم یہ کہ آنحضرت صلعم اپنی اس استعداد

---

[1] انسان اعظم سے مراد نوع انسان کا امام ہے اسی طرح عالم بالا میں ہر نوع مخلوق کا ایک امام ہوتا ہے جسے فلسفہ یونان میں رب النوع کہا جاتا ہے وہ امام اپنی نوع کے افراد کی ایک مثالی شکل ہوتا ہے۔

سے جو اللہ تعالیٰ نے آپؒ کو عطا کی تھی۔ ملاء اعلیٰ سے تہذیب نفس کے علم کو حاصل کرنے کے مستحق تھے اور یہ اس لئے کہ آپؒ نفس عالیہ، روح کامل اور مزاج متوازن کے حامل تھے ہوا یہ کہ آپؒ نے چار اخلاق کو جن پر نیکی کی تمام قسموں کا دارومدار ہے اور ان کی اضداد تمام برائیاں ہیں اپنے نفس میں پایا اور ان کی اضداد سے آپؒ کو اذیت محسوس ہوئی جس طرح کوئی انسان بھوک اور پیاس کو محسوس کرتا ہے تو وہ کھانے اور پینے کی طرف راغب ہوتا ہے اور ان کے نہ ملنے سے اسے تکلیف ہوتی ہے پھر آپؒ سے خود بخود ان اخلاق کے آثار ظاہر ہونے لگے جیسے مرد شجاع سے بہادری کے آثار خود بخود ظاہر ہوتے اور نمایاں ہوتے ہیں جس کی فطرت میں عدالت ہو اس سے سیاست مدن اور تدبیر منزل جیسے آثار ظاہر ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ کے اس قول کا یہی مقصد ہے جو اس نے فرمایا و اوحینا الیھم فعل الخیرات = القرآن؛ ترجمہ: اور ہم نے ان کی طرف اچھے کام کرنے کی وحی کی۔ پھر نبی مسلم نے ان امور میں تامل کیا جو اس زمانے میں نیکی اور گناہ کے کام تھے اور آپؒ نے جان لیا کہ دونوں اقسام کا مصدر ہیئات نفسانیہ ہیں اور نفس کے تزکیہ اور آلودگی میں دونوں موثر ہیں آپؒ نے یہ بھی معلوم کیا کہ حالت مطلوبہ میں نیک کام کیوں کر زیادہ ہوتے ہیں اور اس کی ضد میں گناہ کے کام کس طرح بڑھتے ہیں آپؒ نے ہر عمل کے موقع اور ہر شئے کا وزن معلوم کیا پھر یہ بھی معلوم کیا کہ اس دنیا کے اعمال موت کے بعد کیسے خیر اور شر کے متقاضی ہوتے ہیں پھر یہ معلوم کیا کہ اچھے اعمال کو کیسے کیا جاتا ہے اور برے کاموں سے کس طرح اجتناب کیا جاتا ہے اس کو معلوم کیا کہ اعمال کے آداب اور ان کے تکملات اور دواعی کیا ہیں یہ سب علوم نفس کے آئینے میں تامل کرنے سے بطور وجدان اور قیاس کے ظاہر ہوئے۔ ایک ان میں سے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپؒ کو ایسی سمجھ عطا فرمائی تھی جس سے آپؒ ارتفاقات (باہمی معیشت کے اصول) کو جانتے تھے جیسے آداب معیشت، تدبیر منزل، باہمی معاملات، سیاست مدن اور امت و قوم کی سیاست، آپؒ نے وہ مصلحتیں جان لیں جن کا قوم خیال رکھتی ہے صحیح اور سقیم کو معلوم کیا اور اس کو بھی جان لیا جو ان آراء کلیہ کے لائق ہے جو حق تعالیٰ کی طرف اترتی ہیں اور آراء جزئیہ کو بھی معلوم کیا جو کہ نفوس کے خطرات، سرداروں، اور بادشاہ کے قلم وغیرہ سے پیدا ہوتی ہے۔[1] اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ شاہ صاحب کو عربی زبان و ادب کے ساتھ ساتھ علوم اسلامیہ پر مکمل علمی دسترس حاصل تھی۔

---

[1] تاویل الاحادیث، ص 144-47

حدیث و متعلقات حدیث

شاہ ولی اللہ کی حدیث پر لکھی گئی کتب کا جائزہ لینے اور حدیث میں ان کی علمی خدمات کا ادراک کرنے کے لئے لازمی ہے کہ علمائے اسلام و علمائے مستشرقین نے حدیث اور علم الحدیث کی جو تعریفیں کی ہیں ان پر ایک سرسری نظر ڈال لی جائے۔

"Hadith - the record of the traditions of the Prophet Mohammed (Peace be upon him) which is revered and received in Islam as a major source of religious law and moral guidance. The development of hadith was a vital element during the first three centuries of Islamic history, and its study provides a broad index to the mind and ethos of Islam". "Hadith Qudsi - ("holy tradition") also called Hadith Ilahi, in Islamic tradition, a report of the sacred or divine words of God, transmitted through reliable sources on the authority of Mohammad. In contrast to the common Hadith Nabavi (hadith of the Prophet), which relates the sayings of Mohammad, the hadith qudsi supposed by records those things. "God said" that were not included in the Quran".[1]

"Hadith - (narrative talk) with the definite article (al-hadith) is used for tradition, being an account of what the Prophet (peace be upon him) said or did, or of his tacit approval of something said or done in his presence. Khabar (news, information) is sometimes used of tradition from the Prophet, sometimes from companions or successors, but is sometimes used of traditions from the Prophet. Sunna (custom) refers to a normative custom of the Prophet (peace be upon him) or of the early community".[2]

"Hadith - is an Arabic term for narratives or traditions that relate to the Prophet Mohammed (peace be upon him) and are not found in the Quran".[3]

---

1. The New Encyclopaedia Britannica, U.S.A. Vol. IV, P. 829
2. Encyclopaedia of Islam, Vol. III, P. 23
3. Encyclopaedia Americana, Vol. 13, P. 672

"Hadith - is an Arabic term for narratives or traditions that relate to the Prophet Mohammad (peace be upon him) and are not found in the Quran".[1]

اردو دائرہ معارف اسلامیہ کا فاضل مقالہ نگار حدیث اور علم حدیث کی تعریف کرتے ہوئے رقمطراز ہے۔ "علمائے حدیث نے حدیث کی تعریف یوں کی ہے نبی اکرم صلعم کا قول' فعل' یا تقریر' نبی اکرم صلعم نے حدیث کا لفظ اپنے کلام کے لئے خود پسند فرمایا تا کہ آپؐ کے اور دوسرے لوگوں کے اقوال اور کلام میں تمیز ہو سکے"۔[2] "اسلامی شریعت میں قرآن مجید کے بعد حدیث نبوی کو نص مانا جاتا ہے"[3] حدیث قدسی جسے حدیث الٰہی یا ربانی بھی کہتے ہیں احادیث کی ایک ایسی قسم ہے جس میں الفاظ اللہ تعالیٰ کے ہوتے ہیں لیکن ادا ہوتے ہیں آنحضرت صلعم کی زبان سے' اگرچہ حدیث قدسی اللہ تعالیٰ کے الفاظ پر مشتمل ہوتی ہے لیکن یہ قرآن حکیم سے مختلف ہے قرآن مجید تو جبرائیل امین کے ذریعے نازل کیا گیا تھا اور اپنے (اعجاز کی وجہ سے) ناقابل تقلید اور بے مثال ہے اسے نماز میں تلاوت کیا جاتا ہے لیکن حدیث قدسی کی نماز میں تلاوت نہیں ہوتی (اس کے برعکس) حدیث قدسی کی صورت میں ضروری نہیں کہ یہ جبرائیل امین کی وساطت سے آئے یہ بذریعہ الہام آسکتی ہے یا بحالت خواب[4] "قرآن کے بعد مسلمانوں کے نزدیک سب سے زیادہ قابل احترام سرمایہ علم دین واحادیث رسول مقبولؐ ہے آنحضرت نے مسلمانوں کو قرآن کے مطالب کے ادراک اور دیگر دنیوی امور کی رہبری کے لئے نصیحتیں کیں زندگی کے اہم مسائل کو عام فہم اور سہل انداز میں حل کیا اور یہی ملفوظات مسلمانوں کے مصائب اور مشکلوں میں شمع ہدایت بن گئے حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد جو سیاسی اختلافات پیدا ہوئے ان میں مختلف جماعتوں نے اپنی تائید کے لئے نئی نئی احادیث گھڑنی شروع کیں' اصل احادیث کو توڑ مروڑ کر اپنے مطلوبہ مطالب سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش کی جیسے کہ خوارج کے مقابلے میں مہلب بن ابی صفرۃ کیا کرتے تھا یہ اختلافات اتنے شدید ہو گئے کہ اصل احادیث کی تحقیق کے سلسلے میں فن حدیث کی بنیاد پڑی اسی زمانے میں احادیث کے مختلف نام قرار پائے مثلاً صحیح' حسن' ضعیف' مرسل' منقطع' معضل' شاذ' اور غریب وغیرہ"۔[5] شاہ ولی اللہ نے اس دور میں دین کی خدمت کی جب ہر طرف جہالت کے سائے سچائی کی صداقت کو ختم کرنے کے لئے چاروں طرف سے اپنی توانائیاں صرف کر رہے تھے لیکن حق کے متلاشی اس تاریک دور میں بھی اجالوں کی مانند راہبری کے

1 Encyclopaedia Americana, Vol. 13, P. 672

[2] اردو دائرہ معارف اسلامیہ' رئیس ادارہ' ڈاکٹر سید محمد عبداللہ' دانشگاہ پنجاب لاہور' طبع اول 1971ء جلد 7' ص 962 [3] ایضاً ص 964 [4] ایضاً ص 980

[5] تاریخ ادبیات عربی' از سید ابوالفضل' دکن 1954' ص 76

"Hadith - traditional records of sayings and deeds attributed to Mohammad (peace be upon him) that are not contained in the Quran but are accepted as authoritative sources of moral, ritual and religious law. Extensive compilations of such traditions were mad after the Prophet's death, the chief collection is that made by Al-Bukari".[1]

"Hadith - (a tradition). The word hadith mean primarily a communication or narrative in general whether religious or profane, then it has the particular meaning of a record of actious or sayings of the Prophet and his companions. In the latter sense the whole body of the sacred tradition of the Mohammedans is called "the Hadith" and its science Ilm-ul-Hadith".[2]

"علم الحدیث کو علم الروایت والاخبار بھی کہتے ہیں اور علم الآثار بھی بولتے ہیں لیکن خبر واثر میں ذرا سا فرق ہے اور وہ یہ ہے کہ خبر کا اطلاق جناب نبی کریم صلعم کے قول پر ہوتا ہے اور اثر کا اطلاق صحابہؓ اور سلف کے قول پر۔ خبر حجت ہوتی ہے نہ اثر' اس علم سے آنحضرت صلعم کے اقوال واحوال اور افعال کی معرفت حاصل ہوتی ہے"۔[3]

"Hadith - This term refers to the corpus of words and actions of the Prophet (peace be upon him) the "Perfec model" whose least word assumes normative value. In dogmatic and moral authority the cononical collections of these hadith are second only to the Quran, at least according to traditional Muslim thinkers".[4]

1. The Macmillan Encyclopaedia, (New Edition) Macmillan, London. 1981, P. 542
2. (i) First Encyclopaedia of Islam, Edited by M. Th. Houtsma E. J. Brill, Leiden, the Netherlands, 1987, Vol. III, P. 189
2. (ii) Shorter Encyclopaedia of Islam, H.A.R. Gibb, Netherlands, 1974, P. 116

[3] حیات ولی' از' رحیم بخش' ص 550

[4] Encyclopaedia of Religion, Vol. 8, P. 232

المسوی شرح موطا امام مالک = المسوی شاہ صاحب کے علمی تبحر اور احادیث و علم الحدیث سے ان کے بے پناہ لگاؤ کا منہ بولتا ثبوت ہے[1] یہ موطا کی شرح عربی میں ہے اس میں مؤلف نے اپنی خداداد قابلیت کا جو کمال دکھایا ہے اسے دیکھ کر حیرت ہوتی ہے اور ہر ہر فقرہ اور جملہ کی اس عمدگی اور سہولت سے توضیح کی ہے جس سے شارح کی خود بخود تعریف کرنے کو جی چاہتا ہے اصل میں مسوی کو بجائے خود ایک مستقل کتاب کہنا چاہئے کیونکہ اس میں علاوہ موطا کی احادیث کی تفصیل و توضیح کے بہت سے مسائل فقہ کی تشریح کی گئی ہے الغرض مسوی ایک ایسی بے نظیر اور قابل قدر شرح ہے جو طالب علم کو اس مرتبہ کا بنا دیتی ہے کہ وہ حدیث کے مطالب پر پورا عبور حاصل کرلے[2] شاہ صاحب کا نقطہ نظریہ تھا کہ چونکہ دنیا میں حنفی اور شافعی مذاہب کے متبعین کی اکثریت ہے۔ اس لئے دونوں کو ملا کر ایک کر دینا چاہئے اسی نقطہ نظر کو سامنے رکھ کر شاہ صاحب نے یہ شرح لکھی ہے اور اسی لئے وہ اس میں عموماً احناف اور شوافع کے مذاہب نقل کرنے پر اکتفاء کرتے ہیں امام مالکؒ، امام احمد بن حنبلؒ یا دوسروں کے اقوال صرف ضرورت کے مواقع پر شاذ و نادر ذکر کرتے ہیں[3]" یہ کتاب 1164ھ - 1751ء میں لکھی گئی تھی اور 1293ھ - 1876ء میں مطبع فاروقی دہلی نے اسے مصفی کے حاشیوں پر طبع کیا تھا یہ رسالہ امام مالکؒ کی موطا کی عربی میں شرح یا تعلیقات ہے جس میں زیادہ تر حنفی اور شافعی مکاتب کی آراء پر بحث کی گئی ہے

---

1. Encyclopaedia of Islam, Vol. II, P. 254

(ii)۔ شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ' از' عبید اللہ سندھی' ص 142 ۔ (iii) شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات' از' خلیق احمد نظامی' ص 185 (iv) شاہ ولی اللہ اور ان کا خاندان' از' حکیم محمود احمد برکاتی' لاہور' ص 45

(V) Life of Shah Walli Allah, G. N. Jalbani, P. 37

(vi) رود کوثر' از' شیخ محمد اکرام' ص 557 (vii) دعوت فکر' از' عبید اللہ انور' ص 15 (viii) شاہ ولی اللہ کا فلسفہ عمرانیات و معاشیات' از' شیخ بشیر احمد' ص 27 (ix) تذکرہ شہید' از' محمد خالد سیف' ص 26 [2] حیات ولی' از' رحیم بخش' ص 557-58

[3] اصول فقہ اور شاہ ولی اللہ' از' ڈاکٹر مظہر بقا' ص 66 [4] علم ادب حدیث میں برصغیر کا حصہ' از' ڈاکٹر محمد اسحاق' مترجم' شاہد حسین رزاقی' ص 197

فرائض سرانجام دے رہے تھے شاہ ولی اللہ ان حق کے متلاشیوں میں سرفہرست تھے علامہ رشید رضا مصری "مفتاح کنوز السنہ" کے مقدمہ میں علمائے ہند کی علمی خدمات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ "ولولا عنایۃ اخواننا علماء الهند بعلوم الحدیث فی هذا العصر لقضی علیها بالزوال من امصار الشرق فقد ضعفت فی مصر و الشام والعراق والحجاز منذ القرن العاشر للهجرة بلغت منتهی الضعف فی اوائل هذا القرن الرابع عشر"

ترجمہ: اگر اس زمانے میں ہمارے بھائی علمائے ہند علوم حدیث کی طرف توجہ نہ فرماتے تو مشرقی ممالک سے یہ علم ختم ہو جاتا کیونکہ مصر' شام' عراق' اور حجاز میں دسویں صدی ہجری سے یہ علم ضعف کا شکار ہو چکا تھا اور چودھویں صدی ہجری کے اوائل تک تو یہ ضعف اپنی آخری منزل تک پہنچ چکا تھا" علمائے ہند کے اس خراج تحسین کے حقداروں میں شاہ صاحب سرفہرست ہیں اس دور میں احادیث کے مجموعوں کی شرحیں لکھنے کی طرف علماء محدثین کا رجحان تھا اردو دائرہ معارف اسلامیہ کا فاضل مقالہ نگار رقمطراز ہے۔ احادیث کی تشریح اور وضاحت نیز استنباط مسائل و احکام کے پیش نظر کئی علماء نے اس بات کی ضرورت محسوس کی کہ حدیث کے مجموعوں کی شرحیں تیار کی جائیں[1] شاہ ولی اللہ دہلی میں صحاح ستہ' موطا' مسند داری' اور مشکوۃ المصابیح وغیرہ کی تعلیم ربع صدی تک دیتے رہے ان کے درس دینے کا طریقہ یہ تھا کہ سب سے پہلے وہ طلبہ سے یہ کہتے تھے کہ وہ خود اپنا روزانہ کا سبق پڑھ کر آئیں اور پھر ان سے اس سبق پر بحث و گفتگو کرتے تھے 1159ھ - 1746ء میں شاہ ولی اللہ نے صحیح بخاری پر جو لیکچر دیئے تھے ان میں ایک قاری خواجہ امین ولی اللّٰهی ایک سامع محمد امین الہ آبادی بھی تھے[2] شاہ ولی اللہ نے اس افراتفری کے تاریک دور میں مسلمانوں کے مذہبی اور معاشرتی تشخص کو اجاگر کرنے اور قوم میں بیداری کی روح پیدا کرنے کے لئے جو علمی و تحقیقی خدمات انجام دیں ان میں موطا امام مالکؒ کا ترجمہ بھی شامل ہے جس کی دو شرحیں عربی میں "المسوی" اور فارسی میں "المصفی" کے نام سے لکھی گئی ہیں عربی جیسی وسیع الذیل زبان کا ترجمہ اور وہ بھی افصح العرب صلعم کے ارشادات و فرمودات کا ترجمہ' اس کے لئے تو انتہائی درجہ کی لیاقت علمی' زبان و محاورات پر عبور اور کئی طرح کے علوم و فنون پر مہارت تامہ رکھنے والا ہی قادر ہو سکتا ہے مترجم کو اس علم و فن سے جس کی وہ کتاب ہے حصہ وافر حاصل ہونا چاہئے اس زبان کی لغت و محاورات سے بھی بخوبی واقف ہونا ضروری ہے عام معلومات اور علمی و مجلسی اور تاریخی حالات کا بھی اسے علم ہونا چاہئے افصح الفہم اور قادر الکلامی کی صفت سے بھی مترجم کو متصف ہونا چاہئے[3] یہ تمام خوبیاں شاہ صاحب میں موجود تھیں۔

---

[1] اردو دائرہ معارف اسلامیہ' جلد 7 ص 970

[2]. India's Contribution to the study of Hadith Literature, Doctor M. Ishaq, P. 193

[3] الادب المفرد' امام بخاری' مترجم' خلیل الرحمٰن نعمانی' دار الاشاعت' کراچی' جون 1961ء ص 22

"He attached great importance to this collection of traditions by Imam Malik, even greater than those of Imam Bukhari and Imam Muslim. He is an outstanding Muhaddas (traditionalist) and links of all modern scholars of Hadis in the subcontinent may be traced to him".[1]

امام ولی اللہ کے معارف میں موطا امام مالکؒ کی بڑی اہمیت ہے امام ولی اللہ نے اسے اپنے مذاق کے مطابق نئی ترتیب بھی دی اور اس کا نام "المسوی من الموطا" رکھا حدیث و فقہ میں امام عبدالعزیزؒ نے اپنے والد حکیم الہند سے یہی کتاب پڑھی تھی آپ نے خاندان کے نوجوانوں کی تربیت میں اسی کتاب کو قرآن عظیم کے بعد اساس بنایا۔[2] ڈاکٹر زبید احمد رقمطراز ہیں المسوی موطا امام مالکؒ میں ہر حدیث کے بعد اس سے متعلق مختلف علماء کی تاویلات پر عالمانہ تنقید کرکے اس کی توضیح کی گئی ہے فاضل شرح نویس نے موطا کی تمام احادیث اس طرح مرتب کی ہیں کہ ان سے استفادہ کرنے میں سہولت ہو اور ہر ایک باب میں حنفی اور شافعی دونوں مذاہب کا نقطہ نظر پیش کیا ہے موطا میں شامل احادیث میں جن احکام کا ذکر ہے ان کی تائید میں انہوں نے قرآنی آیات بھی لکھی ہیں شاہ ولی اللہ نے موطا کی شرح فارسی میں بھی لکھی ہے مگر وہ اتنی جامع نہیں جتنی کہ عربی شرح ہے[3] شاہ ولی اللہ موطا امام مالکؒ کو صحاح ستہ میں بھی شمار کرتے ہیں محدثین میں عام طور پر یہ مشہور ہے کہ احادیث کی چھ صحیح کتابیں ہیں ان میں سے صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابو داؤد، جامع ترمذی سنن ابن ماجہ اور سنن نسائی پر تو سب کا اتفاق ہے کہ یہ صحاح ستہ میں سے ہیں البتہ چھٹی کتاب کے متعلق اختلاف ہے ایک بڑی جماعت تو موطا امام مالکؒ کو چھٹی کتاب مانتی ہے اس جماعت کے اولین امام قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی 544ھ ہیں انہوں نے مشارق الانوار کے نام سے موطا، بخاری اور مسلم کی شرحیں لکھی ہیں اسی زمانے کے ایک اور عالم امام ابوبکر بن العربی مالکی متوفی 542ھ بھی قاضی عیاض کے ہم خیال ہیں اس کے بعد اس فکر کے داعی جامع الاصول اور نہایتہ کے مؤلف حافظ مجدالدین ابن اثیر شافعی متوفی 606ھ تھے انہوں نے جامع الاصول میں ابن ماجہ کی بجائے موطا کو صحاح ستہ میں شامل کیا ہے ان کے بعد حافظ علاؤالدین مغلطائی بن قلیج حنفی متوفی 762ھ ہیں موصوف فرماتے ہیں۔ "اول من صنف الصحیح مالک" ان علماء کے بعد بھی محدثین کی ایک بہت بڑی جماعت اس خیال کی برابر حامی رہی ہے کہ صحاح ستہ میں سے ایک موطا امام مالکؒ ہے اور ان میں سے شاہ ولی اللہ صاحب آخری عالم ہیں[4] موطا امام مالکؒ میں شاہ ولی اللہ نے غریب کی شرح اور مشکل کے ضبط کا بھی خیال رکھا ہے[5] شاہ صاحب

1. Hundred Great Muslims, Jamil Ahmed, P. 299
2. شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک' از 'مولانا عبیداللہ سندھی' سندھ ساگر اکادمی لاہور' 1965ء ص 81
3. عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ' از 'ڈاکٹر زبید احمد' مترجم 'شاہد حسین' ص 68
4. شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ' مولانا عبیداللہ سندھی' ص 36-135
5. محمودیہ' از 'عبیداللہ سندھی' مترجم شیخ بشیر احمد' ادارہ حکمت اسلامیہ لاہور' 1968 ص 41

کی تجدید علم حدیث کا سنگ بنیاد یہ فکر ہے کہ صحاح ستہ میں اصح الکتب بخاری نہیں بلکہ موطا امام مالکؒ ہے اور اس کے دلائل یہ ہیں۔

(1) موطا امام مالکؒ میں جو روایتیں ہیں ان کے راوی عموماً ایک دو سے زیادہ نہیں اس لئے ان راویوں کی تنقید اور روایات کی اسانید کی تصحیح بہت آسان ہے اور پھر ان راویوں کا بہت بڑا حصہ علماء مدینہ میں سے ہے جن کو عام آئمہ مسلمین معتمد علیہ اور ثقہ مانتے ہیں۔ (2) امام مالکؒ سے ایک طرف امام شافعیؒ نے پڑھا اور دوسری طرف امام ابو حنیفہؒ کے ساتھی اور شاگرد امام محمدؒ نے ان کی شاگردی کی چنانچہ موطا پر ان دونوں اماموں کی تنقید بھی موجود ہے ظاہر ہے اس سے موطا کی تصحیح میں بڑی مدد مل سکتی ہے امام شافعیؒ اور امام محمدؒ کا حال یہ ہے کہ وہ امام مالکؒ کے استنباط کی تو مخالفت کرتے ہیں لیکن موطا میں جو روایات مروی ہیں ان کی اسناد کو ضعیف نہیں سمجھتے یہ چیز حدیث کے طالب علم کے لئے بڑے وثوق کا ذریعہ ہے۔ (3) موطا امام مالکؒ کے بعد احادیث کے جو اور مجموعے مرتب ہوئے جیسے کہ امام بخاریؒ، امام مسلمؒ، ابو داؤدؒ اور ترمذیؒ کی کتب حدیث ہیں یہ دراصل شرحیں ہیں امام مالکؒ کی کتاب موطا کی[1] اس بارے میں شاہ صاحب موطا امام مالکؒ کی شرح المسوی میں فرماتے ہیں "جو شخص ان آئمہ حدیث کے مذاہب کو بنظر تعمق دیکھے گا اور وہ انصاف سے پورا کام لے گا تو لامحالہ اس نتیجے پر پہنچے گا کہ مالکؒ کے مذہب کا انحصار اور اساس تو خود ان کی کتاب موطا ہے ہی اسی طرح شافعیؒ کے مذہب کا دارومدار اور بنیاد بھی موطا پر ہے۔ نیز ابو حنیفہؒ اور اس کے دو ساتھیوں امام محمدؒ اور ابو یوسفؒ کے مذہب کی شمع بھی یہی ہے واقعہ یہ ہے کہ فقہ کے ان مذاہب اور موطا کی مثال ایسی ہے جیسے ایک متن ہے اور باقی اس کی شرحیں۔ ایک اصل ہے اور دوسرے مذاہب اس کی شاخیں۔ بے شک امام مالکؒ کے استنباط کے بارے میں تو لوگوں میں اختلاف ہے بعض ان کے استنباطات کو تسلیم کرتے ہیں بعض ان کا سرے سے انکار کرتے ہیں بعض ان میں ضعف ثابت کرتے ہیں اور بعض ان کی تصحیح کرتے ہیں لیکن جہاں تک نفس موطا کا تعلق ہے اس کی ترتیب اور تہذیب میں امام مالکؒ نے جو کوشش اور جدوجہد کی ہے اس بناء پر ان تمام مذاہب فقہ کے لئے موطا کو مانے بغیر چارہ نہیں اس سلسلہ میں امام شافعیؒ کا یہ قول بھی یاد رکھنا چاہئے کہ "دین کے معاملہ میں مجھ پر مالکؒ سے زیادہ کسی نے احسان نہیں کیا" (اور امام مالکؒ کا احسان اس کے سوا اور کیا تھا کہ انہوں نے امام شافعیؒ کو موطا پڑھائی) بہرحال جو شخص انصاف سے کام لے گا اس طرح وہ اس بات کو بھی تسلیم کرے گا کہ کتب احادیث میں سے سنن کی یہ کتابیں جیسا کہ صحیح مسلم، ابو داؤد، اور نسائی اور فقہ کے اعتبار سے احادیث کے یہ مجموعے مثلاً بخاری اور ترمذی وغیرہ ہیں یہ سب کے سب موطا سے متخرج ہیں اور ان آئمہ کے پیش نظر گویا کہ امام مالکؒ کی موطا تھی۔ چنانچہ انہوں نے یہ کیا کہ موطا میں اگر کوئی روایت مرسل تھی تو اس کو موصول ثابت کیا یعنی اگر کوئی تابعی کہ جس نے رسول اکرم صلعم کا عہد نہیں پایا! آپؐ سے کوئی حدیث روایت کرتا ہے اور موطا میں سلسلہ روایت کی بیچ کی کڑی یعنی صحابی غائب ہے تو ان آئمہ حدیث

1. شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ' از 'مولانا عبیداللہ سندھی' ص 142

نے اپنی کتابوں میں اس صحابی کا نام ذکر کر دیا اور اگر موطا میں کوئی روایت موقوف تھی تو اسے انہوں نے مرفوع کر دیا اس کا مطلب یہ ہے کہ مثلاً کسی صحابی کے متعلق موطا میں یوں مروی ہے کہ یوں کہتے یا کرتے تھے یعنی روایت میں صحابی کا قول یا فعل رسول اللہ صلعم کی طرف ثابت نہیں کیا گیا بعد میں ان محدثین نے سلسلہ روایت کی اس کمی کو پورا کر دیا اور کوئی ایسا راوی ڈھونڈ لیا جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ قول ارشاد فرماتے سنا یا اس فعل کو کرتے دیکھا ہو نیز ان آئمہ نے یہ کیا کہ اگر کوئی چیز امام مالکؒ موطا میں چھوڑ گئے ہیں تو انہوں نے اپنی کتابوں میں اس کی تلافی کر دی اور اگر امام مالکؒ نے موطا میں ایک روایت نقل کی ہے بعد میں یہ آئمہ اس کو دوسری اسناد سے روایت کر دیتے ہیں غرض یہ کہ وہ اس طرح موطا کی روایات کے شواہد لاتے ہیں اور اگر امام مالکؒ کی کسی روایت کے خلاف کوئی بات مروی ہے تو وہ اس پر بحث کرتے ہیں اور اس کے اسباب و وجوہ کا احاطہ کر دیتے ہیں قصہ کوتاہ اس مسئلہ میں تحقیق حق کے لئے ضروری ہے کہ امام مالکؒ کی موطا پر پوری توجہ کی جائے اور اس کا بڑے انہماک سے مطالعہ ہو۔

علامہ وحید الزماں فرماتے ہیں موطا امام مالکؒ احادیث میں سب سے قدیم اور معزز کتاب ہے جس کو امام مالکؒ نے سالہا سال ہر کسوٹی پر پرکھ کر اپنی جمع کردہ احادیث نبوی سے انتخاب فرما کر مسلمانان عالم کے لئے مرتب کیا حضرت امام مالکؒ کا محدثین میں جو اعلیٰ مرتبہ ہے اس سے کوئی ذی علم ناواقف نہیں آپ مدینۃ الرسول کے مقبول اور مسلم استاذ الحدیث تھے اور ساٹھ سال تک حرم مدینہ میں روایت حدیث میں مشغول رہے امام شافعیؒ کا قول ہے "آسمان کے نیچے کتاب اللہ کے بعد کوئی کتاب امام مالکؒ کی موطا سے زیادہ صحیح نہیں ہے"[2] شاہ ولی اللہ نے المسوی میں آیات قرآن کریم، آئمہ کرام، محدثین کرام، صحابہ کرامؓ، تابعینؒ اور تبع تابعینؒ کے اقوال سے احادیث نبوی کی تشریح کی ہے عربی الفاظ کے معنی عربی میں بڑی خوبصورتی سے ادا کئے ہیں فارسی اشعار بھی استعمال کئے ہیں شاہ ولی اللہ المسوی کے آغاز میں یوں رقمطراز ہیں۔

---

[1] المسوی، المصفیٰ، شرح موطا امام مالکؒ، از شاہ ولی اللہ، محمد علی کارخانہ اسلامی کتب، کراچی جلد اول ص B،
[2] موطا امام مالکؒ، مترجم علامہ وحید الزماں، اسلامی اکادمی اردو بازار لاہور 1399ھ ص د

شاہ صاحب مسوی کے شروع میں اس طرح رقمطراز ہیں

الحمد للہ الذی انزل علی عبدہ الکتاب قیما وعلمہ حکما واحکاما لیکون للعلمین سراجا منیرا وداعیا الی اللہ باذنہ وھادیا واماما وجعل امتہ خیر امۃ اخرجت للناس وافضلھا منزلا ومقاما فلم یزل یلھم من شاء فی کل طبقۃ استنباط ما خفی من احکام الدین الھاما فنھم عن التفرق فی اصول الدین وجعل تفرقھم فی الفروع رحمۃ وانعاما وکلما تحیر ھامنھم فی اختلاف السلف اعلم خاصتھم کیف یحکمون فی ذلک اعلاما فھدی الناس علی السنتھم من الغایۃ وکشف بالخاصۃ من العامۃ ظلاما۔ ولا تزال طائفۃ منھم قائمین علی الحق صنع ذلک لطفالھم واکراما ولا یزال عدول کل طبقۃ منھم ینفون التحریف والانتحال لیصیر العلم معتدلا قواما واشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ ملکا قادر صمدا واشھد ان سیدنا وحبیبنا محمد عبدہ ورسولہ الذی ادم ومن دونہ تحت لوائہ حین یقوم للشفاعۃ قیاما[1] **مسوی قلت:** الاحصان فی کلام العرب المنع ویقع فی القران والسنۃ علی الاسلام والحریۃ والعفاف والتزوج کان الاسلام یمنعہ عمالا یباح لہ و کذلک الحریۃ والعفاف والتزوج لقولہ والمحصنت من النساء ارادا المذوجات ولقولہ تعالی ان ینکح المحصنت المومنات فمن ماملکت ایمانکم ارادبہ الحرائر ولقولہ تعالی والذین یرمون المحصنت اراد العفائف ولقولہ تعالی محصنین غیر مسافحین اراما لمتزوجین ولقولہ تعالی فاذا احصن ای تذوجن والمراد ھھنا من الشیب المحصن عند الشافعی ھو الذی اجتمع فیہ اربع شرائط العقل والبلوغ والحریۃ والاصابۃ بالنکاح الصحیح وقال ابو حنیفۃ الکافر لا یرجم فالاسلام شرط للاحصان عندہ ومعنی اشتراط الاصابۃ بالنکاح الصحیح ان الاصابۃ بملک الیمین او بالنکاح الفاسد لا تحصن قال الشافعیؒ المسلم اذا امات زوجتہ الکتابیۃ یصیر محصنا وکذلک اذا کان احد الزوجین رقیقا او مجنونا لا یصیر بہ الاخر محصنا وکذلک الکتابیۃ لا تحصن زوجھا المسلم اقول ویحتجہ ان یقال معنی الاحصان ھھنا ھو الاصابۃ بالنکاح الصحیح فلذلک قال اللہ تعالی فاذا احصن الایۃ وانما اخذوا شرط العقل والبلوغ من حدیث رفع القلم وشرط الحریۃ من قولہ تعالی فی الامۃ فلما احصن فان اتین بفاحشۃ فعلیھن نصف ما علی المحصنت من العذاب والمراد منہ جلد الخمسین بالاجماع[2]

---

[1] المسوی شرح عربی موطا امام مالکؒ، از شاہ ولی اللہ، محمد علی کارخانہ اسلامی کتب، خان محل کراچی ص 2 تا 5
[2] ایضاً ص 138

الدر الثمین فی مبشرات النبی الامین = شاہ ولی اللہ نے اس کتاب میں ان روحانی فیوض و برکات اور حصول علم کے اعلیٰ ترین تسلسل کو بیان کیا ہے جو ان کو بلا واسطہ اور بالواسطہ والد و استاد کے، نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ذات اقدس سے حاصل ہوئے تھے اور اس سلسلے نے شاہ صاحب کی روحانی تربیت میں چار چاند لگا دیئے اور دین و دنیا کے اسرار کو آپ کے سامنے روز روشن کی طرح عیاں کر دیا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ شاہ صاحب کو نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے کتنی گہری نسبت تھی شاہ صاحب نے اس کتاب میں ان احادیث، قلبی واردات و کیفیات کو بیان کیا ہے جو ان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے حاصل ہوئیں۔ الدر الثمین شاہ صاحب کی بہترین تصنیف ہے[1]۔ اس میں شاہ صاحب نے خود اپنے عجیب و غریب حالات اور نہایت دلچسپ واقعات ایک عمدہ اور نئی طرز کے ساتھ لکھے اور ساتھ ہی اپنے والد شیخ عبدالرحیم اور عم بزرگوار شیخ ابوالرضا محمد کے وہ واقعات قلمبند کئے ہیں جو انہوں نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی روح مبارک سے حاصل کئے ہیں یہ رسالہ اپنے فن میں اپنی آپ ہی نظیر ہے[2]۔ یہ رسالہ ان چالیس احادیث پر مشتمل ہے جو نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے بطریق خواب یا بطریق روح بلا واسطہ یا بیک واسطہ (والد) یا بدو واسطہ یا بوسائط مروی ہیں[3]۔ 1890ء میں دہلی میں شائع ہوئی تھی[4] اور اس سے پہلے سہارنپور سے[5]۔ الدر الثمین میں شاہ صاحب نے عربی زبان کی لطافتوں کو بڑے خوبصورت انداز میں استعمال کیا ہے۔ ڈاکٹر زبید احمد رقمطراز ہیں۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے یہ حدیثیں تین حصوں میں تقسیم کی ہیں۔ (i) جو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے انہوں نے خود حاصل کیں۔ (ii) جو انہوں نے ایک وسیلہ سے سنیں۔ (iii) جو انہوں نے ایک سے زیادہ راویوں سے سنیں۔ یہ احادیث دوسری باقاعدہ احادیث کے زمرے میں شمار نہیں کی جاسکتیں اور ان کو حدیث صرف اس مفہوم میں کہا جاسکتا ہے کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے موسوم کی گئی ہیں ان کی کوئی شرعی اہمیت اس لئے نہیں ہے کہ مرتب نے ان کو صرف خواب میں سنا ہے"[5]۔ اس رسالہ میں شاہ صاحب کی ان مخصوص منازل کی نشان دہی ہوتی ہے جن کی روشنی میں شاہ ولی اللہ دنیائے روحانیت میں بلند مقام پر چمکے اس کتاب میں شاہ صاحب نے ان روحانی فیوضات کا تذکرہ کیا ہے جو انہوں نے براہ راست یا بواسطہ شیخ و والد، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کسب کئے تھے شریعت و روحانیت کے دقیق مسائل کو بذریعہ خواب 'کشف' یا قلبی کیفیت' آقائے دو عالم ں اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا۔ ان احادیث یا کیفیات کے مطالعہ سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ شاہ

---

[1] (1) شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات، ص 185

[2] Life of Shah Wali Allah,p.33

[3] حیات طیبہ، ص 29 [4] رود کوثر، ص 557 [5] تذکرہ شہید، ص 36 [2] حیات ولی، ص 575

[3] اصول فقہ اور شاہ ولی اللہ، ص 68 [4] علم ادب حدیث میں برصغیر کا حصہ، ص 195

[5] عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ، ڈاکٹر زبید احمد، مترجم، شاہد حسین رزاقی، ص 75

صاحب کو دربار رسالت میں کس قدر رسائی تھی نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ پر کس قدر شفقت تھی دنیا کی اکثر جلیل القدر شخصیتیں اس سعادت کو پالینے کے لئے کس قدر کوشاں رہیں کہ انہیں خواب میں ہی اپنے آقا و مولیٰ کی زیارت نصیب ہو مگر ادھر شاہ صاحب کی رسائی کا یہ عالم ہے کہ ذہنی اور قلبی مشکلات کا حل دربار رسالتؐ سے بالمشافہ طلب کیا جاتا ہے۔ پہلی تیرہ احادیث شاہ صاحب نے بلا واسطہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے معلوم کی ہیں چودہ سے لے کر اٹھائیس تک احادیث شاہ صاحب کے والد محترم کے ذریعے مروی ہیں حدیث نمبر 29-30 چچا کے ذریعے سے 31 تا 34 شیخ ابو طاہرؒ کے واسطے سے حدیث نمبر 35 سید عمر بن شیخ عبداللہ بن سالمؒ کے واسطے سے اور 36 تا 40 احادیث شیخ ابو طاہرؒ کے واسطے سے مروی ہیں۔ شاہ ولی اللہ صاحب، الدر ثمین کے شروع میں اس شاہکار تصنیف کے متعلق رقم طراز ہیں۔ الحمدللہ الذی رفع قدر نبیہ المصطفی محرم علی الشیطان ان تمثیل بہ فمن راہ فقد رای الحق بلا مرواشہد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ واشہد ان سیدنا محمد عبدہ و رسولہ للمخصوص بالشفاعۃ الکبری صلی اللہ علیہ وسلم و علی آلہ و صحبہ نجوم الھدی و قادۃ التقی:- اما بعد ا ضعف عباد اللہ الکریم احمد المعروف بولی اللہ بن عبدالرحیم العمری الدھلوی ھذہ اربعون حدیثا من احادیث النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم التی تروی من جھۃ الرویا او من جھۃ مشاھدۃ روحہ الکریم جمعتھا فی ھذا الرسالۃ منھا بلا واسطۃ بینی و بینہ ومنھا ما یکون بینی و بینہ واسطۃ واحدۃ ومنھا ما یکون بینی و بین النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واسطتان او اکثر سمیتھا بالدر الثمین فی مبشرات النبی الامین۔[1] ترجمہ:- تمام حمد و ثنا اس اللہ کے لئے ہے جس نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو اس قدر بلند مرتبہ دیا۔ کہ شیطان آپؐ کی صورت کرم میں قطعاً نظر نہیں آسکتا۔ جس نے آپؐ کو دیکھا یقیناً اس نے آپؐ کو حق دیکھا میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے بغیر کوئی معبود نہیں وہی وحدہ لا شریک ہے اور شہادت دیتا ہوں حضرت محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اس کے بندہ ہیں اور ایسے رسول ہیں کہ قیامت کے دن شفاعت کبریٰ آپؐ کے ساتھ مختص ہے اللہ کا درود و سلام آپؐ پر، آپؐ کی اولاد پر اور آپؐ کے اصحاب پر (جو ہدایت کے ستارے اور تقویٰ کے راہنما ہیں) نازل ہو۔ اللہ کریم کے بندوں میں ایک بہت ضعیف بندہ احمد المشہور ولی اللہ بن عبدالرحیم عمری دہلوی معروض ہے۔ کہ یہ چالیس احادیث نبی علیہ السلام سے خواب یا آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی روح کے مشاہدہ کی روشنی میں جمع کی گئی ہیں۔ بعض بلا واسطہ ہیں بعض ایک واسطہ سے اور بعض ایسی ہیں۔ کہ میرے اور نبی علیہ السلام کے درمیان دو یا زیادہ واسطوں سے پہنچی ہیں۔ اس رسالے کا نام در ثمین فی مبشرات النبی الامین رکھا گیا ہے۔[2] الدر ثمین کا نمونہ عبارت مندرجہ ذیل ہے۔ جس سے شاہ صاحب کے عربی زبان و ادب پر مکمل عبور کا پتہ چلتا ہے۔

---

[1] الدر ثمین فی مبشرات النبی الامین، از، شاہ ولی اللہ مترجم علامہ اقبال احمد فاروقی، ص 26-27 [2] ایضاً ص 26-27

الحدیث الاول = رایت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فی المنام کانی دخلت علیہ و قعدت بین یدیہ فھو مراقب فاضح ذقنہ علی صدرہ الحافضت علی منہ صلی اللہ علیہ وسلم ثلث صور مثالیۃ الاولی جسم مخروطی لکل من اعلاہ فاسفلہ عرض فاسفل اکثر عرض من اعلاہ والثانیۃ جسم مبطوح کالسخط فی وسطہ کالعود المرکوز فیہ والثالثۃ عود قال علی الارض فوقہ لجسم کالسخط فاض علی ان الاولی تمثل لنسبتہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فانھا مستوجبۃ لتھذیب المراتب السافلۃ الجسمانیۃ والعالیۃ الروحانیۃ والثانیۃ تمثل لنسبۃ السالکین الذین فسحۃ نسبتھم فیما یلی الاسفل فقط والثالثۃ تمثل لنسبۃ المجذوبین التی فسحۃ نسبتھم فیما یلی الاعلی فقط‘ فلما فھمت المراد بھذہ الصور الثلاث رفع النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم راسہ وتبسم الی فمدیدہ واشار الی البیعۃ فتقدمت حتی اتصلت رکبتا الی برکبتہ فاخذ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یلی بین یدیہ فصافحتہ ثم وضع ذقنہ علی صدرہ وغمض عینیہ ففعلت کما فعل ففاض علی قلبی تلک النسبۃ التی فھمتھا اولا۔

ترجمہ: میں نے نبی علیہ السلام کو خواب میں دیکھا۔ میں آپؐ کے پاس حاضر ہوا اور آپؐ کے سامنے بیٹھ گیا۔ آپؐ مراقبہ میں ذقن مبارک سینہ بکرم پر رکھے تشریف فرما ہیں مجھ پر آپؐ کی تین مثالیہ صورتیں ظاہر ہوئیں۔ پہلے مخروطی اوپر اور نیچے عریض ہیں مگر نیچے کا جسم مبارک قدرے عریض ہے۔ دوسری مبسوط سخت جسم جیسے عود کی لکڑی کا درمیانی حصہ ہوتا ہے تیسری جیسے عود کا ایک مینار زمین پر قائم ہو اور اس پر ٹھوس جسم دکھائی دے۔ پھر مجھے یوں معلوم ہوا کہ پہلی صورت آپؐ کی نسبت کا تمثل ہے۔ تاکہ سافل جسمانی کی تہذیب مراتب ہو سکے اور روحانیت کے مراتب عالی کی تعمیر ہو سکے۔ وہ نسبت جامع ہے۔ دوسری صورت سالکین کی نسبت کا تمثل ہے۔ اسفل کے قریب جو کچھ بھی ہے۔ اس میں فراخی ہے۔ تیسری صورت مجذوبوں کی نسبت کا تمثل ہے۔ یہ نسبت اعلیٰ کے نہایت قریب ہوتی ہے۔ اس میں وسعت و کشادگی ہی ہے۔ جب مجھے ان تینوں صورتوں کی کیفیت ذہن نشین ہو گئی تو نبی علیہ السلام نے اپنا سر مبارک بلند فرمایا اور تبسم فرماتے ہوئے میری طرف ہاتھ بڑھا دیے اور بیعت کا اشارہ فرمایا۔ میں آگے بڑھ کر اس قدر قریب ہو گیا کہ میرے زانو آپؐ کے زانوئے اقدس سے چھونے لگے اور میں نے مصافحہ کیا۔ پھر آپؐ نے ذقن مبارک سینہ مکرم پر رکھی اور آنکھیں بند کیں۔ اسی طرح میں نے بھی کیا میرے قلب پر وہ تمام نسبتیں آشکار ہو گئیں جنہیں میں نے ابھی ابھی سمجھا تھا۔

الحدیث الثانی بینا انا مراقب فی المسجد فی بلدۃ کھنبات بعد العصر اذشاھدت روحہ الکریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قد حضرت فالبسنی ردا ءفظھرنی فی ذلک الحین بعض دقائق العلوم الشریعۃ فلم تنزل تنزادلدھینا بعد حین: **ترجمہ:**۔ ایک دفعہ شہر کھنبات کی جامع مسجد میں بعد از نماز عصر میں مراقبہ میں تھا۔ میرے مشاہدے میں یہ بات آئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی

روح القدس رونما ہوئی اور مجھے چادر اوڑھائی۔ چادر اوڑھتے ہی مجھے علوم شریعت کی باریکیاں معلوم ہو گئیں اور پھر ان میں اضافہ ہو تا گیا۔

الحدیث الثالث:۔ رایت فی المنام الحسن والحسین رضی اللہ عنھما نزلا فی بیتی و بیدا لحسن رضی اللہ عنہ قلم قدانکسر لسانہ فبسط یدہ لیعطینی وقال ھذا قلم جدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ثم امسک بیدہ وقال حتی یصلحہ الحسینؓ فاصلحہ ثم ناولنیہ ثم جئی بردا ءفرفع الحسین رضی اللہ عنہ فقال ھذا ردا ءجدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ثم البسنیہ فمن یولیہ الشرح صدری للتصنیف فی العلوم الشرعیۃ والحمدللہ = ترجمہ: میں نے خواب میں اپنے گھر سیدنا امام حسنؓ اور حسین رضی اللہ عنہما کو تشریف لاتے دیکھا۔ امام حسنؓ کے ہاتھ میں ایک شکستہ سر قلم ہے۔ انہوں نے ہاتھ بڑھا کر مجھے دینا چاہا اور فرمایا کہ یہ میرے نانا جان کا قلم ہے۔ پھر انہوں نے ہاتھ روک کر حضرت امام حسینؓ کو فرمایا کہ اسے ٹھیک کر دیں۔ امام حسینؓ علیہ السلام نے قلم کو درست فرما کر عنایت فرمایا امام حسینؓ علیہ السلام کے پاس ایک چادر تھی۔ یہ فرماتے ہوئے کہ یہ میرے نانا جان کی چادر ہے۔ مجھے اوڑھا دی۔ اس دن سے علوم شریعت کی تصنیف کے لئے میرا سینہ کھل گیا۔ والحمدللہ۔

الحدیث الرابع: ساءلتہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سوالا روحانیۃ عن معنی قولہ کنت نبیاً وآدمؑ منجدل بین الماء والطین ففاض علی روحی من روح الکریمۃ وصورۃ المثالیۃ التی کانت قبل ان یوجد فی عالم الاجسام وان فیضانھا فی الحضرۃ المثالیۃ کان عند کون آدمؑ منجدہ بین الماء والطین وانہ لہ صلی اللہ علیہ وسلم ظھوراً تاماً فی تلک الحضرۃ وھو المعبر عنہ بالنبوۃ فی ھذا الحدیث فلذلک لما وجد فی العالم الجسمانی انتقل معہ القوی المثالیۃ الی العالم الجسمانی فظھر من العلوم مالم یکن بحساب: ترجمہ: میں نے نبی علیہ السلام سے روحانی طور پر سوال کیا کہ یارسول اللہ کنت نبیاً وآدم منجدل بین الماء والطین کے معانی کیا ہیں۔ میری روح پر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح پاک ظاہر ہوئی اور ایک ایسی صورت مثالیہ دکھائی گئی۔ جو عالم اجسام میں آنے سے پہلے تھی اور اس کا فیضان بارگہ مثال میں نمایاں ہو رہا تھا۔ گویا جب حضرت آدم کا خمیر ہو رہا تھا تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اس بارگاہ مثال میں ظہور تام تھا اور نبوت اسی حدیث سے نمایاں ہے۔ اس لئے جب آپؐ عالم جسمانی میں ظاہر ہوئے اور عالم جسمانی میں قوائے مثالیہ بھی دیے گئے تو وہ علوم ظاہر ہوئے جن کا کوئی حساب وحد نہیں![1]

---

[1] الدر ثمین‘ از‘ شاہ ولی اللہ‘ مترجم‘ علامہ اقبال احمد فاروقی‘ ص 30-27

فقہ‘ کلام‘ عقائد‘ فلسفہ‘ حکمت دین‘ سیاسیات‘ اخلاق

مندرجہ بالا عنوانات پر شاہ ولی اللہ نے شہرہ آفاق عربی کتب تصنیف کر کے علمائے عالم اور Reformers میں اپنا بلند مقام پیدا کیا ہے۔ ان عنوانات پر شاہ ولی اللہ کی عربی تصانیف کا ایک جائزہ لینے سے پہلے ان عنوانات کی Approach سے آگاہی حاصل کرنا ضروری ہے ان کی تشریح مسلم اور غیر مسلم علمائے کرام کس طرح کرتے ہیں اور شاہ صاحب نے کس طرح ان موضوعات کا حق ادا کیا ہے۔

Fikh - (intelligence, knowledge) is the name given to jurisprudence in Islam. It is, like the Jurisprudence of the Romans, rerum divinarum atque humanarum notitia and in its widest sense covers all aspects of religious, political and civil life. In addition to the laws regulating ritual and religious observances (ibadat), as far as concerns, performance and abstinence, it includes the whole field of family law, the law of inheritance, of property and of contract, in a word provisions for all the legal questions that arise in social life (muamalat), it also includes criminal law and procedure and finally constitutional law and laws regulating the administration of the state and the conduct of war. All aspects of public and private life and business should be regulated by laws recognized by religion, the science of those laws is Fikh".[1]

اردو دائرہ

معارف اسلامیہ کا فاضل مقالہ نگار رقمطراز ہے۔ "فقہ "ادلہ کی روشنی میں مسائل و احکام شرع کے فہم و استنباط کا علم ہے یہ احکام دین اور دنیا بلکہ ایک لحاظ سے کل علم دین کے اصول و فروع پر حاوی ہیں اس علم کا عالم فقیہہ کہلاتا ہے لیکن بالکل نئی انسانی صورتوں اور ضرورتوں میں (جو نئے استنباط کی محتاج ہوں) استنباط کرنے والے کو مجتہد کہیں گے ہر مجتہد فقیہہ ضرور ہو گا لیکن ہر فقیہہ کا مجتہد ہونا ضروری نہیں "[1] اردو انسائیکلوپیڈیا کا فاضل مقالہ نگار فقہ کی تعریف اس طرح کرتا ہے "فقہ کے دائرہ اختیار میں مسلمانوں کے جملہ‘ مذہبی‘ سیاسی‘ معاشی اور سماجی مسائل شامل ہیں "[2] فقہ‘ اسلامی تعلیمات کی راہنمائی کی روشنی میں تمام

---

1. First Encyclopaedia of Islam, Edited by E. J. Brill, New York, 1987, Vol. III, P. 101

[1] اردو دائرہ معارف اسلامیہ‘ طبع اول‘ 1975ء‘ جلد 15‘ ص 397 [2] اردو انسائیکلوپیڈیا‘ فیروز سنز لاہور‘ ص 734

مسائل کا حل بہترین اور قابل عمل انداز میں پیش کرتا ہے۔ "فقیہہ دنیا سے دل نہ لگانے والے‘ آخرت کو چاہنے والے اور امور دین میں بصیرت رکھنے والے کو کہتے ہیں۔[1] قدیم اسلامی تصور کی رو سے دینی علوم ہی اصلی علم ہیں یعنی قرآن و حدیث کے علوم‘ پھر ان علوم کی تشریح و تائید کے لئے جو علوم پیدا ہوئے وہ بھی دینی علوم کہلاتے ہیں دوسرے درجے کے ان علوم کو ذیلی دینی علوم کہنا زیادہ مناسب ہو گا ہم نے علوم دینیہ (اصلی و ذیلی) میں جن انواع کو شامل کیا وہ یہ ہیں۔ (1) علوم القرآن (2) علوم الحدیث (3) علوم الفقہ (4) علم الفرائض یا علم المیراث (5) علم العقائد (6) علم کلام (7) علم تصوف (8) علم اخلاق و آداب (9) علم النفس (یعنی العلم الروح) جس میں بعض علماء نے علم رویاء کو شامل کیا ہے اگرچہ تعبیر رویاء کا علم ایک جدا علم کی حیثیت بھی رکھتا ہے[2] شاہ ولی اللہ علوم و فنون میں مکمل علمی دسترس رکھنے کے ساتھ ساتھ محققانہ مزاج اور مومنانہ حکمت و فراست کی صفات سے مالا مال تھے۔ آپ کی شخصیت ایک عظیم الشان جامعہ (University) کی مانند تھی جس میں علوم و معارف کے خزانے بھرے پڑے تھے آپ کی یادداشت (Memory) قابل رشک تھی یہ تمام باتیں ایک فقیہہ کو دین کے نہایت بلند مقام پر لا کھڑا کرتی ہیں اور شاہ ولی اللہ نے اسلام کے مذہبی و سیاسی راہنماؤں میں بلند مقام حاصل کیا ہے[3]

"Fikh - is the name given to Jurisprudence in Islam".[4]

"اسلامی قوانین احکام فقہ کی

صورت میں جلوہ گر ہوئے قانون سازی میں اہل یونان و رومائیوں کے پیش رو ہیں مگر عربوں نے اس فن کو

---

[1] کتاب اللمع فی التصوف‘ از‘ شیخ ابو نصر سراج‘ مترجم‘ سید اسرار بخاری‘ اسلامک بک فاؤنڈیشن لاہور‘ 1984ء ص 47

[2] اردو دائرہ معارف اسلامیہ‘ 1980ء جلد 14/1‘ ص 1

[3] (i) An Illustrated Encyclopaedia of Mysticism and the Mystery Religion, By John Ferguson, A Continuum Book, The Seabury Press, New York, 1977. P. 210

(ii) The Encyclopaedia Dictionary of Psychology, Edited by, Rom Harree and Roger Lamb, Basil Black Well Publishers, London, 1983, P. 381

(iii) The World Book Encyclopaedia, Vol. 15, P. 264

(iv) The W.B.E. Vol. 16, P. 234

[4] Shorter Encyclopaedia of Islam, H.A.R. Gibb, J.H. Kramer, Published by E.J. Brill, Leiden, Netherlands, 1974, P. 102

جس عروج پر پہنچایا وہ دنیا کی تمام اقوام کی الہیت قواعد و ضوابط اور قانون سازی پر مقدم ہے "[1] مسلمان ہندوستان میں آئے تو انہوں نے سیاسی مرکز کے ساتھ ساتھ اس ملک میں اپنا علمی مرکز بھی بنایا چنانچہ اس علمی مرکز میں دو دفعہ فقہ کی تجدید کی کوشش ہوئی پہلی دفعہ تغلقوں کے عہد میں فقہ میں کتاب "فتاوی تاتار خانیہ" مرتب کی گئی یہ دراصل اسلامی فقہ کو جو بخارا سے یہاں پہنچی تھی ہندوستان کے حالات کے مطابق کرنے کی سعی تھی فتاوی تاتار خانیہ کے مؤلف مولانا عالم بن علاء اندرپتی دہلوی متوفی 786ھ ہیں یہ کتاب آپ نے امیر کبیر تاتار خاں کے نام نامی پر لکھی تھی۔ دوسری دفعہ اورنگ زیب عالمگیر نے خود اپنی نگرانی میں "فتاویٰ عالمگیری" کے نام سے ہندوستان میں اسلامی فقہ کو مدون کرایا اور اپنی تمام قلمرو میں اس پر عمل کرنا واجب قرار دیا عالمگیر کے بعد نادر شاہ کے حملے یعنی 52-1151ھ تک یہ قانون ہندوستان میں نافذ رہا [2] "مسائل فقہیہ پر بحث کرتے وقت شاہ ولی اللہ کی کوشش یہ ہوتی تھی کہ مذاہب اربع میں جو اختلاف پایا جاتا ہو اسے بڑھا چڑھا کر پیش کرنے کی بجائے کم سے کم کرکے دکھائیں بالخصوص ایسے اختلافات کو جو حنفی اور شافعی مسالک میں پائے جاتے ہوں اس مقصد کو ملحوظ رکھتے ہوئے وہ ایسے تمام فقہی مسائل کے صرف ان پہلوؤں پر زور دیتے اور ان کا تجزیہ کرتے تھے جن میں اتفاق رائے پایا جاتا تھا اور کسی ایک مسلک کو دوسرے پر فوقیت نہ دیتے تھے یہ ایک ایسا طریقہ تعلیم تھا جس سے نوجوان طلباء میں وسیع النظری پیدا کرنے میں بہت مدد ملتی تھی اور ان کے دل میں چاروں آئمہ کرام اور ان کے مسالک کے بارے میں احترام اور رواداری کا جذبہ بھی پیدا ہو جاتا تھا۔[3] "شاہ صاحب فقہ حنفی کو امام ابو حنیفہؒ کے شاگرد محمد بن حسن الشیبانیؒ متوفی 189ھ کی کتابوں سے اخذ کرتے ہیں اور شافعی فقہ کو براہ راست امام شافعیؒ کی کتابوں سے لیتے ہیں ہم دیکھتے ہیں کہ امام محمدؒ اور امام شافعیؒ دونوں کے دونوں امام مالکؒ کے شاگرد ہیں اس بناء پر شاہ ولی اللہ یہ قاعدہ تجویز کرتے ہیں کہ درحقیقت فقہ کا اصل الاصول امام مالکؒ کی موطا ہے اور اسی سے مالکی شافعی، حنفی مذاہب فقہ پیدا ہوئے "[4] "امام ولی اللہ کی دلی آرزو تھی کہ چاروں مذاہب میں باہم پائے جانے والے تنازعات ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم ہوں آپ نے ان کے باہم اختلافات مٹانے اور ان کے متضاد اقوال میں موافقت پیدا کرنے کے سلسلے میں ایک قابل ذکر کردار انجام دیا ہے "[5] شاہ صاحب افراط و تفریط سے بچ کر اعتدال

---

[1] تاریخ ادبیات عربی، سید ابو الفضل، ص 75 [2] شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ، عبید اللہ سندھی، ص 198

[3] India's Contribution to the Study of Hadith Literature, P. 194

[4] شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ، عبید اللہ سندھی، ص 45 [5] شاہ ولی اللہ کی تعلیم، از غلام حسین جلبانی، ص 81

کی راہ پیدا کرنا چاہتے تھے ان کا خیال تھا کہ وہ اسلام کی سربلندی کیلئے ایسی کوششیں فرمائیں جس سے کسی ہنگامہ کے بغیر اپنے مقصد میں کامیاب ہو سکیں لوگ امن کے ساتھ دین حق کو قبول کریں دین حق پورے سکون کے ساتھ زندگی کے تمام شعبوں پر قابض ہو جائے غرض ہر گروہ نے انہیں اپنا سمجھا اور ان ہی سے استفادہ کی کوشش کی وہ صحیح معنی میں حکیم الامت تھے۔"[1]

KALAM کلام

"Kalam - in common usage, Kalam signifies speech, language, sentence, proposition, words, but in the field of Muslim religious thought, it has two particular meanings : the word of God (Kalam Allah) and the science of Kalam (ilm al Kalam), which may be understood as dogmatic theology or more precisely the defensive apologetic of Islam. As for the science of Kalam, this term came to mean Muslim dogmatic theology. In this effort to determine the origin of the usage, Hary A. Wolfson suggests that the word Kalam was used to translate into Arabic the different meanings of the Greek term logos as "word" "reason" "argument". It was also used to signify the act of expounding or discussing a specific science, and the mutakalliman became those who deal with this science".[2]

"چھٹی صدی ہجری / بارھویں صدی عیسوی کے آغاز میں ان دو قوتوں کی کامرانی دیکھنے میں آئی جو اس کے بعد سے عرب ممالک کی ذہنی زندگی پر غلبہ پانے کو تھیں یعنی علم کلام اور تصوف، علم کلام کی اشاعت کا بڑا مادی سبب تمام ادبی تعلیم کا "مدرسہ" یعنی نئے طرز کے ان اعلیٰ تعلیمی اداروں میں مرکوز ہو جانا تھا جن کی تنظیم کی ابتداء نظام الملک (م 485ھ / 1092ء) نے بغداد اور نیشاپور میں علماء اور

---

[1] تحریک آزادی فکر اور شاہ ولی اللہ کی تجدیدی مساعی، از مولانا محمد اسماعیل سلفی، مکتبہ نذیریہ فیروز پور روڈ لاہور، ص 171

[2] The Encyclopaedia of Religion, Vol. 8, P. 231

عمال کی تربیت کے لئے کی اور جن کا رواج بعد میں تمام اسلامی دنیا میں ہو گیا تعلیم کو رسمی بنانے کا نتیجہ یہ نکلا کہ درسی مضامین بھی رسمی قواعد کے پابند ہو کر رہ گئے اور طبع زاد نئی نئی تصانیف کی جگہ درسی کتابوں اور قاموسوں کی تالیف نے لے لی یہ رجحان نظامیہ مدرسے کے ممتاز علماء کی پہلی نسل میں ہی پیدا ہو گیا تھا مثلاً ابو العلاء المعصری کے شاگرد التبریزی (م 502ھ / 1109ء) ایسے ماہر فقہ اللغتہ کی تالیفات درسی کتابوں اور شرحوں تک محدود تھیں اسی طرح اس کے جانشین الجوالیقی (م 539ھ / 1145ء) کی اور شافعی علمائے دین امام الحرمین الجوینی (م 478ھ / 1085ء) اور ان کے شاگرد ابو حامد الغزالی (م 505ھ / 1111ء) کی تصانیف ہیں ان میں الغزالی کی ابتدائی تصانیف کا خاص موضوع منہاج علم' یونانی فلسفے اور الحاد کے خلاف عقائد صحیحہ کا متکلمانہ دفاع تھا ان کے بعد کی نسلوں کے علماء اہل السنت اور فقہاء کی بہت بڑی اکثریت انہیں کے نقش قدم پر چلتی رہی اور ان لوگوں نے عقیدے کے متعلق ایک وسیع ادب تیار کر لیا" [1]

"شاہ ولی اللہ ایک ایسے مسلک وسط کے پالینے میں کامیاب ہوئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کی فقہ بھی بچ گئی تصوف بھی تباہی سے محفوظ رہا قدیم علم کلام کی بنیاد پر ایک ایسے جدید علم کلام کی بنیاد ان کے ہاتھوں سے قائم ہو گئی جس میں کلام کے ساتھ تصوف اور تصوف کے ساتھ علم کلام کی ایسی معتدل آمیزش ہوئی ہے کہ اس کی بدولت مسلمانوں کا تصوف بھی زندہ ہے اور ان کے کلامی نظریات کی بھی زیادہ واضح شکلوں میں زندہ رہنے کی ضمانت پیدا ہو گئی اور اس کے ساتھ پچھلے زمانے میں دین کے اصلی سرچشموں سے علماء اسلام کو جو تھوڑا بہت بعد پیدا ہو گیا تھا اور یہ فطری بات ہے کہ نتائج و ثمرات کی مشغولیت عموماً اصول سے دوری کا سبب بن جاتی ہے لیکن شاہ ولی اللہ نے ایک ایسا محتاط و متوازن قدم اٹھایا کہ نتائج و ثمرات کی مشغولیت میں کسی قسم کی افسردگی بھی پیدا نہیں ہوئی ہے اور اسلام کے سیاسی سرچشموں یعنی قرآن و حدیث کے ساتھ اہل علم کے تعلقات نئے سرے سے تازہ ہو گئے تقلید جامد کا وہ طلسم بھی ٹوٹ گیا جو تقلید کی کمنگی سے عموماً قائم ہو جاتا ہے اور آزادی رائے کے ساتھ تحقیقی تقلید کا ایک ایسا رنگ ان کے اور ان کے تلامذہ کے درس و تالیف نے پیدا کیا کہ ہر چیز اپنے اپنے طبعی مقام پر آکر ٹھہر گئی ہے" [2]

---

[1] اردو دائرہ معارف اسلامیہ' جلد 13' ص 210

[2] تذکرہ شاہ ولی اللہ' مناظر احسن گیلانی' ص 25

PHILOSOPHY فلسفہ

"Falsafa - is the term applied to the Muslim Philosophy"[1]

"Philosophy - The Greek word sophia is ordinarily translated into English as "wisdom" and the compound philosophia, from which "Philosophy" derives, is translated as, "the love of wisdom" but sophia has a much wider range of application than the modern English "wisdom".[2] It is not easy to say when strictly philosophical thought about religion began, for religion has always involved thought or belief of some kind. Religion has always had a cognitive factor, observances of various kinds had a meaning and these would often be of a far reaching kind, involving beliefs about an after life or the influence upon us of beings other than those who inhabit this world".[3]

"Philosophy - (Gr. Philosophia "love of wisdom") the rational and critical inquiry into basic principles. Philosophy is often divided into four main branches : metaphysics (q.v.), the investigation of ultimate reality; epistemology (q.v.), the study of the origins, validity, and limit of knowledge; ethics (q.v.) the study of the nature of morality and prudence; and Aesthetics (q.v.), the study of the nature of beauty in the fine arts. The two distinctively philosophical types of inquiry are analytic philosophy, which is the logical study of concepts, and synthetic philosophy, which is the arrangement of concepts into a unified system.[4]

---

1. First Encyclopaedia of Islam, Vol. III, P. 48
2. Encyclopaedia of Philosophy, Vol. 6, P. 216
3. Encyclopaedia of Philosophy, Vol. 6, P. 276
4. Funk & Wagnals New Encyclopaedia, Vol. 20, P. 352

"Philosophy - term of which the meaning has the course of centuries undergone considerable modification. PYTHAGORAS is reputed to have been the first to use it, saying he was a 'Philosopher' that is, a lover of wisdom (philos and sophia). No kind of knowledge was in those early days outside the scope of philosophy, which comprehended the whole range of human interests. This is clear from the stoic definition of philosophy as he endeavour after theoretical and practical perfection in the departments of logic, physics, and ethics".[1]

"What is philosophy? Philosophy is not easily identified as a single and distinct branch of study, and philosophers themselves have never agreed upon any clear definition of their subject. Instead, the question, "what is philosophy"? is itself a philosophic question, likely to be answered in somewhat different ways by philosophers belonging to different schools of thought. But as a time honoured saying has it, "Philosophy is the mother of the sciences", as men have gradually acquired more extended and better assured knowledge of any classification of phenomena, and systematic relations among these have been sufficiently made out, a special branch of learning has become consolidated and has separated itself from the general body of thought called philosophy".[2]

فلسفہ ان دو لفظوں سے ترکیب پذیر ہے Philein جس کے معنی محبت اور دلچسپی کے ہیں Sophia جو حکمت و دانش سے تعبیر ہے یعنی علم و آگاہی اور جستجو و طلب کی وہ تمام کوششیں جو عقل و خرد سے بدرجہ غایت محبت اور لگاؤ سے معرض وجود میں آئیں[3]۔ فلسفہ وہ علم ہے جو نظام کائنات کی حیثیت و کیفیت اور اس کے انسانی تعلق و ربط کو متعین کرتا ہے[4]۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ کا فاضل مقالہ نگار رقمطراز ہے "فلسفہ (اسلامی) اس اصطلاح کا اطلاق اس اسلامی فکر پر ہوتا ہے جس نے شروع میں یونانی اثرات کے تحت نشوونما پائی ہاں ہمہ ہمیں ان دوسرے رجحانات کا بھی خیال رکھنا چاہیے جنکی

1. Everyman Encyclopaedia, Vol. 9, P. 507
2. Encyclopaedia Americana, Vol. 21, P. 769

[3] تہافت الفلاسفہ' از' تلخیص و ترجمہ تقدیم' مولانا محمد حنیف ندوی' ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور' 1974ء ص 1 [4] مسلم فلاسفہ' از' مفتی انتظام اللہ شہابی' جناح لٹریری اکیڈمی کراچی' ص 2

بناء پر اس زمانے کے مروجہ علمی نظریات کے مطابق کائنات کا تصور قائم ہوا یا کم از کم جن کے زیر اثر کائنات کے متعلق عام نظریات پیش کئے گئے اور وہ اس طرح فلسفے کا ایک لازمی حصہ قرار پائے نظری الہٰیات (Speculative Theology) کے بارے میں یہ بات خاص طور پر اور بھی زیادہ صحیح ہے اس کی غایت یہ تھی کہ مسلمانوں کے مذہبی عقائد کو جن کا نقطہ نظر زندگی کے بارے میں بڑا سیدھا سادھا تھا) ایک بلند ذہنی سطح پر لا کر اس وقت کے علمی تقاضوں کے مطابق پیش کیا جائے۔[1] "فلسفہ کیا ہے؟ علم و دانش سے عشق تلاش حقیقت اور فکر و مشاہدہ سے اصول اخذ کرنا[2] لفظ فلسفہ یونانی الاصل ہے یونانی الفاظ فیلوس (محبت) اور صوفیا (حکمت) سے مرکب ہے لہٰذا اس کے لفظی معنی محبت و حکمت کے ہیں فلسفی وہ شخص ہے جو حکمت و دانشمندی سے شغف رکھتا ہو[3]۔ افلاطون نے کہا فلسفہ ایک دلآویز مسرت ہے جو دنیا کی گریز پا لذات سے کہیں زیادہ پائیدار' شاندار اور عظیم ہے[4]۔ مسلم فلسفے سے مراد وہ افکار و نظریات ہیں جو ہر دور کے مسلمان مفکرین مختلف فلسفیانہ مسائل کے حل کے طور پر اپنے مخصوص نکتہ نگاہ سے پیش کرتے رہے ہیں اس نقطہ نگاہ کی تعمیر و تشکیل میں ان فکری رویوں اور بنیادی عقیدوں کی کار فرمائی موجود رہی ہے جو اسلامی تعلیمات پر مبنی تھے ظاہر ہے کہ ایک مسلمان فلسفی اپنے اس مابعد الطبعی نظام فکر سے الگ رہ کر نہیں سوچ سکتا جو اسلامی نظریہ حیات سے صورت پذیر ہو کر ایک جداگانہ حیثیت اختیار کرتا ہے[5]۔ دنیا میں ہزاروں ہی قسم کی تحریکیں پیدا ہوتی اور چلتی رہی ہیں اور جب تک یہ دنیا باقی ہے پیدا ہوتی ہی رہیں گی ان تحریکوں سے نہ تو دنیا کی کوئی قوم خالی ہے اور نہ کوئی زمانہ ہر قوم اور ہر زمانہ میں مختلف قسم کی لہریں اٹھتی ہی رہتی ہیں ظاہر ہے کہ اس کلیہ کے بموجب مسلمانوں میں بھی مختلف زمانوں اور مختلف دیار میں ذہنی اور فکری موجیں پیدا ہوتی ہی رہی ہیں[6]۔ "فلسفہ تلاش ہے فطرت کے ایک جامع نقطہ نظر کی اور ایک کوشش ہے اشیاء کی ہمہ گیر توجیہہ کی' فلسفہ علوم کا خلاصہ بھی ہے اور ان کا تکملہ بھی یہ ایک کلی علم بھی ہے اور علم بمعنی حکمت سے علیحدہ اور ممیز شے بھی۔ اپنی بڑی بہنوں مذہب و شاعری کی طرح نفس انسانی کے مظاہر میں اس کی خاص حیثیت ہے۔[7] اسلام بین الاقوامی انقلاب کی عالمگیر تحریک ہے

[1] اردو دائرہ معارف اسلامیہ' طبع اول' 1976ء جلد 15' ص 469
[2] ہندی فلسفہ' از' پروفیسر اعجاز احمد وڑائچ' الکتاب گنج بخش روڈ لاہور' 1982ء ص ز [3] مقدمہ فلسفہ حاضرہ' از' ڈاکٹر ڈی۔ ایس۔ رابنسن' مترجم' ڈاکٹر میر ولی الدین' نفیس اکیڈمی کراچی' اپریل 1987 ص 1
[4] داستان فلسفہ' از' ول ڈیوران' لاہور' 1957' جلد اول' ص 23 [5] مسلم فلسفہ' از' ڈاکٹر عبدالخالق' عزیز پبلشرز لاہور' 1981' ص 16 [6] تاریخ فلاسفۃ الاسلام از محمد لطفی جمعہ' مترجم' ڈاکٹر میر ولی الدین' نفیس اکیڈمی کراچی' مئی 1987 ص 3
[7] تاریخ فلسفہ' از' الفریڈ ویبر' مترجم' ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم' نفیس اکیڈمی' کراچی اپریل 1987ء ص 1

جس کے امام حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اس انقلاب کی بنیاد قرآن حکیم پر ہے آپؐ اور آپؐ کے قریبی ساتھی صحابہؓ کی کوششوں سے جو جماعت پیدا ہوئی وہ پہلے عرب پر غالب آئی پھر وہ ایک محدود علاقے میں مرکز اقوام بنی یہ اس کی زندگی سے ابتدائی پچاس سال کی روئداد ہے جس میں وہ نہایت اعلیٰ اصول قائم رکھ سکی۔

اس دور کی تاریخ اور فلسفہ اسلام کے نام پر انقلاب لانے والوں کے لئے رہتی دنیا تک کے لئے نمونہ ہے اس دور کی تاریخ امام ولی اللہ دہلوی سے بہتر کسی نے نہیں لکھی اور نہ ان کے سوا کسی اور نے اس دور کا فلسفہ معین کیا ہے عہد حاضر میں یورپ اور اس سے اثر لینے والی دنیا کو علمی رنگ میں سوچنے اور سمجھنے کی عادت ہو چکی ہے اب اسلام کی حقیقت امام ولی اللہ دہلوی کے فلسفے کے سوا اور کسی طریق سے نہیں سمجھائی جا سکتی۔ [1] ہمیں امام ولی اللہ دہلوی کے علاوہ تاریخ اسلام میں کوئی فلسفی نظر نہیں آتا جو اقتصادیات و معاشیات اور اجتماعیات و اقترابیات (خدا پرستی) میں ایک مستند امام کی حیثیت سے کلام کرتا ہو ہماری تحقیق میں ساری تاریخ اسلام میں صرف امام ولی اللہ دہلوی ہی ہیں جنہوں نے کارل مارکس سے کوئی سو سال پہلے ان مسائل پر روشنی ڈالی ہے جو آج ہمیں درپیش ہیں چنانچہ :- امام ولی اللہ کا فلسفہ اسلام کی پوری پوری ترجمانی کرتا ہے۔ انسانیت کی وحدت کامل کا داعی ہے کائنات' انسانیت' بین الاقوامیت' قومیت' اور فرد کے درمیان نہایت مضبوط اور طبعی ربط دکھاتا ہے جس پر ساری اقوام جمع ہو سکتی ہیں۔ تاریخ انسانیت میں ایسا اطمینان بخش ربط دکھاتا ہے کہ ساری تاریخ انسانیت ایک فرد کی تاریخ معلوم ہوتی ہے۔ انسانیت کے طبعی تقاضوں کو خوب سمجھتا ہے اور انہیں کامل طور پر پورا کرتا ہے۔ اسلام کے مختلف مسالک فکر میں ربط دکھاتا ہے۔ ہمارے موجودہ اقتصادی اور معاشی مسائل کے صحیح حل کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور سرمایہ داری کے قطعی استیصال کے ساتھ ساتھ دین کا پورا پورا ربط رکھتا ہے [2] شاہ صاحب کے فلسفے کی اہمیت اور معاشرے کے مسائل کا بہترین انداز میں حل پیش کرنے میں شاہ صاحب کے فلسفے کا کردار بڑی زبردست اہمیت کا حامل ہے۔

"One can easily notice the effect of the contemporary events in his writings. For this reason we find that he in his works assigns among all the sciences a place of pride to social philosophy". [3]

---

[1] قرآن فکر انقلاب' از' عبیداللہ سندھی' مرتبہ شیخ بشیر احمد' ص 4

[2] اجتماعی دور کے مسائل اور ان کا حل' از' محمد مقبول عالم' مکتبہ بیت الحکمت لاہور' مئی 1965ء ص 14

[3] اورینٹل کالج میگزین' مقالہ نگار' ڈاکٹر فضل محمود' مدیر' ڈاکٹر سید محمد عبداللہ' یونیورسٹی اورینٹل کالج لاہور' مئی 1957 ص 1

"شاہ ولی اللہ نے اسلام پر بحیثیت ایک نظام فکر از سر نو غور کیا اور اسلامی معاشرے کے قیام کے لئے کوششیں کیں۔" [1]

"As a reformer and as a propounder of theories dealing with socialism, he may be considered as the forerunner of KARL MARKS".[2]

مولانا عبیداللہ سندھی فرماتے ہیں "شاہ ولی اللہ کے فکر میں آفاقی وسعت ہے عالمگیر انسانیت ہے ازل سے لے کر اب تک کے تمام فکری' ذہنی اور فلسفیانہ نظاموں کو ایک رشتے میں پرونے کی کوشش کی گئی ہے پھر اس وسعت اور بے کنار ہونے کے باوجود ولی اللہی فکر میں ترتیب ہے۔ نظم و باقاعدگی ہے گویا کہ یہ ریاضی یا حساب کا کوئی مسئلہ ہے۔ [3] مسلمانوں کے ہاں یونانی فلسفہ زندگی کے اتار چڑھاؤ میں سے گزر رہا تھا کہ شاہ صاحب نے وجود' مظاہر وجود' تخلیق کائنات' اجتماعیات اور اس طرح کے دوسرے فلسفیانہ مسائل پر قلم اٹھایا۔ [4] اسلامی احکام و عبادات اور دینی اوامر و نواہی کے بارے میں امت مسلمہ میں دو بزرگوں نے فلسفہ و فکر کے نقطہ نظر سے روشنی ڈالی ہے ایک امام غزالیؒ نے اور دوسرے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے مگر ان دونوں کے طرز ادا اور اسلوب بیان میں نمایاں فرق ہے [5] امام ولی اللہ دہلوی کا فلسفہ ایک مرتب فلسفہ ہے جس کے تمام اجزاء نہایت سلیقے کے ساتھ مربوط ہیں اور ہر ایک جز دوسرے جز کے ساتھ کچھ اس طرح وابستہ ہے کہ اسے الگ نہیں کیا جا سکتا ان کا فلسفہ ارتفاقات بھی ان کے مکمل فکر کی ایک کڑی ہے جس کے اوپر اور نیچے اور کڑیاں بھی ہیں امام صاحب کے سلسلہ افکار پر جامع نظر ڈالی جائے تو اس میں سب سے اوپر ان کی الہیات آتی ہے اس کے بعد مثالیات' اس کے نیچے مادیات' اور سب سے آخر میں معادیات آتی ہے اور اس طرح یہ چکر پورا ہوتا ہے [6]

---

[1] متعلقات خطبات اقبال' مرتبہ ڈاکٹر سید عبداللہ' اقبال اکادمی پاکستان' لاہور' 1977 ص 143

2. Hundred Great Muslims, Jamil Ahmed, P. 299

[3] افادات و ملفوظات حضرت مولانا عبیداللہ سندھی' مرتبہ' محمد سرور' سندھ ساگر اکادمی' لاہور' بار دوم جولائی 1984 ص 317 [4] شاہ ولی اللہ کے عمرانی نظریے' از شمس الرحمن محسنی' ص 29 [5] العارف' مقالہ نگار' محمد اسحاق بھٹی' صدر' سعید شیخ' لاہور' نومبر 1980 ص 35

[6] امام ولی اللہ کا فلسفہ عمرانیات و معاشیات' از شیخ بشیر احمد' ص 34-33

سیاسیات POLITICS

"Politics - The activity by which decisions are arrived at and implemented in and for a community". [1]

"Political culture is the set of attitudes, beliefs and sentiments which give order and meaning to a political process and rules that govern behaviour in the political system". [2]

"The word 'Politics' is used to refer both to administration or legislation and to the study of this department of human activity".[3]

"The history of political philosophy is the succession of notions about the actual and proper organization of men into collectivities and the discussion of those notions. It is philosophical in character, because it is concerned with obedience and justice as well as with description; the persistent preoccupation of political philosophers has been the definition of justice and of the attitude and arrangements which should create and perpetuate justice". [4]

اسلامی نظام حکومت اور اسلامی طرز ریاست کیا ہے؟

---

1 The Blackwell Encyclopaedia of Political Institutions, Edited by, Vernon Bogdanor, Published by, Basil Blackwell Inc., New York, 1987, P. 482

2 International Encyclopaedia of the Social Sciences, New York, 1968, Vol. 12, P. 210

3 Encyclopaedia of Religion and Ethics, Vol. X, P. 98

4 The Encyclopaedia of Philosophy, Editor-in-Chief, Pawl Edwards, Macmillan Publishing Co. Inc., New York, 1972, Vol. 6, P. 370

"The Islamic theory of State is not composed of any independent set of rules devised to manage the affairs of the state, but contains principles which form an integral part of the whole system of life regulated by the divine law as revealed to the Prophet Mohammed (peace be upon him). The political philosophy of Islam is entirely different from other political systems in vogue in various countries of the world".[1]

شاہ ولی اللہ کی خواہش تھی کہ اہل اسلام کی عظمت رفتہ کسی طور لوٹ آئے لئے "عالم دین ہونے کی حیثیت سے شاہ ولی اللہ نے مسلمانوں کے سیاسی زوال کو روکنے اور تجدید و احیائے دین کی ہر وہ تدبیر کی جو ان کے بس میں تھی"۔[2]

"Shah Walli Allah set upon the mission of reforming the social and political order of his day. Being a realist, he diagnoised the ills which had entered into the body politics of Muslim society and suggested remedies. He criticized the un-Islamic customs which had crept into Muslim society due to its contact with Hinduism.

Shah Walli Allah was of the opinion that intellectual revolution should precede political change. He did not contemplate a change with political or social set-up through a bloody revolution. He wanted to bring revolutionary change in the society through peaceful means. In his well-known book 'Izalat-al-Hifa', he discusses the idealogy of political revolution which he envisaged.

---

1. Muhammad (peace be upon him) Encyclopaedia of Seerah, By Afzalur Rehman, London, 1981, P. 717

2. برصغیر میں مسلم فکر کا ارتقاء، قاضی جاوید، نگارشات، بیگم روڈ لاہور، 1988ء ص 210

3. اسلام ایک نظریہ ایک تحریک، از، مریم جمیلہ، مترجم، آباد شاہ پوری، محمد یوسف خان اینڈ سنز لاہور، 1969ء، ص 192

"No scholar of Mediaeval India had understood the various aspects of civics as had been done by Shah Walli Allah. He considered 'Selfconsciousness' as a prerequisite of 'Political Consciousness'. He has dealt in detail the factors which contribute towards the growth of civil consciousness in his immortal work Hujjat-Ullah-il-Baligha".[1]

اخلاق

ETHICS

ETHICS = The term "Ethics" is used in three different but related ways, signifying

(i) A general pattern or "way of life".
(ii) A set of rules of conduct or "moral code".
(iii) Inquiry about ways of life and rules of conduct.[2]

"Its subject matter is human conduct and character".[3]

شاہ ولی اللہ اخلاق کے بارے میں رقمطراز ہیں۔ من اخلاق الانسان خلق یسمی بالسمت الصالح حقیقتہ تیقظ النفس الناطقۃ باعمالھا واخلاقھا التی ھی فیھا بینہ وبین اللہ وبینہ وبین سائر الناس واھتدائھا لنظام صالح فیھا یرضاہ اللہ تعالی من عبدہ فاذا شاء اللہ تبارک وتعالی بعبد خیرا " افقھہ بتلک الاعمال والاخلاق۔[4] ترجمہ: اخلاق

1. Hundred Great Muslims, Jamil Ahmed, P. 301
2. Encyclopaedia of Philosophy, Vol. 3, P. 82
3. Encyclopaedia of Religion and Ethics, Vol. 5, P. 414

[4] فیوض الحرمین، ص 28-227

انسان میں ایک خلق ہے جس کا نام سمت صالح ہے اس کی حقیقت یہ ہے کہ وہ ناطقہ کا یتقظ ہے اپنے ان اعمال اور اخلاق کے ساتھ جو کہ اس میں ہیں اور جو اس کے اور اللہ تعالی کے درمیان میں اور اس کے اور تمام انسانوں کے درمیان ہیں اور ان کا ہدایت پا جانا اس نظام صالح کی طرف کہ جس کی بناء پر اللہ تعالی اپنے بندہ سے راضی ہو جائے تو جس وقت اللہ تعالی اپنے بندہ کی بہتری چاہتا ہے تو ان اعمال اور اخلاق کی سمجھ دے دیتا ہے۔

"Ethical treatises have been translated from the Greek of Plato and Aristotle, and have been elaborated according to classical ideas by the Muslim Philosophers".[1]

"Ethical philosophy began in the fifth century B.C., with the appearance of Socrates, a secular prophet whose self-appointed mission was to awaken his fellow men to the need for rational criticism of their beliefs and practices".[2]

امام ولی اللہ دہلوی کے فکر میں اخلاقیات کو خاص مقام حاصل ہے لیکن ان کی اخلاقیات کی بنیاد یونانی حکمت کی بجائے حکمت نبویؐ پر ہے یہ وہ اخلاق ہیں جن کی پریکٹس مرنے کے بعد کی زندگی میں بھی مفید نتائج پیدا کرتی ہے امام صاحب کے نزدیک یہ چار بنیادی اخلاق ہیں۔

(i) **طہارت** = اس سے مراد بدن' لباس' ماحول' اخلاق و عادات اور افکار کی پاکیزگی ہے اس کی تکمیل سے انسان کا تعلق کائنات کی ان غیر مادی قوتوں (ملاء اعلی) کے ساتھ قائم ہو جاتا ہے جو اس کائنات میں انتظام پر مامور ہیں۔

(ii) **اخبات** = یعنی اللہ تعالی کی طرف رجوع کرنا اور اس کی توجہ قائم رکھنا اس حالت کی تکمیل سے اللہ تعالی کی کبریائی اور جلال انسان کے قلب کے اندر قائم ہوتا ہے۔

(iii) **سماحت** = اس سے مراد ہے انسان کا حیوانی جذبات کے تابع نہ ہونا اور انسانی اجتماعی جذبے کا غلبہ ہونا۔ اس خلق سے انسان خدمت خلق کرنے کے قابل ہو جاتا ہے اور صرف ذاتی اغراض میں مبتلا نہیں

1. Historia Religionum, Edited by, C. Jouco Bleeker, Vol. II, P. 190
2. The Encyclopaedia of Philosophy, Vol. 3, P. 62

ہوتا۔ (حجۃ اللہ البالغہ جلد ا ص 53)

(iv) **عدالت** = امام صاحب لکھتے ہیں کہ "و آں خصلتے است کہ صدور اقامت نظام عادل و سیاست کلی ازوے باشد" (سعات ص 49) (یعنی معاشرے میں نظام عدل کا قیام بین الاقوامی منزل تک اسی سے ہوتا ہے) یہ خصلت انسان کے مخصوص افعال پر اثر انداز ہوتی ہے اس صورت میں اسے ادب کہتے ہیں اور خاندان اور شہر کے نظم و نسق میں بھی عمل کرتی ہے اور معاشرے کے تمام افراد کے حقوق ادا کرنے کا بھی تصور پیدا کرتی ہے جسے حسن معاشرت کہتے ہیں "[1]

مندرجہ بالا عنوانات کی تشریح و توضیح اور ان کے بارے میں مسلم اور غیر مسلم علماء دین و دنیا کی تشریحات بیان کرنے کے علاوہ ان Specific Topics میں شاہ ولی اللہ کی خدمات کے بارے میں ایک جائزہ اور علماء کی نظر میں اس کی اہمیت کیا ہے وہ بھی بیان کر دیا گیا ہے اب ان عنوانات سے Related شاہ صاحب کی صرف عربی تصانیف کا جائزہ پیش کیا جا رہا ہے۔

---

[1] دعوت فکر' از' مولانا عبید اللہ انور' ص 35-34

حجۃ اللہ البالغہ

حجۃ اللہ البالغہ شاہ ولی اللہ کی عربی زبان میں شاہکار اور شہرہ آفاق تصنیف ہے[1] "یہ ایک ضخیم کتاب ہے جس میں تمام عبادات و معاملات نہایت شرح و بسط کے ساتھ محققانہ طرز میں بیان کئے گئے ہیں فقہاء و محدثین کے اختلافات مذاہب کو نہایت عمدگی اور خوش اسلوبی سے ظاہر کیا گیا ہے مسائل فقہ' مذاہب اربعہ' یعنی حنفی" شافعی" حنبلی" مالکی" کی تحقیقات مذاہب' صحابہ" و تابعین" اور اقوال جماعت فقہاء و محدثین سے کر کے فقہ و حدیث کی بنیاد از سر نو قائم کی ہے اسرار حدیث اور مصالح احکام ایسی خوبی اور سلیقہ شعاری سے بیان کئے ہیں جس کی نظیر سے حقدمین مصنفین کے حلقے خالی ہیں یہ کتاب یوں تو فقہ و حدیث کے متعلق لکھی گئی ہے لیکن حقیقت میں فقہ' حدیث' اخلاق' تصوف' فلسفہ پانچوں مضامین کا مذاق پایا جاتا ہے گویا ان پانچوں علوم کا عطر و مغز اس کتاب میں بھر دیا گیا ہے علامہ ابو الطیب نے اس کے متعلق اپنی علمی رائے اس طرح بیان کی ہے۔ "کتاب حجۃ اللہ البالغہ اگرچہ علم حدیث میں نہیں ہے لیکن اس میں بہت سی احادیث کی شرح اور ان کے اسرار و احکام بیان کئے گئے ہیں حتی کہ اپنے فن میں بے نظیر ثابت ہوئی ہے کسی اور کتاب کو کسی طرح اس پر سبقت نہیں ہوئی۔ زمانہ ہجرت سے لے کر اس وقت تک بارہ سو سال ہو چکے ہیں علمائے عرب و عجم میں کسی کی ایسی لاثانی تصنیف موجود نہیں ہے غرضیکہ یہ کتاب مؤلف کی تمام تصانیف میں عمدہ اور بہتر تصنیف ہے اور حقیقت میں اس سے بہت کچھ زیادہ ہے"[2] "یہ قاموسی نوعیت

---

[1] (1) اصول فقہ اور شاہ ولی اللہ' ڈاکٹر مظہر بقا' ص 67 (2) سیرت سید احمد شہید" از' سید ابو الحسن علی ندوی' جلد اول' ص 24 (3) شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات' خلیق احمد نظامی' ص 185 (4) تاریخ پاک و ہند' مولانا قاری احمد پیلی' محمد سعید اینڈ سنز کراچی' اکتوبر 1974ء ص 132 (5) علماء ہند کا شاندار ماضی' سید محمد میاں' مکتبہ محمودیہ لاہور' 1977ء ص 9 (6) حیات طیبہ' مرزا حیرت دھلوی' ص 25 (7) اردو انسائیکلو پیڈیا' فیروز سنز لمیٹڈ لاہور ص 634 (8) ماہنامہ فکر و نظر' نگران' ڈاکٹر عبد الواحد حالے پوتا' مقالہ نگار' غلام مصطفیٰ قاسمی' ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد' جولائی 1978ء ص 17 (9) تذکرہ شہید' محمد خالد سیف' مکتبہ غزنویہ لاہور' مئی 1983ء ص 24 (11) ارتفاقات معاشیہ' شیخ بشیر احمد' ص 28 (12) اجتماعی دور کے مسائل اور ان کا حل' محمد مقبول عالم' بیت الحکمت لاہور' مئی 1955ء ص 14 (13) محمودیہ' عبید اللہ سندھی' مترجم شیخ بشیر احمد' ص 51 (14) مسلمانوں کے سیاسی افکار' پروفیسر خورشید احمد' ادارہ ثقافت اسلامیہ کلب روڈ لاہور' (5) رود کوثر' شیخ محمد اکرام' ص 587

1• Hundred Great Muslims, Jamil Ahmed, P. 299

[2] حیات ولی' رحیم بخش دھلوی' ص 60-558

کی تصنیف ہے جس میں علم فقہ، دینیات، طبیعات، الٰہیات، تدبیر المنازل، سیاست المدینہ اور اسرار دین جیسے اہم علوم پر بحث کی گئی ہے اسرار دین علم حدیث کا اہم ترین حصہ اور دینی علوم کی روح ہے جس میں قرآنی آیات اور احادیث کے بکثرت حوالے دیے گئے ہیں اس کتاب کے ایک باب میں طبقات یا مدارج کتب حدیث پر بحث کی گئی ہے شاہ ولی اللہ کی تصانیف میں حجۃ اللہ البالغہ اسلامی ہند کا ایک ایسا عظیم شاہکار ہے جس کی تعریف اور قدر دانی تمام اسلامی دنیا میں ہوئی یہ کتاب پہلی مرتبہ 1285ھ - 1868ء میں صدیقی پریس بریلی میں حسب فرمائش منشی جمال خان بھوپالی طبع ہوئی تھی"[۱]

"Hujjat Allah Albaligha was written perhaps within ten years of his return from Pilgrimage in 1539-1145".[2]

"If all the other works of Shah Walli Allah had been lost, with the exception of his Fath-ur-Rehman and Hujjat Allah al Baligha, they would have been sufficient to keep his memory green and fresh forever".[3]

"اسے مطبع صدیقی بریلی نے 1286ھ / 1869ء کو شائع کیا"[۴] "ان دنوں مسلمانوں کی سب سے بڑی یونیورسٹی "الازہر" کے نصاب میں درج ہے"[۵] "مطبع صدیقی بریلی نے 1286ھ / 1869ء کو شائع کیا"[۶] "حجۃ اللہ البالغہ اسرار شریعت میں آپ کی ضخیم اور مشہور کتاب ہے اس کے مضامین بھی بیشتر احادیث پر مبنی ہیں اور اس سے بھی علم حدیث سے آپ کی عمیق واقفیت کا پتہ چلتا ہے"[۷]

"Hujjat Allah Albaligha, his magnum opus, a unique work on the secrets of religion (asrar al-din), also dealing with various other subjects such as mataphysics, politics, finance and political economy. It was in this book (ed. Bareilly 1285/1868; Cairo 1322-3/1904-5), now prescribed as a course of study at al-Azhar and in the Sudan, that he propounded his revolutionary theory of "fakk kull nizam" (down with all systems)"[۸]

---

1. India's Contribution to the Study of Hadith Literature, P. 194
2. Iqbal Review, Walli Allah, his Life and Times, B.A. Dar, P. 33
3. Life of Shah Walli Allah, G.N. Galbani, P. 39

[۴] شاہ ولی اللہ اور ان کا خاندان، حکیم محمود احمد برکاتی، ص 47 [۵] افادات حضرت شاہ ولی اللہ، از صدر الدین اصلاحی، ص 6 [۶] رود کوثر، شیخ محمد اکرام، ص 558

[۸]. Encyclopaedia of Islam 1986, Vol. II, P. 254

مولانا محمد منظور نعمانی لکھتے ہیں۔ "میں اپنی زندگی میں کسی بشری کتاب سے اتنا مستفید نہیں ہوا جس قدر اس کتاب نے مجھ کو فائدہ پہنچایا۔ میں نے اسلام کو ایک مکمل مرتبط الاجزاء نظام حیات کی حیثیت سے اس کتاب ہی سے جانا ہے دین مقدس کی ایسی بہت سی باتیں جن کو پہلے میں صرف تقلیداً مانتا تھا اس جلیل القدر کتاب کے مطالعے کے بعد بحمد اللہ میں ان پر تحقیقاً" اور علی وجہ البصیرۃ اس پر یقین رکھتا ہوں"[۱]

"In the sphere of scholastic theology the Huggat Allah al-Baligha of Shah Walli Allah of Delhi may be considered one of the most original contributions of Indian Islam to Muslim religious thoughts. Its impact may be traced in the works of Jamal-al-Din Afghani, Mohammad Abduhu and Rashid Rida. In this work he made a serious attempt to rethink the whole system of Islam without completely breaking with the past. "Perhaps the first Muslim remarks Dr. Iqbal, who felt the urge of a new spirit in him was Shah Walli Allah of Delhi (Reconstruction of religious thought in Islam, p. 97).[۲]

حجۃ اللہ البالغہ دنیا کی بہترین تصانیف میں سے ایک ہے اس میں انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں کا اتنی خوبصورتی اور کمال جامعیت کے ساتھ احاطہ کیا گیا ہے اور یہ جن حالات میں لکھی گئی ہے جس طرح فطرت کے تقاضوں کو مد نظر رکھا گیا ہے اور آنے والے انقلابات زمانہ کے محرکات و عوامل اور نتائج کو جتنی سچائی اور دیانت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے بلاشبہ یہ ایسی ہی ہستی کر سکتی ہے جس پر وحی الٰہی اور سنت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات و لطائف کی بارش ہوتی ہو اور جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ لوگوں کی فلاح و ہدایت کے لئے چن لیتا ہے یقیناً شاہ صاحب ان ہی میں سے ہیں۔ اس تصنیف کو دنیا کے کسی بھی مذہب، رنگ، نسل، وطن سے تعلق رکھنے والے دانشور، مفکر، فلاسفر، حکیم اور مذہبی راہنما کی تصنیفات کے مقابل رکھا جائے تو حجۃ اللہ البالغہ کا پلڑا بھاری رہے گا۔ کتاب کے مضامین مندرجہ ذیل ہیں۔

---

[۱] الفرقان (شاہ ولی اللہ نمبر) مدیر، مولانا محمد منظور نعمانی، لکھنؤ، ص 386

[۲]. Encyclopaedia of Islam (New Edition) Edited by, C.E. Bosworth, Published by, E.J. Brill, Leiden, The Netherlands, 1986, Vol. III, P. 435.

القسم الاول: (المبحث الاول) فی اسباب التکلیف والمجازاۃ' باب الابداع والخلق والتدبیر' باب ذکر عالم المثال' باب ذکر الملاء الاعلی' باب ذکر سنۃ اللہ التی أشیر الیہا فی قولہ تعالی "ولن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا" ○ باب حقیقۃ الروح' باب سر التکلیف' باب انشقاق التکلیف من التقدیر' باب اقتضاء التکلیف المجازاۃ' باب اختلاف الناس فی جبلتہم المستوجبۃ لاختلاف اخلاقہم واعمالہم ومراتب کمالہم' باب فی اسباب الخواطر الباعثۃ علی الاعمال' باب لصوق الاعمال بالنفس واحصائہا علیہا باب ارتباط الاعمال بالهیئات النفسانیۃ' باب اسباب المجازاۃ **المبحث الثانی** مبحث کیفیۃ المجازات فی الحیاۃ وبعد المماۃ باب الجزاء علی الاعمال فی الدنیا' باب ذکر حقیقۃ الموت' باب اختلاف احوال الناس فی البرزخ' باب ذکر شئی من اسرار الوقائع الحشریۃ' **المبحث الثالث**' مبحث الارتفاقات باب کیفیۃ استنباط الارتفاقات' باب الارتفاق الاول' باب فن آداب المعاش' باب تدبیر المنزل' باب فن المعاملات' باب سیاسۃ المدینۃ' باب سیرۃ الملوک' باب سیاسۃ الاعوان' باب الارتفاق الرابع' باب اتفاق الناس علی اصول الارتفاقات' باب الرسوم السائرۃ فی الناس' **المبحث الرابع** مبحث السعادۃ' باب حقیقۃ السعادۃ باب اختلاف الناس فی سعادۃ' باب توزع الناس فی کیفیۃ تحصیل ھذہ السعادۃ باب اصول التی یرجع الیہا تحصیل الطریقۃ الثانیۃ' باب طریق اکتساب ھذہ الخصال و تکمیل ناقصہا ورد فائتہا' باب الحجب المانعۃ عن ظہور الفطرۃ' باب طریق رفع ھذہ الحجب **المبحث الخامس** مبحث البر والاثم مقدمۃ فی بیان حقیقۃ البر والاثم' باب التوحید' باب فی بیان حقیقۃ الشرک' باب اقسام الشرک' باب الایمان بصفات اللہ تعالی' باب الایمان بالقدر' باب الایمان بان العبادۃ حق اللہ تعالی علی عبادہ لانہ منعم علیہم مجاز لہم۔ بالارادۃ' باب تعظیم شعائر اللہ تعالی' باب اسرار الوضوء والغسل باب اسرار الزکوۃ ○

باب اسرار الصوم' باب اسرار الحج' باب اسرار انواع من البر' باب اسرار الصلوۃ' باب طبقات الاثم' باب مفاسد الاثام' باب فی المعاصی التی ھی فیما بینہ وبین نفسہ' باب الاثام التی ھی فیما بینہ وبین الناس **المبحث السادس** مبحث السیاسات الملیۃ' باب الحاجۃ الی ھداۃ السبل ومقیمی الملل' باب حقیقۃ النبوۃ وخواصہا' باب بیان ان اصل الدین واحد والشرائع والمناھج مختلفۃ' باب اسباب نزول الشرائع الخاصۃ بعصر دون قوم' باب اسباب المؤاخذۃ علی المناھج' باب اسرار الحکم والعلۃ' باب المصالح المقتضیۃ لتعیین الفرائض والارکان والآداب ونحو ذلک' باب اسرار الاوقات' باب اسرار الاعداد والمقادیر' باب اسرار القضاء والرخصۃ' باب اقامۃ الارتفاقات واصلاح الرسوم' باب الاحکام التی یجر بعضہا لبعض' باب ضبط المبھم وتمیز المشکل والتخریج من کلیۃ ونحو ذلک باب التیسیر' باب اسرار الترغیب والترھیب' باب طبقات الامۃ باعتبار الخروج الی الکمال المطلوب او ضدہ' باب الحاجۃ الی دین ینسخ الادیان' باب احکام الدین من التحریف' باب اسباب اختلاف دین نبینا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ودین الیہودیۃ والنصرانیۃ باب اسباب النسخ' باب بیان ما کان علیہ حال اہل الجاہلیۃ فاصلحہ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم **المبحث السابع**' مبحث استنباط الشرائع من حدیث النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم' باب بیان اقسام علوم النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم' باب الفرق بین المصالح والشرائع' باب کیفیۃ تلقی الامۃ الشرع من النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم' باب طبقات کتب الحدیث' باب کیفیۃ فہم المراد من الکلام' باب کیفیۃ فہم المعانی الشرعیۃ من الکتاب والسنۃ' باب القضاء فی الاحادیث المختلفۃ تتمۃ' باب اسباب اختلاف الصحابۃ والتابعین فی الفروع' باب اسباب اختلاف مذاھب الفقہاء

القسم الثانی' فی بیان اسرار ما جاء عن النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تفصیلاً' من ابواب الایمان' من ابواب الاعتصام بالکتاب والسنۃ' من ابواب الطہارۃ' فضل الوضوء' صفۃ الوضوء' موجبات الوضوء' المسح علی الخفین' صفۃ الغسل' موجبات الغسل' ما یباح للجنب والمحدث وما لا یباح لہما' التیمم' آداب الخلاء' خصال الفطرۃ وما یتصل بہا' احکام المیاہ' تطہیر النجاسات' من ابواب الصلوۃ فضل الصلوۃ' اوقات الصلوۃ الاذان' المساجد' ثیاب المصلی' القبلۃ' السترۃ' الامور التی لابد منہا فی الصلوۃ اذکار الصلوۃ وھیاتہا المندوب الیہا' ما لا یجوز فی الصلاۃ' سجود السہو' سجدۃ التلاوۃ' النوافل' الاقتصاد فی العمل' صلاۃ المعذورین' الجماعۃ' الجمعۃ (الحکمۃ فی تشریعہا) العیدان (حکمۃ الشرع فیہما) الجنائز' من ابواب الزکوۃ' فضل الانفاق وکراھیۃ الامساک' مقادیر الزکوۃ' المصارف' امور تتعلق بالزکوۃ' ابواب الصوم' فضل الصوم'

احكام الصوم، امور تتعلق بالصوم، ابواب الحج، صفة المناسك، قصة حجة الوداع، امور تتعلق بالحج، ابواب الاحسان، الاذكار وما يتعلق بها، مباحث الاحسان، المقامات والاحوال، ابواب ابتغاء الرزق، البيوع المنهى عنها، احكام البيع، التبرع والتعاون، الفرائض، ابواب تدبير المنزل، الخطبة وما يتعلق بها، ذكر العورات، صفة النكاح، المحرمات، آداب المباشرة، حقوق الزوجية، الطلاق، الخلع والظهار واللعان والايلاء، العدة، تربية الاولاد والمماليك، العقيقة، ابواب سياسة المدينة، الخلافة، المظالم، الحدود، القضاء، الجهاد، ابواب المعيشة، الاطعمة والاشربة، آداب الطعام، المسكرات، اللباس والزينة والاوانى ونحوها، آداب الصحبة، احكام النذر والايمان، ابواب شتى، سيرة النبى صلى الله عليه وآله وسلم، الفتن، المناقب۔ شاہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں۔

باب الارتفاق الاول:

منه اللغة المعبرة عما فى ضمير الانسان والاصل فى ذلك افعال وهيات واجسام تلابس صوتا ما بالمجاورة او التسبب او غيرهما فيحكى ذلك الصوت كما هو ثم يتصرف فيها باشتقاق الصيغ بازاء اختلاف المعانى ويشبه امور مؤثرة فى الابصار او محدثة لهيات وجدانية فى النفس بالقسم الاول يتكلف له صوت كمثله ثم اتسعت اللغات بالتجوز لمشابهة او مجاورة والنقل لعلاقة ما، وهنالك اصول اخرى ستجدها فى بعض كلامنا ومنه الزرع والغرس وحفر الابار وكيفية الطبخ والائتدام ومنه اصطناع الاوانى والقرب ومنه تسخير البهائم واقتناؤها والانتفاع بظهورها ولحومها وجلودها واشعارها واوبارها والبانها واولادها، ومنه مسكن يؤويه من الحر والبرد من الغيران والعشوش ونحوها، ومنه لباس يقوم مقام الريش من جلود البهائم او اوراق الاشجار او مما عملت ايديهم، ومنه ان اهتدى لتعين منكوحة لا يزاحمه فيها احد فيها شبقه ويذرأ بها نسله ويستعين بها فى حوائجه المنزلية وفى حضانة الاولاد وتربيتها وغير الانسان لا يعينها الا بنحو من الاتفاق او يكونهما توأمين او دركا على المرافقة لنحو ذلك، ومنه ان اهتدى لصناعات لا يتم الزرع والغرس والحضر وتسخير البهائم وغير ذلك الا بها كالمعول والدلو والسلة والحبال ونحوها ومنه ان اهتدى لمبادلات ومعاونات فى بعض الامر، ومنه ان يقوم اشدهم رأيا واشدهم بطشا فيسخر الاخرين ويرأس ويربع ولو بوجه من الوجوه، ومنه ان تكون فيهم سنة مسلمة لفصل خصوماتهم وكبح ظلمهم ودفع من يريد ان يغزوهم ولا بد ان يكون فى كل قوم من يستنبط طرق الارتفاق فيما يهمهم شانه فيقتدى به سائر الناس وان يكون فيهم من يحب الجمال والرفاهية والدعة فلو بوجه من الوجوه، ومن يباهى باخلاقه من الشجاعة والسماحة والفصاحة والكيس وغيرها ومن يحب ان يطير

صيته ويرتفع جاهه وقد من الله تعالى فى كتابه العظيم على عباده بالهام شعب هذا الارتفاق لعلمه بان التكليف بالقران يعم اصناف الناس وانه لا يشملهم جميعا الا هذا النوع من الارتفاق والله اعلم: **باب فن آداب المعاش:** وهى الحكمة الباحثة عن كيفية الارتفاق من الحاجات المبينة من قبل على الحد الثانى والاصل فيه ان يعرض الارتفاق الاول على التجربة الصحيحة فى كل باب فيختار الحيات البعيدة من الضرر القريبة من النفع ويترك ما سوى ذلك وعلى الاخلاق الفاضلة التى يحمل عليها اهل الامزجة الكاملة فيختار ما توجبه وتقتضيه ويترك ما سوى ذلك وعلى حسن الصحبة بين الناس وحسن المشاركة معهم ونحو ذلك من المقاصد الناشئة من الراى الكلى ومعظم مسائله داب الاكل والشرب والمشى والقعود والنوم والسفر والخلاء والجماع واللباس والمسكن والنظافة والزينة ومراجعة الكلام والتمسك بالادوية والرقى فى العاهات وتقدمة المعرفة فى الحوادث المجددة والولائم عند المصائب وعيادة المرضى ودفن الموتى فانه اجمع من يعتد به من اهل الامزجة الصحيحة سكان البلدان المعمورة على ان لا يوكل الطعام الخبيث كالميت حتف انفه والمتعفن والحيوان البعيد من اعتدال الخراج وانتظام الاخلاق ويستحبون ان يوضع الطعام فى الاوانى وتوضع هى على السفر ونحوها وان ينظف الوجه واليدان عند ارادة الاكل ويحترز من هيات الطيش والشره التى تورث الضغائن فى قلوب المشاركين وان لا يشرب الماء الاجن وان يحترز من الكرع والعب واجمعوا على استحباب نظافة البدن والثوب والمكان عن شيئين من النجاسات المنتنة المتقذرة وعن الاوساخ النابتة على نهج طبيعى كالجر يزال بالسواك وكشعر الابط والعانة وكوسخ الثياب واعشاب البيت وعلى استحباب ان يكون الرجل شامة بين الناس قد سوى لباسه وسرح راسه ولحيته والمرأة اذا كانت تحت رجل تتزين بخضاب وحلى ونحو ذلك وعلى ان العرى شين واللباس زين وظهور السوأتين عار وان اتم اللباس ما ستر عامة البدن وكان ساتر العورة غير ساتر البدن وعلى تقدمة المعرفة بشئ من الاشياء اما بالرؤيا او بالنجوم او الطيرة او العيافة والكهانة والرمل ونحو ذلك وكل من خلق على مزاج صحيح وذوق سليم يختار لا محالة فى كلامه من الالفاظ كل لفظ غير وحشى ولا ثقيل على اللسان ومن التراكيب كل تركيب متين جيد ومن الاساليب كل اسلوب يميل اليه السمع ويركن اليه القلب وهذا الرجل هو ميزان الفصاحة، وبالجملة ففى كل باب مسائل اجماعية مسلمة بين اهل البلدان وان تباعدت والناس بعدها فى تمهيد قواعد الاداب مختلفون فالطبيعى يمهدها على استحسانات الطب والمنجم على خواص النجوم والالهى على الاحسان كما تجدها فى كتبهم مفصلة، ولكل قوم زى وداب يتميزون بها يو جبها

اختلاف الامزجة والعادات ونحو ذلك **باب تدبير المنزل** وهو الحكمة الباحثة من كيفية حفظ الربط الواقع بين اهل المنزل على الحد الثاني من الارتفاق وفيه اربع جمل الزواج والولاد والملكة والصحبة والاصل في ذلك ان حاجة الجماع اوجبت ارتباطا فيما بين الرجل والمرأة ثم الشفقة على المولود اوجبت تعاونا منهما في حضانته وكانت المرأة اهداهما للحضانة بالطبع واخفهما عقلا واكرهما انحجاما من المشاق واتمهما حياء والزمهما للبيت واحذقهما سعيا في محقرات الامور واوفرهما انقيادا وكان الرجل اسدهما عقلا واشدهما ذبا عن الذمار واجراهما على الاقتحام في المشاق واتمهما تيها وتسلطا ومناقشة وغيرة فكان معاش هذه لا تتم الا بذلك وذلك يحتاج الى هذه واوجبت مزاحمات الرجال على النساء وغيرتهم عليهن ان لا يصلح امرهم الا بتصحيح اختصاص الرجل بزوجته على رؤس الاشهاد واوجبت رغبة الرجل في المرأة وكرامتها على وليها وذبه عنها ان يكون مهر وخطبة تصدر من الولي وكان لو فتح رغبة الاولياء في المحارم افضى ذلك الى ضرر عظيم عليها من عضلها لمن ترغب فيه وان لا يكون لها من يطالب عنها بحقوق الزوجية مع شدة احتياجها الى ذلك وتكثير الرحم بمنازعات الضرات ونحوها مع ما تقتضيه سلامة المزاج من قلة الرغبة في التي نشأ منها او نشأت منه او كانا كغصني دوحة واوجب الحياء عن ذكر الحاجة الى الجماع ان تجعل مدسوسة في ضمن عروج يتوقع لهما كانه الغاية التي وجدا لها واوجب التلطف في التشهير وجعل الملاك المنزلي عروجا ان تجعل وليمة يدعى الناس اليها ودف وطرب فبالجملة فلوجوه جمة مما ذكرنا ومما حذفنا اعتمادا على ذهن الاذكياء كان النكاح بالهيئة المعتادة اعني نكاح غير المحارم بمحضر من الناس مع تقديم مهر وخطبة وملاحظة كفاءة وتصدٍ من الاولياء ووليمة وكون الرجال قوامين على النساء متكفلين معاشهن وكونهن خادمات حاضنات مطيعات سنة لازمة وامرا مسلما عند الكافة وفطرة فطر الله الناس عليها لا يختلف في ذلك عربهم ولا عجمهم فلما لم يكن بذل الجهد منها في التعاون بحيث يجعل كل واحد ضرر الآخر ونفعه كالراجع الى نفسه الا بان يوطنا انفسهما على ادامة النكاح ولا بد من ابقاء طريق للخلاص اذا لم يطاوعا فلم يتراضيا وان كان من ابغض المباحات وجب في الطلاق ملاحظة قيود وعدة وكانا في وفاة عنها تعظيما لامر النكاح في النفوس واداء بعض حق الادامة ووفاء بعهد الصحبة ولئلا تشتبه الانساب ما اوجبت حاجة الاولاد الى الآباء وحدبهم عليهم بالطبع ان يكون تمرين الاولاد على ما ينفعهم فطرة واجب تقدم الآباء عليهم فلم يكبر والاولاد والآباء اكثر عقلا وتجربة مع ما يوجبه صحة الاخلاق من مقابلة الاحسان بالاحسان وفقا سواء في تربيتهم ما لا حاجة الى شرحه ان

يكون بر الوالدين سنة لازمة واوجب اختلاف استعداد بني آدم ان يكون فيهم السيد بالطبع وهو الاكيس المستقل بمعيشته والسياسة ورفاهية جبلتهن والعبد بالطبع وهو الاخرق التابع ينقاد كما يقاد وكان معاش كل واحد لا يتم الا بالآخر ولا يمكن التعاون في المنشط والمكره الا بان يوطنا انفسهما على ادامة هذا الربط ثم اوجبت ارتفاقات اخر ان ياسر بعضهم بعضا فوقع ذلك منهم بموقع وانتظمت الملكة ولا بد من سنة يؤاخذ كل واحد نفسه عليها ويلام على تركها ولا بد من ابقاء طريق الخلاص في الجملة بمال او بلا وكان يتفق كثيرا ان تقع على الانسان حاجات وعاهات من مرض وزمانة وتوجه حق عليه وحوائج يضعف عن اصلاح امره معها الا بمعاونة بني جنسه وكان الناس فيها سواسية واحتاجوا الى اقامة الفة بينهم وادامتها وان تكون لاغاثة المستغيث واعانة الملهوف سنة بينهم يطالبون بها ويلامون عليها فلما كانت الحاجات على حدين حد لا يتم الا بان يعد كل واحد ضرر الآخر ونفعه راجعا الى نفسه ولا يتم الا ببذل كل واحد الطاقة في موالاة الآخر ووجوب الانفاق عليه والتوارث فبالجملة فبامور تلزمهم من الجانبين ليكون الغنم بالغرم وكان اليق الناس بهذا الحد الاقارب لان تحابيهم واصطحابهم كالامر الطبيعي وحد يتأتى باقل من ذلك فوجب ان تكون مواساة اهل العاهات سنة مسلمة بين الناس وان تكون صلة الرحم اوكد واشد من ذلك كله ومعظم مسائل هذا الفن معرفة الاسباب المقتضية للزواج وتركه وسنة الزواج وصفة الزوج والزوجة وما على الزوج من حسن المعاشرة وصيانة الحرم عن الفواحش والعار وما على المرأة من التعفف وطاعة الزوج وبذل الطاقة في مصالح المنزل وكيفية صلح المتناشزين وسنة الطلاق واحداد المتوفى عنها زوجها وحضانة الاولاد وبر الوالدين وسياسة المماليك والاحسان اليهم وقيام المماليك بخدمة الموالي وسنة الاعتاق وصلة الارحام والجيران والقيام بمواساة فقراء البلد والتعاون في دفع عاهات طارئة عليهم والرب نقيب والمحافظة على الانساب والاحساب فلن تجد امة من الناس الا وهم يعتقدون اصول هذه الابواب ويجتهدون في اقامتها على اختلاف اديانهم وتباعد بلدانهم والله اعلم:

باب فن المعاملات: وهو الحكمة الباحثة عن كيفية اقامة المبادلات والمعاونات والاكساب على الارتفاق الثاني والاصل في ذلك انه لما ازدحمت الحاجات وطلب الاتقان فيها وان تكون على وجه تقر به الاعين وتلتذ به الانفس تعذر اقامتها من كل واحد وكان بعضهم وجد طعاما فاضلا عن حاجته فلم يجد ماء وبعضهم ماء فاضلا فلم يجد طعاما فرغب كل واحد فيما عند الآخر فلم يجدوا سبيلا الا المبادلة فوقعت تلك المبادلة فقع من حاجتهم واصطلحوا بالضرورة على ان يقبل كل واحد على اقامة حاجة واحدة

واتقانها والسعي في جميع ادواتها ويجملها ذريعة الى سائر الحوائج بواسطة المبادلات وصارت تلك سنة مسلمة عندهم، ولما كان كثير من الناس يرغب في شئ وعن شئ فلا يجد من يعامله في تلك الحالة اضطروا الى تقدمة وتهيئة فاندفعوا الى الاصطلاح على جواهر معدنية تبقى زمانا طويلا ان تكون المعاملة بها امرا مسلما عندهم وكان الاليق من بينها الذهب والفضة لصغر وتماثل افرادهما وعظم نفعهما في بدن الانسان والتاتي التجمل بهما فكانا نقدين بالطبع وكان غيرهما نقدا بالاصطلاح: واصول المكاسب الزرع والرعي والتقاط الاموال المباحة من البر والبحر من المعدن والنبات والحيوان والصناعات من نجارة وحدادة وحياكة وغيرها مما هو من جمل الجواهر الطبيعية بحيث يتاتى منها الارتفاق المطلوب ثم صارت التجارة كسبا ثم صار القيام بمصالح المدينة كسبا ثم صار الاقبال على كل ما يحتاج الناس اليه كسبا وكلما رقت النفوس وامعنت في حب اللذة والرفاهية تفرعت حواشي المكاسب واختص كل رجل بكسب لاحد شيئين مناسبة القوى، فالرجل الشجاع يناسب الغزو، والكيس الحافظ يناسب الحساب وقوي البطش يناسب حمل الاثقال وشاق الاعمال واتفاقات توجد فولد الحداد وجاره يتيسر له من صناعة الحدادة مالا يتيسر له من غيرها ولا لغيره منها وقاطن ساحل البحر يتاتى منه صيد الحيتان دون غيره ودون غيرها وبقيت نفوس اعيت بهم المذاهب الصالحة فانجروا الى اكساب ضارة المدينة كالسرقة والقمار والتلكي والمبادلة اما عين بعين فهو البيع او عين بمنفعة فهي الاجارة ولما كان انتظام المدينة لا يتم الا بانشاء الفة ومحبة بينهم وكانت الالفة كثيرا ما تفضي الى بذل المحتاج اليه بلا بدل او تتوقف عليه انشعبت الهبة والعارية ولا تتم ايضا الا بمواساة الفقراء انشعبت الصدقة واوجبت المعدات ان يكون منهم الاخرق والكافي والمملق والمثري والمستنكف من الاعمال الخسيسة وغير المستنكف والذي ازدحمت عليه الحاجات والمتفرغ فكان معاش كل واحد لا يتم الا بمعاونة اخر ولا معاونة الا بعقد وشروط واصطلاح على سنة فانشعبت المزارعة والمضاربة والاجارة والشركة والتوكيل ووقعت حاجات تسوق الى مداينة ووديعة وجربوا الخيانة والجحود والمطل فاضطروا الى اشهاد وكتابة ووثائق ورهن وكفالة وحوالة وكلما ترفهت النفوس انشعبت انواع المعاملات فلن تجد امة من الناس الا ويباشرون هذه المعاملات ويعرفون العدل من الظلم والله اعلم:

باب سياسة المدينة: وهي الحكمة الباحثة عن كيفية حفظ الربط الواقع بين اهل المدينة واعني بالمدينة جماعة متقاربة تجري بينهم المعاملات ويكونون اهل منازل شتى والاصل في ذلك ان المدينة شخص واحد من جهة ذلك الربط مركب من اجزاء وهيئة اجتماعية وكل مركب يمكن ان يلحقه خلل في مادته او صورته

ويلحقه مرض اعني حالة غيرها اليق به باعتبار نوعه وصحة اي حالة تحسنه وتجمله ولما كانت المدينة ذات اجتماع عظيم لا يمكن ان يتفق رايهم جميعا على حفظ السنة العادلة ولا ان ينكر بعضهم على بعض من غير ان يمتاز بمنصب اذ يفضي ذلك الى مقاتلات عريضة لم ينتظم امرها الا برجل اصطلح على طاعته جمهور اهل الحل والعقد اعوان وشوكة وكل من كان اشح واحد واجرا على القتل والغضب فهو اشد حاجة الى السياسة ومن الخلل ان تجتمع انفس شريرة لهم منعة وشوكة على اتباع الهوى ورفض السنة العادلة اما طمعا في اموال الناس فهم قطاع الطريق واضرارا لهم بغضب وحقد ورغبة في الملك فيحتاج في ذلك الى جمع رجال ونصب قتال، ومنها ما يتعدى ظالم انسانا بقتل وجرح او ضرب او في اهله بان يزاحم على زوجته او يطمع في بناته واخواته لغير حق او في ماله من غصب جهرة او سرقة خفية او في عرضه من نسبته الى امر قبيح يلام به او اغلاظ القول عليه ومنه اعمال ضارة بالمدينة ضررا اخفيا كالسحر ودس السم وتعليم الناس الفساد وتخبيب الرعية على الملك والعبد على المولى والزوجة على زوجها ومنها عادات فاسدة فيها اهمال للارتفاقات الواجبة كاللواطة والسحاقة واتيان البهائم فانها تصد عن النكاح او انسلاخ عن الفطرة السليمة كالرجل يؤنث والمراة تذكرا وحدثت لمنازعات عريضة كالمزاحمة على الموطوءة من غير اختصاص بها وكادمان الخمر ومنه معاملات ضارة بالمدينة كالقمار والربا اضعافا مضاعفة والرشوة وتطفيف الكيل والوزن والتدليس في السلع وتلقي الجلب والاحتكار والنجش ومنه خصومات مشكلة يتمسك فيها كل بشبهة ولا تنكشف جلية الحال فيحتاج الى التمسك بالبينات والايمان والوثائق وقرائن الحال ونحوها وردها الى سنة سلمة وابداء وجه الترجيح ومعرفة مكايد المتخاصمين ونحو ذلك ومنها ان يدع اهل المدينة ويكتفوا بالارتفاق الاول او يتمثلوا في غير هذه المدينة او يكون توزعهم في الاقبال على الاكساب بحيث يضر بالمدينة مثل ان يقبل اكثرهم على التجارة فيدعوا الزراعة او يكتسب اكثرهم بالغزو ونحوه وانما ينبغي ان يكون الزراع بمنزلة الطعام والصناع والتجار والحفظة بمنزلة الملح المصلح له، ومنها انتشار السباع الضارية والهوام المؤذية فيجب السعي في افنائها ومن باب كمال الحفظ بناء الابنية التي يشتركون في الانتفاع بها كالاسوار والربط والحصون والثغور والاسواق القناطير، ومنه حفر الابار واستنباط العيون وتهيئة السفن على سواحل الانهار ومنه حمل التجار على المهنة بتانيسهم وتاليفهم وتوصية اهل البلدان يحسنوا المعاملة مع الغرباء فان ذلك يفتح باب كثرة ورودهم وحمل الزراع على ان لا يتركوا ارضا مهملة والصناع ان يحسنوا الصناعات ويتقنوها واهل البلد على اكتساب الفضائل كالخط والحساب والتاريخ

فالطب فالوجوہ الصحیحۃ من تقدمتہ المعرفۃ لعنہ اخبار البلد لیتمیز الدار ومن الناصح للمعلم المحتاج فیھما ن وصاحب صنعۃ مرغوبۃ فیستمان بہ فغالب سبب خراب البلدان فی ھذا الزمان شیئان احدھما تضییقھم علی بیت المال۔

ترجمہ: ارتفاق اول کابیان منجملہ اس کے لغت ہے۔ جس کے ذریعے انسان دلی امور بیان کرتا ہے اور اس بارے میں اصل افعال ہیئت اور اجسام ہیں۔ جن کا کسی نہ کسی آواز سے تعلق ہوتا ہے۔ خواہ یہ تعلق قرب کا ہو یا سببیت کا ہو یا کسی اور وجہ سے ہو پس ہو بہو اس آواز کو لغت کے ذریعے نقل کیا جاتا ہے پھر اس لغت سے باعتبار معانی کے مختلف صیغے بنالئے جاتے ہیں اور جو امور نظروں میں موثر معلوم ہوتے ہیں۔ یا نفس کی ہیئت وجدانیہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ ان سب کو قسم اول کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں اور بہ تکلف ہو بہو اسی طرح کی آواز بناتے ہیں۔ پھر بہ سبب مجاز کے جس میں مشابہت یا مقاربت کا تعلق ہو یا بذریعہ نقل کے جو کسی علاقہ کی وجہ سے واقع ہو لغات میں اور بھی وسعت دی جاتی ہے اس بارے میں اور بھی قواعد ہیں جن کو آپ ہماری بعض تقریروں میں پائیں گے منجملہ اس کے کھیتی کرنا' درخت لگانا' کنویں کھودنا' سالن اور کھانا پکانا ہے منجملہ اس کے برتن اور مشکیزے بنانا ہے۔ منجملہ اس کے چوپائیوں کو اپنے قابو میں کرنا اور جمع کرکے رکھنا ہے۔ تاکہ ان پر بوجھ لادا جائے اور ان کے گوشت' کھال' بال' اون' دودھ اور بچوں سے نفع حاصل کیا جائے۔ منجملہ اس کے جائے سکونت ہے۔ جو اس کو گرمی سردی سے محفوظ رکھے۔ خواہ پہاڑ کی کوئی کھوہ ہو یا پھونس کا جھونپڑہ ہو یا کچھ اور ہو منجملہ اس کے لباس ہے جو پردوں کے قائم مقام ہے خواہ چوپایوں کے چمڑے کا ہو یا درختوں کے پتوں کا ہو' یا ہاتھ سے بنا ہوا ہو منجملہ اس کے کسی عورت سے عقد کرنا ہے۔ جس میں کوئی اور شریک نہ ہو اس سے اپنی شہوت پوری کرے اور پیدائش نسل کرے اور امور خانہ داری میں اولاد کی پرورش اور تربیت میں اس سے مدد لے انسان کے علاوہ دوسرے حیوانات میں زوجیت محض اتفاق کا نام ہے۔ جو نر اور مادہ میں کسی وجہ سے یا ایک ساتھ پیدا ہونے اور دونوں کا بلوغ تک اکٹھا رہنے سے یا کسی اور بات کی وجہ سے پیدا ہو جاتا ہے منجملہ اس کے ایسے آلات کا حاصل کرنا ہے۔ جن کے بغیر کھیتی کرنا درخت لگانا' کنواں کھودنا' اور چوپایوں کا مسخر کرنا وغیرہ نہیں ہو سکتا۔ جیسے پھاوڑہ' ڈول' ہل' رسیاں اور اس کے علاوہ دوسرے آلات ہیں۔ منجملہ اس کے اشیاء کا تبادلہ اور دوسرے معاملات جو بعض امور میں ضروری ہیں سیکھے۔ منجملہ اس کے ان میں سب سے زیادہ سلیم الرائے اور زور آور کا پیدا ہونا ہے۔ جو دوسروں کو مغلوب کرکے ان کا سردار بن جائے اور کسی نہ کسی طرح اپنی سرداری کو باقی رکھے۔ منجملہ اس کے یہ ہے کہ ان میں کوئی ایسا پختہ طریقہ ہو جس کی رو سے ان کے معاملات کے فیصلے کیے جائیں۔ ظالم کے ظلم کی سزا لے اور جو کوئی جنگ کا ارادہ رکھتا ہو۔ تو اس کو روک دیا جائے اور ہر قوم میں ایسے شخص کا بھی ہونا ضروری ہے۔ جو مہتم بالشان امور میں تدابیر کے طریقے وضع کرے جس کا اور لوگ اتباع کریں اور ان میں ایسے بھی ہوتے ہیں جو زینت' عیش و آرام' اور سہولت کو پسند کرتے ہیں۔ خواہ وہ کسی طرح سے ہو' اور بعض ایسے بھی ہوتے ہیں۔ جو اپنے اخلاق' شجاعت' سخاوت' فصاحت اور

دانائی وغیرہ پر فخر کرتے ہیں اور بعض اس بات کو درست رکھتے ہیں۔ کہ ان کے نام کی شہرت ہو اور لوگوں میں عزت ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے بندوں پر بڑا احسان کیا کہ اس نے اپنی کتاب عظیم میں اس ارتفاق کی تمام شاخوں کا الہام کر دیا کیوں کہ اس کو معلوم تھا کہ سب لوگوں کو قرآن پر چلنا پڑے گا اور اتفاق کی یہ نوع ان سب میں پائی جاتی ہے۔ واللہ اعلم۔

آداب معاش کا فن: آداب معاش اس علم کا نام ہے۔ جس میں حد ثانی پر ان حاجات کی تدابیر سے بحث کی جاتی ہے۔ جو پہلے بیان کی جاچکی ہیں اور اس باب میں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ ارتفاق اول کو صحیح تجربہ کے موافق کرنا چاہئے۔ پس جو صورتیں ضرر سے بعید اور نفع رساں ہوں ان کو اختیار کرنا چاہئے اور دوسری تمام تدابیر کو چھوڑ دینا چاہئے اور اس طرح ان اخلاق حمیدہ کے موافق کرنا چاہئے جو کامل مزاجوں کی فطرت میں ہیں۔ پس جن کے اخلاق حمیدہ تقاضا کریں ان کو اختیار کرنا چاہئے اور باقی سب کو چھوڑ دینا چاہئے اور اسی طرح حسن صحبت جو لوگوں میں موجود ہے اور باہمی مشارکت اور اس کے مثل وہ مقاصد جو رائے کلی سے پیدا ہوتے ہیں ان سب کے موافق کرنا چاہئے اس فن کے بڑے مسائل یہ ہیں۔ کھانے' پینے' چلنے' بیٹھنے' سونے' سفر کرنے کے آداب' قضائے حاجت' جماع' لباس' مکان' پاکیزگی' زینت اور باہمی بات چیت کے آداب' دوا کرنے' آفات میں جھاڑ منتر کرنے' ہجوم حوادث میں پیش بینی کرنے' ولادت' نکاح' عید' قدوم' مسافر وغیرہ کی خوشی میں ولیموں کے آداب' مصائب کے وقت ماتم کرنا' مریضوں کی عیادت کرنے اور میت کے دفن کرنے کے آداب سے واقف ہونا ہے۔ کیوں کہ آباد شہروں میں رہنے والے جس قدر صحیح المزاج اور معتبر لوگ ہیں سب اس پر متفق ہیں کہ برا کھانا نہ کھانا چاہئے۔ جیسے مردار جو اپنی موت سے مرا ہو اور متعفن اور وہ حیوان جس میں اعتدال مزاج اور انتظام اخلاق نہ ہو اور برتن میں کھانا رکھنا اور دسترخوان وغیرہ چیزوں پر رکھ کر کھانا۔ منہ اور ہاتھوں کا کھاتے وقت صاف کرنا سب کے نزدیک مستحب ہے اور اس طرح کھانے سے جس میں حماقت اور حرص پائی جائے۔ یا وہ طریقہ جو ساتھ والوں کے دلوں میں نفرت پیدا کرے۔ احتراز واجب ہے اور متعفن پانی کو نہ پیا جائے اور جانوروں کی طرح منہ سے پانی پینے اور گٹاگٹ پینے سے بچا جائے اور سب کا اس پر اتفاق ہے کہ بدن' لباس' اور مکان دونوں قسم کی نجاستوں سے پاک وصاف رکھنا چاہئے۔ قسم اول وہ نجاستیں ہیں۔ جن میں بدبو اور تعفن ہے قسم دوم وہ میل کچیل ہے جو طبعی طور پر پیدا ہوتا ہے۔ جیسے گندہ دہنی جو مسواک سے دور کی جاتی ہے اور جیسے بغل اور زیر ناف کے بال' کپڑوں کا میل اور گھر کا کوڑا کرکٹ اور اس بات پر بھی سب کا اتفاق ہے کہ آدمی لوگوں میں پاک وصاف رہے اس کا لباس درست ہو۔ سر اور داڑھی میں کنگھی کرے اور عورت جب کسی کے نکاح میں ہو تو مہندی اور زیورات وغیرہ سے مزین رہے اور یہ کہ برہنگی عیب اور لباس زینت ہے اور دونوں شرم گاہوں کا کھلا رکھنا بے شرمی ہے اور پورا لباس وہ ہے۔ جس سے تمام بدن چھپا رہے اور شرم گاہ چھپانے کا لباس باقی بدن چھپانے کے لباس سے جدا ہے اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ خواب یا نجوم' یا شگون' فال یا کہانت یا رمل وغیرہ سے کسی چیز کا پہلے سے معلوم ہو جانا معیوب ہے اور جو شخص مزاج صحیح اور ذوق سلیم رکھتا ہے۔ وہ اپنے کلام میں ایسے الفاظ

ضرور استعمال کرے گا جن میں بے تعلقی اور زبان پر گرانی نہ ہو اور کلام میں ایسی ترکیب اختیار کرے گا جو نہایت درست ہو اور طرز کلام بھی ایسا رکھے گا کہ دل و کان اس کی طرف مائل ہوں پس ایسا شخص فصاحت اور خوش بیانی کی میزان ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ ہر باب میں اجماعی مسائل کو تمام شہریوں نے تسلیم کیا ہے۔ گو وہ ایک دوسرے سے دور دراز ہی کیوں نہ ہوں۔ اس کے بعد آداب معیشت کے قواعد مرتب کرنے میں لوگ مختلف ہیں۔ پس عالم طبیعت قواعد طب کے مستحسنات کو پسند کرتا ہے اور نجومی ستاروں کی خاصیت کا لحاظ رکھتا ہے اور الہیات کا واقف اخلاص و احسان کی رعایت کرتا ہے۔ جیسا کہ آپ ان کی کتابوں میں مفصل پاتے ہیں اور ہر قوم کی عادت و روش جدا جدا ہیں۔ کیوں کہ ان کے مزاج' عادات و دیگر امور میں اختلاف ہے۔

خانگی تدابیر کا بیان: یہ وہ علم ہے جس میں ارتفاق ثانی پر اس رابطہ اور تعلق کے تحفظ کی کیفیت سے بحث کی جاتی ہے۔ جو ایک مکان کے رہنے والوں میں ہوا کرتا ہے اور اس کے چار حصے ہیں ازدواج' ولادت' مالک ہونا' اور باہمی محبت' اس کی اصل یہ ہے کہ حاجت جماع نے مرد اور عورت کے درمیان تعلق اور محبت کو پیدا کیا پھر بچہ پر شفقت والدین اس کی پرورش میں ایک دوسرے کی اعانت کے باعث ہوئی پھر جب کہ بالطبع عورت کو اولاد کی پرورش کے اچھے طریقے معلوم تھے۔ وہ عقل میں کم' محنت کے کاموں سے جی چرانے والی' زیادہ حیادار' خانہ نشینی کی طرف مائل' اوئی اوئی امور میں خوب کوشش کرنے والی' اور فرمانبردار تھی اور مرد بہ نسبت عورتوں کے عقلمند' غیرت مند' باہمت' بامروت' زور آور' اور مقابلہ کرنے والا تھا۔ اس لئے عورت کی زندگی بغیر مرد کے ناتمام تھی اور مرد کو عورت کی احتیاج تھی اور عورتوں کے بارے میں مردوں کی مزاحمت اور غیرت اس بات کی باعث ہوئی کہ ان کی اصلاح اسی میں ہے۔ کہ گواہوں کے سامنے اس کی بیوی کا اس شخص کے لئے خاص ہونا طے ہو جائے اور عورت کی جانب مرد کی رغبت ولی کی نظر میں اس کی عزت اور حمایت اس بات کے باعث ہوئی کہ زوج کی جانب سے مہر اور منگنی اور ولی کی جانب سے کچھ بے پروائی ہو۔ اگر محارم میں اولیاء کی رغبت جائز ہوتی تو عورت کو اس سے بڑا ضرر پہنچ سکتا تھا۔ ولی عورت کو اس شخص سے روکتا جو عورت کی نظر میں مرغوب ہے اور عورت کے لئے کوئی ایسا شخص نہ ہوتا جو اس سے حقوق زوجیت کا مطالبہ کرتا۔ حالانکہ اس کو ان حقوق کی نہایت ضرورت ہے اور سوکنوں کے جھگڑے وغیرہ سے صلہ رحمی میں فرق آ جاتا اس کے علاوہ صحت مزاج کا تقاضا یہ ہے کہ آدمی کو اس عورت کی طرف رغبت نہ ہو جس سے وہ خود پیدا ہوا ہے۔ یا اس سے عورت پیدا ہوئی ہے۔ یا وہ دونوں ایک درخت کی دو شاخوں کے مانند ہیں اور حاجت جماع کے ذکر کرنے میں حیاء کا ہونا اس بات کا باعث ہوا کہ یہ حسن عروج میں پوشیدہ طور پر اس طرح ہوا کرے۔ گویا یہی دونوں کا مقصود اصلی تھا اور لطف شہرت اور ملاک منزلی جو عروج شمار کی جاتی ہے۔ ولیمہ کی باعث ہوئی جس میں لوگوں کو بلایا جائے اور گانے بجانے کی خوشی ہو۔ حاصل کلام یہ ہے کہ بہت سے وجوہ ہیں جن میں سے بعض کو ہم نے ذکر کیا اور بعض کو لوگوں کے فہم پر اعتماد کر کے حذف کر دیا۔ نکاح کی یہ حالت کذائی کہ غیر محارم سے نکاح لوگوں کے مجمع میں ہو اس

سے پہلے مہر اور منگنی ہو اولیاء کی جانب سے یہ اعتنائی اور کفو کی رعایت ہو ولیمہ کیا جائے۔ مرد عورتوں کے سرپرست اور ان کی معاش کے کفیل رہیں۔ عورتیں خانگی خدمات میں معروف رہیں اولاد کی پرورش میں اطاعت سے رہیں تمام لوگوں کی نظر میں لازمی طریقہ اور امر مسلم ہو گیا ہے اور امر فطری ہو گیا ہے۔ جس پر لوگوں کو خدا نے پیدا کیا ہے۔ عرب اور عجم میں کوئی اس میں اختلاف نہیں کرتا اور جب کہ دونوں کی باہم اعانت اور سعی اس طور پر کہ ہر ایک دوسرے کے نفع و نقصان کو اپنا ہی نفع اور نقصان خیال کرے۔ بغیر اس کے ممکن نہ تھی۔ کہ ہر ایک نکاح کے باقی رہنے کو دل و جان سے قبول کرے اور جب آپس میں ناموافقت ہو تو اس کے لئے کوئی خلاصی کا طریقہ بھی ضروری تھا۔ اگرچہ یہ علیحدگی مباح امور میں سے نہایت ہی مبغوض ہے اس لئے طلاق اور عدت میں قیود کا لحاظ ضروری قرار دیا گیا ہے اور اسی طرح خاوند کی وفات میں عدت کا لحاظ رکھا گیا ہے تاکہ نکاح کی تعظیم دلوں میں باقی رہے اور کسی قدر حق دوام اور معاہدہ مصاحبت کی وفاداری ادا ہو جائے اور انساب غلط ملط بھی نہ ہوں اور اولاد کی آباء کی طرف احتیاج اور طبعاً' والدین کی شفقت اس بات کے باعث ہوئی کہ وہ اولاد کو وہی باتیں تعلیم فرمائیں جو قانون فطرت کے موافق ان کے کام آئے اور آباء کا تقدم جو اولاد پر ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ اولاد بڑی ہو کر بھی عقل اور تجربہ میں ان کو زیادہ ہی پاتی ہے اور صحت اخلاق جس کا حکم ہے کہ بھلائی کے بدلے میں بھلائی ہی کی جائے اور ان کی تربیت میں آباء کا محنتیں برداشت کرنا جو کہ شرم کی محتاج نہیں ان سب باتوں نے والدین کے ساتھ نیکی کرنے کو طریقہ لازمہ بنا دیا اور چونکہ لوگوں کی استعداد میں فرق ہے اس لئے یہ بھی ضروری ہے کہ ان میں ایک شخص بالطبع سردار ہو' دانشمند ہو' امور معاش میں مستقل ہو۔ ان میں انتظام اور رفاہ عام کا پیدائشی مادہ ہو اور ایک شخص بالطبع غلام' بے وقوف' تابع کہنے کے بموجب چلنے والا ہو ایسے دونوں شخصوں کی معاش بغیر ایک دوسرے کے مکمل نہیں ہو سکتی اور ہر ایک دوسرے کی راحت و تکلیف میں جب ہی مدد کرے گا۔ کہ دونوں ہی اس تعلق کے قیام و دوام کو دلوں میں ٹھان لیں اور بعض اتفاقات اس بات کا باعث بنتے ہیں۔ کہ ایک دوسرے کو محکوم بنا لیتا ہے۔ یہ حالت اسیری بھی لوگوں میں قابل لحاظ ہے اور علاقہ مالکیت اور مملوکیت کا منتظم ہو جاتا ہے سو ایک قانون کی ضرورت پڑتی ہے۔ جس کی پابندی مالک اور مملوک میں سے ہر ایک کرے اور ترک پر قابل ملامت ہو اور اسیری سے رہا ہونے کا طریقہ بھی ضروری ہے۔ خواہ مال کے ذریعہ سے ہو یا بغیر مال کے اور بسا اوقات انسان کو حاجات' مصائب مرض' درماندگی' دوسرے کے حقوق اور ضرورتیں ایسی پیش آتی ہیں۔ کہ بغیر ابنائے جنس کی دستگیری کے اپنی حالت کی اصلاح بدقت ہوتی ہے اور ایسے ایسے عوارض پیش آنے میں سب لوگوں کی حالت یکساں ہے۔ تو لاچار آپس میں الفت ہمیشہ قائم رکھنے کے محتاج ہوئے اور یہ بھی ضرورت ہوئی کہ حاجت مند کی اعانت اور مظلوم کی دادرسی کا ایک قاعدہ مقرر ہونا چاہئے جس کا ہر ایک سے مطالبہ کیا جائے اور بصورت ترک ملامت کی جائے اور جب کہ حاجت کی دو حدیں تھیں۔ ایک حد وہ ہے جو اس درجہ پر ہو ہر ایک شخص دوسرے کے نفع و نقصان کو اپنا نفع و نقصان سمجھے اور یہ اس کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتا کہ ہر ایک دوسرے کے لئے اپنی پوری طاقت صرف کرے اس کے اخراجات اور

وراثت کا ذمہ دار بنے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ ایسی باتیں جانبین سے ہونی چاہیں۔ تاکہ جو نقصان برداشت کرے۔ وہی فائدہ بھی حاصل کرے اور لوگوں میں اس حد کے لائق قریبی رشتہ دار ہی ہیں کیونکہ ان کی دوستی اور محبت ایک قدرتی امر ہے اور دوسری حد اس سے کم درجہ پر ہے۔ پس اہل مصائب کی ہمدردی لوگوں کے لئے طریق مسلم ہو گیا ہے اور صلہ رحمی ان سب سے زیادہ موکد اور مضبوط ہے اور اس فن کے بڑے مسائل یہ ہیں۔ ان اسباب کا دریافت کرنا جو نکاح یا طلاق کے مقتضی ہوتے ہیں۔ طریقہ نکاح اور میاں بیوی کی صفت کو جاننا، حسن معاشرت، فحش اور عار سے اس کی آبرو محفوظ رکھنے کے زوج پر کیا کیا حقوق ہیں اور عفت، اطاعت زوج اور گھر کے کاموں میں طاقت صرف کرنا بیوی پر کس حد تک واجب ہے اور باہم میاں بیوی کی ناراضگی کو کس طرح دور کیا جائے اور طلاق کا کیا طریقہ ہے۔ خاوند کے مرنے کے بعد سوگ کا کیا طریقہ ہے اور اولاد کی پرورش کا کیا طریقہ ہے۔ ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کس طرح کرتے ہیں۔ غلاموں اور ماتحتوں کے ساتھ کیا کیا احسان کئے جاتے ہیں۔ غلام اپنے مالکوں کی کس طرح خدمت گزاری کریں اور ان کو آزاد کرنے کا کیا طریقہ ہے اور ان کے مصائب کو دور کرنے میں کیا کیا کوششیں ہونی چاہئیں۔ رشتہ داروں اور پڑوسیوں کے ساتھ کیا کیا سلوک کرنا چاہئے۔ شہر کے بے کسوں کے ساتھ ہمدردی کا کیا طریقہ ہے۔ رئیس قوم کے کیا کیا آداب ہیں اور اس کو قوم کی نگرانی کس طرح کرنی چاہئے اور باہم کس طرح تقسیم ترکہ ہونا چاہئے اور انساب و احساب کی کس طرح حفاظت کرنی چاہئے۔ پس لوگوں میں کوئی ایسی قوم آپ کو نہیں ملے گی۔ جو ان اصولوں کی پابندی اور حتی الامکان بجا آوری نہ کرتی ہو۔ حالانکہ ان کے مذاہب میں اختلاف ہے اور ان کے وطن جدا جدا ہیں۔

معاملات کے فن کا بیان: یہ وہ علم ہے جس میں ارتفاق ثانی کے طور پر مبادلہ، معاونت، اور کسب کے احوال سے بحث کی جاتی ہے اور اس باب میں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جب انسان کی ضروریات بہت زیادہ ہو گئیں اور ان میں ہر ایک اپنی حاجت کو ایسے عمدہ طور پر پورا کرنا چاہتا تھا کہ جس سے آنکھوں کو تازگی اور دل کو سرور حاصل ہو تو ہر ایک کو ان کی تنہا انجام دہی مشکل ہو گئی کیوں کہ بعض کے پاس ضرورت سے زائد کھانا تھا لیکن پانی نہ تھا اور بعض کے پاس ضرورت سے زیادہ پانی تھا لیکن کھانا نہ تھا تو ہر ایک دوسرے کا محتاج ہو گیا اور سوائے مبادلہ کے کوئی اور صورت نہ بن پڑی پس یہ مبادلہ ان کی رفع حاجت کے لئے اچھا قرار پایا اور ضرورتاً یہ قرار پایا کہ ہر شخص ایک حاجت کے سرانجام کی طرف متوجہ ہو اس کو خوب مستحکم کرے اور اس کے تمام وسائل مہیا کرے اور بہ واسطہ مبادلہ اپنی تمام حاجات کا ان کو ذریعہ بنائے پس یہ لوگوں کی نظر میں ایک مسلم قانون بن گیا اور جب کہ بعض لوگ ایسے تھے کہ ان کو ایک چیز پسند تھی جو دوسروں کو ناپسند تھی اور ان کو ایسا شخص نہ ملتا تھا جس سے وہ معاملہ کرتے تو لامحالہ، ان کو تقدمہ اور تہیہ کرنا پڑا اور انہوں نے معدنی جوہروں کو جو مدت طویلہ تک باقی رہتے ہیں معاملات میں ثمن قرار دیا اور یہ سب کے نزدیک امر مسلم ہو گیا اور ان جواہرات میں سے سونا اور چاندی زیادہ موزوں تھے کیونکہ ان کا حجم چھوٹا، افراد مساوی، اور بدن انسانی کے لئے نافع تھے اور ان سے زینت حاصل ہوتی تھی اس لئے یہی دونوں چیزیں قدرتی طور پر نقد قرار پائیں اور ان کے ماسوا دوسری چیزیں مقرر کرنے سے ثمن بن سکتی ہیں اور کسبی پیشوں کے اصول زراعت، چارپایوں کو چرانا اور خشکی و تری سے مباح چیزیں لانا جیسے معدنیات، نباتات اور حیوانات ہیں اور نجاری، آہنگری اور کپڑابافی اور دیگر دستکاریاں ہیں جو قدرتی جوہروں کو کارآمد کر سکتی ہیں پھر تجارت بھی ایک پیشہ ہو گیا اور شہر کے مصالح کا سرانجام دینا بھی پیشہ ہو گیا اس کے بعد ہر وہ کام جس کی طرف لوگ محتاج ہوئے پیشہ ہوتا چلا گیا پھر جوں جوں لوگوں نے ترقی کی اور عیش و عشرت میں غرق ہونے لگے اسی قدر مکاسب کے متعلقات پھیلتے گئے اور ہر ایک شخص ایک ایک پیشے کے ساتھ مخصوص ہو گیا جس کی دو وجوہات ہیں وجہ اول مناسبت قوی ہے پس بہادر آدمی جنگ کے لئے مناسب ہے زیرک اور قوی الحافظہ حساب و کتاب کے لئے اور نہایت توانا باربرداری اور محنت کے کاموں کے لئے مناسب ہے اور وجہ دوم اتفاقات ہیں پس لوہار کے بیٹے اور اس کے ہمسایہ کے لئے یہ کام جس قدر آسان ہو گا کسی دوسرے کو نہیں ہو سکتا اور نہ ان کو ہی کوئی دوسرا کام اس قدر آسان معلوم ہو گا اسی طرح دریا کے ساحل پر بسنے والوں کے لئے مچھلی کا شکار کرنا جتنا سہل ہو سکتا ہے کسی دوسرے کے لئے اتنا سہل نہیں ہے اور نہ ہی اس کے لئے کوئی دوسرا کام اس قدر آسان ہو سکتا ہے باقی رہے وہ لوگ جن کو کوئی اچھا پیشہ نہیں آتا تو انہوں نے شہر کے لئے ضرر رساں پیشے اختیار کئے جیسے چوری، جوا، گداگری مبادلہ کی مختلف صورتیں ہیں مبادلہ کبھی شے کا شے کے ساتھ ہوتا ہے اس کو بیع یعنی خرید و فروخت کہتے ہیں اور کبھی شے دے کر منفعت حاصل کی جاتی ہے اس کو اجارہ یعنی مزدوری کہتے ہیں جبکہ شہری انتظام بغیر الفت اور محبت کے نہیں ہو سکتا تھا اور الفت موقوف یا مقتضی تھی کہ ضرورت کی چیزیں بلامعاوضہ دی جائیں تو ہبہ اور عاریت کی صورتیں پیدا ہو گئیں اور یہ ہمدردی فقراء کی حاجت براری کے بغیر ناتمام تھی اس لئے صدقہ دینے کی ضرورت پڑی اور اس باہمی انتظام اور اعانت کی یہ بات بھی مقتضی ہے کہ بعض لوگ احمق، بعض کارگزار، بعض مفلس تونگر، بعض ادنیٰ کاموں سے عار کرنے والے اور بعض عار نہ کرنے والے، بعض پر ضرورتوں کا ہجوم اور فارغ البال ہیں پس ہر شخص کی معیشت دوسرے کی اعانت کے بغیر پوری نہیں ہو سکتی تھی اور معاونت بغیر عقد، شروط، اور مصالحت کے نہیں ہو سکتی تھی اس لئے مزارعت، مضاربت، اجارہ، شرکت اور وکالت کی صورتیں پیدا ہوئیں اور حاجات کی وجہ سے قرض کا لین دین، اور امانت رکھنے کی ضرورت پیش آئی اور اس میں لوگوں کو خیانت، انکار، اور سستی کا تجربہ ہوا تو شہادت تحریر، دستاویزات، رہن، کفالت اور حوالہ کی ضرورت پڑی، اور جوں جوں لوگ آسودہ حال ہوتے گئے اسی قدر معاونت کی اقسام پھیلتی گئیں اور آپ ہر قوم میں ان معاملات پر عمل کرنے والا پائیں گے اور آپ یہ بھی دیکھیں گے کہ ان معاملات میں ہر قوم عدل و ظلم کا امتیاز کرتی ہے واللہ اعلم

شہری سیاست کا بیان: یہ وہ علم ہے کہ جس میں ان تعلقات کے حفظان کی کیفیت بیان کی جاتی ہے جو اہل شہر میں ہوا کرتے ہیں اور شہر سے مراد وہ جماعت ہے جو مساوی الحال ہو جن میں باہم معاملات ہوتے ہوں اور وہ جدا جدا مکانوں میں بود و باش رکھتے ہوں اور اس بارے میں اصل یہ ہے کہ شہر باعتبار اس

باہمی ربط کے ایک شخص کے مانند ہے جو چند اجزاء اور مجموعی ہیئت سے مرکب ہے اور ہر مرکب چیز میں ممکن ہے کہ اس کے مادہ یا صورت میں نقصان واقع ہو جائے اور اس کو کوئی مرض ہو جائے یعنی اس میں ایسی حالت پیدا ہو جائے کہ اس کی نوع کے لئے کوئی دوسری حالت زیادہ مناسب ہو اور یا صحت رہے یعنی ایسی حالت جس سے وہ حسین و جمیل ہو اور شہر میں چونکہ بہت سے لوگ ہوتے ہیں جن کا ایک قانون عدل پر متفق الرائے ہونا مشکل ہے اور بغیر کسی ممتاز منصب کے ایک دوسرے کی روک ٹوک بھی نہیں کر سکتا کیونکہ اس سے جنگ و جدل کا اندیشہ ہوتا ہے پس شہر کا پورا انتظام بغیر ایسے شخص کے ناممکن ہے جس کی اطاعت تمام اہل حل و عقد تسلیم کریں وہ پر شوکت ہو اور فوج کا مالک ہو اور جو شخص نہایت تنگ دل، تیز مزاج، خون ریزی اور غصہ میں بے باک ہے اس کو سیاست کی ضرورت اوروں سے زیادہ ہے اور خرابیوں میں سے ایک یہ ہے کہ چند شریر جن کو قوت اور شوکت حاصل ہو نفسانی خواہشات کے اتباع پر اور قانون عادلہ کے ترک پر متفق ہو جائیں یا لوگوں کے مال لوٹنے کے لئے جمع ہو جائیں جن کو قطاع الطریق کہتے ہیں یا محض دشمنی، حسد یا ملک کی طمع سے لوگوں کو تکلیف پہنچائیں تو ایسی حالت میں لوگوں کو جمع کرنے اور ان سے جنگ کرنے کی ضرورت ہوتی ہے اور من جملہ ان خرابیوں کے ایک یہ ہے کہ کوئی ظالم کسی شخص کو قتل کر دے یا زخمی کر دے یا زدوکوب کرے یا کسی کے گھر میں اس کی بیوی کے معاملے میں مزاحمت کرے یا اس کی بیٹیوں اور بہنوں کی ناحق طمع کرے یا اس کے مال کو زبردستی چھین یا چپکے سے چوری کرے یا اس کی آبرو ریزی کرے ایسی بات منسوب کرے جو قابل ملامت ہو یا اس کے ساتھ بدکلامی کرے اور ان خرابیوں میں ایسے اعمال بھی داخل ہیں جو پوشیدہ طریقے پر شہر کو نقصان پہنچاتے ہیں جیسے سحر، زہر خورانی اور لوگوں کو مفسد باتوں کی تعلیم دینا، رعایا کو بادشاہ سے، غلام کو مالک سے اور اہلیہ کو شوہر سے برگشتہ کرنا اور ان خرابیوں میں سے عادات فاسدہ ہیں جن سے فطری منفعتیں تلف ہو جاتی ہیں جیسے لواطت، جلق، چارپایوں سے مجامعت کرنا کیونکہ یہ سب امور نکاح سے باز رکھتے ہیں یا ایسی عادات جو فطرت سلیمہ کے خلاف ہیں جیسے مرد ہو کر زنانہ پن اختیار کرنا اور عورت کا مردانہ روش اختیار کرنا یا ان عادات سے بڑے بڑے نزاع پیدا ہوتے ہیں جیسے چند اشخاص کا باہم مزاحمت کرنا ایسی عورت کے لئے جو ان میں سے کسی کے لئے خاص نہیں ہے اور جیسے ہمیشہ شراب پینا اور ان خرابیوں میں سے وہ معاملات بھی ہیں جس سے شہری زندگی کو نقصان پہنچتا ہے جیسے قمار بازی، سود در سود کا حصول، رشوت کا لین دین، پیمانہ اور وزن میں کمی کرنا، سامان تجارت میں عیب کو مخفی رکھنا، اونچے نرخ سے بیچنے کے لئے شہر سے باہر ہی تاجروں سے مال خرید لینا، بوقت ضرورت غلہ کو بند کر کے رکھنا اور بغیر ارادہ خریداری دوسرے کو پھنسانے کے لئے زیادہ دام لگانا اور انہی خرابیوں میں **مشکل مقدمات** ہیں جن میں ہر فریق مشتبہ دلیل پیش کرتا ہے اور اصلیت کا پتہ نہیں چلتا تو ایسی حالت میں شہادت، حلف، دستاویزات، قرائن حال وغیرہ کی ضرورت پڑتی ہے اور ان مقدمات میں کبھی قانون مسلم کی حق کی وجہ ترجیح ظاہر کرنے کی اور فریقین کے مکاید معلوم کرنے کی ضرورت پڑتی ہے اور ان خرابیوں میں سے یہ ہے کہ شہر کے رہنے والے بادیہ نشینی اختیار کر لیں اور ارتفاق اول پر اکتفا کر لیں یا کسی دوسرے شہر

میں جا بسیں یا مکاسب پر اس طرز پر جھک پڑیں جس سے شہر کو ضرر پہنچے مثلاً اکثر لوگ زراعت چھوڑ کر تجارت پیشہ ہو جائیں یا ان کی اکثریت فوجی پیشہ اختیار کر لے اور مناسب یہی ہے کہ زراعت پیشہ لوگ بمنزلہ غذا کے قرار دیئے جائیں اور دستکار تاجر، محافظین ملک بجائے نمک کے سمجھے جائیں جس سے غذا کی اصلاح ہوتی ہیں ان خرابیوں میں حملہ آور درندوں اور موذی حشرات الارض کا پھیلنا ہے سو ان کے فنا کرنے کی کوشش ضروری ہے اور شہر کی پوری پوری حفاظت کرنے والی چیزوں میں سے ان عمارتوں کا بنانا ہے جن کے نفع میں سب لوگ برابر کے شریک ہیں مثلاً شہر پناہیں، سرائیں، قلعہ جات، سرحدیں، بازار، پل اور ایسے ہی کنوؤں کا کھدوانا، چشموں کا نکالنا اور کشتیوں کا دریا کے ساحل پر فراہم کرنا اور نیز سوداگروں کو مانوس و مالوف کر کے اس پر آمادہ کرنا کہ باہر سے اجناس وغیرہ لائیں شہر والوں کو سمجھا دیں کہ مسافروں سے خوش معاملگی کریں کیونکہ اس کی وجہ سے سوداگروں کی آمد و رفت زیادہ ہوتی ہے اور زراعت پیشہ لوگوں کو اس پر آمادہ کرنا کہ وہ زمین کو بے کار نہ چھوڑیں دستکاروں کو تاکید کرنا کہ چیزوں کو عمدہ اور مضبوط بنائیں اہل شہر کو عمدہ فضائل حاصل کرنے کی تاکید کرنا کہ وہ لکھنا، حساب، علم، تاریخ و طب اور پیش بینی کے عمدہ طریقے سیکھیں اور اسی طرح شہر کے حالات کا علم رکھنا تاکہ اچھے برے کا امتیاز رہے اور تاکہ محتاج کا حال معلوم ہو تو اس کی مدد کی جائے اور کوئی عمدہ دوست کا معلوم ہو جائے تاکہ اس سے مدد لی جائے اور اس زمانہ میں شہروں کی ویرانی کے دو بڑے سبب ہیں ایک سبب تو یہ ہے کہ وہ بیت المال پر بوجھ ہیں اس طرح کہ غازی اور علماء نے جن کا بیت المال میں حق ہے شعراء اور زہاد وغیرہ نے جن کے ساتھ سلاطین سلوک کرتے ہیں بیت المال سے حاصل کرنا پیشہ بنا لیا ہے یہ لوگ کوئی خدمت نہیں کرتے اور ان کا گزارہ بیت المال سے ہوتا ہے پس ایسے لوگ یکے بعد دیگرے آتے ہیں ایک دوسرے کی زندگی مکدر کرتے ہیں اور شہر پر ایک بوجھ بن جاتے ہیں دوسری وجہ کاشتکاروں، تاجروں اور اہل حرفت پر بھاری ٹیکس لگانا اور پھر ان پر سختی کرنا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ فرمانبردار لوگ چلے جاتے ہیں اور ان کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور جن لوگوں کو قوت ہوتی ہے وہ درپے بغاوت ہو جاتے ہیں البتہ شہر کی اصلاح خفیف لگان سے اور بقدر ضرورت محافظین ملک کے قائم کرنے سے ہوتی ہے اہل زمانہ کو اس نکتہ سے واقف رہنا چاہئے۔ واللہ اعلم

عقدالجید

عقدالجید فی احکام الاجتہاد والتقلید شاہ صاحب کی عربی زبان میں کتاب ہے[1] یہ ایک چھوٹا سا رسالہ عربی زبان میں لکھا گیا ہے جس کا نام خود بتا رہا ہے کہ اس میں انصاف کے ساتھ اجتہاد و تقلید کے احکام نہایت تفصیل و توضیح کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں[2] ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان میں صرف بحث اجتہاد و تقلید سے متعلق مستقل تصنیف کا دروازہ سب سے پہلے شاہ صاحب نے کھولا کیونکہ ان سے پہلے مخصوص اس بحث پر کسی ہندوستانی عالم کی کسی تصنیف کا سراغ نہیں ملتا اور جب ایک بار یہ سلسلہ چل نکلا تو پھر اس موضوع پر متعدد کتب و رسائل وجود میں آگئے ہندوستان کے علماء احناف علامہ نسفیؒ کے بعد اجتہاد کا دروازہ بند کر کے تقلید جامد پر قانع تھے ظاہر ہے کہ شاہ صاحب کے لئے جن کا ایک عظیم مقصد اس جمود کے خلاف جہاد تھا یہ صورتحال قابل برداشت نہ ہو سکتی تھی غالباً اسی لئے انہوں نے اپنی انفرادی شان برقرار رکھتے ہوئے خاص اس موضوع پر قلم اٹھایا اور اس لحاظ سے ان کے اس کام کا شمار ان کے عظیم اور ممتاز تجدیدی کارناموں میں سے ہو گا۔[3] شاہ ولی اللہ موطا امام مالکؒ کی فارسی شرح میں فرماتے ہیں یقینی طور پر یہ بات معلوم ہونی چاہئے کہ اس زمانہ میں اجتہاد اور فقہ کا دروازہ بالکل بند ہو چکا ہے لے دے کے اب تو صرف یہی صورت باقی رہ گئی ہے کہ آدمی موطا کو پیش نظر رکھے اور اس کی جو مرسل روائتیں ہیں ان کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک متصل ہونا معلوم کرے اور صحابہؓ اور تابعینؒ کے اقوال کے ماخذ کو ڈھونڈے اور اجتہادی فہم و بصیرت اپنے اندر پیدا کرے نیز امام شافعیؒ اور دوسرے بزرگوں نے موطا پر بحث کر کے اس کی جو تصیحات لکھی ہیں ان کو پڑھے اور یہ سب کچھ کرنے کے بعد وہ احکام الٰہی کی حقیقت کو سمجھنے کی جو بھی ممکن کوشش اس کے بس میں ہو کرے اور دینی مسائل کو دلائل کے ذریعہ جانے اس کو اس طرح یا تو پورا یقین حاصل ہو جائے گا یا پھر وہ غالب رائے سے کسی نتیجہ پر پہنچ سکے گا[4] "امام ولی اللہ دہلوی' دولت ہندیہ کے آخری بادشاہ' دین کی تجدید کرنے والے اور اجتماع کے بانی سلطان محی الدین اورنگ زیب عالمگیر کے عہد میں جو اجتماعیت وجود میں آئی اس سے تربیت یافتہ اور

[1] (i) اصول فقہ اور شاہ ولی اللہ' ڈاکٹر مظہر بقا' ص 67 (ii) شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات' خلیق احمد نظامی' ص 158 (iii) حیات طیبہ' مرزا حیرت دہلوی' ص 28 (iv) رود کوثر' شیخ اکرام' ص 560 (v) تذکرہ شہید' خالد سیف' ص 25 (vi) مسلمانوں کے سیاسی افکار' پروفیسر خورشید احمد' ص 213 [2]

[3] حیات ولی' رحیم بخش' ص 556

Life of Shah Walli Allah, P. 33

[4] اصول فقہ اور شاہ ولی اللہ' ڈاکٹر مظہر بقا' ص 485 [5] شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ' عبید اللہ سندھی' ص 145

اپنے ذاتی تجربہ اور مشاہدہ کی بناء پر ہند کی خاص و عام اجتماعیت کے امراض کا پورا علم رکھنے والوں میں سے ہیں پورے ہند میں دینی علوم اور خدا شناسی کے طریقے اور ہندوستان کی سیاسی' اجتماعی تاریخ جن آئمہ مشائخ سے سیکھی ہے وہ ان اماموں کے امام حکیم الہند شاہ ولی اللہ دہلوی ہیں جن کے نظریات و عملیات پر ہند میں ایک جماعت تیار ہوئی اور ان کے اجتہاد و جہاد کا سلسلہ نسلاً بعد نسلاً جاری ہے گویا کہ امام ولی اللہ کے سیاسی فکر اور ان کے بتائے ہوئے راہ عمل کی اصابت اور ترجیح کی وجہ یہ ہے کہ اورنگ زیب عالمگیر کے بعد جب اسلامی سلطنت میں انتشار شروع ہوا اور اس ملک پر یورپی طاقتوں کے غلبے کی ابتداء شروع ہوئی تو عین اس وقت شاہ ولی اللہ نے اپنی سیاسی تحریک کی بنیاد رکھی اس نئے سیاسی نظام کی ضرورت بھی بتائی اور اس کے لئے حکیمانہ اساس بھی وضع کی[1] شاہ صاحب نے مذہب' فلسفہ' تصوف' علم کائنات' فلسفہ اخلاق' انسانی نفسیات اور روحانی لطائف و کیفیات کو منطقی طریقہ استدلال کے ذریعے اس طرح باہم خلط ملط کر دیا ہے کہ یہ سب ایک ہی کل کے اجزاء اور عناصر نظر آتے ہیں بلاشبہ ان کا یہ کارنامہ اس قدر عظیم ہے کہ اس میدان میں ان کی شخصیت بے مثال اور منفرد ہے یہ سب چیزیں ایک مجتہد کی پرواز کے لئے ایک وسیع فضا مہیا کرتی ہیں[2] حضرت مجدد الف ثانیؒ اور شاہ ولیؒ اللہ کے فضل و کمال اور مجاہدہ وصال کے ذریعے دو آتشہ سے ایک سہ آتشہ تیار ہوا تھا دونوں کی کوششوں سے اسلامی طرز فکر کی ایک نئی لہر پیدا ہوئی اس میں شک نہیں کہ وہ سلطنت کی ڈوبتی ہوئی کشتی کو تو نہ بچا سکے لیکن انہوں نے لوگوں میں دین و مذہب اور ایمان و یقین کی ایک نئی روح پھونک کر ہندوستان میں اسلام کو بچا لیا جس کو مسلمان اپنی زندگی کی اساس بنا کر انگریزوں کے دور حکومت میں ہر قسم کے حوادث کا مقابلہ کرتے رہے[3] مناظر احسن گیلانی نے شاہ صاحب کو اجتہاد کے میدان میں خدمات جلیلہ پر اس طرح خراج تحسین پیش کیا ہے شاہ صاحب نے بڑی دانشمندی اور گہرے مطالعہ کے بعد فقہ اور اصول فقہ کی بنیادوں سے پردہ ہٹایا۔ آئمہ مجتہدین اور ان کے اجتہادات کا جو صحیح مقام تھا اسے واضح فرمایا بعض کو تو شاہ صاحب سے شکایت ہے کہ ہندوستان میں غیر مقلدیت کی ابتداء آپ سے ہوئی ہے اور خود غیر مقلدوں کا طبقہ گو نہ اس باب میں آپ کو اپنا پیشوا مانتا ہے لیکن جاننے والے جانتے ہیں کہ اگر امت یا کم از کم ہندی مسلمانوں کے ہاتھ میں اگر اس وقت یہ معلومات نہ ہوتیں جنہیں شاہ ولی اللہ کی عرق ریزیوں نے وقف عام کیا ہے تو سرزمین نجد اور نجد سے آگے بڑھ کر حجاز میں جو تحریک "وہابیت" کے نام سے چل پڑی تھی اور یورپ والوں نے اپنے خاص اغراض کے تحت اس تحریک اور اس تحریک کے چلانے والوں کو مختلف طریقوں سے اچھالنا شروع کیا تھا واقعہ یہ ہے کہ غلامی کے ان دنوں میں جن میں ایسے کم ہیں جو اپنی زبان سے اپنی بات ادا کرتے ہوں اور

[1] الہام الرحمٰن فی تفسیر القرآن' مولانا عبید اللہ سندھی' ادارہ بیت الحکمت کبیر والہ ص 9 [2] شاہ ولی اللہ کا نظریہ اجتہاد' سعید احمد اکبر آبادی [3] جدید فکر اسلام کی تشکیل میں تصوف کا حصہ' سید صباح الدین عبدالرحمٰن ص 165' فکر اسلامی کی تشکیل جدید' مرتبہ ضیاء الحسن فاروقی' مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور

اپنے دماغ سے اپنے خیالات سوچتے ہوں مشکل سے ہی غلام ہندوستان میں اس وقت کوئی حنفی نظر آتا[1] در حقیقت شاہ ولی اللہ نے اجتہاد کے باب میں جو دینی خدمات سرانجام دی ہیں وہ قابل ستائش اور قابل صد احترام ہونے کے ساتھ ساتھ آنے والی نسلوں کے لئے مشعل راہ ہیں جن سے دین کو سمجھنے کی غرض سے سیکھنے والا اور اس پر عمل کرنے کی نیت سے اس کو حاصل کرنے والا بہترین راہنمائی حاصل کرتا ہے۔ شاہ صاحب نے عقد الجید میں اجتہاد اور مجتہد کے لئے تحقیق و جستجو کے نئے ابواب کا اضافہ کیا ہے اور ایک نئی راہ متعین کی ہے جسے درمیانی راہ کہا جا سکتا ہے۔ کتاب کے شروع میں شاہ صاحب نے مقدمہ لکھا ہے جس میں کتاب کی تالیف کے مقاصد بیان کئے ہیں ابواب کی تقسیم اس طرح ہے باب اول حقیقت اجتہاد' شرائط اجتہاد اور اس کی اقسام' شروط اجتہاد' اقسام' اجتہاد' باب دوم' اختلاف مجتہدین' بیضاوی کا مسلک' جواب مصنف' تحقیق مصنف' مقامات اختلاف' فائدہ' باب سوم' مذاہب اربعہ کے اختیار کی تاکید اور ان کے چھوڑنے کی شدید ممانعت' ابن حزم کا مسلک' ابن حزم کے کلام کا مصداق' باب چہارم' مذاہب اربعہ کے اختیار کرنے میں لوگوں کا اختلاف اور ان کے واجبات' فصل اول' مجتہد مطلق منتسب' فصل دوم' مجتہد فی المذهب' مسئلہ اول' مسئلہ دوم' مسئلہ سوم' فصل سوم' تبحرفی المذهب' مسئلہ اول' مسئلہ دوم' مسئلہ سوم' مسئلہ چہارم' تقلید واجب' تقلید حرام' مسئلہ پنجم' فصل چہارم' عامی' باب پنجم' تقلید میں میانہ روی' اقسام مقلد' فتویٰ صرف مجتہد دے سکتا ہے۔ مولانا محمد احسن نانوتوی جو مولانا محمد قاسم نانوتوی کے شاگرد تھے انہوں نے سلک مروارید کے نام سے اس کا اردو ترجمہ ستر برس قبل کیا تھا جو بار بار طبع ہو کر خلق کی راہنمائی کا باعث بنتا رہا۔ کتاب کے شروع میں شاہ صاحب مقدمہ میں فرماتے ہیں یہ ایک رسالہ ہے جس کا نام میں نے "عقد الجید فی احکام الاجتہاد والتقلید" رکھا ہے بعض دوستوں نے مجھ سے اجتہاد و تقلید کے اہم مسائل دریافت کئے جس نے مجھے اس رسالہ کے لکھنے پر آمادہ کیا ص 7 باب اول: حقیقت اجتہاد' شرائط اجتہاد اور اس کی اقسام کے بارے میں ہے "اجتہاد کی حقیقت جو کچھ علماء کے کلام سے سمجھی گئی ہے یہ ہے کہ شریعت کے فروعی احکام کو تفصیلی دلائل سے سمجھنے کے لئے پوری محنت کا صرف کر دینا جن دلائل تفصیلیہ کا مرجع کل چار چیزیں ہیں کتاب' سنت' اجماع' قیاس" ص 8 شروط اجتہاد کے ذیل میں لکھتے ہیں' اجتہاد کی شرط یہ ہے کہ مجتہد کے لئے ضروری ہے کہ وہ قرآن و حدیث جس قدر احکام سے متعلق ہے جانتا ہو نیز اجماع کے مواقع' قیاس صحیح کی شرائط' مقدمات کی صحیح ترتیب اور علوم عربیہ سے واقف ہو علاوہ بر آں ناسخ و منسوخ اور راویوں کے حالات سے بھی باخبر ہو ص 10 پھر شاہ صاحب امام غزالیؒ کا نقطہ نظر بیان کرتے ہیں اور شاہ صاحب مجتہد کے لئے قرآن و حدیث کے متعلق نہایت وضاحت سے بیان کرتے ہیں اور علم لغت عربی کے متعلق مجتہد کے بارے میں فرماتے ہیں علم لغت عربی سے اس قدر جاننا

[1] تذکرہ شاہ ولی اللہ' مناظر احسن گیلانی' ص 41-240

ضروری ہے کہ جو قرآن و حدیث کے احکامی امور میں واقع ہوئے ہیں تمام لغات عرب کا احاطہ شرط نہیں اور بہتر یہ ہے کہ علم لغت میں اتنی محنت کرے کہ عرب کے کلام کے مقصود سے واقف ہو جائے اس طرح کہ اختلاف مواقع اور حالات کی وجہ سے کلام مذکور سے یہ مراد ہے کیونکہ شریعت کا تخاطب عربی زبان میں ہے جو شخص عربی سے واقف نہ ہو گا وہ شارع کا مقصود نہ پہنچانے گا' ص 12-13 اس کے بعد شاہ صاحب اقسام اجتہاد بیان کرتے ہیں اور پھر اختلاف مجتہدین بیان کرتے ہیں "جن فروعی مسائل میں کوئی قطعی حکم نہ ہو اس میں اگر دو مجتہد اختلاف کریں تو اس بارے میں علماء کا اختلاف ہے کہ دونوں صحت پر ہیں یا ایک؟ پہلا قول شیخ ابوالحسنؒ اشعری' قاضی ابو بکرؒ' ابو یوسفؒ' محمد بن حسنؒ اور ابن شریحؒ کا ہے اور اس کی طرف اشاعرہ و معتزلہ ہر دو کے متکلمین سے ابو یوسفؒ کی کتاب الخراج میں صراحت کے قریب قریب اشارات نقل کئے گئے ہیں اور دوسرے قول کی طرف جمہور فقہاء اور آئمہ اربعہ گئے ہیں اور ابن سمعانیؒ نے کہا ہے کہ یہی امام شافعیؒ کا ظاہر مذہب ہے" ص 18 اس کے بعد شاہ صاحبؒ بیضاویؒ کا مسلک بیان کرتے ہیں اور اپنی تحقیق بیان کرتے ہیں پھر مقامات اختلاف بیان کرتے ہیں۔ فقہا میں بڑے بڑے مواضع اختلاف یہ چار ہیں۔ اول: یہ کہ ایک مجتہد کو حدیث ملی ہے اور دوسرے کو نہیں ملی اس شکل میں مصیب متعین ہے۔ دوم: یہ کہ ہر ایک کے پاس احادیث اور مختلف آثار موجود ہیں اور ہر ایک نے بعض کو بعض سے تطبیق دینے اور ایک دوسرے پر ترجیح دینے میں اجتہاد سے کام لیا ہے چنانچہ مجتہد کو اس کے اجتہاد نے ایک حکم تک پہنچا دیا لہٰذا اس قسم کا اختلاف پیدا ہوا۔ سوم: یہ کہ مجتہدین نے ان باتوں میں اختلاف کیا مستعمل الفاظ کی تفسیر اور ان کی جامع و مانع حدود یا معرفت ارکان اشیاء اور اس کی شروط مثلاً ذکر' حذف اور تخریج مناط وصف عام سے موصوف کا اس صورت خاص پر صادق آنا اور کلیہ کا اپنی جزئیات پر منطبق ہونا وغیرہ چنانچہ ہر مجتہد کے اجتہاد نے اسے ایک جدا مذہب تک پہنچا دیا۔ چہارم: یہ کہ مجتہدین نے اصول مسائل میں اختلاف کیا جس سے فروعی مسائل میں بھی اختلاف پیدا ہو گیا۔ ان تمام اقسام میں دونوں۔ مجتہد مصیب ہیں جبکہ دونوں کے ماخذ ہمارے ذکر کردہ معنی کے قریب ہوں یعنی ذہن میں آسانی سے آسکیں بعید از عقل نہ ہوں ص 30-31 باب سوم میں مذاہب اربعہ کے اختیار کی تاکید اور ان کے چھوڑنے کی شدید ممانعت کی ہے۔ "جان لینا چاہئے کہ ان مذاہب کے اختیار میں ایک عظیم الشان مصلحت اور ان کے چھوڑنے میں ایک بڑا فساد ہے" ص 53 اور ابن حزمؒ کا مسلک بیان کیا ہے "ابن حزمؒ کہتے ہیں کہ "تقلید حرام ہے اور کسی کو جائز نہیں کہ وہ کسی کا قول بلا دلیل سوائے رسول اللہ صلعم اختیار کرے بوجہ ارشاد خداوندی" اتبعوا ما انزل علیکم من الحکم ولا تتبعوا من دونہ اولیاء ترجمہ جو تم پر نازل کیا گیا ہے اس کی اتباع کرو خدا کو چھوڑ کر رفقاء کے پیچھے نہ چلو" شاہ صاحب فرماتے ہیں "صحابہؓ کا اول سے آخر تک اور تابعینؒ و تبع تابعینؒ کا اول سے آخر تک یہ اجماع صحیح ہو چکا ہے کہ اس سے خود بھی باز رہا جائے اور دوسروں کو بھی منع کیا جائے کہ وہ اپنے میں سے ایک انسان یا سلف میں سے کسی امام کا قول اختیا۔

رکرلیں۔ تمام فقہاء نے اپنی اور غیر کی تقلید سے منع کیا اور اپنی تقلید کرنے والے کی مخالفت کی نیز کیا وجہ ہے کہ جس نے ان فقہاء کو تقلید کرنے کے لئے ان حضرات سے برتر بنا دیا جیسے عمرؓ بن خطاب، علیؓ بن ابی طالب، ابن مسعودؓ، ابن عمرؓ، ابن عباسؓ اور ام المومنین عائشہؓ ہیں کہ اگر تقلید زیبا ہوتی تو یہ حضرات کہیں زیادہ حقدار تھے کہ ان کی اتباع کی جاتی نہ کہ دوسرے کی" ص 62 پھر شاہ صاحب ابن حزمؒ کے کلام کا مصداق کے عنوان سے لکھتے ہیں ابن حزمؒ کا یہ قول صرف تین شخصوں پر پورا صادق آتا ہے اول اس پر جس کو کچھ نہ کچھ اجتہاد حاصل ہے اگرچہ ایک ہی مسئلہ میں کیوں نہ ہو اور یہ اس پر پوری طرح روشن ہو کہ نبی صلعم نے اس کا حکم فرمایا اس سے منع فرمایا اور یہ حدیث منسوخ نہیں ہے یا تو اس نے اس مسئلہ سے متعلق احادیث اور اقوال موافق و مخالف چھان مارے مگر اسے اس حدیث کا نسخ نہ ملا یا اس نے دیکھا کہ ایک تبحر علماء کی جماعت اس حدیث کی طرف مائل ہے اور ان کا مخالف صرف قیاس و استنباط وغیرہ کو دلیل بنا رہا ہے بایں شکل حدیث نبی صلعم کی مخالفت کا سوائے نفاق باطنی اور حماقت ظاہری کے اور کوئی سبب نہیں۔ دوم: ابن حزمؒ کا قول اس عامی شخص کے بارے میں صادق آتا ہے جو فقہاء میں سے کسی کی تقلید کرتا ہے یہ سمجھتے ہوئے کہ اس جیسے فقیہ سے غلطی ناممکن ہے اور جو اس نے کہا یقیناً وہ صحیح ہے دل میں یہ ارادہ کرتے ہوئے کہ وہ اس کی تقلید کبھی نہ چھوڑے گا سوم اس شخص سے متعلق جو جائز نہیں سمجھتا کہ حنفی فقیہ شافعی سے فتویٰ لے ابن حزمؒ کے قول کا محل وہ شخص نہیں جو نبی صلعم کے ارشاد کے مطابق دین اختیار کرتا ہے اور جو اللہ اور رسولؐ نے حلال کر دیا ہے اس کے حلال ہونے اور جو حرام کر دیا ہے اس کے حرام ہونے کا اعتقاد رکھتا ہے لیکن چونکہ اس کو آپؐ کے ارشادات کا علم نہیں اور نہ ہی اس کو یہ علم ہے کہ آپؐ کے کلام میں کیسے تطبیق دی جاتی ہے اور آپؐ کے کلام سے کیسے استنباط کیا جاتا ہے تو اس نے یہ خیال کرتے ہوئے ایک عالم راشد کی اتباع کر لی کہ وہ جو کہتا اور ظاہر میں فتویٰ دیتا ہے اس میں وہ مصیب ہے اور وہ سنت کا تابع ہے اگر اسے اس کے گمان کے خلاف معلوم ہوا تو وہ اسی وقت بلا کسی جھگڑے اور اصرار کے باز آ جائے تو اس کا کوئی کیسے انکار کر سکتا ہے جبکہ فتویٰ لینا اور دینا نبی صلعم کے وقت سے چلا آ رہا ہے اور اس میں کوئی فرق نہیں کہ ہمیشہ اسی ایک سے فتویٰ لیتا رہے یا کبھی اس سے دریافت کر لیا اور کبھی دوسرے سے ولیکن شرط این است کہ ہمارے ذکر کردہ اصول پر قائم ہو" ص 69 اس کے بعد شاہ صاحب باب چہارم میں مذاہب اربعہ کے اختیار کرنے میں لوگوں کا اختلاف اور ان کے واجبات بیان کرتے ہیں شاہ صاحب لکھتے ہیں "معلوم ہونا چاہئے لوگوں کے ان مذاہب اربعہ کو اختیار کرنے میں چار مرتبے ہیں اور ہر ایک جماعت کے لئے حدود مقررہ ہیں ان سے تجاوز جائز نہیں اول: مجتہد مطلق کا مرتبہ جو ان مذاہب میں سے کسی کی طرف منسوب ہے۔ دوم: مسائل نکالنے والے کا مرتبہ یعنی مجتہد فی المذہب سوم: تبحر فی المذہب کا مرتبہ جو حافظ مذہب اور ماہر و متقن ہے اور وہ اپنی مہارت و حفظ سے اپنے آئمہ کے

مذہب سے فتویٰ دیتا ہے۔ چہارم: مقلد خالص جو مذاہب کے علماء سے فتویٰ لے کر ان کے مطابق عمل کرتا ہے امت کی کتابیں ہر مرتبہ کی شروط و احکام سے لبریز ہیں لیکن بعض لوگ ان مراتب میں فرق محسوس نہیں کرتے چنانچہ ان احکام میں ٹکریں مارتے پھرتے ہیں اور ان احکام کو متناقض خیال کرتے ہیں ہم نے ارادہ کیا کہ ہر مرتبہ کے لئے ایک فصل مقرر کر کے اس کے احکام کی طرف علیحدہ علیحدہ اشارہ دیں۔" ص 72-73 پھر پہلی فصل مجتہد مطلق منتسب کے بیان میں ہے۔ دوسری فصل مجتہد فی المذہب کے بیان میں ہے اور پھر تین مسائل بیان کر کے ان کا حل بتایا ہے تیسری فصل تبحر فی المذہب کے بارے میں ہے اس بارے میں پانچ مسائل اور ان کا حل بیان کیا ہے اور تقلید واجب اور تقلید حرام کے بارے میں بھی بتایا ہے فصل چہارم: "عامی" کے بیان کے بارے میں ہے شاہ صاحب فرماتے ہیں "اپنے احاطہ علمی میں سے عامی شخص کا کوئی مذہب معین نہیں ہوتا اس کا مذہب صرف مفتی کا فتویٰ ہے" ص 134 پانچواں باب تقلید میں میانہ روی کے بارے میں ہے مقلد کی اقسام بیان کی ہیں اور فرمایا ہے کہ فتویٰ صرف مجتہد دے سکتا ہے۔ شاہ صاحب نے اس کتاب میں بڑے بہترین انداز میں عربی عبارت کا استعمال کرتے ہوئے اجتہاد اور مجتہدین کے مسائل کو خوبصورت انداز میں بیان اور حل کیا ہے۔ عربی عبارت بطور نمونہ چند سطریں پیش کی جا رہی ہیں۔ قال الغزالی انما یحصل الاجتهاد فی زماننا بما رسة الفقه و هی طریق تحصیل الدرایة فی هذا الزمان فلم یکن الطریق فی زمن الصحابة ذلک قلت هذا اشارة الی ان الاجتهاد المطلق المنتسب لا یتم الا بمعرفة نصوص المجتهد المستقل و کذلک لا بد للمستقل من معرفة کلام من مضی من الصحابة فالنا بعین فتبعهم فی ابواب الفقه فهذا الذی ذکرناه من شرط الاجتهاد مبسوط فی کتب الاصول فلا باس ان یورد کلام البغوی فی هذا الموضع قال البغوی فالمجتهد من جمع خمسة انواع من العلم علم کتاب الله عزوجل و علم سنة رسول الله صلی الله علیه وسلم و علم اقاویل علماء السلف من اجماعهم فاختلافهم وعلم اللغة وعلم القیاس فهو طریق استنباط الحکم من الکتاب فالسنة اذا لم یجده صریحا فی نص الکتاب اوسنة او اجماع[1] **تحقیق مصنف:** والحق ان ما نسب الی الآئمة الاربعة قول مخرج من بعض تصریحاتهم و لیس نصا منهم فانه لا خلاف للامة فی تصویب المجتهدین فیما خیر فیه نصا او اجماعا کالقرأت السبع و صیغ الا وعیة فالوتر بسبع و تسع فاحدی عشرة فکذلک لا ینبغی ان یخالفو فیما خیر فیه دلالة[2] ترجمہ: غزالیؒ نے کہا کہ "ہمارے زمانہ میں اجتہاد فقہ کی مشق سے حاصل ہوتا ہے فہم مسائل کے حاصل کرنے کا یہی ایک طریقہ ہے، صحابہؓ کے زمانہ میں یہ بات نہ تھی" میں کہتا ہوں، غزالی کی مراد یہ ہے کہ "اجتہاد مطلق منتسب" جب پورا ہوتا ہے کہ مجتہد مستقل کی تصریحات سے ہر منتسب کو واقفیت حاصل ہو۔ جیسا کہ مجتہد مستقل کے لئے صحابہؓ تابعینؒ اور تبع تابعینؒ کے کلام سے ابواب فقہ میں واقف ہونا ضروری ہے۔

[1] عقد الجید، ص 11-10 [2] ایضاً، ص 25

اجتہاد کی یہ مذکورہ بالا شرط کتب اصول میں تفصیل سے موجود ہے۔ اس مقام پر بغوی کا کلام بھی نقل کر دینے میں کوئی حرج نہیں' بغوی نے کہا ہے "مجتہد وہ ہے جو پانچ علوم کا جامع ہو۔ کتاب اللہ کا علم' سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا علم' علماء سلف کے اقوال کا علم کہ وہ کس مسئلہ میں متفق ہیں اور کس میں مختلف' علم لغت عربی' علم قیاس۔ قیاس قرآن و حدیث سے حکم نکالنے کا ایک طریقہ ہے جبکہ مجتہد کو نص قرآن و حدیث اور اجماع صریح میں مطلوبہ حکم نہ ملے۔۔۔ **تحقیق مصنف**[3]: حق یہ ہے کہ جو قول آئمہ اربعہ کی طرف منسوب کیا گیا ہے' وہ ان کی بعض تصریحات سے نکالا گیا ہے ان سے صراحتہً مذکور نہیں اور جس مسئلہ میں نص یا اجماع کی رو سے اختیار ہو' اس میں دونوں مجتہدوں کے صواب و صحت پر ہونے میں امت میں اختلاف بھی نہیں' جیسے سبع قرآت' دعاؤں کے صیغے' اور وتر کی سات' نو اور گیارہ رکعتیں لہٰذا جس مسئلہ میں ازروئے دلالت اختیار ہو اس میں خلاف غیر مناسب ہے۔

انصاف فی بیان سبب الاختلاف: اس کتاب میں احکام شریعہ کے متعلق آئمہ اربعہ کے باہمی اختلافات کے اسباب و علل پر بحث کی ہے تدوین فقہ کے ارتقائی منازل کی نہایت خوبصورتی سے نشاندہی کی ہے۔ انصاف فی بیان سبب الاختلاف' شاہ ولی اللہ کی اختلاف مذاہب کے بارے میں ایک بہترین تصنیف ہے[1] یہ ایک مختصر رسالہ درحقیقت اس بیہودہ شوروشر کو مٹانے کے لئے لکھا گیا ہے جو صدیوں سے علماء میں تقلید و غیر تقلید کی بابت پڑا ہوا تھا اور اس اختلاف کی یہاں تک نوبت پہنچ گئی تھی کہ ایک گروہ صرف اس فروعی اختلافی مسئلہ کی بناء پر دوسرے فریق کو کافر کہتا اور اسلام کے دائرہ سے خارج بتاتا تھا جو شخص کسی امام خاص کا مقلد تھا وہ اس شخص کو جو کسی کی تقلید نہ کرتا تھا کھلم کھلا کافر کہتا اور اسلام سے خارج شمار کرتا اس طرح غیر مقلد مقلد کو کافر سمجھتا تھا جناب شاہ ولی اللہ صاحب نے اس طوفان بدتمیزی کو چند فقروں میں اڑا دیا اور تقلید و مجتہد کی اقسام بیان کر کے صاف صاف کہہ دیا کہ جو شخص محض امی اور ان پڑھ ہے اس کے لئے تقلید جائز ہے اور جو شخص پڑھا لکھا ہے وہ اگر کسی خاص شخص کی تقلید نہ کرے تو کوئی گناہ نہیں لیے اس

رسالہ کے 93 (مطبوعہ مجتبائی مترجم) صفحات میں سے ص 52 کے نصف سے ص 80 کے نصف تک کل صفحات 28 نئے ہیں باقی ماندہ پوری کتاب حجتہ اللہ البالغہ جلد اول کے بعض ابواب کی بلفظہا نقل ہے شاہ صاحب نے حجتہ (ج اول ص 161) میں اسی کا نام غایتہ الانصاف" لکھا ہے[2] تمام علوم اسلامی کے ماہر تھے

---

[1] (i) شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات' خلیق احمد نظامی' ص 185 (ii) مسلمانوں کے سیاسی افکار' پروفیسر خورشید احمد' ص 215 (v) حیات طیبہ' از' مرزا حیرت دہلوی' ص 27 (vi) ارتفاقات معاشیہ' از' شیخ بشیر احمد' ص 30 (7) تذکرہ شہید' از' محمد خالد سیف' ص 29 [2] حیات ولی' از' رحیم بخش' ص 561
[3] اصول فقہ اور شاہ ولی اللہ' ڈاکٹر مظہر بقا' ص 67

وقتی ضروریات کے مطابق انہوں نے فقہی فتوے بہت نہیں دیئے لیکن علم فقہ کو صحیح علمی اور ٹھوس بنیادوں پر قائم کرنے کے لئے انہوں نے بڑی کوشش کی اور ایسی کتابیں لکھیں جو اہل بصیرت و دانش کو ہدایہ اور فتاویٰ عالمگیری سے اوپر فقہ اور شریعت کے اصل سرچشمہ تک پہنچا دیتی ہیں اور جن کی وجہ سے ایک مبتدی کے لئے بھی ممکن ہے کہ وہ ان حالات کا اندازہ کرلے جن کے ماتحت شرع اور فقہ کی تدوین ہوئی رسالہ انصاف فی بیان سبب الاختلاف اس سلسلے میں ان کی بہترین کتاب ہے اس کتاب کو اگر تاریخ فقہ و علم الحدیث کہا جائے تو بجا ہے کیونکہ فی الحقیقت یہ کتاب عہد سعادت سے لے کر پانچویں صدی ہجری تک فقہ کی تدوین' کتب احادیث کی فراہمی اور مختلف مذاہب فقہی کے آغاز کی ایک نہایت دلچسپ' منصفانہ' اور پراز معلومات تاریخ ہے اس کتاب کو شاہ صاحب کی وسیع معلومات اور ذہنی قوت استخراج کا اعجاز سمجھنا چاہئے اس میں نہایت وضاحت اور انصاف پسندی سے قریباً ان سب اہم بنیادی مسائل کا ذکر آگیا ہے جن پر علماء میں اختلافات ہوئے اور ان اختلافات کی توضیح کی ہے ساتھ ساتھ مذاہب اربعہ یعنی حنفی' شافعی' مالکی اور حنبلی طریقوں کی خصوصیات اور ان کی جداگانہ تشکیل کی نہایت عالمانہ تاریخ لکھی ہے جمع احادیث اور محدثین مثلاً بخاری' مسلم' ابوداؤد' ترمذی کے مجموعوں کی خصوصیات بیان کی ہیں[1] انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کا فاضل مقالہ نگار رقمطراز ہے۔

"A masterly survey of the causes of the juristic differences between the various sects of Islam and the evolution of Islamic Jurisprudence".[2]

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی نے شریعت کے احکام میں مسلم فقہ کی بنیاد کے حامل آئمہ اربعہ کے باہمی اختلافات کے اسباب و علل پر نہایت عمدہ اور عام فہم عربی زبان میں انتہائی عالمانہ' محققانہ اور فاضلانہ بحث کی ہے بڑے مدلل انداز میں خوبصورت طریقے سے تاریخی واقعات کے حوالہ جات کے ذریعے اختلافات کی وجوہ بیان کی ہیں فقہ کی تدوین کے ابتدائی دور اور ارتقائی تسلسل کی خوبصورت انداز میں نشاندہی کی ہے فقہا "اہل الرائے والاجتہاد" اور اہلحدیث کے علیحدہ مسلک کی اصل حقیقت کو اچھی طرح واضح کیا ہے اور فریقین کے افراط تفریط پر ناقدانہ نظر ڈالی ہے تخریج اور استنباط (مسلک فقہاء) اور تتبع الفاظ حدیث (مسلک اہلحدیث) ان دونوں کی بنیاد دین ہے اسلامی دور کے ہر تسلسل میں فقہاء محققین نے یہ طریقہ اختیار کیا ہے وہ دونوں مندرجہ بالا اصولوں کے مطابق دین کی تشریح کرتے تھے اسلامی تعلیمات کی سمجھ بوجھ اور ان کو ہر معاشرے کے ہر طرح کے حالات کے مطابق قابل عمل بنانے میں مختلف ذہن اور علمی قابلیت رکھنے والے فقہاء کے درمیان افراط و تفریط کا پیدا ہونا بعید از قیاس نہیں۔ بلکہ علم فہمی کے

---

[1] رود کوثر' شیخ اکرام' ص 556-59
[2] Encyclopaedia of Islam, Vol. II, P. 254

تقاضوں کے مطابق ہے لیکن دین سے خلوص کا تقاضا یہی ہے کہ ان میں تفریق کی بجائے مفاہمت پیدا کی جائے۔ امام حسن بصریؒ فرماتے ہیں "خدائے وحدہ لا شریک کی قسم تمہارا راستہ حد سے بڑھنے والے اور حد تک نہ پہنچنے والے کے بیچ میں ہو۔ حضرت شاہ ولی اللہ دل کی گہرائیوں سے انتہائی خلوص کے ساتھ ان تنازعات کو ختم کر کے مسلمانوں کو دین کی ایک متفقہ رائے پر عمل پیرا دیکھنے کے آرزو مند تھے اور اس سلسلے میں ان کی خدمات روز روشن کی طرح عیاں ہیں "الانصاف فی بیان سبب الاختلاف" اسی سلسلے میں ایک بہترین علمی کاوش ہے اور ان کی دوسری کتب میں بھی اتحاد بین المسلمین کے لئے ان کی علمی و تحقیقی کاوشوں کی جھلک نمایاں نظر آتی ہے۔ اس عربی رسالے میں شاہ صاحب نے جو کچھ بیان کیا ہے اس کے پانچ ابواب ہیں۔ (i) فروعات میں صحابہؓ اور تابعینؒ کے اختلاف کے اسباب کا بیان (ii) مسالک فقہاء میں اختلاف کے اسباب (iii) اہلحدیث اور اصحاب الرائے میں اختلاف کے اسباب (iv) حالات قبل از صدی چہارم (v) چوتھی صدی ہجری کے بعد کے حالات شاہ ولی اللہ دہلوی فرماتے ہیں "خدائے کریم کی رحمت کا محتاج فقیر ولی اللہ بن عبدالرحیم، اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں دونوں کو اپنی نعمت کامل سے نوازے یوں بیان کرتا ہے کہ ایک وقت ایسا آیا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے دل کو ایسا معیار سمجھایا کہ جس سے مجھے ان تمام اختلافات کی وجہ سے جو ملت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیمات میں واقع ہوئی معلوم ہوئی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے نزدیک حق کیا ہے پھر مجھے اللہ تعالیٰ نے اس قابل بھی کر دیا کہ میں ان کی اس طرح وضاحت کروں کہ صحابہ کرامؓ اور ان کے بعد والوں میں باہم اختلاف کا سبب کیا تھا خاص کر امور فقہیہ میں چنانچہ وقتی طور پر مسائل کی نوعیت کے پیش نظر جو کچھ میری سمجھ میں آتا ان کی راہنمائی کرتا یہاں تک کہ اس باب میں ایک مفید رسالہ تیار ہو گیا جس کا نام میں نے "الانصاف فی بیان سبب الاختلاف رکھا"[1]

[1] الانصاف فی بیان سبب الاختلاف، شاہ ولی اللہ، مترجم، محمد عبید اللہ، ص 9

(i) فروعات میں صحابہؓ اور تابعینؒ کے اختلاف کے اسباب کا بیان: شاہ ولی اللہ دہلوی فرماتے ہیں "واضح ہو کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں علم فقہ بحیثیت فن مدون نہ تھا اور نہ اس وقت احکام (شرعیہ) کے بارے میں بحث کا وہ طریقہ تھا جو بعد میں رائج ہوا کہ فقہاء اپنی تمام تر صلاحیتیں صرف کر کے مدلل طور پر کسی حکم کے ارکان و شرائط و آداب بیان کرتے ہیں فرضی مسائل سامنے رکھ کر ان پر بحث کرتے ہیں اور اشیاء کی جامع و مانع تعریف بیان کرتے ہیں اور جن امور پر کسی مسئلہ کا انحصار ہے اسے واضح کرتے ہیں وغیرہ واقعہ یہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ آپؐ وضو فرماتے، صحابہ کرامؓ آپؐ کا طریق وضو دیکھ کر اسے اختیار کر لیتے بغیر اس کے کہ آپؐ یہ بتاتے کہ فلاں کام وضو میں لازمی ہے اور فلاں کام (لازمی تو نہیں) بہتر ہے اس طرح آپؐ نماز پڑھتے اور صحابہؓ آپؐ کو نماز پڑھتے دیکھتے اور جس طرح آپؐ نماز پڑھتے اسی طرح خود بھی ادا کرتے نیز انہوں نے جس طرح آپؐ کو حج ادا کرتے دیکھا اسی طرح خود بھی حج کرنے لگے۔" الغرض آپؐ کا عام طریقہ تعلیم یہی تھا آپؐ نے کبھی یہ بیان نہیں فرمایا کہ وضو کے چار یا چھ فرض ہیں اور نہ کبھی آپؐ نے یہ گمان کیا کہ ہو سکتا ہے کبھی کوئی شخص اعضائے وضو کو پے در پے نہ دھوئے جس کی وجہ سے وضو کے درست ہونے یا نہ ہونے کا فیصلہ کیا جائے اس بارے میں شاذ و نادر ہی کچھ فرمایا کرتے تھے۔ صحابہ کرامؓ بھی آپؐ سے ایسے سوالات بہت کم کرتے تھے۔ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ "میں نے اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بہتر کوئی جماعت نہیں دیکھی انہوں نے آپؐ سے پوری زندگی میں تیرہ سوال پوچھے ان سب کا ذکر قرآن مجید میں ہے منجملہ ان کے "یسئلونک عن الشھر الحرام قتال فیہ قل قتال فیہ کبیر"[1] ترجمہ: اے نبی لوگ آپؐ سے حرمت کے مہینوں کے متعلق پوچھتے ہیں کہ ان میں جنگ کرنا کیسا ہے آپؐ فرما دیجئے اس میں لڑائی بڑا گناہ ہے[2] ویسئلونک عن المحیض ترجمہ: وہ آپؐ سے مسائل حیض پوچھتے ہیں۔ اس کے بعد حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ صرف وہی مسائل پوچھتے جو سود مند ہوں (بے فائدہ سوالات نہیں کرتے تھے) غرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور مبارک یہی تھا چنانچہ ہر صحابیؓ نے آپؐ کی عبادات و فتووں میں سے جو کچھ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں میسر ہوا وہ دیکھا پھر انہیں یاد بھی رکھا اور قرائن سے اس کا سبب معلوم کیا پس بعض کو اباحت پر بعض کو استحباب پر اور بعض امور کو علامات اور قرائن کی بناء پر جو ان کے نزدیک کافی تھے منسوخ قرار دیا اس بارے میں انہوں نے اپنے وجدان اور اطمینان قلب پر اعتماد کیا۔ اندریں حالات صحابہؓ کے درمیان جو باہمی اختلافات کا آغاز ہوتا ہے اس کی چند بنیادیں تھیں ایک تو یہ کہ ایک صحابیؓ نے کسی قضیئے میں آپؐ کا کوئی فیصلہ یا ارشاد سنا مگر دوسرے نے نہیں سنا اور اپنے اجتہاد سے کام لیا جس کی چند صورتیں پیش آئیں ایک یہ کہ وہ اجتہاد حدیث نبویؐ کے مطابق نکلا

[1] سورۃ البقرہ = 217 [2] سورۃ البقرہ = 222

دوم یہ کہ دو صحابیوں میں کسی مسئلہ کے متعلق بحث ہوئی اور اس ضمن میں کوئی ایسی حدیث سامنے آ جاتی جس کی صحت کا ظن غالب ہوتا چنانچہ صحابیؓ اپنے اجتہاد سے رجوع کر کے سنی ہوئی حدیث کو اختیار کر لیتا سوم یہ کہ اگر ایک صحابیؓ کو کوئی حدیث پہنچتی مگر اس کی صحت کا گمان غالب نہ ہوتا تو وہ صحابیؓ اپنا اجتہاد ترک نہ کرتا اور نہ اس روایت کو درست قرار دیتا۔ اختلاف کا ایک سبب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ صحابیؓ تک سرے سے کوئی حدیث پہنچی نہ ہو احکام فقہ کے متعلق صحابہ کرامؓ میں جو اختلافات ہوئے ان کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ صحابہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک عمل کرتے دیکھا لیکن اس عمل کی حیثیت کے تعین میں اختلاف ہو گیا بعض نے اس فعل رسولؐ کو کار ثواب خیال کیا اور بعض نے ایک امر جائز سمجھا اس کی ایک مثال عمل تحصیب ہے جسے اصحاب اصول نے بیان کیا ہے پھر کسی واقعہ کی تعبیر میں غلط فہمی کی وجہ سے بھی اختلاف پیدا ہو سکتا ہے منجملہ اسباب اختلاف سہو ونسیان بھی ہے اختلاف کا ایک اور سبب خامی فہم حدیث ہے ایک سبب اختلاف کا یہ بھی ہے کہ دو مختلف حکموں کے درمیان موافقت نہ کر سکے۔ الغرض صحابہ کرامؓ کے مذاہب مختلف ہو گئے اور ان میں سے تابعینؒ نے جس میں سہولت دیکھی اختیار کر لیا پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور صحابہؓ کے طریق کار سے جو کچھ جس نے سنا اسے یاد کر لیا اس کے پابند رہے اور حتی المقدور ان میں باہمی مطابقت کی اور بعض اقوال کو بعض پر ترجیح دی کہ ان کے نزدیک بعض اقوال اگرچہ وہ کبار صحابہؓ سے مروی تھے کمزور قرار پائے جیسا کہ جنبی کے تیمم کرنے کے متعلق حضرت عمرؓ اور ابن مسعودؓ سے ان کا جو مسلک منقول ہے وہ کمزور پڑ گیا اور عمارؓ اور عمرانؓ بن حصین وغیرہ سے مروی احادیث پر عمل عام ہو گیا اور اس طرح علمائے تابعین میں سے ہر عالم کا اپنی اپنی توجیہ کے مطابق علیحدہ مسلک ہو گیا اور اس طرح ہر علاقے میں ایک امام بن گیا جیسے سعید بن المسیبؒ اور سالمؒ بن عبداللہ بن عمرؓ ان کے بعد زہریؒ اور قاضی یحییٰ بن سعیدؒ اور ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰنؒ مدینہ میں' عطاء بن ابی رباح مکہ میں' ابراہیم نخعیؒ اور شعبیؒ کوفہ میں' حسن بصریؒ بصرہ میں' طاؤس بن کیسانؒ یمن میں' مکحولؒ شام میں امام بنے

پھر اللہ تعالیٰ نے کچھ دلوں کو علمائے تابعینؒ کے علوم کا پیاسا بنا دیا اور وہ ان علوم کی تحصیل کی طرف راغب ہوئے اور انہوں نے ان علماء سے حدیث' صحابہؓ کے فتاویٰ اور ان کے اقوال نیز ان علماء کے اپنے مسالک اور تحقیقات کو جمع کیا مستفتیوں نے ان سے فتوے پوچھے اور انہیں بے شمار مسائل سے سابقہ پڑا اور بہت سے معاملات اور فیصلے ان کے روبرو پیش ہوئے۔[1]

---

1 الانصاف فی بیان سبب الاختلاف' از شاہ ولی اللہ' باب اول

(2) مسالک فقہا میں اختلاف کے اسباب: فقہا میں اختلاف پیدا ہونے کے اسباب پر شاہ ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں واضح ہو کہ تابعینؒ کے دور کے بعد اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیش گوئی کے مطابق علم کے حاملین کا گروہ پیدا کر دیا جن کی بابت آپؐ نے فرمایا کہ "ہر آنے والی نسل میں اس علم (دین) کے حامل عادل وامین ہوں گے" چنانچہ انہوں نے (تابعینؒ سے) جن سے وہ مل سکے وضو' غسل' نماز' حج' نکاح' لین دین اور دوسرے کثیر الوقوع معاملات کا طریقہ حاصل کیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث روایت کیں اور شہروں کے قاضیوں کے فیصلے اور مفتیوں کے فتوے سنے اور مسائل دریافت کئے اور ان تمام مسائل میں غور و فکر کیا جس سے وہ قوم کے بزرگ بن گئے اور امور شرعیہ میں ان کو مستند قرار دیا گیا یہ لوگ اپنے شیوخ کے طریقے پر چلے اور ان احکام سے راہنمائی حاصل کرنے اور ان کے تقاضے معلوم کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا اور اسی کے مطابق فیصلے کئے فتوے دیئے' روایات بیان کیں اور ان کی تعلیم دی ان علماء کا طریق کار ایک دوسرے سے مشابہ تھا ان کے طریق کار کا حاصل یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث خواہ وہ مسند (جس کی سند پوری بیان ہو) ہو یا مرسل (جس کی سند میں تابعیؒ صحابیؓ کو چھوڑ دے) اسے قبول کیا جائے اور صحابہؓ اور تابعینؒ کے اقوال سے یہ سمجھتے ہوئے استدلال کیا جائے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے منقول باتیں ہیں جنہیں صحابہؓ نے مختصراً بیان کیا اور انہیں موقوف احادیث (جس میں صحابیؓ حضورؐ کا ذکر نہ کرے) بنا لیا یہ بزرگ ان امور میں طریقہ کار کے لحاظ سے بعد کے آنے والے حضرات سے اچھے باعتبار زمانہ مقدم اور باعتبار علم افضل تھے اس طرح ان احکام پر عمل کرنے کا تعین ہو جائے گا۔ بجز اس صورت کے جبکہ ان میں اختلاف ہو جائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ان کے قول کی کھلم کھلا مخالف ہو۔ اگر کسی مسئلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مختلف ہوتیں تو وہ اصحاب اقوال صحابہؓ کی طرف رجوع کرتے تھے درآنحالیکہ کسی حدیث کو منسوخ یا قابل تاویل یا کسی تصریح کے بغیر ترک کرنے پر متفق ہوں اس لئے کہ عدم قبول کا مطلب دراصل حدیث کو ضعیف یا منسوخ یا قابل تاویل قرار دینا ہے ان تمام صورتوں میں یہ صحابہ کرامؓ کی پیروی کرتے تھے غرض اہل شہر (مدینہ) جس بات پر متفق ہوتے یہ علماء مضبوطی سے اس پر جم جاتے تھے۔ امام مالکؒ بھی یہی کچھ فرماتے ہیں کہ جس سنت کے بارے میں اہل مدینہ میں کوئی اختلاف نہیں وہی ہمارے نزدیک وسیع ہی قابل وثوق ہے۔ امام مالکؒ کے تلامذہ مغربی علاقوں (مراکش واندلس) اور زمین کے دوسروں حصوں میں پھیل گئے اور اللہ تعالیٰ نے اپنی بہت سی مخلوق کو ان لوگوں سے فائدہ پہنچایا۔ امام ابو حنیفہؒ سب سے زیادہ ابراہیم نخعیؒ اور ان کے ہم عصروں کے مسلک پر قائم رہے کبھی کبھار ہی اس سے تجاوز کیا امام ابو حنیفہؒ کے شاگردوں میں امام محمدؒ بہ اعتبار تصنیف و تالیف و درس و تدریس سب سے بڑھ کر تھے اور امام ابو یوسفؒ کے باعث حنفیؒ مسلک عراق و خراسان اور ماوراء النہر میں زیادہ پھیلا اور اسی پر عمل ہوا۔ امام شافعیؒ کا ظہور مذہب مالکی اور مذہب حنفی کے اصول و فروع کی ترتیب کے آغاز میں ہوا امام شافعیؒ نے اپنے پیش رو دو

کے طریقہ کار کو دیکھا اور اس میں ایسی چیزیں پائیں جس نے ان کی راہ پر چلنے سے روک دیا اس کا ذکر انہوں نے اپنی کتاب الام میں کیا ہے بعض صحیح احادیث ان علمائے تابعین" تک جن کے فتووں پر بھروسہ کیا جاتا تھا نہیں پہنچی تھیں چنانچہ انہوں نے خود اجتہاد کیا یا عام اصولوں کی پیروی کی پھر اپنے پیشرو صحابہ" کے طرز عمل کو اختیار کر لیا اور اسی کے مطابق فتوے دیئے پھر جب تیسرے طبقے میں وہ احادیث ظاہر ہوئیں تو فقہاء نے ان پر عمل نہ کیا وہ احادیث ان علمائے شہر کے عمل اور طریق کار کے منافی ہیں جن میں ان کو کوئی اختلاف نہ تھا اور یہ بات حدیث کے لئے قابل اعتراض اور اسے قابل رد قرار دیتا ہے یا ایسا ہوا کہ وہ صحیح احادیث طبقہ ثا۔ لثہ میں مشہور نہ ہوئیں بلکہ بعد میں جب اہلحدیث نے طرق حدیث کو جمع کرنا شروع کیا جس کے لئے وہ زمین کے کونے کونے میں پھرے اور علم حدیث کے حاملین کو ڈھونڈا تو بیشتر حدیثیں ایسی نکلیں جن کی روایت کرنے والے صحابہ" کی تعداد ایک یا دو سے زیادہ نہیں پھر ان صحابہ" سے روایت کرنے والے بھی دو ایک ہی ہیں اور یہی صورت آگے تک تھی جس کے باعث یہ احادیث عام اہل فقہ تک نہ پہنچ سکیں لیکن بعد میں بہت سی حدیثیں ان حافظان حدیث کے زمانہ میں مشہور ہوئیں جنہوں نے احادیث کو اسناد کے ساتھ اور مختلف طرق کے ساتھ جمع کیا حاصل کلام یہ ہے کہ امام شافعی" نے جب اپنے پیش رووں کی یہ باتیں دیکھیں تو انہوں نے علم فقہ پر نئے سرے سے نظر ڈالی اور اصول وضع کئے اور جزئیات متعین کیں اور اس موضع پر انہوں نے بہترین کتابیں لکھیں اور لوگوں کو مستفید کیا چنانچہ فقہائے وقت آپ کے گرد جمع ہو گئے انہوں نے امام شافعی" کی کتابوں کا اختصار کیا ان کی تشریح کی اور ان سے استدلال کیا اور مسائل اخذ کئے بعد ازاں مختلف علاقوں میں پھیل گئے اس طرح امام شافعی" کی فقہ کا ایک علیحدہ مسلک قرار پایا[1]

---

[1] الانصاف فی بیان سبب الاختلاف' از شاہ ولی اللہ' باب دوم

(3) اہل حدیث اور اصحاب رائے میں اختلاف کے اسباب: واضح ہو کہ سعید بن المسیب"، ابراہیم نخعی"، زہری"، امام مالک"، سفیان" اور ان کے بعد کے دور میں بھی برابر ایسے علماء تھے جو (شرعی امور میں) رائے کے دخل کو ناپسند کرتے تھے اور ناگزیر صورتحال کے بغیر فتویٰ دینے اور مسائل مستنبط کرنے سے ڈرتے تھے ان کی سب سے زیادہ توجہ احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وضاحت کی طرف ہوتی تھی ان تمام روایات کو امام دارمی" نے آخری عہد (روایات) میں نقل کیا ہے اس کے بعد تو بلاد اسلامیہ میں احادیث نبوی" و آثار صحابہ" کی تدوین شروع ہو گئی امام بخاری" نے صحیح بخاری کو چھ لاکھ احادیث میں سے انتخاب کر کے مرتب فرمایا ابوداؤد" کے متعلق مذکور ہے کہ انہوں نے اپنی کتاب "سنن" کو پانچ لاکھ احادیث سے انتخاب کر کے مرتب فرمایا امام احمد بن حنبل" نے اپنی مسند کو ایسا میزان قرار دیا ہے جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو جانچا جا سکتا ہے یعنی جو حدیث ان کی مسند میں ہے خواہ وہ ایک ہی سند سے مروی ہو (خبر واحد ہو) اس کی اصل ہے ورنہ اس کی کوئی اصل نہیں ان اصحاب (تحقیق و تفتیش)

میں یہ لوگ سرفہرست تھے عبدالرحمن بن مہدی" یحییٰ بن سعید" القطان' یزید بن ہارون" عبدالرزاق" ابوبکر بن ابی شیبہ" مسدد" ہناد" احمد بن حنبل" اسحاق بن راہویہ" فضل بن دکین" علی المدینی" اور ان کے ہمعصر دوسرے بزرگ محدثین کے طبقات میں یہ طبقہ صف اول تھا جب ان محققین نے فن روایت اور مراتب احادیث کو اچھی طرح متحقق کر لیا تب فقہ کی طرف متوجہ ہوئے ان کے لئے یہ رائے قابل قبول نہ تھی کہ پچھلے اصحاب فقہ کے مسلک کی اجتماعی طور پر تقلید کریں اگرچہ ان مذاہب میں سے ہر مذہب کے اندر احادیث و آثار کے خلاف کچھ نہ کچھ مسائل دیکھے جاتے ہوں اس لئے انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث اور صحابہ" تابعین" اور مجتہدین کے آثار کی ان قواعد کے مطابق جنہیں انہوں نے اپنے دلوں میں راسخ کر لیا تھا تحقیق کی حضرت ابن عباس" سے جب کوئی مسئلہ پوچھا جاتا تو اگر اس کا ذکر قرآن مجید میں ہوتا تو اس کے مطابق فیصلہ دیتے اور اگر قرآن مجید میں نہ ہوتا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں کچھ ارشاد ہوتا تو اس کے مطابق فیصلہ کر دیتے اور اگر (قرآن و سنت میں نہ پاتے) تو حضرت ابوبکر" حضرت عمر" کے فیصلوں کے مطابق فیصلہ کرتے اور اگر ایسا بھی نہ ہوتا تو اپنی اجتہادی رائے کے مطابق فیصلہ دیتے۔ غرضیکہ فقہ کو ان قواعد پر مرتب کیا گیا تو ان مسائل میں سے جن کا ذکر پہلے ہو چکا تھا یا ان کے زمانے میں واقع ہوئے کوئی مسئلہ ایسا نہ تھا جس کے متعلق انہیں کوئی نہ کوئی حدیث نہ مل گئی ہو۔ قطع نظر اس کے کہ وہ حدیث مرفوع تھی یا متصل یا مرسل یا موقوف اور خواہ صحیح تھی یا حسن یا محض قابل اعتبار تھی یا پھر شیخین یا دوسرے خلفائے راشدین یا شہروں کے قاضی یا کسی علاقے کے فقہا کے آثار تھے یا انہوں نے کتاب و سنت کے عموم یا اشارات یا مقتضیات سے خود استنباط کر لیا تھا غرض اس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے اتباع سنت میں آسانی پیدا کر دی اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ایک اور گروہ اٹھایا اس نے دیکھا کہ اسلاف نے انہیں احادیث کے جمع کرنے کی زحمت اور فقہ ترتیب دینے سے بے نیاز کر دیا ہے تو انہیں حدیث سے

متعلق دیگر فنون کے حاصل کرنے کا موقع ہاتھ آگیا مثلاً تحقیق کر کے ایسی احادیث کا انتخاب کرنا جن کی صحت پر یزید بن ہارون 'یحییٰ بن سعید القطان' احمد' اسحاق وغیرھم اکابر محدثین کا اتفاق ہو یا ان احادیث کو جمع کرنا جن پر مختلف علاقوں اور شہروں کے فقہا اور علماء نے اپنے اپنے مسلک کی بنیاد رکھی ہے نیز ہر حدیث کے متعلق یہ طے کرنا کہ وہ کس پایہ کی ہے اس گروہ میں امام بخاریؒ' امام مسلمؒ' امام داؤدؒ' دارمیؒ' ابن ماجہؒ ترمذیؒ' نسائیؒ' دار قطنیؒ' حاکمؒ' بیہقیؒ' خطیبؒ' دیلمیؒ' ابن عبدالبرؒ اور ایسے ہی دیگر اہل علم شامل ہیں۔ ان علمائے حدیث کے مقابلے میں ایک دوسرا گروہ ہے جن کا تعلق امام مالکؒ' امام سفیان ثوریؒ اور ان کے بعد والوں کے زمانہ سے ہے یہ اصحاب نہ تخریج مسائل کو برا سمجھتے تھے اور نہ فتویٰ دینے والوں سے بیزار تھے وہ کہتے تھے کہ فقہ پر ہی دین کی بنیاد ہے اس لئے فقہ کی اشاعت ہونی چاہئے حدیث اور فقہی مسائل کی تدوین ایک اور طرح سے معرض وجود میں آئی وہ یہ تھی کہ ان کے پاس احادیث و آثار کا وہ ذخیرہ نہ تھا کہ وہ اہلحدیث کے اختیار کئے ہوئے اصولوں پر مسائل فقہ کا استنباط کر سکتے۔ غرض انہوں نے تخریج مسائل کا اپنا یہ اصول بنالیا کہ آدمی اس صاحب علم کی تصنیف کو یاد کرلے جو اس کے شیوخ کی بہترین ترجمانی کرنے والی ہو۔ واضح ہو کہ فقہا کے کلام سے کسی مسئلہ کی تخریج اور اس کے لئے مہارت حدیث کا تتبع دین کی اصل بنیاد ہے اور ہر زمانے میں محققین اس طریقے کو اختیار کرتے رہے ان میں سے بعض ایک طریق کو کم اور دوسرے کو زیادہ اور بعض دوسرے کو زیادہ اور بعض ایک کو زیادہ اور دوسرے کو کم اختیار کرتے تھے یہ کسی طرح مناسب نہیں کہ ان دو طریقوں میں سے کسی ایک کو بالکل چھوڑ دیا جائے۔ جیسا کہ دونوں فریق (اہل حدیث' اہل فقہ) کے لوگ کرتے ہیں حقیقت پسندی کا تقاضا یہ ہے کہ ان دونوں طریقوں میں سے ہر ایک کو دوسرے سے ہم آہنگ کیا جائے اور ایک کی کمی کو دوسرے سے پورا کیا جائے۔ حسن بصریؒ کا قول ہے "اس اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں کہ تمہارا طریقہ کار صحیح وہ ہے جو دونوں کے بین بین ہے پس جو اہلحدیث ہے اسے چاہئے کہ جس مسلک کو اس نے اختیار کرلیا اور اپنا مذہب بنایا ہے وہ اسے تابعینؒ اور ان کے بعد والوں میں جو مجتہدین تھے کی آراء سے موازنہ نہ کرے اور جو اہل تخریج میں سے ہے اسے چاہئے کہ وہ طریق سنت کے معاملے میں اپنے اندر اتنی صلاحیت پیدا کرے کہ کسی صریح اور ثابت شدہ حدیث کی مخالفت سے بچ رہے اور جس مسئلہ میں حدیث یا اثر موجود ہے اس کے بارے میں حتی الوسع اپنی رائے استعمال نہ کرے اسی طرح کسی محدث کے لئے مناسب نہیں ہے کہ وہ ان قواعد کے استعمال میں جن کو آئمہ حدیث نے وضع کیا ہے اور جس پر شارع کی کوئی نص موجود نہیں ہے اس کے مقابلہ میں کسی حدیث کو ترک کردے یا کسی قیاس صحیح کو ٹھکرا دے۔"[1]

---

[1] الانصاف فی بیان سبب الاختلاف 'از' شاہ ولی اللہ 'باب سوم

(4) حالات قبل از صدی چہارم: اس باب میں چوتھی صدی ہجری سے قبل کے لوگوں کے حالات متقدمین و متاخرین میں اختلاف کے اسباب' کسی مسلک سے منسوب ہونے یا نہ ہونے کا بیان اور ان علماء کے مابین اختلاف کے اسباب کا ذکر جو مجتہد مطلق (عمومی اجتہاد کے قائل) ہیں اور جو مجتہد فی المذہب (مذہبی مسائل میں اجتہاد کے قائل) ہیں اور ان کا باہمی فرق۔[1]

(5) چوتھی صدی ہجری کے بعد کے حالات: عہد مابعد میں جو لوگ آئے وہ مختلف راستوں پر چل نکلے اور نئی نئی باتیں ایجاد کیں منجملہ ان کے علم فقہ میں لڑائی جھگڑا بھی ہے اس کی تفصیل امام غزالیؒ نے اس طرح بیان کی ہے۔ "جب ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کا دور ختم ہوا تو خلافت ایسے لوگوں کے ہاتھ آگئی جو بغیر استحقاق و استحکام کے اس کے مالک بنے انہیں علم فتویٰ اور احکام شریعت سے کماحقہٗ آگاہی نہ تھا لہٰذا وہ مجبور ہوئے کہ فقہا سے مدد لیں اور ہر وقت انہیں اپنے ساتھ رکھیں اس وقت تک ایسے علماء موجود تھے جو سابقہ طرز شرائع پر ثابت قدم اور دین خالص پر قائم تھے چنانچہ انہیں خلفاء کی طرف سے طلب کیا جاتا تو وہ ان سے دور بھاگتے تھے" اس عہد میں اجتہاد سے نابلد کو بھی فقیہ کہا جانے لگا اور یہی وہ "زمانہ ہے جب وہ تعصبات میں پختہ ہو گئے اور حقیقت یہ ہے کہ فقہا کے درمیان بیشتر اختلافات خصوصیت کے ساتھ ان مسائل میں ہیں جن میں خود اقوال صحابہؓ میں مختلف اقوال موجود ہیں مثلاً تکبیرات تشریق' تکبیرات عیدین' نکاح محرم' نیز ابن عباسؓ اور ابن مسعودؓ کے درمیان تشہد (کی تعداد کے) بارے میں اختلافات یا نماز میں بسم اللہ اور آمین کو با آواز بلند پڑھنے اور اقامت میں کلمات اذان کو ایک بار یا دو بار کہنے میں اختلاف وغیرہ ان امور میں اختلاف صرف دو اقوال میں سے ایک کو ترجیح دینے کے بارے میں ہے ان مسائل کی اصل مشروعیت میں کوئی اختلاف نہیں ہے اختلاف صرف یہ ہے کہ دونوں میں سے بہتر کیا ہے اس اختلاف کی نظیر ایسی ہے جیسے قراءت قرآن (ادائیگی الفاظ قرآن) میں اختلاف ہے اس کے بعد جو لوگ آئے انہوں نے اپنے سے پہلے لوگوں کے کلام کا خلاصہ کیا اختلافات ثابت کئے اور اپنے آئمہ سلف کے اختیار کردہ قول پر سختی سے قائم رہے کیونکہ ان کے اسلاف نے انہیں سختی سے یہی بتایا تھا کہ اپنے امام کے مسلک پر قائم رہیں کسی صورت میں اس سے نہ ہٹیں اور یہ ایک فطری امر ہے کہ ہر انسان وہی پسند کرتا ہے جو اس کے اصحاب اور اس کی قوم کو مرغوب ہیں اب اللہ ہی سے ہماری فریاد ہے وہی ہمارا پروردگار ہے اسی پر بھروسہ ہے اور اسی کا سہارا ہے۔[2]

---

[1] الانصاف فی بیان سبب الاختلاف 'از' شاہ ولی اللہ 'باب چہارم

[2] الانصاف فی بیان سبب الاختلاف 'از شاہ ولی اللہ 'باب پنجم

البدور البازغہ = البدور البازغہ کا موضوع حکمت ہے اس میں شاہ صاحب نے انسانی سماجی زندگی کے پہلوؤں پر بھی بحث کی ہے۔ البدور البازغہ شاہ ولی اللہ کی ایک شاندار تصنیف ہے۔[1] البدور البازغہ میں اسرار شریعت کے ساتھ ساتھ بعض سیاسی مسائل کی توضیح کی گئی ہے۔[2] حجۃ اللہ البالغہ کے اکثر مضامین (عربی میں) ان لوگوں کے لئے لکھے گئے ہیں جو مذہب کی پابندی کے ساتھ عقل ودانش کے ذریعے سے قرآنی مباحث کا مطالعہ کرنا چاہیں "البدور البازغہ" میں یہی مضامین عقلی انداز میں زیر بحث لائے گئے ہیں[3]

شاہ ولی اللہ البدور البازغہ میں فرماتے ہیں' فصل فی بیان حقائق الارتفاقات الاربعۃ بالاجمال واستخراج اقسامها:- من عنایۃ الرحمان بنوع الانسان ان اودع فیهم دواعی الاکل والشرب کے یتقوم بهما ابدانهم ودواعی الجماع کے ینتظم بها التناسل فیبقی النوع الی زمان القضائها وان اوحی الیهم اتخاذ المساکن والدفاء والانسان متوارد بینی جلسه علی تلک الحاجات مع ماجبل علیهمن ترفع وزیادہ فی کل خلق فانجبار هابان یتخذ کل مادعا الیه داعیه حسب مایناسب نوعه هوا لارتفاق الاول کالزرع والاستمائة وبکا الکلام المقطع وکتعین امراۃ لایزاحمه فیها احد ثم انه ترکبت اخلاق الانسان وعلومه المجبول علیها وعلومه التی اقتضاها بالتجربۃ والظرافۃ الترفه والرای الکلی بالارتفاق الاول:-

ترجمہ: فصل: ارتفاقات اربعہ کا مختصر بیان اور اس کا بیان کہ ان کی قسمیں کس طرح بنتی ہیں خداوند رحمٰن کا بنی نوع انسان کے متعلق خاص ارادہ ہوا کہ اس نے ان میں کھانے پینے کی احتیاجات رکھیں تاکہ ان دونوں سے ان کے بدن بنیں اور ان میں جذبہ جنسی رکھا تاکہ اس کے ذریعہ سے نسل بڑھے اور اس کی نوع پورے زمانے کے گزرنے تک باقی رہے۔ اللہ تعالیٰ کا اس کے متعلق یہ بھی ارادہ ہوا کہ اس نے انسان کو رہنے سہنے اور گرمی سردی سے بچنے کے لئے مسکن بنانا الہام کیا تمام افراد انسانی باوجودیکہ وہ انفرادی طور پر اخلاق میں ایک دوسرے سے کمی یا زیادتی رکھتے ہیں۔ بایں ہمہ ان حاجات میں سب برابر ہیں ان حاجات کو انسانی نوع کی مناسبت کے اعتبار سے ان کے داعیے کے مطابق پورا کرنا ارتفاق اول کہلاتا ہے مثلاً کھیتی باڑی کرنا' دوسروں سے مدد طلب کرنا' لفظوں کو جوڑ کر

[1] (i) علماء ہند کا شاندار ماضی' سید محمد میاں' ص 9 (ii) اصول فقہ اور شاہ ولی اللہ' ڈاکٹر مظہر بقا' ص 68 (iii) حیات ولی' رحیم بخش' ص 580 (iv) شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات' خلیق احمد نظامی' ص 185 (v) شاہ ولی اللہ اور ان کا خاندان' محمود احمد برکاتی' ص 47 (vii) تذکرہ شہید' از' خالد سیف' ص 32 [2] مسلمانوں کے سیاسی افکار' پروفیسر خورشید احمد' ص 213 [3] دعوت فکر' عبید اللہ انور' ص 17

بات بنانا' بات کرنا' زوجہ کا معین کرنا کہ کوئی اور شخص اس میں دخل نہ دے اس کے بعد انسان کے اخلاق اور اس کے جبلی علوم اور وہ علوم جو اس نے تجربے سے حاصل کئے اور حب جمال اور نزاکت پسندی اور رائے کلی ارتفاق اول کے معمولات کے ساتھ ترکیب پانے لگے۔

شاہ ولی اللہ "فی بیان الملل والشرائع" میں رقمطراز ہیں = تمہیں یہ جاننا چاہیے کہ ارتفاقات جن پر نظام بشری کی بناء ہے اور انہیں بالخصوص ان میں سے ارتفاق ثانی اور ارتفاق ثالث کو اللہ تعالیٰ کے فضل وعنایت نے نوع انسان کو عطا کیا ہے۔ نیز اقترابات جو طبائع انسانی میں ودیعت کئے گئے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے فضل وعنایت سے نوع انسانی میں انہیں اور ان میں سے خاص طور سے احسان' عبادت گزاری اور شرو بدی سے اجتناب کو نمایاں کیا ہے۔ غرض یہ ارتفاقات اور اقترابات سب کلی امور ہیں اور یہ بہت سی شکلوں میں بروئے کار آتے ہیں۔ ان ارتفاقات میں سے مثال کے طور پر ایک نکاح ہے اور یہ مشتمل ہے اس کے اعلان' دف بجانے اور گانے پر' ایسے کپڑے پہننے پر جو عموماً نکاح کے موقع پر پہنے جاتے ہیں۔ ایسے مواقع پر کھانا تقسیم کیا جاتا ہے یہ امور ارتفاق ثانی کے تحت آتے ہیں اور جس نے یہ پورے کئے اس نے حق واجب ادا کر دیا اسی طرح نکاح کی شرائط میں گواہوں کی شہادت اور زبان سے ایجاب وقبول بھی ہے' اور جس نے یہ شرائط پوری کیں' اس نے حق واجب ادا کر دیا بات یہ کہ نکاح کے معاملے میں حقیقی فرض یہ ہے کہ منکوحہ عورت کا ایک مرد کے ساتھ تعین ہو جائے تاکہ اور کوئی اس میں شریک نہ ہو اور نہ کسی بھی بنا پر اس قسم کی شرکت کا کوئی احتمال باقی رہے نیز اس سلسلے میں نکاح کا اہتمام جیسا کہ ابھی ذکر ہوا بڑی شان سے کیا جائے اور یہ مذکورہ بالا امور سے ہو سکتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے تقرب کا مسئلہ ہے یہ اس طرح بھی ممکن ہے کہ آدمی بالکل اللہ تعالیٰ کا ہو جائے اور اس سے انسانی خواص جاتے رہیں اور اس طرح بھی ممکن ہے کہ وہ اصل انسانیت اور اس کے خواص کو باقی رکھتے ہوئے اعضاء جوارح کے ذریعے تقرب الٰہی کے آداب بجا لائے ان دو مثالوں پر تم ارتفاقات واقترابات کے ان تمام بڑے بڑے امور کا قیاس کر لو جن کا ہم نے ذکر کیا ہے غرض یہ کہ ان کا متعدد شکلوں میں وقوع پذیر ہونا ممکن ہے' چنانچہ ہم نے ملت حنفیہ کے ضمن میں ان کی جن شکلوں اور طریقوں کا ذکر کیا ہے تم اس سے دھوکے میں نہ آجانا۔ یہ تو صرف مثالیں تھیں اور فقط مثالیں اس بارے میں تم یہ نہ سمجھنا کہ ان معاملات میں حق واجب صرف ان شکلوں ہی میں محصور ہے۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ملتوں میں سے کوئی ملت بھی ایسی نہیں جس نے ان امور کے حق واجب کو بالکل نظر انداز کیا ہو اور کوئی فرد بھی ایسا نہیں جس پر کہ بشر اور انسان کا اطلاق ہو سکتا ہے اور وہ اس حق واجب کا انکار کرے۔ باقی اس کی خلاف ورزی کرنا دوسری بات ہے اختلاف ونزاع اگر ہے تو ان کی کسی معین شکل اور ان کی کسی مخصوص وضع کے بارے میں ہے مختصراً ارتفاقات اور اقترابات کے وقوع پذیر ہونے کے سلسلے میں جو شکلیں اور اوضاع اور ہیئتیں ہیں ان کی ایک معین شکل اور مخصوص وضع ملت کہلاتی ہے۔ اب حالت یہ ہے کہ چونکہ بنی آدم کی اکثریت ارتفاقات اور اقترابات کے علوم کو صحیح طور پر حاصل نہیں کر سکتی اور نہ ان کی اوضاع اور ہیئتوں کے

اصولوں تک وہ پہنچ پاتے ہیں اس لئے نوع انسانی پر اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم سے یہ واجب ٹھہرا کہ ملتوں کا وجود ظہور میں آئے اور انسانوں کی فطرت میں کسی نہ کسی ملت کی فرماں برداری کا داعیہ و رجحان ودیعت کیا جائے پھر ارتفاقات بروئے کار آئیں اور ان کی فرماں برداری ایک مخصوص ملت کے لئے واجب کر دی جائے۔ باقی رہا ملتوں کا ظہور تو وہ مختلف طرح پر ہوتا ہے کبھی ایک عالم جسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے تعلیم ملتی ہے اور وہ ارتفاقات و اقترابات کے علوم پر حاوی ہوتا ہے ایک ملت کے قیام کا سبب بنتا ہے وہ ایک معتدل و متوازن اور جامع وسیع گیر ملت کی طرح ڈالتا ہے ملت کی یہ نوع سب سے بلند اور ممتاز ہوتی ہے کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک عادل بادشاہ بر سر اقتدار آتا ہے اور جیسے کہ مصلحت سمجھتا ہے عدل و انصاف کو فروغ دیتا ہے چنانچہ وہ جس طرح اپنی فوج اور رعیت سے برتاؤ کرتا ہے تعزیرات اور سزاؤں کو نافذ کرتا ہے جھگڑوں کے فیصلے کرتا' لوگوں کے باہمی نزاع نمٹاتا' لڑائی کے موقعوں پر لشکر آرائی کرتا اور اس کے دوسرے امور سے عہدہ بر آ ہوتا ہے تو اس عادل بادشاہ کے یہ سارے کام ایک مستحسن معقول اور قابل اتباع سنت بن جاتے ہیں اور اس کے بعد جو اور بادشاہ آتے ہیں وہ ان امور میں اس کا اتباع کرتے ہیں اسی طرح ہر قوم میں اس کے حکما اور ممتاز افراد پیدا ہوتے ہیں وہ نکاح' ضیافتوں اور دوسرے امور کے سلسلے میں جو کچھ کرتے ہیں وہ ایک معقول اور مستحسن سنت بن جاتی ہے چنانچہ ان کے بعد جو لوگ آتے ہیں وہ ان امور میں ان کی اتباع کرتے ہیں اس طرح ہر اہل صنعت طبقے کا ایک امام ظہور میں آتا ہے کہ دوسرے اس کے اعمال کی اقتدا کرتے ہیں ایسے ہی ایک صاحب رشد و ہدایت پیدا ہوتا ہے وہ اقترابات میں کسی ایک شق کو سمجھتا ہے پھر اس کی تکمیل کرتا ہے چنانچہ تقرب الٰہی کے مقتضیات کے سلسلے میں جو وہ کرتا ہے وہ ایک قابل اتباع سنت بن جاتی ہے کہ قوم کے افراد اس پر چلتے ہیں الغرض ان آئمہ کے علوم سے ایک لازمی طریقہ و ملت وجود میں آتی ہے کہ اس کی نافرمانی نہیں کی جاتی اور کوئی زمانہ اور شہر ایسا نہیں جو اس قسم کے طریقہ و ملت سے خالی ہو۔ لوگوں کی اصلی طبیعتوں میں جو داعیہ ودیعت کیا گیا ہے وہ ہے ان کا اپنی فطرت کی طرف سے ارتفاقات کے اصولوں کی فرماں برداری اور ان کا خود ان ارتفاقات اور اقترابات کی کوئی مخصوص وضع معین نہ کر سکنا بے شک ان کے سینوں میں یہ علوم اس طرح ہوتے ہیں جیسے کہ ایک خالص عرب میں علم الاعراب اور علم الصرف ہو کہ وہ بولنے میں کوئی اعراب اور صرف و نحو کی غلطی نہیں کرتا یقیناً اس کے دل میں فاعل اور مفعول میں امتیاز پایا جاتا ہے اور وہ جانتا ہے کہ فاعل مرفوع اور مفعول منصوب ہوتا ہے اور وہ بولتے وقت اس کو نظر انداز نہیں کرتا اسی طرح بنی آدم کے دلوں میں بھی ایک اجمالی علم ہوتا ہے جس کی وہ از خود تشریح نہیں کر سکتے لیکن جب ملت کے ظہور کے ضمن میں یہ تشریح کر دی جاتی ہے تو اگر یہ شرح صاف اور واضح ہو اور اس میں کوئی ابہام نہ پایا جائے ان کے دلوں میں خوب گھر کر جاتی ہے۔ ایک خاص ملت کے ارتفاقات کی فرماں برداری واجب کرنے والی ایک چیز یہ بھی ہوتی ہے کہ اس کے ائمہ کی شہرت پھیل جاتی ہے ان سے خارق عادت امور کا ظہور ہوتا ہے اور وہ ائمہ لوگوں میں اپنی دین داری' غور و خوض والے علوم اور عجیب و غریب افعال کی وجہ سے ممتاز

ہوتے ہیں اور ان لوگوں میں ان کے بارے میں عقیدت ہو جاتی ہے نیز یہ ہوتا ہے کہ کامل یا ناقص استقرا سے لوگوں میں یہ خیال یا یقین پیدا ہو جاتا ہے کہ اس ملت کی نافرمانی سے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہو گا یا آپس میں فتنہ و فساد اور نزاعات پیدا ہو جائیں گے۔ تمہیں یہ جاننا چاہئے کہ ہر ملت کے لئے ضروری ہے کہ اس کا ایک دستور ہو جس پر اس ملت کی طرح پڑے اگر اس ملت کا قیم (قائم کرنے والا) ایک فرد واحد ہے تو اس کا ان علوم کے بارے میں جنہیں اس نے اللہ تعالیٰ سے اپنے کمال کے مطابق حاصل کیا ہے ایک معیار (میزان) ہوتا ہے پس اس ملت میں اس کے یہ علوم دستور ہوتے ہیں اگر ایک فرد واحد کے بجائے بہت سے آئمہ ہوں کہ ملت کے شعبوں میں سے ہر شعبے کا ایک امام ہو تو ان میں سے ہر ایک کا اس کے علمی و عملی کمال کے فعلاً ظہور کی بنا پر ایک درجہ ہو گا چنانچہ ہر شعبے کا دستور اس کے علوم کا امام ہو گا اور کوئی شخص اس وقت تک حکیم نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ ملتوں کے علوم کو ان کے دستور کی نسبت سے نہ جان لے۔ اس صورت میں وہ ایک ایسی ملت کو انتخاب کرے گا جس کا تمام ملتوں میں بہترین طریقہ ہو گا اگر تو نے اس معاملے میں ذرا سی غفلت کی تو دنیا اور آخرت دونوں میں دھکے کھائے گا۔

---

(1) البدور البازغہ (2) ارمغان شاہ ولی اللہ ص 77-369

تصوف

شریعت کا وہ جز جو اعمال باطنی سے متعلق ہے تصوف و سلوک اور وہ جز جو اعمال ظاہری سے متعلق ہے فقہ کہلاتا ہے اس کا موضوع تہذیب اخلاق اور غرض رضائے الٰہی ہے اور اس کے حصول کا ذریعہ شریعت کے حکموں پر پورے طور پر چلنا ہے۔ گویا کہ تصوف دین کی روح و معنی یا کیف و کمال کا نام ہے جس کا کام باطن کو رذائل اخلاق، ذمیمہ شہوت، آفات لسانی، غضب، حسد، حب دنیا، حب جاہ، بخل، حرص، ریا، غرور سے پاک کرنا اور فضائل یعنی اخلاق حمیدہ، توبہ، صبر، شکر، خوف، رضا، زہد، توحید و توکل، محبت، شوق، اخلاص، صدق، مراقبہ، محاسبہ و تفکر سے آراستہ کرنا ہے تاکہ توجہ الی اللہ پیدا ہو جائے جو مقصود حیات ہے اس لئے تصوف و طریقت دین و شریعت کے قطعاً منافی نہیں بلکہ ہر مسلمان کے لئے لازم ہے کہ وہ صوفی بنے کہ اس کے بغیر فی الواقع ہر مسلمان پورا مسلمان کہلانے کا مستحق ہی نہیں رہتا۔[1]
حدیث جبرئیل میں حقیقت اسلام و ایمان کے بعد احسان کا ذکر ہے جس کی تفصیل حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے یوں بیان فرمائی ہے۔ ان تعبدو اللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک (بخاری و مسلم) احسان و اخلاص یہ ہے کہ تو اللہ کی عبادت اس طرح کرے گویا کہ تو اسے دیکھ رہا ہے لیکن اگر تم اس مقام پر نہیں پہنچ سکے تو یہ تصور کرو کہ اللہ تمہیں دیکھ رہا ہے (مشکوۃ کتاب الایمان) اس سے صاف ظاہر ہے کہ اعمال ظاہری و عقائد کے علاوہ ایک اور کمال بھی ہے جسے احسان کے نام سے تعبیر کیا گیا ہے یہ "احسان" اصل تصوف کی طرف اشارہ ہے اور اثبات ولایت کی قوی دلیل ہے حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی اس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں دین اور کمال دینی کی بنا فقہ و کلام و تصوف پر قائم ہے اس حدیث میں ان تینوں مقامات کا ذکر ہے اسلام سے مراد ہے فقہ جو احکام و اعمال شرعیہ کے بیان پر متضمن ہے۔ ایمان سے مراد ہیں اعتقادات جو اصول کلام کے مسائل ہیں احسان اشارہ ہے اصل تصوف کی طرف۔ جس سے مراد صدق و توجہ الی اللہ، تینوں لازم و ملزوم ہیں ان میں سے کوئی ایک بھی دوسرے کے بغیر کمال کو نہیں پہنچ سکتا فقہ کے بغیر تصوف نہیں پایا جاتا کیونکہ احکام الٰہی فقہ کے بغیر معلوم نہیں ہو سکتے اور تصوف کے بغیر فقہ ناتمام رہتی ہے اس لئے کہ عمل صدق کے بغیر کامل نہیں ہوتا اور فقہ اور تصوف دونوں ایمان کے بغیر صحیح نہیں ہوتے یہی وجہ ہے کہ امام مالکؒ نے فرمایا ہے کہ جو شخص صوفی بنا اور فقیہ نہ ہو پس وہ زندیق ہو گیا اور فقیہ ہوا صوفی نہ بنا پس وہ فاسق ہو گیا جو دونوں کا جامع ہے وہ ٹھیک اور درست ہے۔ ایک حدیث شریف میں آیا ہے کہ "جب آدمی بہت نفل پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اپنا محبوب بنا لیتا ہے اور پھر اس کی یہ

---

[1] (i) شریعت و تصوف، از، مولانا شاہ محمد مسیح اللہ، ادارہ تالیفات اشرفیہ ریلوے روڈ ملتان، ص 92 (ii) رموز تصوف، از، حضرت خواجہ بندہ نواز سید محمد گیسو درازؒ، مترجم، شبیر حسن چشتی نظامی، آستانہ بکڈپو دہلی (iii) تاریخ تصوف، از، عبدالصمد صارم الازہری، ادارہ علمیہ لاہور، 1969ء ص 7

حالت ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اس کا ہاتھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اس کے پاؤں بن جاتا ہوں جن سے وہ چلتا پھرتا ہے اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جن سے وہ دیکھتا ہے اس حدیث شریف کی عبارت پر غور کریں کہ کیا یہ وہی درجہ نہیں جس کے متعلق مولانا روم فرماتے ہیں۔

گفتہ او گفتہ اللہ بود　　گرچہ از حلقوم عبداللہ بود
مردان خدا خدا نہ باشد　　لیکن ز خدا جدا نہ باشد

یہی فنافی اللہ اور یہی تصوف کی انتہا ہے یہیں سے علمائے روحانی اور علمائے ظاہر کا فرق سمجھ میں آتا ہے اور اس جگہ پہنچ کر وہ ہر قسم کے مراتب و فضائل کے حامل بن جاتے ہیں[1] علم تصوف اس علم کو کہتے ہیں جس سے ان اہل کمال کی معرفت حاصل ہوتی ہے جو نوع انسان میں مدارج سعادت میں ترقی حاصل کرتے ہیں اور اس سے ان امور کا حال معلوم ہوتا ہے جو ان کے درجات میں بقدر طاقت بشریہ پیش آتے ہیں[2] صوفیاء عام طور سے مسئلہ اخلاق سے تصوف کی بحث شروع کرتے ہیں شاہ ولی اللہ صاحب لطیفہ عاقل، لطیفہ قلب اور لطیفہ نفس سے پہلے انسانی بدن میں ایک اور لطیفہ بھی تجویز کرتے ہیں ان کے ہاں اس کا نام لطیفہ جوارح ہے[3] تصوف وہ علم ہے جس میں ذات و صفات باری تعالیٰ کی نسبت بحث کی جاتی ہے اور ان اعمال و اشغال کا ذکر کیا جاتا ہے جس سے تزکیہ و تصفیہ باطن ہو جو وصول الی اللہ کا ذریعہ ہے یا یوں سمجھو کہ تصوف قرآن و حدیث سے نکلی ہوئی ایسی شاہراہ ہے جو افراط و تفریط کے عین درمیان میں واقع ہے جسے صراط مستقیم کہا جا سکتا ہے اور اس پر چلنے سے انسان خدا تک پہنچ جاتا ہے[4] علم و عرفان کا یہ سرچشمہ کثرت ریاضت و مجاہدہ سے ایک صوفی یا سالک کے باطن میں خود بخود ابھرتا ہے یہ ایک طرح کا اشراق و فیضان ہے جس کی جڑیں لاشعور میں پیوستہ ہیں[5] علم باطن جس کو اسلامی اصطلاح میں تصوف بھی کہتے ہیں ایک نہایت دلچسپ اور عجیب و غریب چیز ہے اس کی دلچسپی کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اس

---

[1] (i) کفرستان ہند کے تین ولی، مرتبہ، مولانا شریف احمد صاحب، حمیدیہ پریس دہلی، 1935ء ص 4-3 (ii) اردو دائرہ معارف اسلامیہ، جلد 6، ص 432

[2] حیات ولی، از، حافظ رحیم بخش، ص 565 [3] شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ، از، عبیداللہ سندھی، ص 219

[4] مقامات تصوف، محمد اسماعیل سنبھلی، یونیورسل بکس لاہور، 1982ء ص 26 [5] (i) مقالات الاسلامیین، علامہ ابوالحسن اشعری، مترجم، محمد حنیف ندوی، ادارہ ثقافت اسلامیہ کلب روڈ لاہور، 1968ء جلد اول، ص 18 (ii) تصوف اور سریت، از، پروفیسر لطیف اللہ، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور، 1990ء ص 158 (iii) مرآۃ الاسرار، از، شیخ عبدالرحمٰن چشتی، مترجم، کپتان واحد بخش سیال، صوفی فاؤنڈیشن لاہور، 1982ء جلد اول ص 28

کے غرائب نے اقوام عالم کے بعض بہترین دل و دماغ رکھنے والے آدمیوں کو اپنی طرف کھینچا ہے اور عوام کے تخیلات پر گہرا اثر ڈالا ہے[1] محققین حضرات خواہ ان کا تعلق مشرق سے ہو یا مغرب سے ان سب کے درمیان لفظ تصوف کے ماخذ کی تحقیق میں گہرا اختلاف رائے پایا جاتا ہے علامہ لطفی جمعہ کہتے ہیں کہ صوفی کا لفظ شیو صوفیا سے ماخوذ ہے یہ ایک یونانی لفظ ہے جس کا مفہوم حکمت الٰہی ہے صوفی کی غایت حقیقت اولیٰ کی دریافت کرنا ہے[2] اگر تصوف میں کئی کوتاہیاں ہوں تب بھی ہندوستانی مسلمانوں کے لئے اسے جڑ سے اکھاڑ پھینکنا آسان نہیں۔ ہمارا ادب 'فلسفہ' مذہب تصوف کی گود میں پلا ہے اور اگر ہم تصوف کا قلع قمع کر دیں تو بہت سی قیمتی چیزوں سے ہاتھ دھونا پڑے گا اور اس کے علاوہ تصوف کی اسلامی صورت یعنی احسان یا اخلاص فی العمل کی ضرورت قوم کو ہمیشہ رہی ہے اور رہے گی[3] شاہ ولی اللہ کے افکار کے ماخذوں کی تلاش میں ہمیں قرآن حکیم اور احادیث نبوی کو اولیت دینی ہو گی تصوف کے شعبہ میں وہ ابن عربی سے متاثر تھے تاہم انہوں نے شیخ احمد سرہندی کے اثرات بھی قبول کئے تھے فلاسفہ اور ماہرین الٰہیات میں سے ابو الحسن اشعری' غزالی' خطابی' عزالدین عبدالسلام' ابن تیمیہ' رازی اور ابن خلدون کے افکار کے اثرات شاہ ولی اللہ کی نگارشات میں نمایاں نظر آتے ہیں[4] تمام صوفیاء بلا استثناء اس بات پر متفق ہیں کہ وہ جس تصوف کے قائل ہیں اس کی بنیاد کتاب و سنت پر قائم ہے اور یہی اس کے اصل ماخذ ہیں ابو عبداللہ سہل بن عبداللہ تستری متوفی 273ھ کہتے ہیں۔ ہمارے طریقہ کے سات اصول ہیں کتاب اللہ کو مضبوطی سے تھامنا' سنت کی پیروی' حلال کھانا' اذیت رسانی سے رکنا' معصیتوں سے اجتناب' توبہ اور حقوق کی ادائیگی[5] تصوف کے تصور نے اسلامی شاعری کو نیا رنگ اور موضوع دیا۔

"A religious poetry began to emerge, reaching its first important flowering around the ninth century as Sufism - the mystical current in Islam turned from extreme asceticism to emphasis on a personal love relationship between the devotee and God". [6]

---

[1] تاریخ تصوف' علامہ محمد اقبال' مرتبہ صابر کلوروی' مکتبہ تعمیر انسانیت لاہور' 1985ء ص 28 [2] فلسفے کے بنیادی مسائل' قاضی قیصر الاسلام' نیشنل بک فاؤنڈیشن لاہور' 1978ء ص 459 [3] رود کوثر' شیخ محمد اکرام' ص 564 [4] افکار شاہ ولی اللہ' قاضی جاوید' بک ٹریڈرز لاہور' 1983ء ص 77
[5] (i) عوارف المعارف' شیخ شہاب الدین سہروردی' مترجم' رشید احمد' لاہور' 1962ء ص 88
[6] اسلامی تصوف' از' سید احمد عروج قادری' یونیورسل بکس لاہور' ص 14
The Encyclopaedia of Religion, Vol. II, P. 386

کسی شخص کے مقرب الی اللہ اور ولی اللہ ہونے کو پرکھنے کے لئے ہمارے پاس سب سے بڑی کسوٹی شریعت ہے جتنا کوئی شخص خلوص کے ساتھ شریعت پر عمل پیرا ہو گا اور اتباع سنت میں استقامت دکھائے گا اتنا ہی وہ مقرب الی اللہ ہو گا[1] پروفیسر لوئی میسی نیون نے جو تصوف اسلام پر سب سے بڑا مستشرق شمار کیا جاتا ہے اپنی مشہور تصنیف

ESSAI SUR LE ORIGINES DE LEX LOVE TECHNIQUE DE LA MYSTIQUE MUSULMANE, PARIS, 1922

میں بڑی تحقیق و کاوش سے یہ ثابت کیا ہے کہ تصوف کا منبع و مخرج قرآن و احادیث ہی ہیں اور یہ تحریک خالصتاً" اسلامی ہے اٹھارویں صدی عیسوی صرف ہندوستان میں ہی نہیں بلکہ تمام دنیا میں بڑی اہم سیاسی اور سماجی تبدیلیوں کا زمانہ تھا[2] معروف کرخیؒ = تصوف کے معنی یہ ہیں کہ حقائق کو اخذ کیا جائے اور ان باتوں کو جو خلقت کے ہاتھ میں ہیں ان کو چھوڑ دیا جائے۔ ذوالنون مصریؒ = اہل تصوف وہ لوگ ہیں جنہوں نے خدائے بزرگ و برتر کو تمام چیزوں پر ترجیح دی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خدائے بزرگ و برتر نے ان کو تمام چیزوں پر فوقیت بخشی۔ سمنون المحبؒ = تصوف یہ کہ نہ کوئی چیز تیرے قبضہ میں ہو اور نہ کسی چیز کا تجھ پر قبضہ ہو جنید بغدادیؒ = تصوف کے معنی یہ ہیں کہ باری تعالیٰ تیری خودی کو تجھ سے زائل کر کے فنا کر دے اور اپنے میں ملا کر تجھے زندہ باقی کر دے ابو محمد رویمؒ = تصوف نفس کو باری تعالیٰ کی مرضی پر چھوڑ دینے کا نام ہے ابوبکر الکتانیؒ = تصوف اخلاق حسنہ کا نام ہے پس جو شخص تم پر اخلاق حسنہ میں فوقیت لے جائے سمجھ لو کہ وہ صفائی قلب میں بھی تم سے بڑھ گیا ہے۔ امام غزالیؒ = جو کوئی خدا تعالیٰ کے ساتھ راستباز اور خلق خدا کے ساتھ نیک خواہ اور بردبار ہے وہ صوفی ہے۔ ابو تراب بخشیؒ = صوفی وہ ہے جسے کوئی چیز ناپاک نہ کر سکے اور خود ہر چیز کو پاک و صاف کر دے۔ حسین بن منصور حلاجؒ = صوفی وہ ہے جو ذات کے لحاظ سے واحد ہو نہ کوئی اس کی طرف متوجہ ہو اور نہ وہ کسی کی طرف متوجہ ہو[3] علم تصوف کا موضوع ذات و صفات الٰہی ہے اور غرض و غایت معرفت الٰہی ہے[4] "امام ولی اللہ دہلوی کا تصوف ان کے زمانے کے تصوف سے بالکل مختلف تھا انہوں نے اس عام خانقاہی تصوف سے متمیز کرنے کے لئے

---

[1] اقبال کا تصور دین' از' پروفیسر شفیق الرحمان ہاشمی' فیروز سنز لاہور' ص 228

[2] تاریخ مشائخ چشت' از' خلیق احمد نظامی' ندوۃ المصنفین دہلی' مئی 1963ء ص 309 [3] علم الاخلاق' از' مولوی بدر الدین بدر جالندھری' تاج کمپنی لاہور' ص 81-375 [4] اسلام کا نظام تعلیم' از' مفتی عبدالرحمان خان' عالمی ادارہ اشاعت علوم اسلامیہ' ملتان' فروری 1983ء ص 27

اپنے فلسفے کی باقی مدات کی طرح اسے بھی براہ راست دور نبوت سے اخذ کیا بلکہ اس کا نام تصوف کی بجائے احسان رکھا۔ جو اس حدیث نبوی سے ماخوذ ہے جس میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت جرائیل کے ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں کہ احسان یہ ہے کہ "ان تعبد اللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک" یعنی احسان یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی عبادت ایسے کرے گویا اللہ کو دیکھ رہا ہے یا کم سے کم یہ یقین کامل رکھے کہ خدا اسے دیکھ رہا ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص 11) امام صاحب کی احسانیات کی بنیاد اجتماعیت اور انقلاب پر ہے وہ انسانوں کے اخلاق بلند کرنے اور اسے روحانیات میں پختہ کرنے کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ تاکہ وہ معاشرے میں اچھا نظام چلا سکیں۔[1] حضرت مرزا مظہر جان جاناں، شاہ ولی اللہ کے متعلق فرماتے ہیں۔ "حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے (تصوف کا) نیا طریقہ بیان کیا ہے اور وہ خدا شناسی کے راز کھولنے اور علوم کی باریکیاں بیان کرنے میں خاص طرز کے مالک ہیں علوم ظاہری میں مہارت تامہ رکھنے کے ساتھ ہی شاہ صاحب علمائے ربانی میں سے ہیں محقق صوفیوں میں جو ظاہری اور باطنی علوم کے ماہر ہوں اور جنھوں نے علم کے راز بیان کرنے میں نئی ڈگر اختیار کی ہو ایسے چند ہی بزرگ گزرے ہیں"[2] شاہ ولی اللہ نے تصوف کا گہرا مطالعہ کرکے اس کی لطافتوں کو آشکار کیا اور ان کے سلسلہ ہائے تعلق کو عام کیا۔

---

[1] دعوت فکر' ص 39 [2] محمودیہ' ص 43

القول الجمیل فی بیان سواء السبیل: القول الجمیل شاہ صاحب کی عربی زبان میں تصوف پر ایک نہایت شاندار کتاب ہے۔[1] القول الجمیل کا ترجمہ شفاء العلیل کے نام سے شائع ہوا[2] جو مولانا خرم علی نے کیا تھا اس میں تصوف کے ان طریقوں کا بیان ہے جو برعظیم پاک و ہند میں رائج ہیں[3]

"His treatise Al-qual-ul-Jamil is an earlier work prepared by him before his departure for the Haramain". [4]

حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں۔ علمنا ھذا مشید بالکتاب والسنۃ ترجمہ: ہمارا یہ علم تصوف کتاب و سنت کی بنیادوں پر قائم ہے۔ ایک اور جگہ تصوف کے متعلق فرماتے ہیں۔ ہدایت کے تمام راستے صرف اسی کے لئے کھلے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرتا ہے[5] شفاء العلیل کے نام سے القول الجمیل کا اردو ترجمہ بمعہ عربی متن کے موجود ہے یہ ترجمہ آج سے سو برس پہلے 1206ھ میں ایک بزرگ مولانا خرم علی نے کیا تھا اور 1301ھ میں دہلی میں یہ طبع ہوا تھا۔ القول الجمیل میں مضامین کی فہرست اس طرح ہے تمہید، بیعت کی حقیقت، بیعت کی شرائط، مرید کی تعلیم و تربیت، قادری مشائخ کے اشغال، چشتی مشائخ کے اشغال، نقشبندی مشائخ کے اشغال، نسبت کی حقیقت، والد بزرگوار کے فرمودہ وظائف و تعویذات، عالم ربانی کے آداب، وعظ و تذکیر کے آداب، مصنف کا سلسلہ طریقت، سب سے پہلے زیر نظر کتاب میں شاہ صاحب نے اس امر پر بحث کی ہے کہ آیا صوفیاء میں مرید سے بیعت لینے کا جو رواج ہے کتاب و سنت کی روح سے یہ جائز بھی ہے یا نہیں، شاہ ولی اللہ یہ تسلیم کرتے ہیں کہ خلافت راشدہ اور اس کے بعد تابعینؒ کا جو زمانہ تھا اس میں اس قسم کی بیعت کا کہیں پتہ نہیں[6] شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ اس زمانے

---

[1] (i) حیات ولی' رحیم بخش' ص 577 (ii) اصول فقہ اور شاہ ولی اللہ' ڈاکٹر مظہر بقا' ص 68 (iii) شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات' خلیق احمد نظامی' ص 185 (iv) حیات طیبہ' مرزا حیرت دہلوی' ص 30 (v) شاہ ولی اللہ اور ان کا خاندان' محمود احمد برکاتی' ص 47 (vi) تذکرہ شہید' خالد سیف' ص 30 [2] رود کوثر' شیخ اکرام' ص 565 [3] ارتفاقات معاشیہ' شیخ بشیر احمد' ص 31

4. Life of Shah Walli Allah, G.N. Jalbani, Idara-i-Adbiat, Delhi, 1980, P. 32

[5] القول الجمیل' شاہ ولی اللہ' مترجم' محمد سرور' سندھ ساگر اکادمی لاہور' 1981ء ص 24

میں صرف ایک ہی بیعت کا رواج تھا اور وہ بیعت خلافت تھی لیکن اس کے بعد ایک دور آیا جس میں صوفیاء نے مریدوں سے بیعت لینی شروع کی یہاں شاہ صاحب اس بیعت کا تاریخی پس منظر بتاتے ہیں اور مسلمانوں میں بیعت تصوف کا رواج کیوں ہوا اس کو تفصیل سے بیان فرماتے ہیں بیعت تصوف کے جواز میں شاہ ولی اللہ یہ جواز پیش کرتے ہیں کہ رسول صلعم سے بیعت کی کئی قسمیں مروی ہیں۔ صحابہؓ جب اسلام قبول کرتے تو آپؐ ان سے بیعت لیتے یہ بیعت اسلام تھی' اسی طرح ہجرت کے لئے بیعت لی جاتی تھی پھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد کے لئے بھی بیعت لی اسی طرح تقویٰ پر مضبوطی سے قائم رہنے' کسی سے سوال نہ کرنے' مردوں پر نوحہ نہ کرنے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لئے بھی صحابہؓ سے بیعت لینا آپؐ سے مروی ہے ص 26 الغرض شاہ صاحب کے نزدیک صوفیاء میں بیعت کا یہ سلسلہ اسلام کی تاریخ کے ایک خاص دور میں ملت کی تمدنی' اخلاقی اور اجتماعی ضرورتوں کی بناء پر وجود میں آیا اس لئے اگر بیعت تصوف سے یہ مقصد پورا ہوتا ہے تو اس کے ناجائز ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی۔ دوسری فصل میں بیعت کی شرائط سے بحث کی گئی ہے بیعت کرتے وقت مرید کا مرشد کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دینا اس فعل کی نفسیاتی اعتبار سے کیا حیثیت ہے اس بارے میں شاہ صاحب فرماتے ہیں۔ انسان کے اندر جو باطنی کیفیات پیدا ہوتی ہیں اللہ تعالیٰ نے ان باطنی کیفیات کو چند مخصوص اقوال و اعمال سے اس طرح متعلق کر دیا ہے گویا یہ اقوال و اعمال ان نظر نہ آنے والی باطنی کیفیات کا قائمقام بن گئے ہیں۔ ان اقوال و اعمال کو دوسری جگہ شاہ صاحب نے رسوم کا نام دیا ہے شاہ صاحب کے نزدیک رسوم کے بغیر انسان کی کوئی باطنی کیفیت اس دنیا میں مشکل نہیں ہو سکتی۔ مرشد کی خصوصیات کا ذکر بھی کیا گیا ہے مرشد کے لئے ضروری ہے کہ وہ قرآن و سنت کا عالم ہو عادل و متقی ہو۔ دنیا سے بے نیاز ہو۔ امر بالمعروف ونہی عن المنکر پر عامل ہو طبیعت میں تذبذب نہ ہو۔ عقل تام رکھتا ہو صاحب مروت ہو اور مشائخ کی صحبت میں رہ کر تربیت حاصل کر چکا ہو۔ مرید کے لئے عاقل و بالغ اور شوق و رغبت رکھنا ضروری ہے۔ ص 28-27 تیسری فصل میں مرید کی تعلیم و تربیت کا بیان ہے قرآن و سنت کے مطابق عقیدے کو ٹھیک کرنا' نبوت نبیؐ و مرسلین کل پر ایمان' پھر کبیرہ گناہوں سے بچے' اور صغیرہ گناہوں کے ارتکاب پر نادم ہو۔ ارکان اسلام پر عمل کرے' معاشرتی حقوق و فرائض ادا کرے' صالح و پاکیزہ زندگی گزارے۔ چوتھی' پانچویں اور چھٹی فصل میں قادری' چشتی اور نقشبندی طریقے کے اشغال کا ذکر کیا ہے۔ یہ ایک قسم کی ریاضتیں ہیں جن کی انجام دہی مرید کی طبیعت میں یکسوئی پیدا کرتی ہے اور وہ دنیا سے ہٹ کر پہلے اپنی طرف اور پھر ذات حق کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ بے شک صوفیاء کے یہ اشغال قرآن و سنت' صحابہؓ' تابعینؒ' و تبع تابعینؒ سے ثابت نہیں اور نہ ان کا رواج تھا لیکن ان اشغال کا مقصد صرف عبادت و ریاضت اور قرب الٰہی ہے شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ صحابہؓ نے ان کو اس لئے اختیار نہیں کیا کہ ان کے پاس نبی اکرمؐ کی صورت میں جامعیت و اکملیت کا بہترین اسوہ حسنہ موجود تھا تابعینؒ اور تبع تابعینؒ تک بھی ایک حد تک آپؐ کا اثر رہا

لیکن زمانے کی گردش کے ساتھ ساتھ پہلا اثر زائل ہوتا گیا اور نئے فتنے پیدا ہوتے گئے۔ اس لئے بعد والوں کو قرب الٰہی کے حصول کے لئے ان نفسی ریاضتوں سے مدد لینے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ ساتویں فصل نسبت کی حقیقت کے متعلق ہے شاہ صاحب فرماتے ہیں۔ "تصوف کے جتنے طریقے ہیں ان سب کا مقصد یہ ہے کہ طالب کے نفس ناطقہ کے اندر ایک خاص کیفیت پیدا ہو جائے اس کیفیت کا نام نسبت ہے اور اس کو نسبت کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ عبارت ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ انتساب اور ارتباط سے شاہ ولی اللہ کے نزدیک یہ نسبت ملائکہ سے مشابہ ہوتی ہے اور عالم جبروت کے حقائق کا مشاہدہ کرتی ہے طریقت کے اشغال و وظائف سے دراصل مقصود یہ ہے کہ طالب ان نسبتوں میں سے کسی ایک نسبت کو حاصل کرے اور وہ نسبت اس کے نفس ناطقہ کے لئے بحیثیت ایک مستقل ملکہ بن جائے۔ آٹھویں فصل میں شاہ ولی اللہ کے والد بزرگوار شاہ عبدالرحیم کے وظائف اور تعویذات کا ذکر ہے شاہ صاحب نے بہت سی نسبتوں اور بیماریوں کے لئے وظائف اور تعویذات بیان کئے ہیں جن میں یہ وظائف اور تعویذات موثر ہو سکتے ہیں۔ نویں فصل میں شاہ ولی اللہ نے عالم ربانی کو چند نصیحتیں کی ہیں اور اس میں بتایا گیا ہے کہ طلبہ کو کس طرح تعلیم دی جائے آپ نے عالم ربانی کو تاکید فرمائی ہے کہ جہاں تک اس کے بس میں ہو۔ فقراور طالب علموں کی خبر گیری کرے۔ دسویں فصل میں وعظ و تذکیر کے آداب کا ذکر کیا گیا ہے واعظ کو چاہئے کہ مسلمان کے اوصاف کا تصور کرے قلبی کیفیات کیسی ہوتی ہیں۔ آخری فصل میں آپ نے اپنے سلسلہ طریقت کو اپنے سے شروع کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچایا ہے۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں۔ تصوف میں ہمارا سلسلہ صحبت اور طریقت و سلوک کے آداب میں ہمارے اخذ علم کا واسطہ صحیح' مشہور اور متصل روایت کے ذریعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ملتا ہے۔ گو تصوف کے ان مخصوص آداب اور اشغال کا تعین آپؐ سے ثابت نہیں۔ اس بندہ ضعیف ولی اللہ نے خدا اسے مغفرت کرے اور اسے اپنے پیش رو صالحین سے ملائے' اپنے والد شیخ اجل عبدالرحیم کی صحبت سے' اللہ ان سے راضی ہو اور ان کو راضی رکھے' ایک طویل مدت تک فیض حاصل کیا۔ ان سے میں نے ظاہری علوم پڑھے اور طریقت کے آداب سیکھے۔ اس بندہ ضعیف نے ان کی کرامات دیکھیں۔ ان سے مشکلات کے حل پوچھے اور طریقت و حقیقت اور واقعات و احوال و کرامات کی قبیل میں سے جو کچھ ان پر اور ان کے مشائخ پر گزرا تھا' ان امور کے بارے میں ان سے بہت کچھ سنا۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ موصوف کو میری طرف سے اور جو دوسرے استفادہ کرنے والے ہیں' ان کی طرف سے جزائے خیر دے۔ بندہ ضعیف نے اپنے والد شیخ عبدالرحیم کی صحبت پائی اور والد بزرگوار بہت سے مشائخ کی صحبت سے مستفید ہوئے' جن میں سے یہ تین بڑے جلیل القدر ہیں۔ اول خواجہ خرد جو شیخ احمد سرہندی' شیخ الہ داد اور خواجہ حسام الدین کے صحبت یافتہ تھے اور یہ تینوں کے تینوں خواجہ خورد کے والد خواجہ محمد باقی باللہ کے صحبت یافتہ تھے۔ شیخ عبدالرحیم کے مشائخ میں سے دوسرے بزرگ شیخ عبداللہ ہیں' جو شیخ آدم بنوری کے صحبت یافتہ تھے۔ انہیں شیخ احمد

سرہندیؒ کی صحبت ملی تھی اور شیخ احمد سرہندیؒ خواجہ محمد باقی باللہ کے صحبت یافتہ تھے۔ شیخ عبدالرحیم کے تیسرے شیخ خلیفہ ابوالقاسم ہیں، جنہوں نے ملا ولی محمد کی صحبت پائی اور وہ امیر ابوالعلا کی صحبت میں بیٹھے تھے۔ خواجہ محمد باقی باللہ نے خواجہ امکنگی کی صحبت پائی وہ اپنے والد مولانا محمد درویش سے فیض یاب ہوئے۔ مولانا محمد درویش، مولانا محمد زاہد کی صحبت میں بیٹھے اور مولانا محمد زاہد نے خواجہ عبیداللہ احرار کی صحبت پائی۔ اسی طرح امیر ابوالعلا امیر عبداللہ کی صحبت میں بیٹھے۔ انہوں نے امیر یحییٰ سے فیض پایا۔ امیر یحییٰ نے خواجہ عبدالحق سے فیض حاصل کیا اور وہ خواجہ عبیداللہ احرار کے صحبت یافتہ تھے۔ خواجہ عبیداللہ احرار نے کئی اور بزرگوں کی صحبت پائی، جن میں سے مشہور مولانا یعقوب چرخی اور خواجہ علاؤ الدین غجدوانی ہیں۔ یہ دونوں کے دونوں خواجہ نقشبند سے بلاواسطہ مستفید ہوئے اس کے علاوہ مولانا یعقوب چرخی نے خواجہ علاؤ الدین عطار کی بھی صحبت پائی۔ اسی طرح خواجہ علاؤ الدین غجدوانی، محمد پارسا کی صحبت میں بیٹھے اور خواجہ علاؤ الدین عطار اور خواجہ محمد پارسا دونوں خواجہ نقشبند کے جلیل القدر اصحاب میں سے تھے۔ خواجہ نقشبند نے بہت سے بزرگوں کی صحبت پائی۔ جن میں سے سب سے زیادہ جلیل القدر خواجہ محمد سماسی اور ان کے خلیفہ امیر سید کلال ہیں۔ خواجہ محمد سماسی نے خواجہ علی رامیتنی سے فیض پایا۔ انہوں نے خواجہ محمود ابوالخیر فغنوی سے۔ انہوں نے خواجہ عارف ریوگری سے وہ خواجہ عبدالخالق غجدوانی کی صحبت میں بیٹھے۔ انہوں نے خواجہ یوسف ہمدانی سے فیض پایا اور وہ علی فارمدی کے صحبت یافتہ تھے۔ علی فارمدی کے بہت سے مشائخ تھے، جن میں سے یہ دو سب سے زیادہ مشہور ہیں۔ ایک امام ابوالقاسم قشیری جو ابو علی دقاق کے صحبت یافتہ تھے۔ وہ ابوالقاسم نصر آبادی کے اور ابوالقاسم نصر آبادی اور ابوالحسین حصری کے صحبت یافتہ تھے۔ ان دونوں نے شبلی کی صحبت پائی اور وہ سید طریقت جنید بغدادیؒ کی صحبت میں بیٹھے۔ علی فارمدی کے دوسرے شیخ خواجہ ابوالقاسم گرگانی ہیں۔ جو ابو عثمان مغربی کی صحبت میں بیٹھے۔ وہ ابو علی کاتب کے فیض یافتہ تھے اور وہ ابو علی رودباریؒ کے اور ابو علی رودباری جنید بغدادیؒ کے۔ جنید بغدادیؒ نے اپنے ماموں سری سقطی کی صحبت پائی۔ انہوں نے معروف کرخی کی اور معروف کرخی بہت سے مشائخ سے فیض یاب ہوئے، جن میں سب سے مشہور ایک تو امام علی بن موسیٰ رضا ہیں، جو اپنے والد امام موسیٰ کاظم کے صحبت یافتہ تھے۔ وہ اپنے والد امام جعفر صادق کے وہ اپنے والد امام محمد باقر کے وہ اپنے والد امیر المومنین علیؓ بن ابی طالب کے اور آپ نے سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت پائی۔ معروف کرخی کے دوسرے مشہور شیخ داؤد طائی ہیں، جو فضیل اور حبیب عجمی اور ذوالنون کے صحبت یافتہ تھے۔ ان تینوں نے تابعین اور تبع تابعین میں سے بہت سے مشائخ کی صحبت پائی جن میں سے سب سے بڑھ کر جلیل القدر حسن بصری ہیں۔ یہ تابعین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کی صحبت میں بیٹھے۔ ان صحابہؓ میں سے ایک حضرت انسؓ ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم اور آپؐ کی سنت کے حافظ تھے۔ الغرض یہ ہے ہمارے طریقے کا سلسلہ صحبت جس کی نہ تو صحت میں اور نہ شروع سے لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک اس کے متصل ہونے میں شک کیا جا سکتا ہے۔ اس سلسلے میں امام جعفر صادق کو اپنے نانا قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیقؓ سے بھی اکتساب حاصل ہے۔ قاسم نے سلمانؓ فارسی سے فیض

پایا۔ انہوں نے ابو بکر صدیقؓ سے اور ابو بکر صدیقؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ یہ اوپر تو ہمارے طریقے کے ایک سلسلہ صحبت کا بیان ہوا۔ اس کے علاوہ ہمارے اور بھی سلسلے ہیں، جن میں سے کسی میں کہیں کہیں تو صحبت کا اتصال ہے اور کہیں بیعت اور خرقہ کا چنانچہ بندہ ضعیف نے اپنے والد شیخ عبدالرحیم سے خرقہ لیا۔ انہوں نے شیخ عبداللہ سے۔ انہوں نے شیخ آدم سے انہوں نے شیخ احمد سرہندی سے انہوں نے اپنے والد شیخ عبدالاحد سے اور انہوں نے شاہ کمال سے۔ شیخ احمد سرہندی کو شیخ سکندر سے بھی طریقہ ملا۔ ان کو اپنے دادا شاہ کمال سے جن کا ابھی ذکر ہوا۔ ان کو سید فضیل سے ان کو سید گدا رحمٰن بن ابی الحسن سے ان کو سید شمس الدین عارف سے ان کو سید گدا رحمٰن ابن ابی الحسن سے ان کو شمس الدین صحرائی سے۔ ان کو سید عقیل سے ان کو سید بہاؤ الدین سے ان کو سید عبدالوہاب سے ان کو سید شرف الدین قتال سے ان کو سید عبدالرزاق سے ان کو اپنے والد امام طریقہ قادریہ ابو محمد عبدالقادر جیلانی سے ان کو ابو سعید مخزمی سے ان کو ابوالحسن قرشی سے۔ ان کو ابوالفرج طرطوسی سے ان کو ابوالفضل عبدالواحد تمیمی سے ان کو اپنے والد شیخ عبدالعزیز تمیمی سے۔ ان کو ابو بکر شبلی سے اور ابو بکر شبلی کو اس سلسلے کے ذریعہ جو اوپر بیان ہوا، جنید بغدادی سے۔ اسی طرح ان کو سلسلہ بسلسلہ آخر تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ طریقہ ملا۔ اس کے علاوہ شیخ عبدالرحیم نے اپنے نانا شیخ رفیع الدین محمد کی روح سے بھی فیض پایا اور وہ اس طرح کہ آپ کی پیدائش سے ایک عرصہ پہلے شیخ رفیع الدین نے آپ کو مسند طریقت بطور خرق عادت عطا فرمائی۔ شیخ رفیع الدین نے اپنے والد شیخ مجم الحق چایارہ سے، اور انہوں نے شیخ عبدالعزیز سے یہ فیض پایا۔ مزید برآں شیخ عبدالرحیم کے اور بھی سلسلے ہیں۔ آپ کو سید عظمت اللہ اکبر آبادی نے سند طریقت مرحمت فرمائی۔ ان کو اپنے باپ دادوں سے فیض ملا۔ ان کو شیخ عبدالعزیز سے۔ ان کو قاضی خان یوسف ناصحی سے ان کو حسن بن طاہر سے ان کو سید راجی حامد شاہ سے ان کو شیخ حسام الدین مانک پوری سے ان کو خواجہ نور قطب عالم سے ان کو اپنے والد علاؤ الحق بن اسعد لاہوری ثم بنگالی سے ان کو اخی سراج عثمان لودھی سے، ان کو شیخ نظام الدین اولیاؒ سے ان کو شیخ فرید الدین گنج شکرؒ سے ان کو خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ سے۔ ان کو خواجہ معین الدینؒ سجزی سے ان کو خواجہ عثمان ہارونی سے، ان کو حاجی شریف زندنی سے ان کو خواجہ مدود چشتی سے ان کو اپنے والد خواجہ یوسف بن محمد بن سمعان چشتی سے، ان کو خواجہ مودود چشتی سے ان کو اپنے والد خواجہ یوسف بن محمد بن سمعان چشتی سے، ان کو اپنے ماموں خواجہ محمد چشتی سے ان کو اپنے والد خواجہ ابو احمد چشتی۔ ان کو خواجہ ابو اسحاق شامی سے ان کو ممشاد علو دینوری سے، ان کو ابو ہبیرہ بصری سے ان کو حذیفہ مرعشی سے ان کو ابراہیم ابن ادہم سے۔ ان کو فضیل بن عیاض سے ان کو عبدالواحد بن زید سے، ان کو حسن بصری سے یہ فیض ملا۔ ان کو علیؓ سے اور ان کو سید المرسلین صلعم سے۔ والد بزرگوار نے بطریقہ باطن رسول اللہ صلعم سے بھی فیض حاصل کیا۔ اور وہ اس طرح کہ والد بزرگوار نے رسول اللہ صلعم کو خواب میں دیکھا۔ آپؐ کے ہاتھ پر بیعت کی اور

رسول اللہ صلعم نے موصوف کو نفی و اثبات کے ذکر کی تلقین فرمائی۔ نیز والد بزرگوار نے حضرت زکریا علیہ السلام سے فیض پایا اور آپؒ نے والد کو اسم ذات کی تعلیم دی۔ اس کے علاوہ والد بزرگوار نے شیخ ابو محمد عبدالقادر جیلانی، خواجہ بہاؤ الدین محمد نقشبند اور خواجہ معین الدین ابن حسن چشتی کی ارواح سے بھی کسب فیض کیا۔ والد نے ان آئمہ کو خواب میں دیکھا اور ان سے طریقت کی اجازت حاصل کی۔ نیز آپ نے ان میں سے ہر ایک کی طریقت میں جو نسبت ہے اس کو علیحدہ علیحدہ جانا اور ان آئمہ کی نسبتوں سے آپ کے قلب پر فیضان بھی ہوا چنانچہ والد بزرگوار ہم سے ان چیزوں کے بارے میں گفتگو فرمایا کرتے تھے[1] شاہ ولی اللہ نے القول الجمیل میں مصائب و مشکلات اور بیماریوں وغیرہ کے حل کے لئے وظیفوں اور دعاؤں کا بھی ذکر کیا ہے۔ جس شخص کو خنازیر کی شکایت ہو، وہ اپنے قد کے برابر ایک چمڑے کا تسمہ لے۔ اس میں اکتالیس گرہیں لگائے اور ہر گرہ پر یہ دعا پڑھ کر پھونکے۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم اعوذ بعزۃ اللہ وقدرۃ اللہ وقوۃ اللہ وعظمۃ اللہ وبرھان اللہ وسلطان اللہ وکنف اللہ وجوار اللہ وامان اللہ وحرز اللہ وصنع اللہ وکبریاء اللہ وبھاء اللہ ونظر اللہ وجلال اللہ وکمال اللہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ من شر ما اجد۔ جس شخص کے بدن پر سرخ باد ظاہر ہو وہ سات بار یہ دعا پڑھے۔ اور ساتھ ساتھ چھری سے سرخ باد کی طرف اشارہ بھی کرتا جائے۔ وہ دعا یہ ہے۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم اللھم صلی علی محمد وعلی آل محمد وبارک وسلم بسم اللہ العظیم الحکیم الکریم الرحمن الرحیم رب العرش العظیم بعزۃ اللہ وقدرتہ وسلطانہ ایتھا الحمرۃ جاءتک جنود من السماء وقال سلیمان ایتھا الریح اجیبی داعی اللہ ومن لم یجب داعی اللہ فما لہ من ملجا وما لہ من ظھیر بسم اللہ فیا لشفاء الطیب علی اللہ اللہ یکفیک واللہ یشفیک من کل داء یوذیک ومن کلہ افتہ تعتریک لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم وصلی اللہ علی خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین وسلم تسلیما کثیرا کثیرا برحمتک یا ارحم الرحمین جس شخص کو بصارت کی شکایت ہو، وہ ہر فرض نماز کے بعد یہ آیت پڑھے۔ فکشفنا عنک غطاءک فبصرک الیوم حدید اور جس شخص کو مرگی کے دورے پڑتے ہوں۔ وہ تانبے کی ایک تختی لے اور اتوار کو دن نکلتے وقت اس کے ایک طرف یہ دعا یا قھار انت الذی لا یطاق انتقامہ یا قھار اور اس کی دوسری طرف یہ دعا لکھے: یا مذل کل جبار عنید بقھر عزیز سلطانہ، یا مذل واللہ الموفق والمعین[2]

---

[1] القول الجمیل، ص 28-23
[2] : نقول الجمیل، از شاہ ولی اللہ مترجم محمد سرور، سندھ ساگر اکادمی، لاہور، 1981ء ص 9-108

فیوض الحرمین ۔ فیوض الحرمین شاہ ولی اللہ کی ایک شاہکار تصنیف ہے[1] "اس کتاب میں شاہ ولی اللہ نے وہ مسائل درج کئے ہیں جو آپ نے قیام حرمین کے زمانے میں جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک سے حل کئے ہیں یہ کتاب بھی باوجود قلیل الحجم ہونے کے ان گنت مسائل سے لبریز اور مطالب سے پر ہے اور اس میں علم تصوف کی تحقیقات بہت کچھ کی گئی ہے[2]"

"The Fuyuz-ul-Haramian contains the records of forty seven spiritual experiences. The first eight were experienced during his stay at Mecca in the early months of 1144 (1731), the next twenty-five were experienced during his stay at Medina, while pursuing his studies with his different teachers, some of the masuoleum of the Holy Prophet and some at the graves of Ahl-i-Bait and the last of the fourteen were experienced again at Mecca in the latter months of 1144 (1731), where he then performed the second pilgrimage. This book is remarkable in several respects".[3]

فیوض الحرمین علم و حکمت اور عرفان الٰہی کا خزانہ ہے شاہ صاحب نے نبی اکرمؐ کی ذات اقدس سے جو فیض حاصل کئے ان کی تفصیل بیان کی ہے جسے پڑھ کر انسان روح کی گہرائیوں تک متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ فیوض الحرمین کے مضامین کو بیان کرنے کے لئے کئی ضخیم تصانیف بھی کم ہوں گی۔ فیوض الحرمین کی تصنیف کے متعلق شاہ صاحب مشاہدہ نمبر 9-10 میں وجوہات بیان کرتے ہیں[4] فیوض الحرمین کے مطالعہ سے شاہ ولی اللہ کے عربی زبان و ادب پر عبور کا پتہ چلتا ہے۔

---

[1] (i) اصول فقہ، اور، شاہ ولی اللہ، ڈاکٹر مظہر بقا، ص 68 (ii) شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ، عبید اللہ سندھی، ص 212 (iii) شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات، خلیق احمد نظامی، ص 185 (v) حیات طیبہ، حیرت دھلوی، ص 30 (vi) شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک، عبید اللہ سندھی، ص 177 (vii) تذکرہ شہید، خالد سیف، ص 29 [2] حیات ولی، رحیم بخش، ص 565

[3] اقبال ریویو، مقالہ بعنوان "Wali Allah, his Life & Times" (از بی۔اے۔ ڈار) ڈائریکٹر اقبال اکادمی کراچی، اکتوبر 1965ء ص 19 [4] فیوض الحرمین، از، شاہ ولی اللہ، مترجم، مولانا عبد الرحمٰن، ص 21

آنحضرت صلعم کو تمام انبیاء کرام پر فوقیت حاصل ہے

علی الاجمال ما توجہت قبل قبرہ علیہ الصلوۃ والسلام الا درایتہ حاضرا ظاہرا اما بان انفتح بیصر روحی فرایتہ علی ما ہو واما ان تاثرت نفسی منہ تاثرا فکان ذلک الاثر حالیا عند فہوما توجہت الیہ ونفسی ملای من الشوق الی ظہور حقیقتہ ما خصصت بہ من معارف مراتب الجود واستنباط معارف الشرایع من قبل تفتش حال النفوس فلصقت نفسی بنفسہ علیہ الصلوۃ والسلام وامتلات ایتہا جا بتلک العلوم وثلجا بہا ویوما فیض علی نظر الحق فانہ شئی خصص بہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم من الانبیاء لما بین من ہیکل التدلی واختصاصہ وانتقالہ بانتقالہ الی الناسوت فتوجہت الیہ اشد توجہ فانطبع لون ہذا النظر فی نفسی فعرفت حینئذ نفسی کانہا ینظر الیہا اللہ تبارک وتعالی وایقنت ان من خواص ہذا النظر ان ہذا الرجل لا یجلس فی مکان یذکر فیہ ربہ الا تبعتہ السموات والارضون لا سیما اجزاء الارض الی السفلی واجزاء الجو الی السماء السابعتہ بل العرش فانہ اذا استمکن من الرجل صار قطبا ففطنت عندالافاضتہ انہ لیس انطباعا کہیئتہ الانطباعات بل دخل فی جوہر الروح ودیدن النفس ویوما تبدالی النور کہیئتہ اہل الملا السافل ورایتہ ینبع من قبرہ صلی اللہ علیہ وسلم ینبوعا ثجاجا = ترجمہ: علی الاجمال جب بھی میں روضہ اطہر علیہ الصلاۃ والسلام کی جانب متوجہ ہوا تو آپؐ کو حاضر دیکھا یا یہ کہ میری روح کی آنکھ کھل گئی تو میں نے جیسا کہ آپؐ ہیں اسی طرح دیکھا اور یا میرا نفس اس سے بہت زیادہ متاثر ہوا تو یہ ایک اثر آپؐ کا خاکی ہے غرضیکہ ایک روز میں آپؐ کی طرف متوجہ ہوا اور میرا نفس اس چیز کی حقیقت ظاہر ہونے کی وجہ سے جس سے میں خاص ہو کر آپؐ کے شوق سے لبریز تھا یعنی مراتب جود کے معارف اور استنباط معارف شرائع نفوس کی حالت دریافت کرنے کی وجہ سے تو میرا نفس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نفس مبارک سے قریب اور ان کے علوم کی خوشی اور سرور سے لبریز ہو گیا اور ایک روز مجھ پر نظر حق کا افاضہ ہوا اور وہ ایک شئے ہے جس کی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دوسرے تمام انبیاء سے خصوصیت حاصل ہے اس ہیکل تدلی کی وجہ سے جو کچھ کہ ہم بیان کر چکے ہیں اور اس کا خاص ہونا اور ان کا ناسوت کی طرف اس کے انتقال سے منتقل ہونا غرضیکہ میں بہت شدت کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف متوجہ ہوا تو میرے نفس میں اس نظر کا لون منطبع ہوا تو میں نے پہچانا گویا کہ اس وقت میرے نفس پر اللہ تبارک وتعالیٰ نظر کر رہا ہے اور میں نے یقین کیا کہ اس نظر کے خواص میں سے ہے۔ کہ ایسا شخص جس مکان میں بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے تو تمام آسمان اور زمینیں اس کی پیروی کرتی ہیں خصوصا اجزاء زمین نیچے تک اور فضاو ہوا کے اجزاء ساتویں آسمان بلکہ عرش تک اور جس وقت اس انسان کو اس پر قرار حاصل ہو تو وہ قطب ہو جاتا ہے اور میں نے افاضہ کے وقت یہ بات سمجھی کہ یہ منطبع ہونا اور انطباعات کے طریقہ پر نہیں بلکہ یہ تو جوہر روح اور

طبیعت نفس میں داخل ہے اور ایک روز میری طرف ایک ایسا نور ظاہر ہوا جیسا ملاء سافل والوں کی صورت ہے اور میں نے دیکھا کہ وہ روضہ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک چشمہ کی طرح شدت کے ساتھ جوش مار رہا ہے۔

مشہد یعنی روضہ اطہر اور منبر مبارک کے انوار و برکات

بینما انا اصلی سجتہ الضحی فی مصلی النبی صلی اللہ علیہ وسلم بین المنبر والقبر اذا تجلی الی السر الذی استفلت اصلہ من حقیقتہ الکعبتہ وہو قرب الملاء الاعلی ومخ العبادۃ ففطنت حینئذ مراد النبی صلی اللہ علیہ وسلم من قولہ اما السجود فاجتہد فی الدعاء وقولہ علیہ السلام لبعض اصحابہ اعنی علی نفسک بکثرۃ السجود فہذا القرب لا یحصل الا بالدعاء تضرعا والحاحا واطراحا بین یدی المولی وتذللا علی بابہ واعتصاما باعتابہ ولا یحصل حتی یجتہد فی الدعاء فی السجدۃ لان السجود شبح لہذا القرب ولکل شبح الی حقیقتہ شارع من جوہرہ والرحمتہ العامتہ اذا توجہت الی البشر واردت الافاضتہ علیہم کان التعرض لنفحاتہا والتمکن لجلولہا والتہی لتحققہا اعانتلہا وتتمیما لمرادہا ولما کان السجود اقرب حال الی التعرض لنفحات الرحمتہ امر النبی صلی اللہ علیہ وسلم باکثارہ خاصتہ وفہمت حقیقتہ قولہ ہل تضارون فی القمر لیلتہ البدر قالو لا قال فکذلک ترون ربکم فلا تغلبن علی صلوۃ قبل طلوع الشمس وصلوۃ قبل غروبہا وہی التدلی المتجلی یوم القیمتہ ہو الذی یکون قبل وجہ المصلی اذا صلی وہو الذی یقاسم العبد فی الصلوۃ فیجاذب من یکن جلباب البدن یمنع الناس ان یبصروہ ببصر الروح ویحجب ہذا البصر ببصر الجسد فاذا کان یوم القیمتہ وکشف الحجاب استقل ببصر الروح واستتبع ببصر الجسد فلیست نشاۃ الاخری الا من بقایا نشاۃ الدنیا ولا فرق بین الرویتہ ببصر الروح التی یرزقہا الافراد فی ہذہ الدار وبین الاخرویتہ التی تعم المسلمین الا بطرح الجلباب ثم رایت کل اٰیتہ وکل حدیث بحرا مواجا فیہ من الاسرار مالو کتبت شرح سر واحد منہا فی مجلدات لما احاطت ورایت الاسرار الحقیتہ مبتللتہ فی اشارات القرآن والسنتہ فقضیت العجب کل العجب فتجلی لی عقیب ذلک التدلی لا عظم فرایتہ غیر متناہی الارجاء ورایت نفسی غیر متناہیتہ فاذا یتنی قابلت غیر المتناہی بغیر المتناہی فان تلعت کلہ لم اغادر منہ معقدا وفرۃ فرجعت الی نفسی فتحیرت من عظمہا وکبرہا سریعتہ ثم سری عنی فاذا انا ملان من النور یدور علی من فوقی ومن تحتی ومن یمینی ومن شمالی بل رایتہ ینبع من قلبی وعینی فیدی وسا لرجوا رحی وجوا لجی فکان ہذا اخر ہذا المشہد ترجمہ: ایک روز میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مصلی میں جو کہ قبر

مبارک اور منبر کے درمیان ہے چاشت کی نماز پڑھ رہا تھا۔ یکایک اسرار نے مجھ پر تجلی کی جن کی اصلیت کو کعبہ کی حقیقت سے میں نے استفادہ کیا اور یہی ملاء اعلیٰ کا قرب اور تمام عبادتوں کا مغز ہے تو اس وقت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کا مطلب سمجھا کہ اما السجود فاجتہدوا فی الدعاء اور آپؐ نے جو اپنے بعض اصحابؓ سے فرمایا اعنی علی نفسک بکثرۃ السجود یہ قرب نہیں حاصل ہو تا مگر تضرع اور زاری اور الحاح کے ساتھ دعا کرنے اور مولیٰ کے رُوبرو سر جھکانے اور اس کے دروازہ پر ناک رگڑنے اور اس کا آستانہ پکڑنے سے اور یہ چیز نہیں حاصل ہوتی تاوقتیکہ سجدہ میں پڑ کر کوشش کے ساتھ دعا نہ کرے اس لئے کہ سجدہ اس تقرب کے لئے ایک ذریعہ ہے اور ہر ایک ذریعہ کے لئے اس کی حقیقت کی طرف اس کے جوہر میں سے ایک شارع ہے اور رحمت عامہ جس وقت بشر کی طرف متوجہ ہوتی اور ان پر افاضہ کا ارادہ کرتی ہے تو اس کی خوشبوؤں کا پیش آنا اور اس کے طول کا متمکن ہونا اور اس کی تحقیق کا آمادہ ہونا مدد ہو جاتا ہے اس رحمت کا اور اس کی مراد پورا ہونے کا سبب ہو جاتا ہے اور کیونکہ سجدہ نفحات رحمت

کے پیش آنے کے زیادہ قریب تھا اسی واسطے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کثرت سجود کا خاص طور پر حکم فرمایا ہے اور اس فرمان کی حقیقت ظاہر ہوئی کہ آپؐ نے فرمایا کیا تمہیں چودھویں رات کا چاند دیکھنے میں کوئی تکلف ہوتا ہے حاضرین نے جواب دیا نہیں آپؐ نے فرمایا تو پھر اسی طرح تم اپنے پروردگار کو دیکھو گے لہٰذا سورج نکلنے سے قبل کی نماز اور غروب ہونے سے پہلی نماز کو نہ فوت ہونے دو اور وہ حقیقت یہ ہے کہ قیامت کے دن جو تدلی جلوہ کرے گی وہ وہی ہو گی جو نمازی کے سامنے نماز پڑھنے کے وقت ہوتی ہے اور یہ وہی چیز ہے جو نماز میں بندہ کی مقاسم اور مجاوب ہوتی ہے لیکن پردہ بدن انسان کو روح کی آنکھ سے دیکھنے نہیں دیتا اور روح کی آنکھ بدن کی آنکھ پر غالب نہیں آتی۔ سو جب قیامت کا دن ہو گا اور پردے مرتفع ہو جائیں گے تو روح کی آنکھ مستقل ہو جائے گی اور جسم کی آنکھ پیچھے رہ جائے گی اور عالم آخرت نشاۃ دنیا کا بقایا ہے اور کچھ فرق نہیں۔ روح کی آنکھ سے دیکھنے سے جو دنیا میں سب کو حاصل ہو جاتی ہے اور آخرت میں یہ چیز مسلمانوں کے لئے عام ہو جائے گی مگر پردہ کی آنکھ اٹھ جانے سے اس کے بعد میں نے ہر ایک آیت اور حدیث کو اسرار کا ایک دریائے مواج دیکھا کہ اگر ان میں سے ایک کی بھی شرح لکھی جائے تو بہت سی جلدوں میں نہ آئے اور میں نے اسرار خفیہ کو دیکھا کہ اشارات قرآن کریم اور حدیث شریف میں محفوظ ہیں تو میں بہت متعجب ہوا اس کے بعد مجھ پر تدلی اعظم جلوہ گر ہوئی اسے میں نے دیکھا تو اس کی کوئی حد ہی نہیں ہے اور میں نے اپنے نفس کو غیر متناہی دیکھا اور میں نے معلوم کیا کہ ایک غیر متناہی کے مقابل ہے میں وہ سب نگل گیا اس میں سے ایک ذرہ بھی نہیں چھوڑا اس کے بعد میں نے اپنے نفس کی طرف رجوع کیا اور اس کی عظمت اور بزرگی کی وسعت سے متحیر ہوا پھر وہ تدلی اعظم مجھ سے پوشیدہ ہو گئی اس وقت میں نور سے بھرا ہوا تھا جو میرے اوپر اور نیچے اور میرے دائیں اور بائیں سے پڑ رہا ہے بلکہ میں نے اسے دیکھا کہ میرے قلب اور میری آنکھوں سے میرے ہاتھوں بلکہ میرے تمام اعضاء سے نکل رہا ہے اور یہ اس مشہد کا آخری حصہ ہے۔

مشہد آخر = یعنی روح مبارک محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت

= غاب عنی الہیکل المثالی و تجلی حقیقۃ روحہ صلی اللہ علیہ وسلم متجردۃ عن الا ا ستۃ التی کانت لبسہا حتی بعض اجزاء النسمۃ ووجدتہا حینئذ کما کنت وجدت بعض ارواح الاولیاء المتقدمین جدا فتحت من روحی صورۃ متجردۃ علی شاکلتہا و شاہدت من الانجذاب فالشموخ مالا یقدر اللسان علی وصفہ = ہیکل مثالی مجھ سے غائب ہو گئی اور مجھ پر روح مبارک محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت ظاہر ہوئی جو کہ ان ملبوسہ لباسوں سے مجرد اور پاک تھی حتیٰ کہ بعض اجزاء نسمہ بھی اور میں نے اس وقت اس طرح پایا جیسا کہ پہلے بعض ارواح اولیاء متقدمین کو پایا تھا۔ اس کے بعد میری روح سے ایک صورت متجردہ اس کی شکل کی پیدا ہوئی اور میں نے انجذاب اور بلندی کا اس قدر مشاہدہ کیا کہ زبان اس کی توصیف پر قادر نہیں![1]

مشہد آخر = روح کی حقیقت

= طلعنی الحق سبحانہ علی حقیقۃ الروح انما ھی ما یموت الانسان بانفکا کہ عن البدن و ما بہ الحس فالحرکۃ فالحیوۃ فلہا طبقات فلطائف اقربہا الی البدن جسم ہوائی یتکون فی القلب ثم ینتشر فی البدن فیحمل القوی الدراکۃ فالطبیعۃ ثم حقیقۃ مثالیۃ و ھی التی انعقدت قبل ظہور تکونہ فی الناسوت و منہا اخذ المیثاق ثم حقیقۃ روحیۃ و ھی حصۃ من الصورۃ الانسانیۃ مکتنفۃ بعوارض مشخصۃ من قوی الافلاک فالعناصر مقتضیۃ لاحکام خاصۃ ثم صورۃ انسانیۃ مع قطع النظر عن المشخصات ثم صورۃ حیوانیۃ ثم صورۃ نامیۃ ثم صورۃ جسمیۃ ثم حصۃ من الطبیعۃ الکلیۃ ثم انبساط حکم باطن الوجود علی الوح الخارج فمن قال ان الروح جسم لطیف حل فی البدن کحلول النار فی الفحم فہو صادق و من قال انہا قدیمۃ فہو صادق و من قال انہا حادثۃ فہو صادق و من و لکل وجہۃ ہو مولیہا لکن لا یخفی ان الا قتصاد قصور = ترجمہ: حق سبحانہ و تعالیٰ نے مجھے روح کی حقیقت پر مطلع فرمایا' اس کے بدن سے جدا ہو جانے کی وجہ سے انسان مر جاتا ہے اور اسی سے حس اور حرکت اور حیاۃ ہے اور اس کے طبقات اور لطائف ہیں' اقرب ترین اس کا بدن میں وہ جسم ہوائی ہے' جو کہ قلب میں ہوتا ہے' اور پھر بدن میں پھیل جاتا ہے' اور قوی دراکہ اور طبعیہ کا متحمل ہوتا ہے' پھر ایک حقیقت مثالیہ ہے' اور وہ وہ ہے' جو اس کے ظاہر ہونے سے پہلے عالم ناسوت میں منعقد ہوتی ہے اور اسی سے میثاق لیا گیا ہے پھر اس کے بعد حقیقت روحیہ ہے اور وہ ایک حصہ ہے ایسی صورت

---

[1] فیوض الحرمین ص 22-114

نفسانیہ کا جو کہ مکتنف ہے عوارض مشخصہ سے قوائے افلاک اور عناصر میں جو احکام خاصہ کے متقضی ہیں' پھر مشخصات سے قطع نظر ایک صورت انسانیہ ہے' پھر صورت حیوانیہ ہے اور پھر صورت نامویہ ہے' اس کے بعد صورت جسمیہ ہے اور پھر طبیعت کلیہ کا حصہ ہے' اور پھر باطن الوجود کے حکم کا لوح خارج پر انبساط ہے لہٰذا جو شخص اس بات کا قائل ہو کہ روح ایسا جسم لطیف ہے جو کہ بدن میں حلول کئے ہوئے ہے جیسا کہ آگ کوئلے میں تو وہ اپنے قول میں صادق ہے اور جو کہے کہ روح مجرد ہے وہ بھی سچا ہے اور جو شخص اس کے قدم کا قائل ہو' تو وہ بھی سچا ہے اور جو شخص یہ کہے کہ روح حادث ہے' تو وہ بھی سچا ہے ولکل وجہۃ ھو مولیھا لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ امر پوشیدہ نہ رہے کہ صرف ایک ہی قول پر اکتفا کوتاہی ہے۔[1]

---

[1] فیوض الحرمین ص 38-237

الخیر الکثیر الخیر الکثیر شاہ صاحب کی عربی زبان میں نہایت جامع تصنیف ہے۔[1] مولانا احمد رضا لکھتے ہیں کہ میں نے اپنے استاد مولانا انور شاہ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ کشف حقائق میں الخیر الکثیر کا درجہ حجۃ اللہ البالغہ اور دوسری تصنیفات سے بلند ہے۔[2] الخیر الکثیر مجلس علمی ڈابھیل نے 1354ھ کو شائع کی۔[3]

"Al-Khair-al-Kathir, a unique composition of Shah Walli Allah, on Hikmah (Philosophy), seems to have been prepared by him between 1139/1152 and 1160/1747. He in that work has shown that philosophy proper is enshrined in the shariah only".[4]

شیخ سرہندی کی وفات کے 80 سال بعد اور عالمگیر بادشاہ کی وفات سے چار سال پہلے نواح دہلی میں شاہ ولی اللہ پیدا ہوئے ایک طرف ان کے زمانے اور ماحول کو دوسری طرف ان کے کام کو جب آدمی بالمقابل رکھ کر دیکھتا ہے تو عقل دنگ رہ جاتی ہے کہ اس دور میں اس نظر ان خیالات اور اس ذہنیت کا آدمی کیسے پیدا ہو گیا اس وقت ہر چہار طرف سے اسلام نرغہ میں گھرا چلا جاتا تھا سیاسی تصادم اور مختلف اغراض و مقاصد کی کشمکش سے اسلامی حکومت ہند کی قبا تار تار ہو رہی تھی اور پھر ان سیاسی مفاسد کے ساتھ صوفیاء کے غلط تصوف' حد سے گزری ہوئی عصبیت اور جاہل حمیت نے امت کے شیرازوں میں الگ انتشار پیدا کر رکھا تھا ایرانی' علماء شعراء' ادباء کا جو دباؤ مختلف وجوہ سے ہندوستانی علماء ارباب فکر و نظر' تعلیم و تدریس اور تصنیف و تالیف کے نظام پر پڑ رہا تھا اس کی وجہ سے آہستہ آہستہ یہاں کے اہل قلم کا تعلق قرآن و حدیث' تحقیق فقہ اصول فقہ اور عقائد و کلام سے ہٹ کر بے معنی ذہنی اور لفظی مباحث کے گورکھ دھندوں میں الجھ کر خسر الدنیا والاخرۃ کی صورت پیدا کر رہا تھا۔ بہرحال ان

---

[1] (i) حیات ولی' رحیم بخش' ص 580 (ii) شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات' خلیق احمد نظامی' ص 185 (iii) علماء ہند کا شاندار ماضی' سید محمد میاں' ص 7 (iv) دعوت فکر' عبید اللہ انور' ص 18 (vi) تذکرہ شہید' محمد خالد سیف' ص 33 [2] اصول فقہ اور شاہ ولی اللہ' ڈاکٹر مظہر بقا' ص 68 [3] شاہ ولی اللہ اور ان کا خاندان' محمود احمد برکاتی' ص 47

Encyclopaedia of Islam, Vol. II, P. 254

4. Life of Shah Walli Allah, G.N. Jalbani, P. 35

فتنوں اور گمراہیوں نے شاہ صاحب کے ذہن پر زبردست اثر ڈالا اور وہ ان کی اصلاح کے لئے آمادہ ہو گئے نہایت گہری نظر سے مسلمانوں کی خرابیوں کا جائزہ لے کر ان کی اصلاح کے لئے کتب تصنیف کیں فقہی مذاہب میں اعتدال کا راستہ اپنا کر فقہ اور اصول فقہ کی بنیادوں سے تعصب اور تقلید جامد کا پردہ ہٹا دیا آئمہ مجتہدین اور ان کے اجتہادات کا جو صحیح مقام تھا اسے واضح فرمادیا۔ تصوف کے خالص اسلامی حصہ میں زمانہ کی ضرورتوں سے مجبور ہو کر حضرات صوفیہ نے جن غیر چیزوں کو شریک کر لیا تھا اس کو کانٹ چھانٹ کر صاف کردیا اور مسائل تصوف کی ایسی توضیح و تشریح فرمائی جو اساسیات اسلام کے خلاف نہ ہو شرائع اور احکام الٰہی کے اسرار اس قدر محکم دلائل سے بیان فرمائے کہ اب اس میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں رہی۔ الخیر الکثیر کتاب خاص اسی مقصد کے لئے لکھی گئی ہے آپ نے بجائے اوہام و خرافات کے قرآن و حدیث کے کلیات سے خود ایک فلسفہ تیار کیا اور جو لوگ لایعنی خیالات میں وقت ضائع کرتے تھے ان کے لئے شاہ صاحب نے غور و فکر کا ایک وسیع میدان پیش کردیا اس سلسلہ میں آپ کی سب سے بہتر کتاب یہی خیر کثیر ہے حقیقت یہ ہے کہ شاہ صاحب کی یہ کتاب تصوف اور علم اسرار و حقائق میں ایک بہت ہی بلند پایہ کتاب ہے شاہ صاحب نے اس کتاب کے دو حصے کئے ہیں پہلے حصہ میں مسائل تصوف اور بعض مادراء الطبیعاتی مسائل سے بحث کی ہے ان بحثوں میں شاہ صاحب نے تصوف کی اصلی حقیقت کو صاف اور واضح کیا ہے اور اس طرح ان کو منقح کردیا ہے کہ اب یہ مسائل براہ راست روح اسلامی سے ٹکر نہیں کھا سکتے اور متصوفانہ مسائل کی قلعی کھولدی ہے تصوف کے بعض مشہور اختلافی مسائل مثلاً ولایت کی حقیقت' طریقہ اولیاء کا بیان اور ولایت کی اقسام' ریاضت کی تفصیل' اہل صفا کے مختلف طریقے' طریقہ اولیاء کا ظہور اور عبادات کے اسرار و حقائق پر سیر حاصل بحث کی ہے۔

شاہ صاحب الخیر الکثیر میں فرماتے ہیں

اماقرب الوجود فانقهار الرجل تحت العين وبقاءه كما كان فى الازل فى غاية من القرب الذاتي۔ وبعد معنى الف عام من الهجرة مال رجل منهم الى هذا النوع من الكمال فكان امام المتقين وعصام الحكماء فترجى من الله سبحانه ان يجعله خاتم الحكماء المعصومين دعوته قد اجيبت ان الفضل بيد الله سبحانه كان شديدا الجلب قوى الانسلاخ سريع السير صحيح النظر فلما تفطن بالعين ووضح له طريق الانقهار فيها قيل له من باطنه خذ هذا فانها اقصى مايمكن فى هذا الزمان من الكمال واضح واوفق لماهوالمطابق للواقع فكانت له اوقات تبقى عينه كما كانت فى الازل فرزق بذلك السيادة الباطنية والعصمة والحكمة والحمد لله رب العلمين ترجمہ : قرب الوجود کا مطلب یہ ہے کہ انسان کا وجود اس کے نفس روحانی کے بالکل تابع ہو جائے اور خدا تعالیٰ کی ذات کے نہایت قریب ہو کر اس طرح باقی رہے جس طرح وہ (انسان) ازل میں تھا۔ ہجرت سے گیارہ سو سال کے بعد ایک شخص اس درجہ کمال کی طرف متوجہ

ہوا۔ وہ امام المتقین اور عصام الحکماء بن گیا۔ اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ اسے معصوم حکماء میں سے بنا دے۔ اور امید ہے۔ کہ اس کی دعا قبول ہو گئی ہے۔ کیونکہ فضل و کرم اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ اس کے انتخاب کا سبب یہ ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کی طرف بہت زور سے کھینچتا ہے۔ اس کی ملکیت پر بہیمیت کا کوئی اثر نہیں۔ وہ راہ حقیقت نہایت سرعت سے طے کرتا ہے اور اس کی نگاہ دوربین نہایت صحت کے ساتھ دیکھتی ہے۔ اور جب اس نے اپنے عین کو سمجھا تو اسے اس عین میں فنا ہونے کا ایک طریقہ واضح ہو گیا۔ اور اسے اس کے اندر سے آواز آئی۔ "یہ بات اچھی طرح سمجھ لے کیونکہ اس زمانے میں جتنا بڑے سے بڑا کمال حاصل ہو سکتا ہے۔ وہ یہی ہے۔ اور یہی امر سب سے زیادہ صحیح اور مطابق واقع ہے۔" اب اسے چند لمحے ایسے ملنے لگے جب اس کا عین ویسا ہی رہتا تھا۔ جیسا ازل میں تھا۔ اس کی وجہ سے اسے باطنی سرداری اور عصمت اور حکمت عطا کی گئی اللہ تعالیٰ مستحق تعریف ہے۔[1]

فیصلہ وحدت الوجود والشہود = فیصلہ وحدت الوجود والشہود جسے مکتوب مدنی بھی کہا جاتا ہے شاہ صاحب کی اختلافات کم کرنے کی جدوجہد کی ایک زندہ مثال اور آپ کے علمی کمال کا بہترین نمونہ ہے[2] رسالہ مکتوب مدنی اگرچہ مستقلاً بھی شائع ہوا ہے لیکن یہ تفہیمات میں بھی موجود ہے[3] یہ اسماعیل آفندی کے نام شاہ ولی اللہ کا ایک طویل خط ہے[4] اس میں شاہ صاحب نے فیصلہ وحدت الوجود والشہود فرمایا ہے یعنی اسلام کے دو انتہا پسند مکتبہ ہائے فکر کے درمیان بڑے خوبصورت انداز میں ایک درمیانی راہ متعین کی ہے وحدت الوجود کا وہ تصور جو شیخ اکبرؒ اور اس کے اتباع نے پیش کیا ہے اور وحدت الشہود کی وہ تشریح جو مجدد الف ثانی نے کی ہے شاہ صاحب نے ان دونوں کے درمیان ایک راہ تطبیق متعین کی ہے جس سے اختلاف امت کو کم کرنے میں بہت مدد ملی ہے۔

---

[1] الخیر الکثیر' از' شاہ ولی اللہ' دہلی' 1890ء ص 22

[2] (i) اردو دائرہ معارف اسلامیہ' جلد 21' ص 477 (ii) حیات ولی' رحیم بخش' ص 577 (iii) حیات طیبہ' مرزا حیرت دہلوی' ص 33 (iv) حیات ولی' رحیم بخش' ص 580 (v) تذکرہ شہید' محمد خالد سیف' ص 36 [3] اصول فقہ اور شاہ ولی اللہ' ڈاکٹر مظہر بقا' ص 68 [4] رود کوثر' محمد اکرام' ص 314

مکتوبات

شاہ صاحب نے عربی زبان و ادب کی خدمت صرف کتب و رسائل تصنیف کر کے ' عربی زبان و ادب اور اسلامی تعلیمات کی تعلیم مدرسہ رحیمیہ میں ہزاروں تشنگان علم کی پیاس بجھا کر ہی نہیں بلکہ عربی زبان میں مکتوبات لکھ کر بھی کی ہے اہل علم جانتے ہیں کہ مکتوبات کسی بھی قوم کی مذہبی و ادبی زندگی میں اہم کردار ادا کرتے ہیں اور خاص کر اس وقت جب یہ مکتوبات دین کے اہم مسائل کے حل کے لئے لکھے گئے ہوں جن کے ذریعے دور دراز کے افراد کو دین کی تعلیمات کے متعلق ان کے تذبذب اور بے یقینی کی حالت کو ختم کرنا ہو اس کے علاوہ مکتوب نگاری زبان و ادب میں بھی بنیادی حیثیت رکھتی ہے

"Writing as an Art - The control that a writer is required to exert over his theme, subject matter, or mode of discourse implies that writing on all but the most elementary level is an Art".[1]

"Writing - The communication of ideas by means of conventional symbols that are traced, incised, drawn or otherwise formed on the surface of some material such as stone, metal, bamboo, papyrus, parchment or paper. The complex society of a higher civilization would be impossible without the art of writing".[2]

"Writing and alphabet is such an important invention that no other method of communication is likely to rival it. Alphabet may differ from language to language but the ideas behind them remain the same".[3]

"Letters - a written or printed language message which, especially as personal communications, are valuable as reflections of social conditions, literary and political life, etc. Ownership of a letter (as document) passes to the recipient, but the copyright remains with the writer".[4]

1. Encyclopaedia International, Vol. 19, P. 502
2. Encyclopaedia Americana, Vol. 29, P. 558
3. Encyclopaedia Indica, by, Jagdish Saran Sharma, Published by, S. Chand and Company Ltd., New Delhi, 1981, Vol. 2, P. 1345
4. Hutchinson Fact Finder, P. 504

Among the arts of everyday life there is non more important than that of letter writing. No accomplishment is more highly prized than skill in writing tactful. The very fact that a letter is taken as an index of the personal character of the writer should prompt us all to most careful study of this art which is at once so practical and so easy to master.

The letter as a Record. The letter is a more permanent thing than the conversation. (1) It serves as a ready means of confirmation and of record. (2) In it matters may be elaborated, or treated more definitely and more connectedly than in a conversation. (3) Most people find it easier to understand an object or a statement if they can see it. They have more confidence in their eyes than in their ears. Besides, they can take more time to study the thing or the word that is before their eyes. Hence, the letter frequently offers an occasion for clear, detailed explanation, which the reader may have before him for continuous study or for repeated examination. In modern practice, clear explanation is recognized as the best means of persuasion through letters.[1]

Letter writing is a time and money-saving substitute for direct oral communication between two individuals or groups. It is the most nearly individualized and hence the most carefully read and immediately effective kind of writing. The format of letters has developed through the years in response to changing needs and circumstances.[2]

Writing, method of human intercommunication by means of arbitrary visual marks forming a system.[3]

"The written form of a language may have more prestige than the spoken form, and it also may have a more complex grammar and a distinctive vocabulary. A standard written

1. The Twentieth Century International Encyclopaedia, U.S.A., 1978, P. 96-97
2. Encyclopaedia International, Vol. 10, P. 489
3. Funk & Wagnalls New Encyclopaedia, Vol. 28, P. 19

literary language thus tends to influence the speech of educated people".[1]

اردو دائرہ

معارف اسلامیہ کا فاضل مقالہ نگار رقمطراز ہے "انشاء کی ایک نمایاں صنف، مکتوب نگاری ہے جو ضرورت ابلاغ (Communication) کی وجہ سے وجود میں آئی یہ صنف شخصی و نجی افکار و خیالات اور فکر و نظر کا مؤثر ذریعہ اظہار خیال کی جاتی ہے۔ جہاں اس صنف کے ذریعے ادباء اور حکماء اور عام مکتوب نگاروں نے اپنے خیالات و احوال کی اشاعت کی وہاں صوفیائے اسلام بھی اس صنف کے ذریعے تبلیغ و دعوت ازالہ شکوک و شبہات اور اپنے مسلک و مشرب کی وسیع تر اشاعت کرتے رہے ہیں قریب قریب ہر صوفی نے مکتوبات کے ذریعے اپنے دوستوں اور مریدوں سے رابطہ رکھا ہے[2]۔ شاہ صاحب کے مکتوبات ان کے عزیز شاگرد شیخ محمد عاشق پھلتی اور ان کے صاحبزادے شیخ عبدالرحمٰن نے مرتب کئے پہلی جلد میں 281 اور دوسری جلد میں 77 مکتوبات ہیں شاہ صاحب کے 358 خطوط کے مجموعے میں سے 26 سیاسی مکتوبات پروفیسر خلیق احمد نظامی نے مرتب کر کے چھاپے ہیں مندرجہ ذیل مکتوبات اسی مجموعے سے منتخب کئے گئے ہیں۔ اس مجموعے کا دوسرا خط احمد شاہ ابدالی کے نام ہے یہ خط شاہ صاحب کے ادیبانہ کمال، تاریخ دانی اور سیاسی بصیرت کا شاہکار ہے احمد شاہ ابدالی کے بعد نجیب الدولہ کے نام سات خطوط ہیں نجیب الدولہ کے بعد آٹھ خطوط شیخ محمد عاشق پھلتی کے نام ہیں آخر میں متفرق خطوط ہیں جو سید احمد روہیلہ، آصف جاہ، تاج محمد خان بلوچ، نوب مجدالدولہ، نواب عبداللہ خان کشمیری، اور حافظ جاراللہ کے نام لکھے گئے ہیں ان خطوط کا مقصد ملک کے مختلف سیاسی لیڈروں کو اپنا ہم خیال بنا کر حالات کی درستگی کے لئے تیار کرنا ہے۔ سیاسی مکتوبات کے منتخب مجموعے میں فارسی کے خطوط شامل ہیں جبکہ عربی خطوط بھی اس میں شامل ہیں شاہ صاحب نے بڑی خوبصورتی اور ادیبانہ کمال کے ساتھ عربی اور فارسی عبارت کو اکٹھا بھی استعمال کیا ہے۔ پہلے خط کی ابتداء اس طرح کی ہے۔

بہ جانب بادشاہ، وزیر و امراء ۔ الحمدللہ وحدہ والصلوۃ والسلام علی من لانبی بعدہ و علی آلہ واصحابہ اجمعین اما بعد۔ ایں کلمہ چند است کہ باعث بر تحریر آں نصیحت و خیر خواہی بادشاہ اسلام ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ وفقہ لما یحب ویرضی و خیر خواہی امراء کبار و جمہور مسلمین احسن اللہ تعالیٰ الیہم شدہ است کما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اختتام اس طرح کیا ہے۔ وماتوفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ منیب[3]

1. Funk & Wagnalls New Encyclopaedia, Vol. 15, P. 388

[2] اردو دائرہ معارف اسلامیہ، جلد 21، طبع اول، 1987ء، ص 473

[3] شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات، ص 41

ترجمہ: مجھے توفیق اللہ ہی سے حاصل ہوگی اور اسی کی ذات پر میرا توکل ہے اور اسی کی طرف میں رجوع کرتا ہوں۔ دوسرے خط کی ابتداء اس طرح کرتے ہیں۔ الحمدللہ رب العالمین والصلوۃ والسلام الا یمان الا کملان علی رسولہ شفیع المذنبین یوم الدین وآلہ واصحابہ اجمعین اما بعد[4] اس کے بعد فارسی عبارت شروع ہو جاتی ہے شاہ صاحب فارسی خطوط کی ابتداء بھی عربی عبارت سے کرتے ہیں۔ پانچویں خط میں فارسی کے درمیان عربی کی تحریر عالی مقام عزیز القدر نہمت اعلاء کلمتہ اللہ و تقویت ملت محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ والتسلیمات[5] ترجمہ: جناب عالی اعلائے کلمتہ اللہ اور تقویت ملت محمدیہ کی نیت مضبوط طریقہ پر کرلیں۔ چودھویں فارسی کے خط میں عربی کی مندرجہ ذیل عبارت ہے۔ الحمدللہ علی نعمائہ والمسئول من کرمہ العافیتہ والمعافاۃ والعفو فی الدنیا والآخرۃ[6] ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر شکر ادا کرتا ہوں اور اس سے دنیا اور آخرت میں عافیت اور عفو مانگتا ہوں۔ ان ولیی اللہ الذی نزل الکتب وھو یتولی الصلحین[7] ترجمہ: بے شک میرے کام کا بنانے والا اللہ ہے جس نے قرآن اتارا اور وہ صالحین کو دوست رکھتا ہے۔ پندرھویں خط میں فارسی کے درمیان یہ عبارت ہے۔ اللھم صلی علی سید القاہرین علی اعداء رب العالمین[8] ترجمہ: اے اللہ رحمت بھیج اس ذات اقدس پر جو سردار ہے اللہ کے دشمنوں پر قہر کرنے والوں کی۔ شاہ صاحب نے فارسی مکتوبات میں بھی آیات کریمہ، احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور عربی اشعار استعمال کئے ہیں جو عربی زبان و ادب سے ان کی گہری وابستگی کا ثبوت ہے۔ محمد رسول اللہ والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینھم تراھم رکعا سجدا[9] ترجمہ: محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں اور ان کے ساتھ والے کافروں پر سخت ہیں اور آپس میں نرم دل تو انہیں دیکھے گا رکوع کرتے، سجدے میں گرتے۔ یا یھا الذین امنوا من یرتد منکم عن دینہ فسوف یاتی اللہ بقوم یحبھم ویحبونہ اذلۃ علی المومنین اعزۃ علی الکفرین یجاھدون فی سبیل اللہ ولا یخافون لومتہ لائم[10] ترجمہ: اے ایمان والو تم میں جو کوئی اپنے دین سے پھرے گا تو عنقریب اللہ ایسے لوگ لائے گا کہ وہ اللہ کے پیارے اور اللہ ان کا پیارا مسلمانوں پر نرم اور کافروں پر سخت وہ اللہ کی راہ میں لڑیں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا اندیشہ نہ کریں گے۔ ولولا رجال مومنون ونساء مومنت لم تعلموھم ان تطوھم فتصیبکم منھم معرۃ بغیر علم لیدخل اللہ فی رحمتہ من یشاء لوتزیلوا لعذبنا الذین کفروا منھم عذابا الیما[11] ترجمہ: اور اگر یہ نہ ہوتا کچھ مسلمان مرد اور کچھ مسلمان عورتیں جن کی

[4] ایضاً، ص 45

[5] ایضاً، ص 64 [6] ایضاً، ص 74 [7] ایضاً، ص 74 [8] ایضاً، ص 75

[9] (i) القرآن الکریم = 29:48 (ii) [10] (i) القرآن الکریم = 54:5 (ii) [11] (i) القرآن الکریم = 48: 25 (ii) شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات، ص 53 (ii) شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات، ص 53 (v) شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات، ص 54

تمہیں خبر نہیں کہیں تم انہیں روند ڈالو۔ تو تمہیں ان کی طرف سے انجانے میں کوئی مکروہ پہنچے تو ہم تمہیں ان کے قتال کی اجازت دیتے ان کا یہ بچاؤ اس لئے ہے کہ اللہ اپنی رحمت میں داخل کرے جسے چاہے اگر وہ جدا ہو جاتے تو ہم ضرور ان میں کے کافروں کو دردناک عذاب دیتے۔ بیسویں خط کی ابتداء اس آیت سے کی ہے۔ قل الحمد للہ و سلم علی عبادہ الذین اصطفی [1] ترجمہ: تم کہو سب خوبیاں اللہ کو اور سلام اس کے چنے ہوئے بندے پر۔ تیئسویں خط میں آیت کریمہ ہے۔ ان تنصرو اللہ ینصر کم [2] ترجمہ: اگر تم اللہ کے دین کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا۔ چوبیسویں خط میں فارسی عبارت کے بعد آیت کریمہ ہے۔ ان کیدی متین [3] ترجمہ: میری تدبیر بڑی مضبوط ہے۔ شاہ صاحب اس حدیث کو بیان کرتے ہیں۔ زوال الدنیا اھون عند اللہ من قتل مسلم (الحدیث) [4] ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام دنیا کا زوال ایک مسلمان کے قتل کے مقابلہ میں کم تر ہے۔ شاہ صاحب ایک عربی شعر فارسی مکتوب میں بیان کرتے ہیں۔

وکم للہ من لطف خفی　　　یدق خفاہ عن فہم الذکی [5]

ترجمہ: اللہ کی کتنی پوشیدہ مہربانیاں ہیں جن کی پوشیدگی سے ایک ذکی و فہیم بھی بے خبر ہے۔ سترہ نمبر خط میں فارسی کی عبارت کے درمیان مشہور عرب شاعر متنبی (اس نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا اور اپنے اشعار کو اپنا معجزہ قرار دیا تھا۔ حاکم حمص لولو افشاری نے اسے قید کر دیا اور اس نے دعویٰ نبوت سے دستبرداری کا اعلان کر کے رہائی حاصل کی 354ھ میں فاتک بن ابی الجہل اسدی نے دریائے دجلہ کے کنارے اس عظیم شاعر کو قتل کر دیا) کے شعر کا مصرعہ درج کیا ہے۔ تجری الریاح بما لا تشتھی السفن [6] اس کا صدر یہ ہے ما کل ما یتمنی المرء یدرکہ بیسویں خط میں یہ عربی کا شعر استعمال کیا ہے۔

وسوف تری اذا انکشف الغبار　　　افرس تحت رجلک ام حمار [7]

ترجمہ: جس وقت گرد و غبار ہٹے گا تو عنقریب دیکھ لے گا کہ تیری سواری میں گھوڑا تھا یا گدھا یعنی عنقریب حقیقت حال کھل جائے گی۔ عربی زبان و ادب سے قلبی لگاؤ اور ادیبانہ مہارت کا پتہ اس امر سے بھی چلتا ہے کہ شاہ صاحب نے فارسی مکتوبات میں بھی آیات کریمہ، احادیث شریفہ، اشعار عرب اور اقوال حکمت کا استعمال بڑی گہری علمی ذکاوت و مومنانہ فراست کے ساتھ کیا ہے۔ شاہ صاحب کے سیاسی مکتوبات کے مرتب کردہ مجموعے سے جو فارسی و عربی مکتوبات پر مشتمل ہے ایک عربی خط بطور نمونہ پیش کیا جا رہا ہے۔

---

[1] (i) القرآن الکریم = 59:27 (ii) شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات، ص 80 [2] (i) القرآن الکریم = 7:47 (ii) شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات، ص 86 [3] (i) القرآن الکریم = 187:7 (ii) شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات، ص 87 [4] شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات، ص 64 [5] ایضاً، ص 55
[6] شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات، ص 77 [7] ایضاً، ص 81

مکتوب بست و ششم

بطرف۔ حافظ جار اللہ پنجابی

در ایامے کہ برائے حج بدیار عرب رفتہ بود

و قد وقعت بالدھلی داھیۃ عظیمۃ فنھب الکفار من قوم جت البلدۃ القدیمۃ من الدھلی و عجزت الدولۃ عن دفعھم فنھبت الاموال و انتھکت و حرقت البیوت و لکن اللہ تعالی خلصنی مع جمیع اھلی و مالی و بیوتی من ایدیھم .... و کانت الواقعۃ فی اوائل رجب 1161ھ و استمرت الی الآخر شعبان۔ (شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات، 153-89)

ترجمہ: **بجانب۔ حافظ جار اللہ (پنجابی)** دہلی میں ایک حادثہ عظیم واقع ہوا، قوم جاٹ نے دہلی کے شہر کہنہ کو لوٹا اور حکومت اس فساد و شرارت کو دفع کرنے سے عاجز رہی، انہوں نے مال لوٹے، عزت و ناموس کو برباد کیا اور مکانات کو آگ لگائی۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو بمع اہل و عیال و مال و مکانات کے ان کے دست ستم سے محفوظ رکھا اور یہ لوٹ مار کا حادثہ اوائل رجب 1161ھ میں ہوا، اور آخر شعبان تک باقی رہا۔ شاہ صاحب کے عربی خطوط کی تعداد سینکڑوں تک ہے۔ جو عربی زبان و ادب میں کامل مہارت کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ مولانا رحیم بخش دہلوی نے حیات ولی میں شاہ صاحب کے دس عربی خطوط جمع کئے ہیں ان میں سے بطور نمونہ تین خطوط پیش خدمت ہیں۔ **المکتوب الثانی:** من الشیخ الموصوف الی استادہ قدوۃ المحدثین جمال الدین ابی طاھر الکردی المدنی قدس اللہ سرھما و اعلی فی الملاء الاعلی ذکرھما لا زالت شابیب الرحمۃ و البرکات منھلۃ منسجمۃ و سحائب العنایۃ و الکرامۃ ممطرۃ مستدیمۃ علی الصقع المحفوف بالبررۃ الکرام الموصوف بالجد فوق ما تذکر بالکلام جناب من اجلتہ ان اذکرہ بصریح اسمہ و استغنی من ذلک بتعیینہ بملامتہ و سمتہ فمن العجائب ان افوہ بذکرہ فلقنا غاربان بمریخا طری۔ و من اجمعہ فی خلدی حاضرا فلا یفرحنی بحیاۃ و لا یخیب و القیہ فی بصری متمثلا فلا یصبنی فقدہ و لا یریب حضرۃ شیخنا و قدوتنا و مخدومنا و مولانا الاکرم الافخم الابجل۔ تھیت بقاء الدھر یا کہف اھلہ۔ و ھذا دعاء للبریۃ شامل۔ اما بعد فھذا المستمد بتوجہاتکم المعتمد علی دعواتکم یحمد اللہ تعالی الیکم فی جمیع الامور ظاھرھا و باطنھا و یشکر لدیکم نعمتہ التی لا یحصی عددھا و لا یحصر مددھا من جملتھا صوم رمضان بمکۃ المبارکۃ و اعتکاف العشرۃ الاخیرۃ فی المسجد الحرام و لقد حدثنی الشیخ عمر مینا خادم ان اللہ تعالی سرہ اللہ تعالی کما سرنی انہ ھیا دار النزل لکم فی الحج و لینظر قدومکم فی ایام الحج و الشج۔ فساغ الی الشراب و کنت قبلا اکاد اغص بالماء الفرات۔ حقق اللہ تعالی ھذہ الامنیۃ منا و منہ انہ علی کل شئی قدیر و بالاجابۃ الدعاء جدید و نسئل منکم الدعاء بالسلامۃ فی

السفر والاقامت فبها فيته فلا بلاء بعدها وبرحمته لا سخط بعقبها والسلام والاکرام ترجمہ

دوسرا خط: شاہ ولی اللہ کا دوسرا خط۔ اپنے استاد شیخ المحدثین جمال الدین ابو طاہر کردی مدنی کے نام۔ خدا تعالیٰ ان دونوں کو پاک کرے اور ملاء اعلیٰ میں ان کا ذکر بلند کرے رحمت و برکات کے مینہ اور عنایت و کرامات کے بادل اس گوشہ زمین پر ہمیشہ برستے رہیں جسے بزرگ نیکوکار فرشتے گردوپیش سے احاطہ کئے ہوئے ہیں اور جو فضیلت خاص سے موصوف ہے اس کا سلسلہ کلام میں ذکر کرنا فوق ادب ہے اور اس کی جناب اس سے بہت دور ہے کہ میں صراحتہ اس کا نام لوں یا علامت و نشان کے ساتھ معین کروں۔ ومن العجائب ان افوہ بذکرہ ولقد اغاربان یمر بخاطری جسے میں اپنے دل میں حاضر پاتا ہوں اور وہ زندگی بھر کبھی مجھ سے غائب نہیں ہوتا اور جس کی تصویر میری آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے اور پھر کبھی نظروں سے مخفی نہیں وہ ہمارے شیخ ہمارے مقتداء ہمارے مخدوم ہمارے بزرگ ہیں۔ بقیت بقاء الدھریا کھف اھلہ وھذا دعاء للبریہ شامل اس کے بعد واضح ہو کہ آپ کی دلی توجہات کا محتاج اور آپ کی دعاؤں پر بھروسہ کرنے والا تمام باطنی و ظاہر امور میں خدا کی تعریف اور اس کی ان نعمتوں کا شکریہ ادا کرتا ہے جو گنتی میں نہیں آسکتیں منجملہ ان کے مکہ معظمہ میں رمضان کا روزہ اور مسجد حرام میں عشرہ اخیرہ کا اعتکاف ہے۔ مجھے خانہ کعبہ کے خادم شیخ عمر مناہ نے خبر دی (خدا تعالیٰ اسے خوش رکھے جیسا اس نے مجھے خوش کیا) کہ آپ حج کے لئے تشریف لاتے ہیں اور وہ آپ کے نزول کے واسطے مکان تیار کر رہا ہے اور قربانی و لبیک کہنے کے زمانہ میں آپ کی تشریف آوری کا انتظار ہے۔ فساغ الی شرابی وکنت قبلا اکاد اغص بالماء الفرات خدا تعالیٰ میری اور اس کی آرزو کو پورا کرے بیشک وہ ہر چیز پر قادر ہے اور دعا قبول کرنے کے لائق ہے میں آپ سے سفر و حضر کی حالت میں سلامت و خیریت کی دعا چاہتا اور اس عافیت و رحمت کی استدعا کرتا ہوں جس کے بعد کوئی بلاء اور جس کے پیچھے کوئی عذاب نہ ہو والسلام والاکرام۔

المکتوب الثالث: بعدرفع تحیات لا تزال منہا روائح الاخلاص عابقۃ وفاتحۃ واعداء دعوات القبول فادیت ورا لحتہ من عبد ضعیف ارقتہ جمیل اللطف وجزیل الامتنان وصب فلق شانہ عظیم الحسن وعمیم الاحسان۔ اخذتمونی منی فی ملاطفتہ فلست اعرف غیرھا قدعرفتکم۔ اے حضرۃ من تقاصرت الاالسنۃ فالتعبیرات عنی وصف کمالہ وتضایقت الاسالیب والتحیرات عن نعت جمالہ وفی المطری مداحتہ عجم وقاصر والمفرط وفی تفریطہ مفرط فاتر۔ وعلی تفنن واصفیتہ بوصفہ یفنی الزمان وفیما لم یوصف۔ شیخنا وقدلتنا لمخلعنا ومولانا الاکرم الافخم الاجل الابجل ادام اللہ تعالیٰ باد امتہ ایامہ حیات علوم الدین وابقی مھجتہا لخلد بتخلیتہ عہدہ ولنق معارف الحق وابدبجھتہا۔ فان ھذا المستمد بتوجہا تکم العلیتہ والمعتمد علی دعواتکم المستجابتہ وصلی الی مکہ زادھا اللہ شرفاء وتعظیما وما ھونا ومن جمیع المخوفات سالما من جمیع المکروھات اللھم الا الم فراقکم اللتی لا صبر علی صبرہ الا کصبر المصبور ولا ممانعت معہ الا کممانعت

المغلوب المقہور۔ واللہ لوحلف العشاق انہم قتلی من الحب یوم البین ما حنثوا۔ والی اللہ المشتکی وھو المستان وھو العالم بالاسرار والاعلان والسول منکم الدعاء فی الاوقات المرجوۃ وطلب الخیر فی الواردات المحبوۃ والحمدللہ اولا واخرا منکم الدعا فی الاوقات المرجوۃ وطلب الخیر فی الواردات المحبوۃ والحمدللہ اولا واخرا **تیسرا خط:**

(تیسرا خط شیخ ابو طاہر مدنی کے نام) ان تحفوں کے ارسال کرنے کے بعد جن سے ہمیشہ اخلاص کی عطر آمیز ہوائیں چل کر دل و دماغ کو معطر کرتی ہیں اور ان دعاؤں کے ہدیہ کرنے کے پیچھے جن سے قبول القبول کی ہوا کے خوش آئندہ جھونکے صبح و شام جدا نہیں ہوتے واضح ہو یہ عریضہ اس ضعیف و خاکسار بندہ کی طرف سے ہے جسے آپ کے لطیف و جمیل اور احسان عظیم نے غلام بنا لیا ہے اور عام احسان نے اس کی حالت کو مرہون منت کر دیا ہے۔ اخذتمونی منی فی ملاطفتہ فلست اعرف غیرھا قدعرفتکم یعنی جب سے تم نے مجھے اپنے سایہ عاطفت میں لیا ہے اور میں نے تمہیں پہچانا ہے اس وقت سے میں نے بجز عنایت و مہربانی کے اور کچھ نہیں دیکھا اور یہ عریضہ اس شخص کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے جس کے وصف کمال سے زبانیں اور تعبیریں قاصر اور نعت و جمال سے اسلوب و تعبیرات کا دائرہ تنگ ہے اس کی مدح میں نہایت مبالغہ سے تعریف کرنے والا محض عاجز اور گونگا ہے اور افراط کے ساتھ قدح سرائی میں مشغول ہونے والا تھک جانے والا ہے۔

وعلی تفنن واصفیہ بوصفہ یفنی الزمان وفیہ مالم یوصف وہ ہمارے شیخ ہمارے مقتدا ہمارے مخدوم ہمارے مکرم و محترم اور بزرگ مولانا ہیں خدا تعالیٰ ان کے بقائے دوام کی وجہ سے دینی علوم کی زندگی میں مداومت کی روح ڈالے اور ان کی رونق ہمیشہ قائم رکھے اور ان کے زمانہ کی ہمیشگی کے سبب سے معارف حق کو سدا تر و تازہ رکھے اور اس کی تازگی کی رونق کو دوبالا کرے اس کے بعد گذارش ہے کہ آپ کی توجہات عالیہ کا محتاج اور آپ کی مقبول دعاؤں پر بھروسہ کرنے والا تمام خطرناک مواقع سے محفوظ اور ناگوار چیزوں سے صحیح سالم مکہ معظمہ میں پہنچا خدا اس کی شرف و عظمت کو بڑھائے خدا کا شکر ہے کہ اس وقت مجھے کسی طرح کا خوف و اندیشہ اور رنج و اندوہ نہیں ہے لیکن آپ کی مفارقت کا رنج اس درجہ ہے جس پر مجھے کسی طرح صبر نہیں آتا مگر جیسے زنجیر میں بندھے ہوئے شخص یا قفس میں پڑے ہوئے جانور کو صبر ہوتا ہے یا مغلوب و مقہور آدمی اپنے دل کو تسلی دیتا ہے۔ واللہ لو حلف العشاق انہم قتلی من الحب یوم البین ما حنثوا یعنی اگر عشاق اس بات پر قسم کھائیں کہ ہم محبت کی وجہ سے مفارقت کے دن قتل کئے گئے ہیں تو واللہ وہ حانث نہ ہوں گے میری شکایت کا علاج خدا کے پاس ہے اور اسی سے مدد چاہتا ہوں وہی باطن اور ظاہر کو جانتا ہے میں آپ سے متبولہ اوقات میں دعا کا خواستگار اور طالب خیر ہوں۔

المکتوب الرابع: تحیات اصولہا ثابتۃ فی ارض المحبۃ الخالصۃ وفروعہا فی السماء ودعوات دعائمہا مستقرۃ فی ممتد رحمتہ الخالصۃ وسقوفہا اعلی العلیا یرفعہا احقر الخلیقتہ ومن لیس بشی فی الحقیقۃ الی الصقع المحفوف بالملئکتہ الملتمسہ

التسبیح والتحمید والجناب الموصوف بلا یشقی جلیسھم وان کان ا لحبہ الطرد والتبعید دائرة مرکزھا عروة الوثقی لا نفصام لہا من تمسک بہا ھدی الی صراط مستقیم ومحفلہ شاھر مستحکم حبل لا انقطاع لہ من اعتصم بہ ا داہ الی سنین السنن والنھج القلیم ۔ لا یدرک العاصف المطری خصا لصہ وان یکن سا بقا فی کل ما وصفا ۔ شیخنا وقدوتنا ومخدومنا و مولا نا الا کرم الا فخم الا جل الا بجل ادام اللہ تعالی المجدبین بروبہ وخلدہ کہفا لمن لا زبہ واعتمد علیہ اما بعد فان المستمد بتوجھا تکم المعتمد علی دعوا تکم یشکر الیکم للہ تعالی صلی نعم ظاھرة وبا طنة لا یحطھی ویحمد الیکم اللہ علی دکارث عوارف لا تعد ولا حدھا یرجی ویسئل منکم الدعاء المزیدھا والا ستدامة قدیمھا وجدیدھا والسلام والا کرام ترجمہ:

چوتھا خط = وہ تحفے جن کی جڑ محبت خالصہ کی زمین میں قائم اور شاخیں آسمان میں ہیں اور وہ دعائیں جن کے ستون رحمۃ خالصہ کے کڑے میں گھرے ہوئے ہیں اور چھتیں غایت رفعت میں ہیں احقر خلائق جو حقیقت میں کوئی چیز نہیں ہے اس گوشہ میں پہنچاتا ہے جسے فرشتے گھیرے ہوئے تسبیح و تحمید کا نعرہ بلند کرتے ہیں اور اس بارگاہ عالی میں پیش کرتا ہے۔ جس کا جلیس وہم صحبت بدبخت نہیں ہوتا اگرچہ وہ اس قابل ہے کہ خداوندی رحمت سے دور کر دیا جائے اس کی جناب ایک ایسا دائرہ ہے۔ جس کا مرکز مضبوط کڑا ہے۔ جو کہیں ٹوٹ نہیں سکتا جس نے اسے پکڑا سیدھی راہ پر لگ گیا اور اس کی محفل ایک ایسی مستحکم رسی ہے جو کبھی کٹ نہیں سکتی جس نے اسے مضبوطی سے پکڑا اس کو اس نے شارع عام اور سنت کے طریقہ پر پہنچا دیا۔ لا یدرک العاصف المطری خصائصہ وان یکن سابقا فی کل ما وصفا یعنی مبالغہ کرنے والا مداح اس کی خصوصیتوں کو پا نہیں سکتا۔ اگرچہ وہ مدح سرائی میں سابق و ممتاز ہی کیوں نہ ہو وہ ہمارے شیخ ہمارے پیشوا ہمارے ممدوح ہمارے محترم و مکرم بزرگ و افضل مولانا ہیں خدا تعالیٰ صبح و شام ان کی بزرگی میں ترقی دے اور اسے دائم و قائم رکھے اور ان کی حفاظت اس شخص کے لئے ہمیشہ رکھے جو ان کی ملازم صحبت رہے اور بھروسہ رکھے اس کے بعد آپ کی توجہات کا محتاج اور آپ کی دعاؤں پر بھروسہ کرنے والا خدا کی ان ظاہری و باطنی نعمتوں کا شکر ادا کرتا ہے جو شمار میں نہیں آسکتیں اور عوارف کے ان بہتے چشموں پر خدا کی تعریف کرتا ہے جن کا حصہ نہیں ہو سکتا اب آپ سے مزید نعمت اور قدیم و جدید منتوں کے ہمیشہ رہنے کی دعا چاہتا ہے۔ والسلام والاکرام۔

شاعری: شاہ ولی اللہ نے عربی زبان وادب کے ساتھ ساتھ عربی شاعری میں بھی خدمات سرانجام دی ہیں آپ کی عربی شاعری بہت ہی خصوصیات کی حامل ہے جب ہم زبان وادب کا ذکر کرتے ہیں تو اس میں شاعری بھی آجاتی ہے۔

"Poetry - A form of literature distinguished from prose by deliberate employment of 'metre' rhythm, rhyme, sound and figurative language. Poetry probably originated as a form of language distinct from ordinary speech in religious ritual and is an earlier development than pros. Poetry has been used as a medium for satire (pope), religious and philosophical statement (Lucretius and Wordsworth), and even for scientific classification Erasmus Darwin)".[1]

"Just as the word 'art' has come in popular usage to mean only painting and sculpture, so its sister-word has also narrowed in significance. Contemporary readers who are accustomed to think of poems as lyrics and of poetry as verse may be surprised to learn that according to the significance of it Greek root, the word 'Poetry' can cover all the forms of Art or human productivity. They are just as likely to be surprised by the reference to novels and plays, written in prose, as poems. Yet, in the tradition of the great books, novelists like Cervantes, Fielding and Melville call themselves poets. The great books consider poetry primarily as narrative rather than lyrical, as story rather than song".[۲]

Muslim political and cultural domination of India, from the earliest incursions in the eighth century until the death of the last figurehead emperor over a thousand years later, was concentrated in the northern two-thirds of the subcontinent. Pashto, Sindhi, Punjabi, Hindi, Urdu and Bengali are some of the languages in which Muslims sang their praises and love for God and his prophet. Much of the poetry has come down to us anonymously or with dubious attribution. An account of specific poets might begin with three disciples of the Sufi saint Nizam al-

1. Macmillan Encyclopaedia, P. 971

۲. Great Books of the Western World, Editor-in-Chief, Robert Maynard Hutchins, Encyclopaedia Britannica Inc., London, 1978, Vol. II, P. 401

Din Awlia. Amir Khusraw (d. 1325), Hasan Dihlawi (d. 1328), and Abu Ali Qalandar Panipati (d. 1323), all of Delhi. [1]

Poetry in Honour of the Prophet. Throughout the history of Islam and in all the languages of the Islamic world, poets have expressed ardent praise and love for the prophet Muhammad. As love of the Prophet has been called the strongest binding force in Islam, the theme may provide an appropriate summation for this survey of Islamic religious poetry.

The tradition begins during the Prophet's own lifetime, when his contemporaries ka'b ibn Zuhayr and Hassan ibn Thabit glorified him in verse. In subsequent centuries countless poets chose to dwell on the events of his life, the potency of his name; the hope of the pious, in his intercession on the Day of Judgment; his identification with the symbolism of light; his beauty and noble qualities; his birth and ascension to heaven; his miraculous powers to cure and save.

Among the most famous composers of na'tiyah poetry in Arabic is al-Busiri (thirteenth century). The Persian tradition begins with Sana'i (twelfth century) and includes Rumi, Attar, Jami, and Sa'di, among many others.

"All poetic styles and forms, from the simplest to the most sophisticated, are called into service to extol Mohammed, the friend, the supreme exemplar, the 'radiance of both worlds'. The twentieth century Urdu poet Muhammad Iqbal gives a hint of the themes power and universality when he declares. "Love of the Prophet runs like blood in the veins of the community"[2]

The knowledge that leads to an intellectual culture of a higher degree ad enables a more refined social intercourse, especially the knowledge of Arabic philology, poetry and its explanation and the ancient history of the Arabs. [3]

---

1 The Encyclopaedia of Religion, Vol. II, P. 387

2 The Encyclopaedia of Religion, Vol. II, P. 388

3 First Encyclopaedia of Islam, Vol. 1, P. 122

The state of harmonious existence arising from personal attachment, devotion and benevolence. In its most generic sense it is a feeling of universal affection (G.K. Philia), an inclination of the soul to kinship with all beings, such as is found in persons of high spiritual attainment. [1]

شعراس موزوں و مقفیٰ کلام کو کہتے ہیں جو نادر افکار، طرفہ خیالات اور پر اثر و معنی خیز متاثرد حالات کی صحیح ترجمانی و عکاسی کرے شعر کبھی نثر میں ہوتا ہے اور کبھی نظم میں۔ احساس سے تعلق اور طبیعت سے لگاؤ کی بناء پر نیز عقلی و تمدنی ترقی، علمی گہرائی اور تحقیق کاوشوں کی ضرورت نہ ہونے کے باعث شاعری کو ادبی آثار میں قدیم ترین مقام حاصل ہے عربوں میں شاعری کا آغاز کب ہوا اس کی تاریخ نہیں ملتی البتہ یہ معلوم ہے کہ جب شاعری کو تاریخ نے جانا تو وہ نہایت محکم و مرتب قصائد کی شکل اختیار کر چکی تھی[2]۔ دنیا بھر کے دوسرے ادبیات کی طرح عربی ادب بھی شعر و سخن کے ابلتے ہوئے چشموں سے پھوٹ نکلا ہے جس طرح یونانی ادب نے ھومر کی شاعری سے فوری نشوونما پائی اسی طرح عربی ادب کے سوتے بھی شاعری سے پھوٹ نکلے۔[3] شاعر کے لغوی معنی ایک ایسے صاحب شعور کے ہیں جو دوسروں میں بھی شعور پیدا کر سکتا ہو[4]۔ قصیدہ اس منظوم ادب کی امتیازی فنکارانہ تخلیق کی دراصل ایک ایسی فنی شکل ہے جس میں کوئی بات بھی دوسرے ادیبوں کی فنکارانہ شاعری سے مشترک نہیں ہے اس کا بڑا موضوع فخریا مدح ہے قصیدے سے عربی شاعری میں ایک نئے باب کا آغاز ہوا جو عربی شاعری کے متعدد پہلے سے موجود مطالب اور ذاتی احساسات کا امتزاج تھا اور یہ نمونہ جب ایک دفعہ قائم ہو گیا تو وہ شعراء کی آئندہ نسلوں کے لئے معیار بن گیا اور مختلف مضامین کی آمیزش ہونے کے سبب ان کی شاعری کے پرکھنے کے لئے سب سے بڑا معیار قرار پایا۔[5] بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ شاہ ولی اللہ بلند پایہ شاعر بھی تھے اور امین تخلص کرتے تھے شاہ صاحب نے اپنی فارسی کی غزلوں اور رباعیوں میں تصوف کے نہایت باریک نکات اور مضامین کو سمویا ہے غزلوں میں بعض اشعار رسمی شاعری کے بھی ملتے ہیں[6] شاہ صاحب کو عربی شاعری پر بھی عبور حاصل تھا عربی قصیدہ عربی شاعری کی اصطلاح میں ایک شعری ڈھانچہ کا نام ہے جو متعدد ابیات پر مشتمل ہوتا ہے اور اس کی تمام ابیات کے مصرعے مکمل ہوتے ہیں یہ نام دیئے جانے کی وجہ یہ ہے کہ قصیدے کے ابیات ہر طرح مکمل اور صحیح الوزن ہوتے ہیں جس کا اشتقاق "القصد" سے ہوا ہے جس کے معنی ہیں عدل و برابری، اعتدال و توازن اور راستے کی استقامت یا سیدھا پن۔ قصیدے میں بھی چونکہ

---

1. Encyclopaedia of Esoteric Man, Edited by, Benjamin Walker, Routledge & Kegan Paul, London, 1977, P. 153

[2] تاریخ ادب عربی، از، احمد حسن زیات، مترجم، عبدالرحمان طاہر سورتی، ص 73 [3] مقدمہ تاریخ ادبیات عربی، از، ایچ۔ اے۔ آر۔ گب، مترجم، سید محمد اولاد علی گیلانی، ص 23 [4] اقبال بحیثیت شاعر، مقالہ نگار، مجنوں گورکھپوری، لاہور، نومبر 1977ء ص 72 [5] اردو دائرہ معارف اسلامیہ، جلد 13 ص 188 [6] اقبال اور علمائے پاک و ہند، از، اعجاز الحق قدوسی، ص 144

ایک ہی عروضی بحر اختیار کرنی پڑتی ہے اور الفاظ کے توازن و اعتدال کو قائم رکھنا پڑتا ہے اس لئے یہ نام دیا گیا ہے ایک قول یہ بھی ہے کہ جس طرح درختوں کی کانٹ چھانٹ کر کے انہیں پیراستہ کرنے والا مالی مقصد الاشجار کہلاتا ہے اسی طرح منتخب الفاظ و معنی سے ایک مجموعہ ابیات یا شعری ڈھانچہ تیار کرنے والا اور اس کی تنقیح و تہذیب کر کے اسے آراستہ کرنے والا شاعر مقصد القصید کہلاتا ہے۔[1] اگر ہم اسلامی ادب پر نظر ڈالیں تو ہمیں ہر دور میں ایسے حضرات نظر آتے ہیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آل رسول کو ہدیہ عقیدت پیش کیا اور اس عقیدت کو اپنی نجات کا وسیلہ سمجھا عہد رسالت ماب صلعم میں بھی شعر کی زبان میں آپ کے فضائل کو بیان کیا گیا حضرت حسانؓ بن ثابت کے دیوان میں بہت سا نعتیہ کلام موجود ہے۔[2] بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ شاہ صاحب شاعر بھی تھے اور فارسی غزلوں اور رباعیوں کا ایک معقول ذخیرہ چھوڑ گئے ہیں آپ امین تخلص کیا کرتے تھے آپ کی اکثر غزلوں اور رباعیوں میں تصوف اور معرفت کے مضامین ادا ہوئے ہیں۔[3] اس کے علاوہ شاہ صاحب نے عربی زبان میں بھی قابل ذکر شاعری کی ہے جس کا ثبوت آپ کا شہرت یافتہ قصیدہ اطیب النغم ہے۔

---

[1] اردو دائرہ معارف اسلامیہ، جلد 16/2 ص 288 [2] اقبال در مدح محمدؐ و آل محمدؐ، سید احسن عمرانی، حق برادرز نئی انارکلی لاہور، ص 18 [3] رود کوثر، شیخ محمد اکرام ص 673

قصیدہ اطیب النغم فی مدح سید العرب والعجم: قصیدہ اطیب النغم فی مدح سید العرب والعجم شاہ ولی اللہ کا ایک ایسا کارنامہ ہے جس کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے وہ ذات گرامی حضرت محمد صلعم جن کی تعریف خدا تعالیٰ اور ملائکہ کرتے ہیں اور جن پر درود و سلام بھیجنا مسلمانوں پر فرض کر دیا گیا ہے اس عظیم ترین ہستی کی جو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجے گئے شاہ ولی اللہ نے ان کی تعریف میں یہ قصیدہ لکھا ہے[1] یہ ایک بڑا قصیدہ ہے جس کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے جناب شاہ صاحب کو علم و ادب اور شاعری میں جو علوم عربیہ کے عناصر ہیں کس درجہ لیاقت تھی اور آپ نے ان علوم کو کس عروج پر پہنچایا تھا قطع نظر ادب اور شاعری کے یہ بھی بدیہی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ آپ کو جناب نبی کریم صلعم سے انتہا درجہ کی محبت تھی اور اسی محبت کی حالت میں آپ کے قلم و زبان سے وہی الفاظ نکل رہے ہیں جو آپ کے دل میں تھے[2]

"In his collection of poems named Atyab-un-Nagham, Qasidah Baiyah and Qasidah Hamziyah with comments had been composed, as is narrated by him in 1156-57/1743-44.[3]

شاہ ولی اللہ قصیدہ اطیب النغم کے شروع میں رقمطراز ہیں۔ "فقیر ولی اللہ عفی عنہ کہتا ہے کہ سید المرسلین صلعم کی مدح اور آنحضور صلعم کے کمالات کا تذکرہ اور آنحضور صلعم کی نبوت کے دلائل کا بیان بلاشبہ بڑی برکات کا باعث ہے اور درجات کی بلندی کا سبب ہے اسی اثناء میں اس فقیر کو بارگاہ الٰہی سے یہ توفیق ارزانی ہوئی کہ حضور صلعم کے نامور صحابی حضرت سواد بن قاربؓ کے قصیدہ بائیہ کے انداز پر ایک قصیدہ نظم کرے حضرت سوادؓ کا قصیدہ اہل عرب کے انداز بیان کے مطابق نہایت بلیغ ہے سرور عالم صلعم نے جب اس کو پہلی بار سنا تو حضور صلعم نے اسے شرف قبولیت سے نوازا اس ضعیف کا قصیدہ اگرچہ فصاحت و بلاغت میں اس درجہ پر فائز نہیں کہ اسے بلغاء عرب کے قصائد کے پہلو بہ پہلو رکھ کر فخر و ناز کیا جائے بایں ہمہ میرا قصیدہ آنحضرت صلعم کی نبوت کے دلائل پر مشتمل ہے بعض اہم مقاصد کی طرف اس میں اشارات ہیں عربی لطافت سے بھی وہ بالکل معرا نہیں ہے اس میں بعض ایسے الفاظ مستعمل ہوئے ہیں جو غریب اور مشکل ہیں اس لئے یہ ضروری معلوم ہوا کہ ایجاز و اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس کی شرح کر دی جائے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس قصیدہ کو متعدد فصلوں میں منقسم کر دوں تاکہ ہر فصل میں ایک مقصد کا بیان ہو۔ اس قصیدہ کا نام اطیب النغم فی مدح سید العرب والعجم" (عرب و عجم کے آقا کی مدح میں پاکیزہ نغمہ) تجویز کیا گیا ہے بطور نمونہ چند اشعار پیش خدمت ہیں جن سے شاہ ولی اللہ کی نبی کریم

---

[1] (i) اصول فقہ اور شاہ ولی اللہ، ڈاکٹر مظہر بقا، ص 70 (ii) تذکرہ شہید، محمد خالد سیف، ص 37 [2] (i) حیات ولی، رحیم بخش، ص 579

[3] Life of Shah Walli Allah, G.N. Jalbani, P. 35

صلعم سے محبت اور عربی زبان پر مکمل گرفت اور عبور کا پتا چلتا ہے۔ براھین حق اوضحت صدیق قوله رواها یروی کل شب وشائب ترجمہ: ایسی سچی دلیلیں جنہوں نے نبی کریم صلعم کے ارشاد کی سچائی کو واضح کردیا ہے۔ جس کو روایت کیا ہے اور اب بھی روایت کر رہا ہے ہر جوان اور ہر بوڑھا۔ من الغیب کم اعطی الطعام لجائع و کم مرة اسقی الشراب لشارب ترجمہ: یعنی عالم غیب کی مدد سے حضور صلعم نے بارہا بھوکوں کو کھانا کھلایا اور پیاسوں کو پانی پلایا۔ باقی اشعار شاہ ولی اللہ کے اسلوب تحریر کے عنوان کے تحت درج ہیں۔

عربی زبان وادب میں عبور پر شاہ ولی اللہ کے بارے میں علماء محققین کی آراء=

شاہ عبدالعزیز "بستان المحدثین" باب تذکرۃ الموطا میں رقمطراز ہیں

" حضرت شیخنا لقد لتنا فی کل العلوم والا مور شیخ ولی اللہ دھلوی قدس سرہ دو شرح نوشتہ اند بر احادیث وآثار موطا بروایت یحیی بن یحیی لیشی واقوال امام مالک" وبعضے بلاغیات الیشان راحذف فرمودہ اول خیلے دقیق ومجتہدانہ است بزبان فارسی نام او مصطفے فی احادیث الموطا دوم مختصراست وداں اکتفا بربیان مذاہب حنفیہ وشافعیہ فرمودہ اندر قدرے ضروری از ایں شرح غریب وضبط مشکل داخل نمودہ مسمی بمسوی من احادیث الموطا الراقم الحروف ایں شرح ازلیشان بضبط واتقان شنیدہ است۔ " ترجمہ: ہمارے شیخ اور تمام علوم اور امور میں ہمارے رہنما ولی اللہ دہلوی نے احادیث وآثار موطا بروایت یحیٰی بن لیثی اور امام مالک" کے اقوال کی دو شرحیں لکھی ہیں اور ان کی بعض بلاغیات کو حذف کر دیا ہے پہلی کتاب کا نام "مصفی فی احادیث موطا" ہے۔ یہ فارسی میں ہے اور نہایت باریک باتوں پر مشتمل ہے۔ اس کا انداز تحقیق مجتہدانہ ہے دوسری کتاب اس سے مختصر ہے اس کا نام "مسوی من احادیث الموطا" ہے اس میں حضرت شیخ نے حنفی اور شافعی فقہاء کے مسالک بیان فرمانے پر اکتفا کیا ہے اور غریب کی شرح اور مشکل کے ضبط کا بھی خیال رکھا ہے راقم الحروف نے یہ شرح حضرت ایشان سے پورے ضبط اور پختگی کے ساتھ اخذ کی ہے۔۔

شاہ محمد اسمٰعیل شہید "عبقات" میں شاہ ولی اللہ کے متعلق فرماتے ہیں " افضل

المحققین وفخر المدققین احصام الحکماء امام العرفاء اعلمهم باللہ الشیخ ولی اللہ افاض اللہ علینا من بر کاتہ ترجمہ: تحقیق کرنے والوں میں سب سے افضل، نکتہ بینی کرنے والوں کے لئے باعث فخر، حکمائے دستگیر، خدا شناسوں کے رہبر اور سب سے بڑے خدا شناس شیخ ولی اللہ، خدا ہمیں ان کی برکتوں سے بہرہ اندوز کرے۔

شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی اپنے ترجمہ قرآن کے دیباچے میں شاہ صاحب کے متعلق حجۃ اللہ علی العالمین کے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ "حضرت حجۃ اللہ علی العالمین شاہ ولی اللہ قدس سرہ نے جب اول قرآن شریف کا ترجمہ فرمایا تو حاشیہ پر کچھ ضروری فوائد بھی تحریر فرمائے"

شاہ ولی اللہ کو علمائے متقدمین اور دور حاضر کے محققین نے ان کی عظیم الشان دینی' سیاسی' علمی خدمات کے حوالے سے زبردست خراج تحسین پیش کیا ہے جن کو بیان کرنے کے لئے دفتروں کے دفتر درکار ہیں طوالت کے خوف سے صرف چند آراء پیش کی جا رہی ہیں۔ "ایک طرف ان کے زمانے اور ماحول کو اور دوسری طرف ان کے کام کو جب بالمقابل رکھ کر آدمی دیکھتا ہے تو عقل دنگ رہ جاتی ہے کہ اس دور میں اس نظر ان خیالات اور اس ذہنیت کا آدمی کیسے پیدا ہو گیا فرخ سیر' محمد شاہ رنگیلا' اور شاہ عالم کے ہندوستان کو کون نہیں جانتا اس تاریک زمانے میں نشوونما پا کر ایسا آزاد خیال مفکر و مبصر منظر عام پر آتا ہے جو ماحول اور زمانہ کی ساری بندشوں سے آزاد ہو کر سوچتا ہے تقلیدی علم اور صدیوں کے جمے ہوئے تعصبات کے بند توڑ کر ہر مسئلہ زندگی پر محققانہ و مجتہدانہ نگاہ ڈالتا ہے اور ایسا لٹریچر چھوڑ جاتا ہے جس کی زبان' انداز بیاں' خیالات' نظریات' مواد تحقیق اور نتائج مستخرجہ کسی چیز پر بھی ماحول کا کوئی اثر دکھائی نہیں دیتا حتیٰ کہ اس کے اوراق کی سیر کرتے ہوئے یہ گمان تک نہیں ہوتا کہ یہ چیزیں اس جگہ لکھی گئی تھیں جس کے گردوپیش عیاشی' نفس پرستی' قتل و غارتگری' جبر و ظلم اور بدامنی و طوائف الملوکی کا طوفان برپا تھا۔[1] "شاہ ولی اللہ نے اسلام پر بحیثیت ایک نظام فکر از سر نو غور کیا اور اسلامی معاشرے کے قیام کے لئے کوششیں کیں"۔[2]

مرزا مظہر جان جاناں کا خراج تحسین ان الفاظ میں ہے "حضرت شاہ ولی اللہ محدث رحمتہ اللہ علیہ طریقہ جدیدہ بیان نمودہ اند و در تحقیق اسرار معرفت و غوامض علوم طرز خاص دارند۔ بااین ہمہ علوم و کمالات از علماء ربانی اند مثل ایشاں در محققان صوفیہ کہ جامع اند در علم ظاہر و باطن و علم نو بیان کردہ اند چند کس گزشتہ باشند" ترجمہ: حضرت شاہ ولی اللہ نے تصوف کا نیا طریقہ بیان کیا ہے اور وہ خدا شناسی کے راز کھولنے اور علوم کی باریکیاں بیان کرنے میں خاص طرز کے مالک ہیں علوم ظاہری میں مہارت تامہ رکھنے کے ساتھ ہی شاہ صاحب علمائے ربانی میں سے ہیں محقق صوفیوں میں جو ظاہری اور باطنی علوم کے ماہر ہوں اور جنھوں نے علم کے راز بیان کرنے میں نئی ڈگر اختیار کی ہو ایسے چند ہی بزرگ گزرے ہیں والد ماجد کی درس وغیرہ میں تحریر و تقریر اکثر مرقص ہوتی تھی۔[3] "شاہ صاحب کے اسلوب بیان میں بڑی ندرت پائی جاتی ہے آپ نے مخاطبین کی سمجھ اور استعداد کے مطابق کلام کرنے کی ہمیشہ کوشش کی ہے جب ایسے مسائل جن کا براہ راست تعلق عوام سے ہے بیان کئے ہیں تو نہایت عام فہم اور سلیس زبان اختیار کی ہے شاہ صاحب کے اسلوب میں جدت اور ندرت کے علاوہ ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ ان کی عبارتیں حشو و زوائد سے پاک ہیں آپ نے پیچیدہ سے پیچیدہ موضوعات اور مسائل پر بھی کتابیں لکھیں لیکن ان پر

---

1. تجدید و احیائے دین' از' مولانا سید مودودی' لاہور' ص 89 2. متعلقات خطبات اقبال' ص 143
3. ملفوظات شاہ عبدالعزیز' ص 158

بھی چند صفحات میں ہی سیر حاصل بحث کر لی حتیٰ کہ ایک پہلو بھی نظر انداز نہ ہو سکا ان کی تصانیف جامعیت اور اختصار کا عجیب و غریب مرقع ہیں وہ درمیان عبارت میں نہایت بے تکلفی کے ساتھ قرآنی تراکیب اور آیات کے ٹکڑے جابجا استعمال کرتے ہیں قرآن مجید سے بھی زیادہ وہ احادیث سے دلائل لاتے ہیں۔[1] مرزا مظہر جان جاناں کا قول ہے "اللہ تعالیٰ نے مجھے تمام کرہ ارض کی سیر مثل کف دست کرائی میں نے اپنے زمانہ میں شاہ ولی اللہ جیسا کوئی نہیں پایا۔[2] "شاہ ولی اللہ کی شہرت اگرچہ زیادہ تر تفسیر و ادب میں ہے لیکن آپ حدیث و فقہ میں بھی درجہ اجتہاد کے مالک تھے کلام و ادب جو عربیت کا بہت بڑا جوہر ہے اس میں آپ کو بہت بڑا کمال حاصل تھا غرض یہ کہ حدیث' تفسیر' فقہ' ادب' کلام' سیر' مغازی اور معانی میں آپ کا شمار مجتہدین فن میں ہوتا ہے ہندوستان میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے بعد شاہ ولی اللہ ہی ہیں جن کی کوششوں سے حدیث کا علم گھر گھر پہنچ گیا[3] شاہ صاحب انشاء پردازی کے فن میں بھی بے مثل اور یگانہ روزگار تسلیم کیے گئے ہیں اور آپ کی یہ صفت خاص تمام فاضلین کو تسلیم ہے کہ بڑے بڑے مضامین کو نہایت مختصر اور جامع الفاظ میں اس خوبصورتی کے ساتھ ادا کرتے ہیں کہ مضمون کا اصلی اثر اور زور پوری طرح قائم رہتا آپ کے مکاتیب' خاص خاص مناظروں اور علمی بحثوں میں جابجا علم انشاء کے نمونے لکھے نظر آتے ہیں[4] نواب صدیق حسن خاں کے بقول۔ اس خاندان (ولی اللّٰہی) کا ہر ایک فرد اپنے اسلاف اور اعمام کی طرح عالم دین' صاحب مرتبت' حکیم و فقیہ تھا کیوں نہ ہوتا یہ حضرات علم و عمل میں یکتائے زمانہ ہونے کے ساتھ نسب عالی فاروقی کے بھی تو حامل تھے اس بیت العلم کے تمام افراد جملہ علوم نقلیہ و عقلیہ میں کامل ہونے کے ساتھ مشائخ وقت بھی تھے حتیٰ کہ ہندوستان بھر میں کوئی ایک گھرانہ اس (خاندان ولی اللّٰہی) کا ہم پلہ نہ ہو سکا۔[5] مولانا ابوالکلام آزاد شاہ صاحب کو اس انداز میں خراج تحسین پیش کرتے ہیں جو دور آخر کے فاتح اور سلطان عصر ہونے کا مقام تھا قطبیت وقت کا وہ صرف حجتہ الاسلام شاہ ولی اللہ کے لئے ہی تھا۔[6] قاری محمد طیب مہتمم دارالعلوم دیوبند کے نزدیک ہندوستان کی آخری صدیوں میں شاہ ولی اللہ اور ان کی نسبی و حسبی اولاد کو یہ فخر حاصل ہے کہ انہوں نے سنت و بدعت کی تفریق اور سنت کے دائرے سے من گھڑت رسوم و رواج کے اخراج کو آخر تک پہنچایا اور ان تمام اختراعات کو جنہیں دعویداران انا وجدنا اٰباءنا دین کے پردے میں پیش کر رہے تھے دین کے مستحکم دلائل سے دفع کرنے کی عظیم مہم انجام دی۔[7] شاہ صاحب کی تصنیفات کی اہمیت و مقبولیت کا اندازہ علامہ محمد اقبال کے خط کی اس

---

1. مسلمانوں کے سیاسی افکار' پروفیسر خورشید احمد' ص 214
2. تذکرۃ المفسرین' مرتبہ محمد زاہد الحسینی' دارالارشاد' اٹک' 1401ھ' ص 171 3. تذکرہ علماء حق' ص 191
4. ایضاً' ص 195
5. ابجد العلوم' ص 914 6. تذکرہ' ص 444 7. تذکرہ علماء حق' ص 12

عبارت سے ہوتا ہے۔ "میں نے سنا ہے کہ شاہ ولی اللہ رحمتہ اللہ علیہ کی کتاب البدور البازغہ چھپ گئی ہے مہربانی کر کے اس کا ایک نسخہ دی۔ پی مجھے ارسال فرمائیے اگر آپ کے ہاں نہیں ہے تو مہربانی فرما کر جہاں سے دستیاب ہو سکتی ہے وہاں سے منگوا دیجئے۔ [1] "شاہ ولی اللہ کی ایک نمایاں خصوصیت ان کی جامعیت ہے یعنی وہ اختلافی مسائل میں ایسا راستہ ڈھونڈتے ہیں اور اپنی علمی وسعت اور ذہانت کی مدد سے اکثر ایسا راستہ تلاش کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں جس پر فریقین متفق ہو سکیں [2] "مسائل فقیہ پر بحث کرتے وقت شاہ ولی اللہ کی کوشش یہ ہوتی تھی کہ مذاہب اربعہ میں جو اختلاف پایا جاتا ہے اسے بڑھا چڑھا کر پیش کرنے کی بجائے کم سے کم کر کے دکھائیں بالخصوص ایسے اختلافات کو جو حنفی اور شافعی مسالک میں پائے جاتے ہوں اس مقصد کو ملحوظ رکھتے ہوئے وہ ایسے تمام فقہی مسائل کے صرف ان پہلوؤں پر بہت زور دیتے اور ان کا تجزیہ کرتے تھے جن میں اتفاق رائے پایا جاتا تھا اور کسی ایک مسلک کو دوسرے پر فوقیت نہیں دیتے تھے یہ ایک ایسا طریقہ تعلیم تھا جس سے نوجوان طلباء میں وسیع النظری پیدا کرنے میں بہت مدد ملتی تھی اور ان کے دل میں چاروں آئمہ کرام اور ان کے مسالک کے بارے میں احترام ورواداری کا جذبہ بھی پیدا ہو جاتا تھا [3] "شاہ ولی اللہ کی پچاسیوں تصانیف کسی طرح بھی وقعت و اہمیت میں امام غزالیؒ اور امام رازیؒ کی تصانیف سے کم نہیں ہیں [4] شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علم و عرفان کی لازوال شخصیت ہیں شاہ ولی اللہ اور ان کے معاصر علماء کے خطوط میں عربی الفاظ کی کثرت ہے یہ لوگ عربی فارسی اور علوم متداولہ کے مستند فضلاء تھے ان کی عبارت میں متانت اور سنجیدگی پائی جاتی ہے مذہبی اصطلاحوں'

علمی مسائل و مباحث کی وجہ سے عبارت میں ثقل کا پیدا ہونا ناگزیر ہے مگر ان کا جوش و جذبہ بہت سی مشکلات کو آسان کر دیتا ہے [5] شاہ صاحب کے عربی مکاتیب کے مطالعہ سے ان کی عربی زبان وادب پر عبور کا پتہ چلتا ہے ان عربی مکاتیب کا اسلوب تحریر بلاشبہ بہترین ادبی خصوصیات کا حامل ہے [6] علامہ شبلی نعمانی فرماتے ہیں ابن تیمیہ اور ابن رشد کے بعد بلکہ خود انھیں کے زمانے میں مسلمانوں میں جو عقلی تنزل شروع ہوا اس کے لحاظ سے یہ امید نہیں رہی تھی کہ پھر کوئی صاحب دل و دماغ پیدا ہو گا لیکن قدرت کو اپنی نیرنگیوں کا تماشہ دکھلانا تھا کہ اخیر زمانے میں جب کہ اسلام زوال کا شکار ہو رہا تھا شاہ ولی اللہ جیسا عالم دین پیدا ہوا جس کی نکتہ سنجیوں کے آگے غزالی' رازی اور ابن رشد کے کارنامے بھی ماند پڑ گئے [7] شیخ محمد عاشق الخیر الکثیر کے دیباچے میں فرماتے ہیں۔ راہ طریقت طے کرنے والوں اور طالبان حقیقت پر یہ بات مخفی نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کامل انسان کو اپنے علوم واسرار کے ظاہر کرنے کا ذریعہ بناتا ہے

---

[1] نقوش' مدیر' محمد طفیل' اقبال نمبر جلد دوم' ادارہ فروغ اردو' لاہور 1977ء ص 514 (2 اگست 1936ء)
[2] رود کوثر' ص 535 [3] علم حدیث میں پاک و ہند کا حصہ' ص 94-193 [4] مسلمانوں کا نظام تعلیم' ص 184
[5] اردو دائرہ معارف اسلامیہ' جلد 21' ص 477 [6] حیات ولی' از' رحیم بخش' ص 24-613 [7] تاریخ علم الکلام' از' علامہ شبلی نعمانی' اعظم گڑھ' 1940ء ص 45

اسے بطور اپنا آلہ کار استعمال کرتا اور اس کی زبان سے کلام کرتا ہے اس زمانے میں اس بلند مقام پر شاہ ولی اللہ فائز ہیں جو محدثین زمانہ میں سب سے بڑے محدث ہیں مولانا اسماعیل شہید دہلوی فرماتے ہیں تحقیق کرنے والوں میں سب سے افضل' نکتہ بینوں کے سرمایہ افتخار' حکماء کے دستگیر' عارفین کے امام اور سب سے بڑے خدا شناس' شیخ ولی اللہ' اللہ تعالیٰ ہمیں ان برکتوں سے بہرہ اندوز کرے۔

حضرت مرزا مظہر جان جاناں فرماتے ہیں حضرت شاہ ولی اللہ نے تصوف کا نیا طریقہ بیان کیا ہے وہ خدا شناسی کے راز کھولنے اور علوم کی باریکیاں بیان کرنے میں خاص طرز کے مالک ہیں علوم ظاہری میں مہارت تامہ رکھنے کے ساتھ ساتھ شاہ صاحب علمائے ربانی میں سے ہیں محقق صوفیوں میں جو ظاہری اور باطنی علوم کے ماہر ہوں اور جنھوں نے علم کے راز بیان کرنے میں نئی ڈگر اختیار کی ہو۔ ایسے چند ہی بزرگ گزرے ہیں [1] انصاف کی بات تو یہ ہے کہ شاہ ولی اللہ ہندوستان ماوراء النہر بلکہ خود مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ جیسے شریعت کے مرکزوں میں بھی اکثر و بیشتر علمائے کرام کے نزدیک بہترین مفکر' ماہر ترین محقق اور احکام شریعت کے قابل ترین رموز نکات شناس' بڑے جید عالم اور محدث تھے۔ انھوں نے زندگی کے تمام ابواب انسانی' ارتقاء کے تمام مدارج' اعمال وافعال کے مقاصد کا بنظر غائر مطالعہ ہی نہیں کیا بلکہ نہایت مدلل اور بہترین طریق پر تجزیہ کرنے میں کامیابی حاصل کی تھی۔ تمام مفکرین اسلام حضرت شاہ ولی اللہ کے ممنون احسان ہیں ہمارے زمانے کے مفکر اسلام ڈاکٹر محمد اقبال نے بھی ان کا تتبع باعث فخر سمجھا ہے اور ان کی نظم و نثر میں حقائق بیانی کی۔ یہ انجذابی قوت بھی حضرت مولانا روم' حضرت شیخ سعدی' حضرت شمس تبریز' اور خصوصاً شاہ ولی اللہ کی پیروی اور تقلید کا ہی نتیجہ ہے [2] ہمارے اجتماعی فکر میں شاہ صاحب کا بہت بلند مرتبہ ہے اور ہندوستان کی اسلامی تاریخ میں تو ان کے پائے کا اب تک کوئی محقق اور عالم نہیں گزرا ہے ان کے افکار ہمارے لئے مستقل حیثیت رکھتے ہیں [3] مسلمانوں کی چودہ سو سالہ تاریخ میں ایسی کئی اہم شخصیتیں پیدا ہوئیں جو اس لحاظ سے ممتاز نظر آتی ہیں کہ انھوں نے وقت کے عام غلط رجحانات سے ہٹ کر اپنی روش علیحدہ بنائی ہے ایسی ہی تاریخ ساز شخصیتوں میں سے ایک شاہ ولی اللہ دہلوی کی شخصیت بھی ہے جنھوں نے "فک کل نظام" (ہر فاسد شیرازے کو توڑنے والا) کی بشارت سے سرفراز ہو کر وجدانی اور فکری طور پر صحیح اسلامی روش اختیار کی [4] دہلی کے خانوادہ شاہ ولی اللہ کی نمایاں خدمات ہیں انھوں نے علم قرآن وحدیث کو عام کیا قرآن وحدیث کے فارسی و اردو تراجم کئے۔ دوسرے اسلامی علوم میں قابل قدر کام کیا شاہ ولی اللہ سیاست واقتصادیات میں بھی نہایت صحت مند رجحانات رکھتے تھے

---

[1] عبیدیہ' ترجمہ' رسالہ محمودیہ' ص 43 [2] حقیقت اجتہاد بنظر شاہ ولی اللہ' ص 7
[3] شاہ ولی اللہ کے عمرانی نظریے' ص 31 [4] اصول فقہ اور شاہ ولی اللہ' ص 1

اور عصری ضرورتوں کو اہمیت دیتے تھے ان کی تحریک کو ان کے لائق صاحبزادگان اور تلامذہ نے آگے بڑھایا اور مدارس و تصانیف کے ذریعے ان کے افکار و خیالات کی نشر و اشاعت کی اصلاح ملت کا خوب کام کیا کہ جس کے اثرات برعظیم پاک و ہند میں آج بھی محسوس ہوتے ہیں[1] ان بزرگوں نے اپنی زندگیاں خدا کا قرب حاصل کرنے کے لئے تج دی تھیں اس قربانی کا اثر یہ ہوا کہ وہ صفات الٰہی سے متصف ہو گئے اور وہ عالم میں اسی طرح تصرف کرنے لگے جس طرح صفات خداوندی عالم میں متصرف ہیں اگرچہ خدا' خدا ہی ہے اور بندہ بندہ ہی ہے مگر جب اپنی ہستی خدا کی ذات میں فنا کر دی تو آپ ہی فرمائیں کہ سوائے خدا کی ذات کے اور کیا باقی رہا[2] علامہ اقبال نے بھی شاہ ولی اللہ کی کتب سے استفادہ کیا اور ان کے مفاہیم میں گہری دلچسپی کا اظہار کیا اس کا پتہ اقبالنامہ جلد اول میں مکاتیب نمبر 76 - 77 - 78 - 96 - 101 سے چلتا ہے[3] علامہ اقبال کی شاہ صاحب کی تصانیف کے بارے میں دلچسپی ان کے مکتوبات کی عبارتوں سے عیاں ہے "ہاں ایک ضروری بات یاد آگئی یہاں ایک صاحب کے پاس شاہ ولی اللہ کی تفہیمات الٰہیہ کی دوسری جلد ہے جو شاہ عاشق حسین (شاگرد شاہ ولی اللہ) کی لکھی ہوئی ہے کیا ندوہ کے کتب خانہ میں یہ کتاب موجود ہے مولوی نواب صدر یار جنگ کے ہاں جو نسخہ ہے وہ پہلی جلد ہے یا دوسری یا دونوں؟ کیا کسی نے اس کتاب کے اردو ترجمہ کا انتظام کیا ہے؟ مجھے ایسا یاد پڑتا ہے کہ شاید معارف میں اس کے اردو ترجمہ کا اعلان کیا گیا تھا[4] "میں نے سنا ہے کہ شاہ ولی اللہ کی کتاب البدور البازغہ چھپ گئی ہے مہربانی کر کے اس کا ایک نسخہ وی پی مجھے ارسال فرمایئے اگر آپ کے ہاں نہیں ہے تو مہربانی کر کے جہاں سے دستیاب ہو سکتی ہے وہاں سے منگوا دیجئے مجھے معلوم نہیں کہاں سے چھپی ہے اور کہاں سے دستیاب ہو سکتی ہے اس واسطے آپ کو تکلیف دی گئی ہے[5] "انشاء اللہ موسم سرما میں وہ انگریزی کتاب لکھنا شروع کروں گا جس کا وعدہ میں نے اعلیٰ حضرت نواب صاحب بھوپال سے کر رکھا ہے اس میں آپ کے مشورہ کی ضرورت ہے البدور البازغہ بھی اسی مطلب کے لئے منگوائی ہے اس کتاب میں زیادہ تر قوانین اسلام پر بحث ہو گی کہ اس وقت اسی کی زیادہ ضرورت ہے[6]

شیخ محمد عاشق' شاہ صاحب کی تصنیف "الخیر الکثیر" کے دیباچے میں فرماتے ہیں

بر سالکان طریقت و طالبان حقیقت پوشیدہ نماند کہ چوں حق سبحانہ و تعالیٰ فردے کامل را برائے مظہریت علوم و اسرار کامنہ خویش اصطفاے فرمائد آں را بمنزلہ جارحہ خود ساختہ بزبان دے تکلم ے نمائد پس ظہور آں علوم و اسرار کہ در نفس مقدسہ دی ودیعت نمادہ اند ظہور آں ارادہ فرمودہ علی الواردات والتقریبات بروز نماید۔ دریں زمان بایں مقام اعظم المحدثین ولی العصر لسان اللہ قطب الدین احمد

[1] ڈاکٹر محمد ایوب قادری (مقالہ نگار) المعارف' لاہور ستمبر 1983ء

[2] تذکرۃ الابرار' از' مولانا شبیر حسن چشتی نظامی' آستانہ بکڈپو جامع مسجد دہلی' 1957ء ص 5

[3] (i) اقبالنامہ' مرتبہ' شیخ عطاء اللہ' شیخ محمد اشرف' کشمیری بازار لاہور' 1950ء جلد اول ص 160 تا 199

(ii) روح مکاتیب اقبال' از' محمد عبد اللہ قریشی' لاہور 1977ء ص 616 - 624 - 390

[4] ایضاً ص 98 - 197 [5] ایضاً ص 188 [6] ایضاً ص 199

ابو الفیاض ولی اللہ است و مصداق ایں معنی آنست کہ جناب خاتمیہ علی صاحبہا الصلوات و التسلیمات در بعضے مبشرات ذات ایشاں را بازات خویش نسبت وجود ذہنی باوجود خارجی فرمودند و دراں مشہد خطاب ذکی حکیم ہذہ الامت کرامت بخشیدند۔ یعنی آنچہ از کمالات الٰہیہ در عین ثابتہ آں جناب صلعم بفعلیہ خارجیہ ظہور نمودہ و آں را در تحقیق آثار خارجہ خود ساختہ ہماں معانی بتمامہا در عین صافی الیشان در صورت علوم و معارف جلوہ گر گشتہ پس ہمہ علوم و اسرار الیشان در حقیقت علوم و اسرار آں حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام اند انتہی۔ ترجمہ: راہ طریقت طے کرنے والوں اور حقیقت کے طلب گاروں پر یہ امر چھپا ہوا نہیں ہے کہ خداوند تعالیٰ کسی کامل انسان کو اپنے علموں اور چھپے ہوئے رازوں کے ظاہر کرنے کا ذریعہ بنانے کے لئے چن لیتا ہے اور اسے بطور آلہ کار استعمال کرتا ہے اور اس کی زبان سے کلام فرماتا ہے اور جو بھید اس کے نفس مقدس میں ودیعت کئے گئے ہوتے ہیں وہ اس شخص کو عطا فرماتا ہے اور ان کے ظہور کا ارادہ کرتا ہے تو وہ واقعات کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں۔

امام صاحب "لسان اللہ" "ذکی" اور "حکیم الامت" ہیں اس زمانے میں اس بلند مقام پر قطب الدین احمد ابو الفیاض ولی اللہ فائز ہیں جو محدثین میں سے سب سے بڑے محدث اور اس زمانے کے ولی ہیں اور جن کی زبان سے خدا کلام فرماتا ہے اس امر کی تصدیق اس سے ہوتی ہے کہ خاتم النبیین حضرت محمد صلعم نے بعض بشارتوں میں حضرت حکیم الہند امام ولی اللہ کی نسبت اپنے ساتھ یوں ظاہر فرمائی ہے کہ میرے وجود خارجی کے لئے بمنزلہ ذہن ہیں اور اس وقت حضرت امام صاحب کو ذکی اور حکیم الامت کا خطاب عطا فرمایا اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلعم کی ذات مبارک میں جو کمالات الٰہی موجود تھے اور ان کے ذریعہ سے ظہور پذیر ہوئے وہ تمام معانی بعینہ حضرت حکیم الامت کے صاف ذہن میں علوم و معارف کی شکل میں جلوہ گر ہوئے ہیں اس لئے حضرت امام کے جملہ علوم و اسرار حقیقت میں آنحضرت صلعم کے علوم و اسرار ہیں[1] "شاہ ولی اللہ کی نگارشات کی طویل فہرست سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ایک قاموس انشاء پرداز تھے انہوں نے مذہب و الٰہیات کے کم و بیش سبھی اہم موضوعات پر قلم اٹھایا ہے سید ابو الحسن ندوی نے درست کہا ہے کہ شاہ ولی اللہ اسلام کے ان چند مصنفین میں سے ہیں جن کی تعداد مصنفین اسلام کی بے نظیر کثرت کے باوجود بہت کم ہے انہوں نے عربی اور فارسی زبانوں کو وسیلہ اظہار بنایا ہے ان کی اہم کتب زیادہ تر عربی زبان میں ہیں جن میں اہل زبان کی سی روانی و قدرت اور ادباء عرب کی سی عربیت ہے اور ان بے اعتدالیوں سے پاک ہیں جو عجمی علماء کی عربی تحریر میں پائی جاتی ہیں آپ نے اپنے فلسفیانہ افکار کے لئے کئی اصلاحات خود وضع کی ہیں[2] "دہلی میں شاہ ولی اللہ کا خاندان اپنے علم و فضل کی وجہ سے بہت مشہور ہوا ان لوگوں نے عربی میں شاعری بھی کی ہے شاہ ولی اللہ ان کے والد عبد الرحیم بیٹے عبد العزیز اور رفیع الدین سب نے عربی میں شعر کہے ہیں عبد الرحیم نے "روح" کے

[1] عبیدیہ' ص 33-32

[2] ہندی مسلم تہذیب' ص 247

عنوان سے بو علی سینا کی نظم کے جواب میں ایک اچھی نظم لکھی ہے شاہ ولی اللہ نے نبی کریم صلعم کی مدح میں ایک قصیدہ عربی میں لکھا ہے اور فارسی میں اس کی شرح بھی قلمبند کی ہے قصیدہ اور شرح دونوں شائع ہو چکی ہیں اور ان کی بہت قدر کی جاتی ہے[1] "نواب صدیق حسن خاں لکھتے ہیں اگر شاہ ولی اللہ پہلے زمانے میں پیدا ہوتے تو آپ کو اماموں کا امام سمجھا جاتا اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ہم شاہ صاحب کو محض اپنی کم ہمتی اور تقلید پسندی سے امام نہیں کہتے ورنہ جہاں تک علمی تبحر، دماغی قابلیت، مجتہدانہ نظر، سلیم الخیالی اور اشاعت کتاب وسنت کے سلسلے میں عظیم الشان قومی اور مذہبی خدمات کا تعلق ہے دنیائے اسلام میں بہت ہی کم شخص ہوں گے جن سے آپ پیچھے رہے ہیں آپ نے بیسیوں کتابیں لکھی تفسیر، حدیث، تصوف، فقہ، تاریخ، علم الکلام، غرض یہ کہ علم اسلامی کی کوئی شاخ نہیں جسے آپ نے سیراب نہ کیا ہو اور اللہ کا فضل ایسا شامل حال تھا کہ جس چیز کو ہاتھ لگاتے کندن ہو جاتی[2] ہندوستان میں مسلمانوں کی علمی زبوں حالی کا تذکرہ کرتے ہوئے سید ابوالحسن علی ندوی رقمطراز ہیں "گجرات اور چند ساحلی مقامات چھوڑ کر ہندوستان میں حدیث شیخ عبدالحق صاحب محدث لائے یعنی گیارھویں صدی تک ہندوستان میں حدیث نہیں آئی تھی اور آنے کے بعد بھی شاہ ولی اللہ صاحب اور ان کے جانشینوں سے پہلے حدیث کا سکہ ہندوستان میں چلا نہیں تھا[3]" حقیقت یہ ہے کہ اگر ہندوستان میں اللہ تعالی دو شخصیتوں کو پیدا نہ کرتا اور ان سے اپنے دین کی دستگیری نہ فرماتا تو یوں تو اللہ تعالی اپنے دین کا نگہبان ہے اس کی حفاظت دین کے ہزار طریقے ہیں لیکن بظاہر تیرھویں صدی تک یا تو اسلام ہندوستان سے بالکل فنا ہو جاتا یا اتنا بگڑ جاتا جتنا ہندو مذہب۔ یہ لوگ ہندوستان کے مسلمانوں کے جلیل القدر محسن اور اسلام کے عظیم الشان پیشوا حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ اور شیخ الاسلام شاہ ولی اللہ دہلویؒ ہیں۔ احیائے اسلام اور خدمت شرع کے تذکرے میں ان نائبان رسول اکرم صلعم اور درویشوں کے ساتھ ایک دنیا دار بادشاہ محی الدین اورنگزیب عالمگیر کا نام بھی زبان پر آتا ہے[4] ڈاکٹر محمد یوسف گورایہ الانصاف کے اردو ترجمہ میں رقمطراز ہیں "شاہ ولی اللہ ایک عظیم المرتبت عالم ربانی مجدد دین اور جلیل القدر شخصیت تھے آپ کی عمر تصنیف وتالیف میں بسر ہوئی آپ کی ہر تصنیف محققانہ اور مجددانہ ہے آپ کی تصنیفات کا ایک بڑا حصہ مسلمانوں میں افراط وتفریط کی اصل حقیقت واضح کرنے کے لئے لکھا گیا ہے[5]" شاہ ولی اللہ دہلوی کی شہرہ آفاق کتاب حجۃ اللہ البالغہ کے بارے میں شیخ سید سابق کا کہنا ہے کہ حجۃ اللہ البالغہ فلسفہ تشریع اسلامی اور اسرار شریعت کے علم میں شاہ ولی اللہ کی نادر اور اپنے موضوع میں نئی

---

[1] العارف، لاہور ستمبر 1971ء "برعظیم پاک وہند کے عربی گو شاعر" از، ڈاکٹر زبید احمد، مترجم، شاہد حسین رزاقی، ص 34- دیکھو افکار شاہ ولی اللہ ص 56

[2] رود کوثر، ص 551 [3] سیرت سید احمد شہیدؒ ص 48 [4] ایضاً ص 49-50

[5] الانصاف فی بیان سبب الاختلاف، از، شاہ ولی اللہ، مترجم، مولوی محمد عبید اللہ، علماء اکیڈمی محکمہ اوقاف لاہور، 1981ء ص 7

اور سب سے پہلی کتاب ہے جس کا اسلوب عربی ادب کے لحاظ سے منفرد ہے عبارت کتاب کی شیرینی منطقی استدلال اور قوی دلائل سے ظاہر ہوتا ہے کہ شاہ صاحب علوم عقلیہ اور فکر اسلامی میں کمال مہارت کے حامل تھے[1] مولانا نذیر احمد دہلوی اپنے ترجمۃ القرآن کے آغاز میں لکھتے ہیں "شاہ ولی اللہ اور ان کے خاندان نے برصغیر میں اسلام کی قریب قریب ویسی ہی خدمتیں کی ہیں جیسی عرب میں قرون اولی کے مسلمانوں نے یعنی اصحابؓ، تابعینؒ، تبع تابعینؒ اور آئمہ مجتہدینؒ نے کی تھیں میرا خیال تو یہ ہے کہ ہندوستان میں اسلام جتنا کچھ بھی ہے اور جیسا کچھ ہے اسی خاندان عالیشان کا طفیل ہے ان بزرگوں نے اسلام کی اشاعت میں وہ کیا جو دین حق کا دلدادہ قوم کا مصلح ہمدرد وخیر خواہ کر سکتا ہے دین کی کتابوں کے درس دیئے ترجمے کئے وعظ کئے تصنیفیں کیں[2] "شاہ ولی اللہ کے خاندان نے مذہب کا عظمت ووقار قائم کیا عوام میں صحیح مذہبی جذبات پیدا کئے اور ان کو کتاب وحدیث سے روشناس کرایا شاہ ولی اللہ نے فارسی میں قرآن پاک کا ترجمہ کیا ان کے بیٹوں شاہ عبدالقادر اور شاہ رفیع الدین نے قرآن کریم کے اردو میں تراجم کئے شاہ عبدالحی (شاہ عبدالعزیز کے داماد) نے لغات القرآن لکھی مولانا محمد اسحاق (شاہ عبدالعزیز کے نواسے) نے مشکوۃ کا ہندی میں ترجمہ کیا غرض اس طرح سے دینی علوم کو پھیلایا گیا اور عوام میں کتاب وحدیث سے استفادہ کرنے کی صلاحیت پیدا کی گئی شاہ عبدالعزیز نقلی علوم کے ماہر تھے شاہ رفیع الدین عقلی مسائل کی تحقیق میں ید طولی رکھتے تھے کشفی معاملات میں شاہ عبدالقادر ممتاز تھے ان تینوں صلاحیتوں نے مل کر ایک طوفانی دور میں سرمایہ ملت کی نگہبانی کی[3]

مولانا عبید اللہ سندھی کے بقول: "ہمارے نزدیک شاہ ولی اللہ سیاسی اصول میں بھی دنیا بھر کے امام ہیں ہندوستان تو ایک طرف رہا یورپ میں بھی ان کے اصول سے ہٹ کر کوئی حکومت نہیں رہ سکتی ہم اس موضوع پر ایک مستقل کتاب لکھوا سکتے ہیں مگر ہمارے ملک کی فضاء اس کے موافق نہیں ہے[4]" "شاہ صاحب کی عمرانی حکمت میں تخلیق کائنات کے متعلق مابعد الطبیعیاتی نظریوں اور انسانی فطرت کا بڑا گہرا تعلق ہے وہ کل کائنات کو ایک شخص واحد مانتے ہیں ان کے نزدیک یہ کائنات وجود لامتناہی سے ظہور پذیر ہوئی یہی وجود جو سب کو محیط اور سب کا قیوم ہے خدا ہے[5]" مسلمانوں کے ہاں یونانی فلسفہ زندگی کے اتار چڑھاؤ میں سے گزر رہا تھا کہ شاہ صاحب نے وجود مظاہر وجود، تخلیق کائنات، اجتماعیات اور اس طرح کے دوسرے فلسفیانہ مسائل پر قلم اٹھایا[6] شاہ ولی اللہ ایک ایسے مسلک وسط کے پالینے میں کامیاب ہوئے

---

[1] ایضاً، ص ع

[2] تاریخی مقالات، ص 241 بحوالہ مقدمہ، ص 4 [3] تاریخی مقالات، ص 241

[4] (1) الہام الرحمان فی تفسیر القرآن، از، مولانا عبید اللہ سندھی، ادارہ بیت الحکمت امام ولی اللہ دہلوی، کبیر والہ، ص 9 - 10 [5] شاہ ولی اللہ کے عمرانی نظریے، از، شمس الرحمن محسنی، 58 فیل روڈ لاہور، اکتوبر 1946 ص 18 [6] ایضاً، ص 29

محاوروں میں کریں جو لسان نبوت اور زبان رسالت صلعم سے خاص تعلق رکھتے ہیں اور اس میں خدا نے ان کو خاص مہارت عطا فرمائی ہے ان سے پہلے تو کسی کو عبارت کے اس ڈھنگ کی طرف توجہ ہی نہیں ہوئی لیکن ان کے بعد بھی اس کی تقلید آسان نہیں ہے حدیث کے بعد ان کی عبارت میں قرآنی طرز تکلم کا بھی اثر ہے لیکن قرآن سے زیادہ اس باب میں وہ حدیث کے تتبع نظر آتے ہیں اور اسی چیز نے ان کی کتابوں کے رنگ کو عربی زبان کے دوسرے مصنفین سے ممتاز کردیا ہے[1] شاہ ولی اللہ ان کے رفقاء اور ان کے متوسلین نے اس اندھیرے میں ایک روشنی کے مینار کی طرف توجہ دلائی اس وقت ہزاروں فتنے صرف لمحوں اور گھڑیوں کا انتظار کر رہے تھے شاہ ولی اللہ افراط و تفریط سے بچ کر اعتدال کی راہ پیدا کرنا چاہتے تھے ان کا خیال تھا کہ وہ اسلام کی سربلندی کے لئے ایسی کوششیں فرمائیں جن سے کسی ہنگامہ کے بغیر اپنے مقصد میں کامیاب ہو سکیں لوگ امن کے ساتھ دین حق کو قبول کریں دین حق پورے سکون کے ساتھ زندگی کے تمام گوشوں پر قابض ہو جائے غرض ہر گروہ نے انھیں سمجھا اور انہی سے استفادہ کی کوشش کی وہ صحیح معنوں میں حکیم الامت تھے[2] افسوس ہے کہ حضرت شاہ صاحب کی عمر نے وفا نہ کی کہ وہ اپنی تحریک کو عملی جامہ پہناتے لیکن ان کے دیئے ہوئے خاکے میں جنھوں نے اپنے خون سے رنگ بھرا وہ حضرت سید احمد شہید اور شاہ اسمٰعیل شہید تھے جنھوں نے سکھوں اور انگریزوں کے خلاف علم بغاوت بلند کر کے مسلمانوں کی عظمت ماضی کو واپس لانے کے لئے عظیم جدوجہد کی ٹھیک ایک سو سال بعد حضرت قائداعظم نے پاکستان کی صورت میں اس خواب کو عملی جامہ پہنایا جو حضرت شاہ ولی اللہ نے دیکھا تھا شاہ ولی اللہ نے اس دور میں دین کی خدمت کی جب ہر طرف جہالت کے سائے سچائی کی صداقت کو ختم کرنے کے لئے چاروں طرف سے اپنی توانائیاں صرف کر رہے تھے لیکن حق کے متلاشی اس تاریک دور میں بھی اجالوں کی مانند راہبری کے فرائض سرانجام دے رہے تھے اور شاہ ولی اللہ ان حق کے علمبرداروں میں سرفہرست تھے علامہ رشید رضا مصری "مفتاح کنوز السنۃ" کے مقدمہ میں علمائے ہند کی علمی خدمات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ ولولا عنایۃ اخواننا علماء الھند بعلوم الحدیث فی ھذا العصر لقضی علیھا بالزوال من امصار الشرق فقد ضعفت فی مصر والشام والعراق والحجاز منذ القرن العاشر للھجرۃ حتی بلغت منتھی الضعف فی اوائل ھذا القرن الرابع عشر" ترجمہ: اگر اس زمانے میں ہمارے بھائی علمائے ہند علوم حدیث کی طرف توجہ نہ فرماتے تو شرقی ممالک سے یہ علم ختم ہو جاتا کیونکہ مصر، شام، عراق، اور حجاز میں دسویں صدی ہجری سے یہ علم ضعف کا شکار ہو چکا تھا اور چودھویں صدی ہجری کے اوائل تک تو یہ ضعف اپنی آخری منزل تک پہنچ گیا

---

[1] ایضاً ص 60-259

[2] تحریک آزادی فکر اور حضرت شاہ ولی اللہ کی تجدیدی مساعی، از، مولانا محمد اسماعیل سلفی، لاہور، ص 171-49 [3] اقبال اور علمائے پاک و ہند، از، اعجاز الحق قدوسی، ص 131

جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کی فقہ بھی بچ گئی تصوف بھی تباہی سے محفوظ رہا قدیم علم کلام کی بنیاد پر ایک ایسے جدید علم کلام کی بنیاد ان کے ہاتھوں سے قائم ہو گئی جس میں کلام کے ساتھ تصوف اور تصوف کے ساتھ علم کلام کی ایسی معقول آمیزش ہوئی ہے کہ اس کی بدولت مسلمانوں کا تصوف بھی زندہ ہے اور ان کے کلامی نظریات کی بھی زیادہ واضح شکلوں میں زندہ رہنے کی ضمانت پیدا ہو گئی۔ اور اس کے ساتھ پچھلے زمانہ میں دین کے اصلی سرچشموں سے علماء اسلام کو تھوڑا بہت جو بعد پیدا ہو گیا تھا اور یہ فطری بات ہے کہ نتائج و ثمرات کی مشغولیت عموماً اصول سے دوری کا سبب بن جاتی ہے لیکن شاہ ولی اللہ نے ایک ایسا محتاط متوازن قدم اٹھایا کہ نتائج و ثمرات کی مشغولیت میں کسی قسم کی افسردگی بھی پیدا نہیں ہوئی اور اسلام کے سیاسی سرچشموں یعنی قرآن و حدیث کے ساتھ اہل علم کے تعلقات نئے سرے سے تازہ ہو گئے تقلید جامد کا وہ طلسم بھی ٹوٹ گیا جو تقلید کی کہنگی سے عموماً قائم ہو جاتا ہے اور آزادی رائے کے ساتھ تحقیق تقلید کا ایک ایسا رنگ ان کے اور ان کے تلامذہ کے درس و تالیف نے پیدا کیا کہ ہر چیز اپنے اپنے طبعی مقام پر آکر ٹھہر گئی[1] شاہ صاحب نے بڑی دانشمندی اور گہرے مطالعہ کے بعد فقہ اور اصول فقہ کی بنیادوں سے پردہ ہٹایا۔ آئمہ مجتہدین اور ان کے اجتہادات کا جو صحیح مقام تھا اسے واضح فرمایا بعض کو تو شاہ صاحب سے شکایت ہے کہ ہندوستان میں غیر مقلدیت کی ابتداء آپ سے ہی ہوئی اور خود غیر مقلدوں کا طبقہ اس باب میں گونہ آپ کو اپنا پیشوا مانتا ہے لیکن جاننے والے جانتے ہیں کہ اگر امت یا کم از کم ہندی مسلمانوں کے ہاتھ میں اس وقت وہ معلومات نہ ہوتیں جنہیں شاہ صاحب کی عرق ریزیوں نے وقف عام کیا ہے تو سر زمین نجد اور نجد سے آگے بڑھ کر حجاز میں جو تحریک "وہابیت" کے نام سے چل پڑی تھی اور یورپ والوں نے اپنے خاص اغراض کے تحت اس تحریک اور اس تحریک کے چلانے والوں کو مختلف طریقوں سے اچھالنا شروع کیا تھا واقعہ یہ ہے کہ غلامی کے ان دنوں میں جن میں ایسے کم ہیں جو اپنی زبان سے اپنی بات ادا کرتے ہوں اور اپنے دماغ سے اپنے خیالات سوچتے ہوں مشکل سے ہی غلام ہندوستان میں اس وقت کوئی حنفی نظر آتا[2] صرف یہی نہیں کہ ان کی توجہ اپنی کتابوں میں محض معنی پر رہی ہے بلکہ عربی زبان میں انہوں نے جتنی کتابیں لکھی ہیں ان میں ایک خاص قسم کی انشاء و ادب کا جو نیا قالب اختیار کیا ہے یہی نہیں کہ ہندوستانی علماء میں اس کی نظیر نہیں پائی جاتی بلکہ جہاں تک میری محدود رسائی کا تعلق ہے میں نہیں جانتا کہ آغاز اسلام سے اس وقت تک کسی اسلامی علاقہ کے ارباب تصنیف نے اس کو اختیار کیا ہے شاہ صاحب کے اس "اسلوب بدیع" کی کیا خصوصیتیں ہیں اس کے لئے بھی ایک مستقل مضمون کی ضرورت ہے لیکن مختصر لفظوں میں شاید یہ کہا جا سکتا ہے کہ شاہ صاحب نے "جوامع الکلم" النبی الخاتم صلعم کے طرز گفتگو کی پیروی کی ہے حتی الوسع وہ اس کی کوشش کرتے ہیں کہ اپنے مدعا کا اظہار ان ہی لغات اور ان ہی

---

[1] تذکرہ شاہ ولی اللہ، از، مناظر احسن گیلانی، نفیس اکیڈمی کراچی، مئی 1983ء ص 26-25

[2] تذکرہ شاہ ولی اللہ، ص 41-240

تھا علمائے ہند کی علمی خدمات کے اس خراج تحسین کے حق داروں میں شاہ صاحب سرفہرست ہیں۔ عالم دین ہونے کی حیثیت سے شاہ ولی اللہ نے مسلمانوں کے سیاسی زوال کو روکنے اور تجدید و احیاء اسلام کی ہر وہ تدبیر کی جو ان کے بس میں تھی [1]۔ شاہ صاحب نے مذہب فلسفہ، تصوف، علم کائنات، فلسفہ اخلاق، انسانی نفسیات اور روحانی لطائف و کیفیات کو منطقی طریقہ استدلال کے ذریعہ اس طرح باہم دگر خلط ملط کر دیا ہے کہ سب ایک ہی کل کے اجزاء اور عناصر نظر آتے ہیں بلاشبہ ان کا یہ کارنامہ اس قدر عظیم ہے کہ اس میدان میں ان کی شخصیت بے مثال اور منفرد ہے یہ سب چیزیں ایک مجتہد کی پرواز کے لئے ایک وسیع فضاء مہیا کرتی ہیں [2]۔ حضرت مجدد الف ثانی اور شاہ ولی اللہ کے فضل و کمال اور مجاہدہ و وصال کے دو آتشہ سے ایک سہ آتشہ تیار ہوا تھا دونوں کی کوششوں سے اسلامی طرز فکر کی ایک نئی لہر پیدا ہوئی اس میں شک نہیں کہ وہ سلطنت کی ڈوبتی ہوئی کشتی کو تو نہ بچا سکے لیکن انھوں نے لوگوں میں دین و مذہب اور ایمان و یقین کی ایک نئی روح پھونک کر ہندوستان میں اسلام کو بچا لیا جس کو مسلمان اپنی زندگی کی اساس بنا کر انگریزوں کے دور حکومت میں ہر قسم کے حوادث کا مقابلہ کرتے رہے [3]۔ شاہ ولی اللہ کے متعلق اتنا کہنا کافی ہے کہ امام وقت تھے کثیر التصانیف تھے فتح الرحمان ان کا ترجمہ ہے اور فتح الخبیر تفسیر ہے [4]۔ احیائے ملت کے لئے اللہ تعالیٰ نے انھیں درد دل دیا تھا قرآن مجید اور علوم اسلامی پر آپ کی گہری نظر تھی آپ نے قرآن فہمی کی تسہیل کی خاطر قرآن مجید کا فارسی میں ترجمہ کیا [5]۔ شاہ ولی اللہ انشاء پردازی میں یکتائے روزگار تھے بڑے بڑے علماء و فضلاء آپ کے اس کمال کے قائل تھے آپ بڑے سے بڑے مضمون کو نہایت مختصر الفاظ میں اس خوبصورتی سے ادا کرتے تھے کہ مضمون کا اصلی زور و اثر قائم رہتا اور مضمون پورا کا پورا ادا ہو جاتا۔ چنانچہ آپ کی انشاء پردازی کا پتہ آپ کی کتابوں، مکاتیب اور علمی مناظروں سے چلتا ہے شاہ صاحب کی تقریر میں اتنا جادو ہوتا کہ موافق و مخاطب پر آپ کی تقریر کا اچھا اثر پڑتا بڑی بڑی مجلسوں میں آپ کی زبان کبھی نہیں رکتی تھی اور ہر موقع پر برجستہ جواب دیتے تھے حضرت شاہ ولی اللہ کی فصاحت و بلاغت کا خصوصیت کے ساتھ ہر شخص کو اعتراف ہے آپ کی علمی مجلس میں کوئی بحث چھڑ جاتی

تو ایک عجیب مؤثر طرز سے تقریر کرنا شروع کرتے تقریر میں کسی موقع پر نہ رکتے اور ادب کا پہلو کبھی نہیں چھوڑتے تھے اور جب ایک گفتگو کا سلسلہ ختم کر کے دوسری گفتگو شروع کرتے تو پچھلی تقریر پہلی سے زیادہ مؤثر اور دلکش ہوتی تھی مخالفین کے دلوں پر قبضہ کر لینا آپ کے نزدیک کوئی بات نہ تھی اور سنگدلوں کو موم بنا لینا آپ کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا [6]۔ مغلوں کی طوائف الملوکی کے سبب نظام مملکت درہم برہم

---

[1] اسلام ایک نظریہ ایک تحریک، ص 192 [2] حضرت شاہ ولی اللہ کا نظریہ اجتہاد، از، سعید احمد اکبر آبادی، ص 90-289 [3] جدید فکر اسلامی کی تشکیل میں تصوف کا حصہ، از، سید صباح الدین عبد الرحمان، ص 165 [4] تاریخ التفسیر، از، عبد الصمد صارم الازہری، مکتبہ معین الادب لاہور، 1982ء ص 37 [5] فارسی ادب کی مختصر ترین تاریخ، ص 220

[6] حیات مولانا شاہ ولی اللہ، از، فقیر محمد، ص 15-13

ہو گیا تھا اسلامی معاشرہ اور عقائد پر بھی اس کے اثرات مرتب ہوئے ایک طرف اہل تشیع کو پورے ملک میں بالادستی حاصل ہو گئی تھی اور دوسری طرف علماء سوء نے عوام کو جاہل رکھ کر مذہبی اجارہ داری حاصل کر لی تھی شاہ صاحب نے ان دونوں قوتوں کے خلاف جہاد کیا [1]۔ شاہ ولی اللہ کے نظریات اس وقت مرتب ہوئے (1731ء) کہ انقلاب فرانس (1789ء) جس کو انقلاب پسندان عالم کے لئے نشان راہ کہا جاتا ہے نصف صدی بعد آنے والا تھا اور کمیونزم کے معلم اول کارل مارکس اور اس کے نفس ناطقہ اور رفیق عزیز اینگلس کی پیدائش میں پوری ایک صدی اور یورپ میں مشینوں اور کلوں کے جاری ہونے میں ابھی تقریباً چالیس سال باقی تھے شاہ ولی اللہ کے نظریات اور اصولوں پر دوبارہ نظر ڈالئے کیا یہ صرف ہندوستان کے لئے ہیں اور جو سیاسی عمارت ان نظریات اور اصولوں کی بنیاد پر تعمیر ہو کیا اس کے حدود اربعہ ہمالیہ اور راس کماری اور بحر ہند کی حدود میں محدود رہیں گے یا وہ ہمالیہ کی چوٹیوں سے بھی جست کر کے آگے پہنچیں گے اور دوسری طرف سمندر پار کے ممالک کو بھی اپنے احاطہ میں لے لیں گے ہندوستان اگر اپنے قابل فخر سپوت کے نظریات کو اپنا لیتا تو غور فرمایئے کیا کمیونزم اور سوشلزم یا کوئی بھی ازم کامیاب ہو سکتا تھا اور آج قیادت عالم کا جھنڈا کس کے ہاتھ میں ہوتا [2]۔ شاہ ولی اللہ کے فکر میں آفاقی وسعت ہے عالمگیر انسانیت ہے ازل سے لے کر اب تک کے تمام فکری، ذہنی، اور فلسفیانہ نظاموں کو ایک رشتے میں پرونے کی کوشش کی گئی ہے پھر اس وسعت اور بیکنار ہونے کے باوجود ولی اللّٰہی فکر میں ترتیب ہے نظم و باقاعدگی ہے گویا کہ یہ ریاضی یا حساب کا کوئی مسئلہ ہے [3]۔ ڈاکٹر اسرار احمد کے بقول، میری نظر میں شاہ ولی اللہ سے بڑا سوشیالوجسٹ اور سائیکالوجسٹ پیدا نہیں ہوا۔ امام ابن تیمیہ اور امام غزالی دونوں کے ملانے سے ایک شاہ ولی اللہ کی ذات بنتی ہے۔ (خطاب جمعۃ المبارک مسجد دار السلام، باغ جناح، لاہور 26 جون 1992ء) ڈاکٹر جمیلہ شوکت کے بقول= شاہ ولی اللہ بلاشبہ ان نامور مسلمان مفکرین میں شمار ہوتے ہیں جنہوں نے قرآن و حدیث کی ترویج و اشاعت کے ساتھ ساتھ امور سیاست و ریاست میں بھی قابل ذکر خدمات انجام دی ہیں اسلامی علوم و معارف کو نئے رنگ سے متعارف کرایا ہے۔

(خطاب۔ ماہانہ اجلاس درس قرآن 4 جولائی 1992ء)

---

[1] تاریخ مذاہب، از، رشید احمد، قلات پبلشرز کوئٹہ، 1979ء ص 434

[2] تحریک شیخ الہند، از، سید محمد میاں، مکتبہ رشیدیہ لاہور، نومبر 1975ء ص 83 [3] افادات و ملفوظات حضرت مولانا عبید اللہ سندھی، مرتبہ، محمد سرور، سندھ ساگر اکادمی لاہور، جولائی 1984ء ص 317

ڈاکٹر بشیر احمد صدیقی فرماتے ہیں=

شاہ ولی اللہ نے برصغیر میں اسلامی نشاۃ ثانیہ کے لئے قابل قدر خدمات انجام دی ہیں۔ فیوض الحرمین میں انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اکتساب علم وفن کی جو روایات بیان کی ہیں ان سے شاہ صاحب کی خوش فہمی وبزرگی کا پتہ چلتا ہے انہوں نے فقہ حنفی کو شریعت محمدیہ میں اکسیر اعظم کا درجہ دے

کر مسلمانوں کی فقہی راہنمائی کی ہے۔

(خطاب = ہفتہ وار اجلاس درس قرآن 'مسجد شیر ربانی' دسن پورہ لاہور - 9 جون 1992ء)

Shah Walli Allah's great achievement in the science of religion and arts carried his name outside India as well. It is, therefore, that he used to receive letters, not only from scholars of his own country, but also from those abroad. For example, he received a letter from Shaikh Afandi Ismail Abdullah, famous scholar of Medina, in which the letter had asked him to throw light on the doctrine of the unity of being.

(Wahdat-ul-Wujud) and the unity of appearance (Wahdat-ush-Shuhud). Shah Walli Allah spent the whole of his life in the service of religion. His services brought about far-reaching consequences and have left a deep impression upon the people. He has written books on various branches of religious sciences and they are enough to speak of his merits. Let it be remembered that Shah Walli Allah was a revolutionary first and then something else. Shah Walli Allah possessed some qualities peculiar to him. One of them was his ability of discrimination. The other distinguishing quality of Shah Walli Allah was the comprehensiveness of his nature. Shah Walli Allah was broadminded and tolerant by birth. He was free from prejudice and had no dislike for anyone. Consequently all his writings and utterances are free from any admixture of prejudice and dislike.

He had mastery over both the languages, Arabic and Persian.

He has explained every point however, difficult and obscure, very clearly and in the simplest possibly. His sayings, writings and the style he employed were all above ambiguity and equivocation. He has taken care to avoid the use of unfamiliar words and phrases. His composition is strong and firm and at certain places there is a marked brevity in it, the words used are few and the meaning implied is abundant. This brevity is the chief characteristic of his work Tawil-ul-Ahadith. He has so vividly expressed the varying shades of emotions and feelings of the hearts of people that one is surprised to see such tremendous power of his expression. This quality of psychoanalysis has singled him out from the rest. At certain places, Shah Walli Allah has employed idioms and phrases which give an indication of the vast knowledge he possessed of both the languages. Besides, he possessed a fairly good knowledge of their literature as well.[1]

Shah Walli Allah was a prolific writer. It is in the realm of Islamic learning that he made a lasting contribution and within a period of thirty years produced more than fifty works of outstanding merit, both in Arabic and Persian languages. Some of these are still unsurpassed in the whole domain of Islamic literature. His most valuable service to the cause of Islamic learning was that he codified the vast store of Islamic teachings under separate heads. Both in thought and prediction, his works occupy an outstanding place. As a reformer and as a propounder of theories dealing with socialism, he may be considered as the forerunner of KARL MARKS. No scholar of Mediaeval India had

understood the various aspects of civics as had been done by Shah Walli Allah. Shah Walli Allah played a vital role in the Indian politics of his times. He possessed a many-sided and versatile personality.[۲]

1. Life of Shah Walli Allah, P. 16-52-61-68-70
1. Life of Shah Walli Allah, P. 71-80
۲ Hundred Great Muslims, P. 298-302

In the time of anarchy in Muslim India that followed the death of Aurangzeb and was characterized by the frequent attacks of western neighbours and when Hindus and Sikhs, too, took advantage of the weakness of the regime, Shah Walli Allah of Delhi, who combined wide learning and mystical experience, tried to revive the religious conscience through numerous books.[1]

Basically an altruist, Shah Walli Allah may be called the founder of Islamic modernism. He was much ahead of his time, a revolutionary thinker who attempted, although with little success, the reintegration of the socio-economic and the religio-ethical structure of Islam. His chief merit, however, lies in the propagation of the doctrine of tatbik (conciliation) which he skillfully applied even to such controversial problems as the khilafa and the conflict between dogmatic theology and mysticism.[2]

Shah Walli Allah gave a new impetus to the revival of the religious sciences. He laid the foundation of a new school of scholastic theology; bridged the gulf between the jurists and the mystics; softened the controversy between the exponents and the critics of the doctrine of Wahdat-al-Wujud and awakened a new spirit of religious enquiry.[3]

Shah Walli Allah believed that Muslim polity could be restored to its former splendour by a policy of religious reform that would harmonize the religious ideas of Islam with the changing social and economic conditions of India. The intellectual legacy of Shah Walli Allah is his concept of tatbiq, it was become indispensable to all Islamic thinkers who have attempted to reconcile Islam with change in modern times. 4

1. Historia Religionum, Vol. II, P. 191
2. Encyclopaedia of Islam, Vol. II, P. 254
3. Encyclopaedia of Islam, Vol. III, P. 432
4. Encyclopaedia new Britannica, Vol. X, P. 521

اغلاط نامہ

اس مقالہ میں حتی الامکان کوشش کی گئی ہے کہ لفظی و معنوی اغلاط کا احاطہ کیا جائے لیکن چند غلطیاں نظر سے پوشیدہ رہ جاتی ہیں اسی طرح Composing کے بھی اپنے مسائل ہیں جو الجھنوں کا باعث بنتے ہیں Computer Programe میں موجود فنی خامیوں کے باعث بھی کچھ الفاظ صحیح ایٹ میں نہیں لکھے جاتے اسی طرح Printing کے دوران غلطی سے بعض صحیح الفاظ غلط چھپ جاتے ہیں Composing میں ایسا بھی ہوا ہے کہ بعض الفاظ آدھے ایک لائن کے آخر میں اور ان کا بقیہ آدھا حصہ دوسری لائن کے شروع میں آتا ہے اس طرح الفاظ ٹوٹ جاتے ہیں وہاں پر "-" کا نشان لگایا گیا ہے تاکہ ایک ہی لفظ تصور کیا جائے۔ ان وجوہات کی بناء پر مقالہ میں موجود غلطیوں کی نشاندہی کر کے مشکور فرمائیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں ان کی تصحیح ممکن ہو۔ چند غلطیاں مندرجہ ذیل ہیں جن کی تصحیح کی گئی ہے۔ مؤلف

غلط	صحیح	مقام	غلط	صحیح	مقام
معالہ	معاملہ	عربی ادب	ماخذ	مآخذ	"
معلی	معلی	"	پچان	پہچان سکے	تحقیق شریف
سنن ابی	سنن ابی داؤدؒ	حدیث و متعلقات	جات	جاءت	"
نحت	نخت	"	عینی	یعنی	"
تماثل	تمثال	ولادت	تسنیہ	تشنیہ	"
دیکھا	پڑھا	"	قسلانی	قسطلانیؒ	"
ست	پرست	شیخ تاج الدین	مروت	مروءت	"
مقتنی	مقتفی	حالات زندگی	سرمو	سرمون	استنباط ارتفاقات
حضر	صفر	"	اللہم	اللھم	"
مشاہے ر	مشاہیر	"	لفقہ	لانعقہ	"
الثانی	الثانی الثانی	ابوبکر صدیقؓ	بہتیہ	بہتکہ	"
واغفین	واعظین	السر المکتوم	ختی	ختنی	"
دار قطنی	دار قطنی	"	قران	قرآن	آیات مقطعات
مباشے	مباحثے	"	ایک	ایک انداز	"
والل ہ	واللہ	"			

کتابیات
القرآن الکریم

نمبر شمار	نام مصنف	نام کتاب	مقام طباعت	سن طباعت
	مولانا عبید اللہ سندھی (جامع) مولانا عبد اللہ لغاری	تفسیر المقام المحمود (مدون) ڈاکٹر منیر احمد مغل	مکتبہ رشیدیہ لمیٹڈ لاہور	1983ء
1-	غلام رسول مہر	سید احمد شہیدؒ	شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور	1981ء
2-	مولانا سید محمد میاں	تحریک شیخ الہند	مکتبہ رشیدیہ لمیٹڈ لاہور	1975ء
3-	خواجہ جمیل احمد	اسلامی تہذیب کے گہوارے	اردو اکیڈمی سندھ کراچی	1974ء
4-	مرتبہ محمد سرور	افادات و ملفوظات مولانا عبید اللہ سندھی	سندھ ساگر اکیڈمی لاہور	1984ء
5-	مولانا ابو الحسن علی ندوی	سیرت سید احمد شہیدؒ	ایچ ایم سعید کمپنی کراچی	سن ندارد
6-	مولانا ظہیر الدین	شاہ عبد العزیزؒ اور ان کی تعلیمات	کلام کمپنی ناشران کتب مقابل مولوی مسافر خانہ کراچی	سن ندارد
7-	ڈاکٹر گنڈا سنگھ مترجم سید انیس احمد جعفری	فتوحات و مہمات احمد شاہ ابدالیؒ	ایچ ایم سعید کمپنی کراچی	1977ء
8-	سید حسن برنی	مقالات برنی	انجمن ترقی اردو پاکستان	1986ء
9-	الٰہی رحمت راج	مغلیہ سلطنت کا آخری دور	مکتبہ کارواں کچہری روڈ لاہور	1970ء
10-	محمد اسماعیل سلفی	تحریک آزادی فکر اور شاہ ولی اللہ کی تجدیدی مساعی	مکتبہ نذیریہ لاہور	سن ندارد
11-	غلام حسین جلبانی	شاہ ولی اللہ کی تعلیم	شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدر آباد سندھ	1963ء
12-	مولانا شبیر حسن چشتی	تذکرۃ الابرار	آستانہ بکڈپو دہلی	1957ء
13-	مولانا شریف	کفرستان ہند کے تین ولی	دہلی	1935ء
14-	مولانا شاہ محمد مسیح اللہ	شریعت و تصوف	ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان	سن ندارد
15-	خلیق احمد نظامی	شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات	علی گڑھ	1950ء
16-	خلیق احمد نظامی	تاریخی مقالات	دہلی	1966ء
17-	سید ابو الفضل	تاریخ ادبیات عربی	دکن	1954ء
18-	خلیق احمد نظامی	حیات شیخ عبد الحق دہلوی	دہلی	1963ء
19-	خلیق احمد نظامی	تاریخ مشائخ چشت	دہلی	1953ء

نمبر شمار	نام مصنف	نام کتاب	مقام طباعت	سن طباعت
20-	خلیق احمد نظامی	شاہ عبد العزیز اور ان کی تعلیمات	کلام کمپنی کراچی	سن ندارد
21-	سید عبد الکریم بن ابراہیم جیلانی	انسان کامل مترجم فضل میراں	نفیس اکیڈمی کراچی	1980ء
22-	قاضی جاوید	افکار شاہ ولی اللہ	بک ٹریڈرز لاہور	1983ء
23-	ڈاکٹر زبید احمد مترجم شاہد حسین رزاقی	عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ	ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور	1987ء
24-	ایچ۔اے۔آر۔ گب مترجم سید محمد اولاد علی گیلانی	مقدمہ تاریخ ادبیات عرب	مجلس ترقی ادب لاہور	1959ء
25-	سید وزیر الحسن عابدی تقدیم علامہ علاؤ الدین صدیقی	ارمغان دانشگاہ	دانشگاہ پنجاب لاہور	سن ندارد
26-	نگران کفیل احمد	ماہ نو (جلد اول)	غلام علی اینڈ سنز لاہور	1987ء
27-	محمد مقبول عالم	اجتماعی دور کے مسائل اور ان کا حل	مکتبہ بیت الحکمت لاہور	1965ء
28-	عبید اللہ انور	دعوت فکر	ادارہ حکمت اسلامیہ لاہور	سن ندارد
29-	شیخ عطاء اللہ	اقبال نامہ (جلد اول)	شیخ محمد اشرف کشمیری بازار لاہور	1950ء
30-	علامہ محمد اقبال	تاریخ تصوف	مکتبہ تعمیر انسانیت لاہور	1985ء
31-	مرتبہ صابر کلوری سید افتخار حسین شاہ	اقبال اور پیروی شبلی	سنگ میل پبلی کیشنز لاہور	1983ء
32-	ڈاکٹر عبادت بریلوی	جشن نامہ اقبال	یونیورسٹی اورینٹل کالج لاہور	سن ندارد
33-	پروفیسر شفیق الرحمٰن ہاشمی	اقبال کا تصور دین	فیروز سنز لاہور	سن ندارد
34-	ڈاکٹر نصیر احمد ناصر	فلسفہ حسن	مجلس ترقی ادب لاہور	1984ء
35-	الفریڈ ویبر مترجم ڈاکٹر خلیفہ عبد الحکیم	تاریخ فلسفہ	نفیس اکیڈمی کراچی	1987ء
36-	پروفیسر اعجاز احمد وڑائچ	ہندی فلسفہ	الکتاب گنج بخش روڈ لاہور	1982ء
37-	محمد لطفی جمعہ، مترجم ڈاکٹر میر ولی الدین	تاریخ فلاسفہ اسلام	نفیس اکیڈمی کراچی	1987ء
38-	ڈاکٹر عبد الخالق	مسلم فلسفہ	عزیز پبلشرز لاہور	1981ء
39-	مولوی بدر الدین بدر جالندھری	افضل الاخلاق	تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور	سن ندارد
40-	منور حسین	حقیقت اجتہاد بنظر شاہ ولی اللہ	پیر کی بازار لاہور	1969ء

41- حافظ محمد رحیم بخش دہلوی — حیات ولی — مکتبہ سلفیہ لاہور — 1955ء
42- مفتی عبدالرحمٰن خان — اسلام اور انقلاب — عالمی ادارہ اشاعت علوم اسلامیہ ملتان — 1982ء
43- عبید اللہ سندھی — قرآنی فکر انقلاب مرتبہ شیخ بشیر احمد — ادارہ حکمت اسلامیہ لاہور — سن ندارد
44- سید سلیمان اشرف — المبین — مکتبہ قادریہ لاہور — 1978ء
45- شیخ بشیر احمد — ارتفاقات معاشیہ — ادارہ حکمت اسلامیہ لاہور — 1969ء
46- عبید اللہ سندھی — قرآنی اساس انقلاب مرتبہ شیخ بشیر احمد — ادارہ حکمت اسلامیہ لاہور
47- عبید اللہ سندھی — قرآنی اصول انقلاب مرتبہ شیخ بشیر احمد — ادارہ حکمت اسلامیہ لاہور
48- عبید اللہ سندھی — قرآنی جنگ انقلاب مرتبہ شیخ بشیر احمد — ادارہ حکمت اسلامیہ لاہور — 1968ء
49- عبید اللہ سندھی — قرآنی دستور انقلاب مرتبہ شیخ بشیر احمد — ادارہ حکمت اسلامیہ لاہور — سن ندارد
50- محمد مقبول عالم — حکمت ولی اللّٰہی — مکتبہ خدام الدین شیرانوالہ لاہور — سن ندارد
51- مترجم محمد ایوب قادری — مجموعہ وصایا اربعہ — شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدر آباد سندھ — 1964ء
52- ڈپٹی نذیر احمد — موعظہ حسنہ — مجلس ترقی ادب لاہور — 1963ء
53- شاہ عبدالعزیز، مترجمین مولوی محمد علی لطفی سفتی، انتظام اللہ شہابی — ملفوظات شاہ عبدالعزیز — پاکستان ایجوکیشنل پبلشرز لمیٹڈ کراچی — 1960ء
54- محمد خالد سیف — تذکرہ شہید — مکتبہ غزنویہ شیش محل روڈ لاہور — 1983ء
55- شمس الرحمٰن محسنی — شاہ ولی اللہ کے عمرانی نظریے — سندھ ساگر اکیڈمی لاہور — 1946ء
56- ڈاکٹر سہیل بخاری — ہندی شاعری میں مسلمانوں کا حصہ — مکتبہ اسلوب کراچی — 1985ء
57- عبید اللہ سندھی — شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک — سندھ ساگر اکادمی لاہور — 1965ء
58- ڈاکٹر محمد ریاض، ڈاکٹر صدیق شبلی — فارسی ادب کی مختصر ترین تاریخ — سنگ میل پبلی کیشنز لاہور — 1987ء
59- قاضی اطہر مبارک پوری — ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں — مکتبہ عارفین کراچی — 1967ء
60- ایچ۔بی۔خان — برصغیر پاک و ہند کی سیاست میں علماء کا کردار — قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت اسلام آباد — 1985ء
61- مرتبہ حکیم محمد سعید — مقالات شام ہمدرد — ہمدرد اکیڈمی کراچی — 1972ء
62- محمد اسماعیل سلفی — شرح المعلقات السبع — اسلامک پبلشنگ ہاؤس لاہور — 1979ء
63- حضرت علیؓ — دیوان حضرت علیؓ — ایچ ایم سعید کمپنی پاکستان چوک کراچی
64- فقیر محمد — حیات مولانا شاہ ولی اللہ — کی مسجد میرورد روڈ نئی دہلی — 1962ء
65- رشید احمد — تاریخ مذاہب — قلات پبلشرز جناح روڈ کوئٹہ — 1979ء

66- مرتبہ احمد ربانی — مقالات مولوی محمد شفیع جلد چہارم — مجلس ترقی ادب لاہور — 1972ء
67- اعجاز الحق قدوسی — اقبال اور علمائے پاک و ہند — اقبال اکادمی پاکستان لاہور — 1977ء
68- محمد سرور — ارمغان شاہ ولی اللہ — ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور — 1971ء
69- عبید اللہ سندھی — شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ — سندھ ساگر اکیڈمی لاہور — 1949ء
70- ڈاکٹر مظہر بقا — اصول فقہ اور شاہ ولی اللہ — ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد — 1973ء
71- صدر الدین اصلاحی — افادات حضرت شاہ ولی اللہ — امام ولی اللہ اکیڈمی کمپیرہ لاہور — 1944ء
72- مفتی عبدالرحمٰن — اسلام کا نظام تعلیم — ملتان — 1983ء
73- قاضی جاوید — ہندی مسلم تہذیب — وین گارڈ بکس لمیٹڈ لاہور — 1983ء
74- شیخ محمد اکرام — رود کوثر — ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور — 1979ء
75- سید محمد میاں — علماء ہند کا شاندار ماضی — مکتبہ محمودیہ لاہور — 1977ء
76- مولانا قاری احمد پیلی — تاریخ پاک و ہند — محمد سعید اینڈ سنز کراچی — 1974ء
77- حکیم محمد سعید — نورستان — ہمدرد فاؤنڈیشن پریس کراچی — سن ندارد
78- پروفیسر سعید احمد رفیق — مسلمانوں کا نظام تعلیم — آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کراچی — 1982ء
79- امام محمد غزالی مترجم محمد احسن صدیقی — احیاء العلوم — دارالاشاعت مقابل مولوی مسافر خانہ کراچی — 1979ء
80- احمد حسن زیات مترجم عبدالرحمٰن طاہر سورتی — تاریخ ادب عربی — شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور — سن ندارد
81- مولانا عبدالاول جونپوری — فقہ اسلامی — مکتبہ نوحیہ ملتان — 1401ھ
82- لین۔یو۔تانگ مترجم نگار صدیقی — جینے کی اہمیت — مکتبہ میری لائبریری لاہور — 1960ء
83- پروفیسر خورشید احمد — مسلمانوں کے سیاسی افکار — ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور — 1984ء
84- مولانا مودودی — تجدید و احیائے دین — لاہور — سن ندارد
85- مفتی انتظام اللہ شہابی — مسلم فلاسفہ — کراچی — سن ندارد
86- محمد حنیف ندوی (تلخیص) — تہافت الفلاسفہ — ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور — 1974ء
87- مولانا وحید الدین خان — راز حیات — مکتبہ اشرفیہ لاہور — 1986ء
88- ڈاکٹر نصیر احمد ناصر — آرزوئے حسن — فیروز سنز لاہور — سن ندارد
89- قاضی قیصر الاسلام — فلسفے کے بنیادی مسائل — نیشنل بک فاؤنڈیشن لاہور — 1976ء
90- شاہ ولی اللہ مترجم محمد عبدالحق حقانی — حجۃ اللہ البالغہ (دو جلدیں) — نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی — سن ندارد

91-	شاہ ولی اللہ مترجم علامہ اقبال احمد فاروقی	الدر الثمین فی مبشرات النبی الامین	کتب خانہ علویہ لائلپور	1386ھ
92-	شاہ ولی اللہ، مترجم خلیفہ محمد عاقل	سیرۃ الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	دار الاشاعت مقابل مولوی مسافر خانہ کراچی	1358ھ
93-	شاہ ولی اللہ مترجم عبدالحمید سورتی	الطاف القدس فی معرفۃ لطائف النفس	گوجرانوالہ	1964ء
94-	شاہ ولی اللہ مترجم مولانا ابو یحییٰ امام خان	فقہ عمرؓ	ادارہ ثقافت اسلامیہ کلب روڈ لاہور	1960ء
95-	شاہ ولی اللہ مترجم محمد اصغر	انفاس العارفین	لاہور	1977ء
96-	شاہ ولی اللہ مترجم منظومہ سعادت یار خان رنگین	تصنیف رنگین	شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدر آباد	1964ء
97-	شاہ ولی اللہ	قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین	مکتبہ سلفیہ لاہور	1976ء
98-	شاہ ولی اللہ مترجم محمد عبدالشکور فاروقی	ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء (کشف الغطاء عن السنۃ البیضاء)	نور محمد کارخانہ تجارت کتب آرام باغ کراچی	سن ندارد
99-	شاہ ولی اللہ، مترجم مولوی رشید احمد	الفوز الکبیر	کراچی	سن ندارد
100-	شاہ ولی اللہ، مترجم محمد تقی عثمانی	الفوز الکبیر	ادارہ اسلامیات انار کلی لاہور	1982ء
101-	شاہ ولی اللہ، مترجم سید محمد متین ہاشمی	سطعات	ادارہ ثقافت اسلامیہ کلب روڈ لاہور	1976ء
102-	شاہ ولی اللہ، مترجم پیر محمد حسن	لمحات	ادارہ ثقافت اسلامیہ کلب روڈ لاہور	1984ء
103-	شاہ ولی اللہ، مترجم محمد سرور	سطعات	سندھ ساگر اکادمی لاہور	1964ء
104-	شاہ ولی اللہ، مترجم حنیف ندوی	مکتوبات	ادارہ ثقافت اسلامیہ کلب روڈ لاہور	
105-	شاہ ولی اللہ	انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ	کتب خانہ علویہ لائلپور	سن ندارد
106-	شاہ ولی اللہ	سید المرسلین	لاہور	1559ء
107-	شاہ ولی اللہ، مترجم محمد سرور	القول الجمیل	سندھ ساگر اکادمی لاہور	1981ء
108-	شاہ ولی اللہ، مترجم محمد سرور	سطعات	سندھ ساگر اکیڈمی لاہور	1964ء
109-	شاہ ولی اللہ، مترجم ساجد الرحمٰن	عقد الجید	قرآن محل بالمقابل مولوی مسافر خانہ کراچی	سن ندارد
110-	شاہ ولی اللہ، مترجم محمد سرور	فیوض الحرمین	سندھ ساگر اکیڈمی لاہور	سن ندارد

111-	شاہ ولی اللہ، مترجم عابد الرحمٰن کاندھلوی	فیوض الحرمین	محمد سعید اینڈ سنز قرآن محل کراچی	سن ندارد
112-	شاہ ولی اللہ، مترجم پیر کرم شاہ الازہری	قصیدہ اطیب النغم فی مدح السید العرب والعجم	ضیاء القرآن پبلیکیشنز لاہور	1985ء
113-	شاہ ولی اللہ	الفوز الکبیر	مکتبہ خیر کثیر آرام باغ کراچی	سن ندارد
114-	شاہ ولی اللہ، مترجم مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی	تاویل الاحادیث	شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدر آباد سندھ	1969ء
115-	شاہ ولی اللہ	مسویٰ، مصفیٰ، شروح موطا امام مالکؒ (دو جلدیں)	محمد علی کارخانہ اسلامی کتب خان محل کراچی	سن ندارد
116-	محمد ہادی حسین	زبان اور شاعری	لاہور	سن ندارد
117-		بائبل	لندن	1986ء
118-	منشی عبدالرحمان خان	اسلام اور انقلاب	عالمی ادارہ اشاعت علوم ملتان	دسمبر 1982ء
119-	عبدالغنی	اقبال اور عالمی ادب	کتب خانہ انجمن ترقی اردو دہلی	1982ء
120-	ڈاکٹر محمد ریاض	افکار اقبال	مقبول اکیڈمی لاہور	سن ندارد
121-	ابن ندیم مترجم اسحٰق بھٹی	الفہرست	اردو دائرہ معارف اسلامیہ لاہور	1990ء
122-	امام بخاریؒ مترجم، مولانا ظہور الباری	صحیح البخاری	کراچی	1985ء
123-	میشور دیال	عالم میں انتخاب دہلی	اردو اکادمی دہلی	فروری 1987ء
124-	سید حسن برنی	مقالات برنی	انجمن ترقی اردو پاکستان کراچی	1986ء
125-	مرزا سنگین بیگ، مرتبہ ڈاکٹر شریف حسین قاسمی	سیر المنازل	غالب انسٹی ٹیوٹ نئی دہلی	اگست 1982ء
126-	سید افتخار حسین شاہ	اقبال اور پیروی شبلی	لاہور	1983ء
127-	سید محفوظ علی بدایونی	نگارشات و مقالات		1974ء
128-	ڈاکٹر آغا افتخار حسین	قوموں کی شکست و زوال کے اسباب کا ایک مطالعہ	مجلس ترقی ادب کلب روڈ لاہور	1985ء
129-	حکیم محمد سعید (مرتبہ)	مقالات شام ہمدرد	ہمدرد اکیڈمی کراچی	1972ء
130-	شیخ بشیر احمد	ارتقاءات معاشیہ	لاہور	
131-	ڈاکٹر سید محمد عبداللہ (مرتبہ)	متعلقات خطبات اقبال	اقبال اکادمی پاکستان لاہور	1977ء
132-	مریم جمیلہ	اسلام ایک نظریہ ایک تحریک	لاہور	1969ء

(مترجم) آہو شاہ پوری			
133- ڈاکٹر تصور الحسن شارب	دلی کے بائیس خواجہ	حامد اینڈ کمپنی لاہور	سن ندارد
134- مرزا حیرت دہلوی	حیات طیبہ	اسلامی پبلشنگ کمپنی لاہور	سن ندارد
135- فقیر محمد جہلمی	حدائق الحنفیہ	لاہور	سن ندارد
136- عبدالقدوس ہاشمی (مرتب)	تقویم تاریخی	ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد	1987ء
137- عبدالصمد صارم	تاریخ التفسیر	مکتبہ معین الادب لاہور	1982ء
138- مولانا عبیداللہ سندھی	محمودیہ و عبیدیہ	لاہور	1968ء
مترجم، شیخ بشیر احمد			
139- امام بخاریؒ (مترجم)	الادب المفرد	دارالاشاعت کراچی	جون 1961ء
خلیل الرحمٰن نعمانی			
140- ڈاکٹر ڈی۔ ایس۔ رابنسن	مقدمہ فلسفہ حاضرہ	نفیس اکیڈمی، کراچی	اپریل 1987ء
(مترجم) ڈاکٹر میر ولی الدین			
141- ول ڈیوران	داستان فلسفہ	لاہور	1957ء
142- پروفیسر لطیف اللہ	تصوف اور سریت	ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور	1990ء
143- شیخ عبدالرحمٰن چشتی (مترجم)	مرآۃ الاسرار	صوفی فاؤنڈیشن لاہور	1982ء
کپتان واحد بخش سیال			
144- شیخ شہاب الدین سہروردیؒ	عوارف المعارف	لاہور	1962ء
مترجم رشید احمد			
145- سید احمد عروج قادری	اسلامی تصوف	یونیورسل بکس، لاہور	سن ندارد
146- پروفیسر شفیق الرحمان ہاشمی	اقبال کا تصور دین	فیروز سنز لاہور	سن ندارد
147- محمد طفیل (مدیر)	نقوش، اقبال نمبر	ادارہ فروغ اردو، لاہور	1977ء
148- علامہ شبلی نعمانی	تاریخ علم الکلام	اعظم گڑھ	1940ء
149- محمد عبداللہ قریشی	روح مکاتیب اقبال	لاہور	1977ء
150- مولانا عبیداللہ سندھی	الہام الرحمٰن فی تفسیر القرآن	ادارہ بیت الحکمت، کبیر والا	1977ء
(جامع) علامہ مولانا موسیٰ جار اللہ	(مترجم) مولانا عبدالرزاق، مولانا محمد قاسم		
مولانا عبیداللہ سندھی	القاء الرحمٰن فی تفسیر الہام الرحمٰن	بیت الحکمت، کراچی	
جامع) علامہ موسیٰ جار اللہ (مترجم) مولانا ابو العلاء محمد اسماعیل گودھروی			
151- مناظر احسن گیلانی	تذکرہ شاہ ولی اللہ	نفیس اکیڈمی کراچی	مئی 1983ء
152- مولانا محمد اسٰمعیل سلفی	تحریک آزادی فکر اور	لاہور	سن ندارد

	شاہ ولی اللہ کی تجدیدی مساعی		
153- سید صباح الدین	جدید فکر اسلامی کی تشکیل	لاہور	سن ندارد
عبدالرحمٰن	میں تصوف کا حصہ		
154- سید احمد دہلوی	فرہنگ آصفیہ	مکتبہ حسن سہیل لاہور	سن ندارد
155- علامہ جوہری	الصحاح فی اللغۃ والعلوم	دارالحضارۃ العربیہ بیروت	سن ندارد
156- مناظر احسن گیلانی	پاک و ہند میں مسلمانوں	مکتبہ رحمانیہ لاہور	سن ندارد
	کا نظام تعلیم و تربیت		
157- اعجاز احمد خان	تذکرہ علماء حق	مکہ پبلشنگ کمپنی لاہور	سن ندارد
158- محمد زاہد الحسینی	تذکرۃ المفسرین	دارالارشاد، اٹک	1401ھ
159- عطاء الرحمٰن قاسمی	الواح الصنادید	شاہ ولی اللہ اکیڈمی دہلی	1989ء
160- خلیق احمد نظامی	سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات	ادارہ ادبیات دہلی	1981ء
161- سید احمد شہید (مترجم) محمد اکرم صراط مستقیم		اسلامی اکیڈمی لاہور	سن ندارد
162- شیخ ابو نصر سراجؒ	کتاب اللمع فی التصوف	اسلامک بک فاؤنڈیشن لاہور	1984ء
(مترجم) اسرار بخاری			
163- حضرت خواجہ بندہ نواز	روح تصوف	آستانہ بکڈپو دہلی	سن ندارد
سید محمد گیسو درازؒ مترجم شبیر حسن چشتی			
164- عبدالصمد صارم الازہری	تاریخ تصوف	ادارہ علمیہ لاہور	1969ء

اردو رسائل

165- ماہنامہ فکر و نظر	نگران ڈاکٹر عبدالواحد ہالے پوتا	ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد	جولائی 1978ء
166- الولی	نیجر مجلس ادارت	شاہ ولی اللہ اکیڈمی	دسمبر 1979ء
	ڈاکٹر عبدالواحد ہالے پوتا	حیدر آباد سندھ	
167- " "	" "	" "	جولائی 1979ء
168- المعارف	صدر ڈاکٹر شیخ محمد اکرام،	ادارہ ثقافت اسلامیہ	ستمبر 1969ء
	مقالہ نگار محمد سرور	کلب روڈ لاہور	
169- " "	صدر شیخ محمد سعید	" "	مئی 1983ء
170- " "	" "	" "	ستمبر 1983ء
171- " "	" "	" "	اپریل 1983ء
172- " "	" "	" "	نومبر 1980ء

173- " "	مقالہ نگار ڈاکٹر ظہور احمد اظہر	" "	نومبر1973ء
174- " "	مقالہ نگار محمد بشیر	" "	فروری1978ء
175- " "	مقالہ نگار سید جمیل احمد رضوی	" "	مارچ1978ء
176- " "	مقالہ نگار محترمہ سروری رانا	" "	اکتوبر1975ء
177- " "	مقالہ نگار محمد اسحاق بھٹی	" "	نومبر1980ء
178- " "	ڈاکٹر زبید احمد مترجم شاہد حسین	" "	ستمبر1971ء
179- " "	مقالہ نگار قاری محمد عادل خان	" "	اگست1977ء
180- اقبال ریویو	مدیر بی اے ڈار، مقالہ نگار حکیم محمود احمد برکاتی	اقبال اکیڈمی پاکستان لاہور	جنوری1987ء
181 اورینٹنل کالج میگزین مقالہ نگار ڈاکٹر فضل محمود	مدیر ڈاکٹر سید عبداللہ	یونیورسٹی اورینٹنل کالج لاہور	مئی 1967ء
182- اقبال	مدیر میاں محمد شریف، مقالہ نگار خلیفہ عبدالحکیم	بزم اقبال کلب روڈ لاہور	اکتوبر1952ء

اردو انسائیکلوپیڈیا

183- مسلم شخصیات کا انسائیکلوپیڈیا	ایم ایس ناز	شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور	سن ندارد
184- اردو انسائیکلوپیڈیا	(نگران اعلیٰ) عبدالسلام	فیروز سنز لاہور	1968ء
185- اردو دائرہ معارف اسلامیہ	رئیس ادارہ ڈاکٹر سید محمد عبداللہ	دانشگاہ پنجاب لاہور	
" "	جلد 1/14	" "	1980ء
186- " "	جلد 2/16	" "	1978ء
187- " "	جلد 9	" "	1972ء
188- " "	جلد 11	" "	1975ء
189- " "	جلد 13	" "	1976ء
190- " "	جلد 21	" "	1987ء

English Books

The Manifesto of Islam, Dr. M. Rafi-ud-Din, Iqbal Academy, Karachi.

Some Aspects of religion and politics in India during the 13th century, Khalique Ahmed, New Delhi, 1961.

Religion and politics in Pak., Leonard Binder, California, 1963.

Ulema in Politics, Ishtiaque Hussain Qureshi, Karachi, 1972.

The Great revolution of 1857, Syed Mueen-ul-Haq, Karachi, 1968.

The Reconstruction of religious thoughts in Islam, Dr. M. Iqbal, Edited & Ennotated by M. Saeed, Institute of Islamic Culture, Lahore, 1986.

India's contribution to the study of Hadis Literature, Dr. Mr. M. Ishaque, translated by, Shahid Hussain, Institute of Islamic Culture, Lahore, 1977

India's contribution to the Arabic Literature, Dr. Zubaid Ahmed, Translated by, Shahid Hussain, Institute of Islamic Culture, Lahore, 1987.

Life of Shah Walli Allah, G.N.. Jalbani, Idara-i-Adbiat, Delhi,

Hundred Great Muslims, Jamil Ahmed, Feroze Sons, Lahore, 1984.

Oriental College Magazine, President, Dr. Syed Abdullah, Thesis by, Dr. Fazal Mahmood, University Oriental College, Lahore, May 1957

English Encyclopaedias

The Encyclopaedia Americana, Grolier Incorporated, U.S.A., 1980, Vol. 1, 2, 17, 21.

The World Book Encyclopaedia, World Book Childcraft International Inc., U.S.A., 1980, Vol. 5, 12, 15, 16.

The Cambridge Encyclopaedia of Knowledge, David Crystal, Sydney, 1988.

Encyclopaedia of World Art, Mcgraw-Hill Book Company Inc., New York, 1971, Vol. 7.

World Encyclopaedia of Social and political parties system, George E. Delury, Fets on Foil publications, New York, 1983, Vol. 1.

Encyclopaedia Asiatica, Edward Balfour, Cosmo Publications, New Delhi, 1982, Vol. 3.

Encyclopaedia of the III World, George Thomas, New York, 1982.

Casselles Encyclopaedia of World Literature, by, S. H. Steinberg, published by, William Morrow & Co., New York, 1973.
Larouse Encyclopaedia of Modern History, by, Mared Dunan, published by, Excalibar books, New York, 1981.
Concise Encyclopaedia of Arabic Civilization, by, Stephen & Nondy Ronart, published by D. Jambaton, Amsterdam, 1966.
International Encyclopaedia of the Social Sciences, by, Dawid, L. Sills, published by, The Macmillam Company & the Free Press, New York, 1988.

(230 Books)

Colliers Encyclopaedia, William D. Halsey, Macmilan Education Corporation, New York, 1979.
The 20th Century International Encyclopaedia, J. G. Ferguson Publishing Company, Chicago, U.S.A., 1978.
The New Hutchinson 20th Century Encyclopaedia, E. M. Horsley, Hustchinson & Company, London, 1977.
Funk & Wagnalls New Encyclopaedia, Leon L. Bram, Street Corporation, new York.
Histroia Religionum, C. Jouco Bleeker, E. J. Brill Netherlands, 1971, Vol. II.
Mohammad Encyclopaedia of Seerah, Afzal-ur-Rehman, London, 1984.
The Encyclopaedia Britannica, Encyclopaedia Britannica, U.S.A., 1981.
Princeton Encyclopaedia of poetry & poetic, Alex Preminger, Princeton University Press, Princeton, New Jersey, U.S.A., 1974.
Everymans Encyclopaedia, D. A. Girling, J. M. Dent & Sons Ltd. London, 1978, Vol. I
An Encyclopaedia of World History, William L. Langer, Houghton Mifflin Company Boston, 1972.
Great Books of the Western World, Robert Maynard, London, 1978.
Encyclopaedia of Esoteric Man, Benjamin Walker, Routledge & Kegan Paul, London, 1977.
Encyclopaedia of Islam (new Edition), C. E. Bosworth, E. Van Donzel, B. Lewis, Ch. Pellat, published by, E. J. Brill, Leiden, The Netherlands, 1986.
Encyclopaedia of Philosophy, Paul Edwards, published by, Macmillan publishing Co., New York, 1972.
Encyclopaedia International, Lexicon Publications, New York, 1982.
The Encyclopaedia Dictionary of Psychology, Rom Hawe, England, 1983.
Encyclopaedia of Religion & Ethics, James Hastings, New York
A Study of History, Arnold Toynbee, Oxford, 1979.
Encyclopaedia of knowledge, Macdonald Educational Ltd., Barcelona, 1984.
Concise Encyclopaedia of Psychology, by, Raymond J. Corsini, Published by John Willy & Sons, New York, 1987.
Encyclopaedia of Biothics, by Warren T. Reich, New York, 1978.
Knowledge Encyclopaedia, by, John Paton, New York, 1981.

اسلامی نعتیہ شاعری اور شاہ ولی اللہ

صفحات 229	قیمت 70 روپے
عمدہ کاغذ	اعلیٰ طباعت
خوبصورت ٹائیٹل	مئولف: پروفیسر محمد شعیب

اسلامی نعتیہ شاعری پر عمدہ کتاب ہے جس میں مئولف نے بڑی محنت اور جانفشانی کے ساتھ موضوع کا احاطہ کیا ہے کتاب میں شعروشاعری کا ارتقاء' عربی شاعری کا تدریجی ارتقاء' مذہب اور شاعری' اسلام میں شاعری کا تصور' اسلام سے قبل شاعری' نعتیہ شاعری' نعت کا لغوی ومعنوی مفہوم' نعتیہ شاعری کا ارتقاء' مختلف شعراء کی نعتیہ شاعری نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بارے میں شاعری' علماء کی نعتیہ شاعری' فارسی میں نعتیہ کلام' غیر مسلم شعراء کا نعتیہ کلام' اردو میں نعتیہ شاعری' حضرت شاہ ولی اللہ کے حالات زندگی' شاہ ولی اللہ کی نعتیہ شاعری' قصیدہ اطیب النغم فی مدح سید العرب والعجم پر مشتمل عنوانات کے تحت نعتیہ شاعری کے ارتقاء' تسلسل' مذہبی پس منظر اور اہمیت کو محققانہ انداز میں اجاگر کیا ہے 167 عربی' فارسی' انگریزی اور اردو کتابوں کے مستند حوالہ جات کتاب میں موجود ہیں قدیم و جدید نعت گوئی کے چیدہ چیدہ نمونے شامل کیے گئے ہیں۔ نعتیہ شاعری کے جواز کو قرآن' حدیث' صحابہ کرامؓ' تابعینؒ' تبع تابعینؒ' فقہاءؒ' مفسرینؒ' محدثینؒ' علماء کرامؒ کے علم و عمل کے ذریعے غیر جانبدارانہ انداز میں ثابت کیا ہے نعتیہ شاعری کے عقید تمندوں کو ضرور مطالعہ کرنا چاہیے۔

شاہ عنایت قادریؒ اکیڈمی

نوری سٹریٹ نمبر A-1 بلال گنج لاہور

اسلام اور عیسائیت کی تعلیمات کا تقابلی جائزہ

صفحات 384	قیمت 90 روپے
عمدہ کاغذ	بہترین طباعت
خوبصورت سنہری مجلد	مئولف: پروفیسر محمد شعیب

ایم۔ اے اسلامیات کے امتحان کی تکمیل کے لئے لکھا گیا ایک تحقیقی مقالہ ہے جسے بورڈ آف اسلامک سٹڈیز' پنجاب یونیورسٹی کی باضابطہ اجازت کے ساتھ شائع کیا گیا ہے۔ مئولف نے بڑی عرق ریزی سے اسلام اور عیسائیت کی تعلیمات کا تقابل کیا ہے کتاب پانچ ابواب پر مشتمل ہے جن میں عیسائیت کا تاریخی ارتقاء' اناجیل اربعہ اور قرآن مجید کا تقابلی جائزہ' اسلام اور عیسائیت کی تعلیمات کا تقابل' سیرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور سیرت عیسیٰ علیہ السلام کا محتاط تقابل کیا ہے ان ابواب کے تحت سامی ادیان' حضرت آدمؑ' حضرت ادریسؑ' حضرت نوحؑ کی اولاد' یہودیت' یہودیت کا پس منظر' یہود کا مقدس دینی ادب' بائبل کے بارے میں محققین کی آراء' عیسائیت ومذہب کی تعریف' حضرت عیسیٰ علیہ السلام' حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم' اسلام' حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اصل تعلیمات' پہاڑی کا وعظ' رفع الی السماء کے بعد کی تعلیمات عیسائی فرقوں کا بیان' عیسائیت کے خاص عقائد' انجیل' حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی انجیل' اناجیل اربعہ کی تدوین' جمع وتدوین قرآن مجید' اناجیل اربعہ و قرآن مجید کا تقابلی جائزہ' اناجیل اربعہ میں تحریف کی داخلی شہادت' اناجیل اربعہ و قرآن مجید محققین کی نظر میں' عیسائی عقائد' تثلیث' ابنیت مسیح' کفارہ' رہبانیت' صلیب' طلاق' قصاص' شریعت کا اسلامی عقائد سے موازنہ' سیرۃ مسیح علیہ السلام اور سیرۃ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تقابل' اسلام کی عظمت وفوقیت دلائل وبراہین کی روشنی میں' کے تحت عنوانات پر محققانہ اور غیر جانبدارانہ بحث کی گئی ہے کتاب کا ہر صفحہ تاریخی اور مذہبی مستند کتابوں کے حوالہ جات سے مزین ہے۔ عیسائیت کے بارے میں معلومات عیسائی مصنفین کی کتب سے جمع کی گئی ہیں تقابل ادیان سے دلچسپی رکھنے والے حضرات کے لئے نادر تحفہ ہے۔

شاہ عنایت قادریؒ اکیڈمی

نوری سٹریٹ نمبر A-1 بلال گنج لاہور